تذکرہ علماءِ و مشائخ پاکستان و ہند

جلد چہارم

احوال علماء، مشائخ، مورخین، خطاطین، شعراء، سلاطین اور امراء

تالیف

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

Marfat.com

تذکرہ
علماء و مشائخ
پاکستان و ہند

جلد چہارم

احوال علماء، مشائخ، مورخین، خطاطین، شعراء، سلاطین اور امراء

تالیف

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور 37352795

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

297.9924
ت 609
17/209

کتاب	تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند
جلد	چہارم
مؤلف	محمد اقبال مجددی
ناشر	چوہدری غلام رسول میاں جواد رسول، میاں شہزاد رسول
طبع چہارم	2020ء
قیمت	/= روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941
0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

150%

Marfat.com

انتساب

میدانِ تحقیق کے ان شہسواروں کے نام
جن کی اتباع میرے نصیب میں ہوئی

مسکین
محمد اقبال مجددی

Marfat.com

فہرست مندرجات

آغازِ کار ۸

علماء و مشائخ ۹

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی اور لطائف اشرفی ۱۱

سید من اللہ حسینی اور تبصرۃ الخوارقات ۱۹

حضرت محمد عبداللہ ملقب بہ خواجہ خُرد ۲۳

حضرت خواجہ معصوم سرہندی کا رسالہ

دراز کاریوی ولیلی ۶۱

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری ۹۶

حضرت شیخ محترم نقشبندی لاہوری ۸۳

مولانا جامی لاہوری ۹۰

حضرت شیخ صبغۃ اللہ سرہندی ۹۹

حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی ۱۰۳

حضرت مروج الشریعۃ شیخ محمد عبیداللہ ۱۰۷

حضرت خواجہ محمد اشرف ۱۱۰

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی ۱۱۲

حضرت شیخ محمد صدیق سرہندی ۱۱۴

علامہ محمد فرخ مجددی ۱۱۶

قاضی شیخ محمد فضل اللہ سرہندی ۱۲۶

شیخ عبداللطیف سرہندی ۱۲۸

شیخ خلیل اللہ سرہندی ۱۳۰

خواجہ محمد حنیف کابلی ۱۳۲

خواجہ محمد صدیق پشاوری ۱۳۴

مرزا امان اللہ برہانپوری ۱۳۷

شیخ ابوالمظفر برہانپوری ۱۳۸

شیخ محمد علیم جلال آبادی ۱۴۰

مفتی محمد باقر لاہوری ۱۴۲

مرزا عبیداللہ بیگ داراشکوہی ۱۵۶

ملا حسن علی پشاوری ۱۵۷

ملا موسیٰ بھٹی کوٹی ۱۵۸

ملا بدرالدین سلطانپوری ۱۶۰

حافظ عبدالکریم توہانی ۱۶۲

شیخ بایزید سہارنپوری ۱۶۳

حاجی حبیب اللہ بخاری حصاری ۱۶۵

شیخ محمد مراد معصومی بخاری ۱۶۷

شجرۂ نسب اولاد شیخ محمد مراد معصومی ۱۸۴

مخدوم آدم ٹھٹھوی ۱۸۷

Marfat.com

سید یوسف گردیزی ملتانی ۱۸۹
میر سید شرف الدین حسین لاہوری ۱۹۵
شیخ انور نور سرائی ۱۹۸
شیخ حسین منصور جالندھری ۲۰۱
اخوند سجاول سرہندی ۲۰۳
میر رفعت بیگ گرزدار ۲۰۷
شیخ پیر دہلوی ۲۰۹
شاہ حسین عشاق اورنگ آبادی ۲۱۲
خواجہ عبدالصمد کابلی ۲۱۳
شیخ عبدالکریم کابلی ۲۱۵
شیخ قاسم کابلی ۲۱۷
ملا محمد امین حافظ آبادی ۲۱۸
شیخ عطاء اللہ سورتی ۲۱۹
شیخ نور محمد سورتی ۲۲۰
حافظ محسن سیالکوٹی ۲۲۱
خواجہ محمد شریف بخاری وخواجہ عبداللطیف ۲۲۳
صوفی پایندہ محمد کابلی وملا پایندہ محمد کابلی ۲۲۵
صوفی عبدالرؤف کابلی ۲۲۹
میر عرب ماہ ۲۲۹
صوفی سعد اللہ کابلی ۲۳۰
میاں شیخ عبدالخالق ۲۳۰
حاجی امان اللہ لاہوری ۲۳۱
شیخ محمد فاروق لاہوری ۲۳۱
شیخ محمد عارف لاہوری ۲۳۲
مولانا محمد امین بخاری ثم پشاوری ۲۳۴
حاجی سلیم بلخی ۲۳۴
حاجی محمد عاشور بخاری ۲۳۵
حافظ صادق کابلی ۲۳۹
نذر بیگ سمرقندی ۲۴۱
میر غضنفر داراشکوہی ۲۴۱
مولانا محمد جان ورسکی ۲۴۲
خاندان میر عماد الحسینی ۲۴۴
حافظ محمد شریف لاہوری ۲۵۵
دیگر اصحاب ۲۵۷
شیخ محمد یار ملقب بہ خدا پرست خان ۲۵۸
قل احمد ترک ۲۵۹
نواب مکرم خان ۲۶۲
اخون عبدالسلام نقشبندی کشمیری ۲۶۹
سلسلۂ نقشبندیہ کے کشمیر پر اثرات ۲۷۹
حیات اخون عبدالسلام کشمیری کے مآخذ ۲۸۳

Marfat.com

شیخ شرف الدین زگیر کشمیری ۲۸۷
شیخ محمد موسیٰ خان دھبیدی ۲۹۷
حافظ محمد صدیق لاہوری
خطیب مسجد وزیر خان، لاہور ۳۰۷
سفر حج کے لئے جانشینی کا معاہدہ ۳۲۴
حافظ غلام محمد عرف امام گاموں ۳۶۹
شیخ عبدالوہاب جیلانی ۳۷۷
ملا سعید خان لاہوری ۳۷۹
مولانا محمد شہریار لاہوری ۳۸۱
شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری ۳۸۷
شیخ نظام الدین شکارپوری ۳۹۵
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۴۱۲
عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی ۴۴۳
شیخ گل محمد رومی اور مقامات گل محمدیہ ۴۴۵
حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ۴۵۲
حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ۴۸۳
حضرت شاہ محمد غوث لاہوری ۴۹۳
عاقل خان رازی ۴۹۵
منشی عبدالکریم قادری ۴۹۷
اویسیہ ۵۰۱

مورخین ۵۰۵

بایزید بیات ۵۰۷
جوہر آفتابچی ۵۱۵
ابوالفضل معموری ۵۱۹
احمد یادگار ۵۲۳
اسد خان لاری ۵۲۷
احمد کنبوہ ۵۲۹
امام الدین حسینی چشتی ۵۳۱
ابن خواجہ پشاوری ۵۳۴
اعزالدین محمد ۵۳۷
اسد انور ۵۳۸
منشی، مرزا مہدی خان استرآبادی ۵۳۹
محمد علی بن محمد صادق حسینی نجفی برہانپوری ۵۴۵
عباس شروانی اور باغ چار چمن ۵۴۹

شعراء و تذکرہ نگار ۵۵۵

تذکرہ مشائخ سیوستان اور اس کے مولف ۵۵۷
انجام، امیر خان ۵۶۱
احمد یار خان ٹونکی ۵۶۵

Marfat.com

احمد خان شیرانی ۵۶۹

حفیظ الدین احمد ۵۷۰

امراللہ الہ آبادی، امیر الدین احمد ۵۷۵

نواب علی ابراہیم خلیل اور خلاصۃ الکلام ۵۷۸

خطاطین ۵۸۵

محمد حسین کشمیری، زرین قلم ۵۸۷

ابراہیم فیضان، خوش نویس ۵۹۲

خواجہ ابراہیم حسین، خوش نویس ۵۹۴

ابراہیم فارسی، خوش نویس ۵۹۶

ابوالبرکات خان، خوش نویس ۵۹۸

ابوالبقا موسوی، خوش نویس ۶۰۱

حافظ ابراہیم، خوش نویس ۶۰۴

حافظ ابراہیم، خوش نویس ۶۰۶

سلاطین وامراء ۶۰۷

آرام شاہ ۶۰۹

حسن، شاہ ارُغون ۶۱۱

ابراہیم بَرید شاہ ۶۱۶

ابراہیم قلی قطب شاہ ۶۱۹

ابراہیم شرقی ۶۲۴

حیدر ملک شاہ کشمیری چاڈورا ۶۲۸

چک، خاندان شاہانِ کشمیر ۶۳۲

الیاس شاہیان ۶۳۶

حُسین شاہیانِ بنگال ۶۴۱

آلِ لنگاہ ۶۴۵

تالپور، سلسلۂ سلاطین سندھ ۶۴۸

ابدالیان ۶۵۳

خان جہان لودھی ۶۵۷

اختر، واجد علی شاہ ۶۶۱

بخت خان، محمد بخش ۶۶۹

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ کار

۲۰۱۳ءکوتذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند کی پہلی دوجلدیں پروگریسو بکس، لاہور سے شائع ہوئیں اور اس کی تیسری جلد چھ سال کی تاخیر سے ۲۰۱۹ءکواسی ناشر کی عنایت سے طبع ہوئی، رب کریم نے ان مجلدات کوغیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی۔

اب اس کی چوتھی جلد اس کے اگلے سال اشاعت پذیر ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ عنداللہ مقبول ہو، آمین

اس جلد میں علماء، صوفیہ، مورخین، خطاطین، شعراء، سلاطین اور امراء کے مختصر حالات جمع کیے گئے ہیں، ان جلدوں میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ صاحب تصنیف حضرات کے احوال ہی تحریر کیے جائیں، یا جن کے معاشرت پر گہرے علمی وروحانی اثرات مرتب ہوئے ہوں، کی خدمات سے روشناس کروایا جائے۔

ان مجلدات کے درمیان اشاعت کی تاخیر کا بڑا سبب دیگر علمی وتحقیقی مصروفیات رہی ہیں، ورنہ ۲۰۱۰ء کی متقاعدت کے بعد توشب وروز محض طالب علمانہ مطالعہ اور تالیفات ومرتبات کے لئے مواد کی جمع آوری میں ہی صرف ہورہے ہیں، جب تک زندگی ہے، آخری سانس تک یہی شغل جاری رکھنے کی دعا ہے۔

عاجز نے اپنے معاصر بزرگوں کے خودنوشت حالات پر ایک کتاب مآثر المعاصرین اور جن اصحاب کے ساتھ ملاقاتیں رہی تھیں کے احوال پر تذکرہ مردم دیدہ کے نام سے بھی ایک کتاب مرتب کی ہے، یہ دونوں کتابیں پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۲۰ءکوشائع ہوچکی ہیں، ان کو ہمارے تذکرہ علماء ومشائخ کا ذیل تصور کیا جائے۔

عاجز

محمد اقبال مجددی

۱۵ر ستمبر ۲۰۲۰ء

Marfat.com

علماء ومشائخ

Marfat.com

Marfat.com

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی اور لطائف اشرفی

یہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی (ف ۸۰۸ھ) کے حالات و مناقب کا مجموعہ ہے جو ان کے حینِ حیات مرتب کیا گیا اور اس میں ہندوستان کے دیگر صوفیہ کے حالات بھی شامل ہیں، اس لئے یہ کتاب ہندوستان کے صوفیہ کے قدیم ترین تذکروں میں شمار ہوتی ہے۔

لطائف اشرفی کا پورا نام یوں ملتا ہے، ''لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی'' [۱] جو عام طور پر لطائف اشرفی کے نام سے مشہور ہے۔

اس کتاب کو صاحب ملفوظات ہذا حضرت سید اشرف کے مرید و خلیفہ نظام الدین یمنی نے مرتب کیا، انہوں نے اپنا نام غریب یمنی بھی لکھا ہے، لطائف اشرفی میں ان کے بارے میں صرف اس قدر اطلاع ملتی ہے کہ آپ کی ملاقات حضرت سید اشرف سے یمن میں ۷۵۰ھ میں ہوئی اور اسی وقت سے وہ آپ کے ساتھ رہنے لگے، [۲] یہاں تک کہ تیس (۳۰) سال کا عرصہ مسلسل آپ کی معیت میں گذرا، یمنی کو فارسی اور عربی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی، لطائف کے بعض ابواب اور تمہید ان ہی کی تصنیف ہیں، یہ فارسی کے خوش گو شاعر بھی تھے، ان کے متعدد اشعار لطائف میں موجود ہیں۔

خود لکھتے ہیں:

"مدتی مدید و عهد بعید قریب سی سال در طریق قدیم و سبیل مستقیم آنحضرت در ملازمت معتکفان آستانه ارادت و ملازمان جناب مودت هم کاسه سگان او می بودم" [۳]

۱۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، جلد اول، مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۸ھ ص ۲

۲۔ ایضاً ۲/۳۸۱ ۳۔ ایضاً

Marfat.com

اس تیس سال سے مراد غالباً ۷۵۰ھ سے ۷۸۰ھ تک کا زمانہ ہے جو مسلسل سفر میں گذرا، کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے بعد بھی اپنے مرشد کے ساتھ رہے تھے، لطائف صرف ۷۸۰ھ تک کے ملفوظات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کے بھی ملفوظ اس میں شامل ہیں۔

اس میں کچھ ابواب ایسے بھی ہیں جو حقیقت میں حضرت سید اشرف کے ملفوظ نہیں ہیں، اور آپ کی وفات کے بعد اضافہ کئے گئے ہیں لیکن یہ بھی آپ کے اقوال سے بالکل خالی نہیں بلکہ آپ کی بیماری اور وفات اور آپ کے چند مشہور خلفاء کے تذکروں پر مشتمل ہے۔[۱]

یہ کتاب ایک تمہیدی باب، مقدمہ اور ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جنہیں لطائف کا نام دیا گیا ہے، تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تتمہ بھی تھا، جو کتاب کے ساتھ اب موجود نہیں ہے۔

مکتوبات اشرفی، جو حضرت سید اشرف کے خطوط کا مجموعہ ہے سے پتہ چلتا ہے کہ لطائف اشرفی ۷۸۷ھ سے قبل وجود میں آچکی تھی اور آپ کے ملفوظات کی ترتیب مختلف لطائف کے تحت دے دی گئی تھی، اگر اس میں اضافہ آپ کی وفات کے بعد ہوتا رہا، کیونکہ ان خطوط میں لطائف اشرفی کا جگہ جگہ حوالہ ملتا ہے اور یہ خطوط ۷۸۷ھ کے بعد کے ہیں، ان خطوط میں مریدین کو تصوف کے مسائل میں لطائف اشرفی سے رجوع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

کتاب کی تدوین کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ پیش کرتا، اس کے بعد اس کے جواب میں حضرت سید اشرف جو کچھ ارشاد فرماتے نظام یمنی اس کو قلمبند کر لیتے اور حضرت سید اشرف کے سامنے پیش کر دیتے، آپ اس کی تصدیق فرما دیتے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیتے، اس طرح یہ کتاب آپ کی براہِ راست تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے، نظام یمنی لکھتے ہیں:

......آنچه قابل ضبط ذهن و حامل فکر این عتحن بود در قید کتابت آوزه بنظور اطلاع انظار مخدومی و بحضور استماع احضار معصومی گزرانیده و از اوّل تا آخر ورقاً بعد ورق گردانیده بلکه اکثر عین الفاظ الشریفه و اقوال صریحهٔ ایشان

۱۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، جلد اول، مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۸ھ ۲/۳۸۱

Marfat.com

بامضمون مقوله بنوك قلم رسانيده......

اس کتاب میں بنیادی طور پر تصوف کے مسائل پر بحث ہے لیکن ادبی اور تاریخی اعتبار سے بھی وہ خاص اہمیت کی حامل ہے، تصوف کے مسائل کی تشریح قرآن وحدیث کی روشنی میں کی گئی ہے، اپنے نظریات کی تائید میں حضرت اشرف نے صوفیہ اور علماء کے اقوال بھی پیش کیے ہیں، نظریۂ وحدت الوجود کی پُرزور حمایت کی ہے، صوفیہ اور کچھ صوفی شعراء کے تذکروں پر مشتمل الگ الگ باب ہیں، دوابواب تصوّف کی اصطلاحات اور کچھ پیچیدہ صوفیانہ اشعار کی تشریح پر ہیں۔

اس کتاب سے امراء اور بادشاہوں سے حضرت اشرف کے تعلقات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اس کتاب کے مآخذ کی فہرست خاصی طویل ہے لیکن ان مآخذ سے بہت استفادہ کیا گیا ہے:

رسالۂ قشیریہ، عوارف المعارف، طبقات الصوفیہ از انصاری ہروی، کشف المحجوب، احیاء العلوم، فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ، ترجمۂ عوارف سے مراد مصباح الہدایہ ہے، چہل مجلس (ملفوظات شیخ علاء الدولہ سمنانی، جامع شیخ اقبال سیستانی)، العروہ از شیخ علاء الدولہ سمنانی، روض الریاحین فی حکایات الصالحین۔

اس کے علاوہ اس کتاب کے قابل توجہ نکات حسب ذیل ہیں:

(ا) تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں بادشاہوں کے فرائض اور ذمہ داریوں پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، جہاں اس طرح کے افکار سے صوفیہ قطعی بے اعتنائی برت رہے ہوں، حضرت اشرف کا خصوصیت سے اس طرف توجہ کرنا آپ کی فعال شخصیت کو ظاہر کرتا ہے، اس سلسلہ میں آپ کے ارشادات کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

> سلطنت کے امور میں رائے دینے کے لیے ایک مجلس مشاورت ہونی چاہیے جو ملک کے اصحاب رائے اور سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل ہو، مشورہ کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ عقلا کے مشورہ سے خیر ظاہر ہوجاتا ہے، کیوں کہ عقول انسانی میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے اور اختلاف رائے سے جو تدبر حاصل ہوتا ہے ان سے ان امور کی عقدہ کشائی ہوجاتی ہے، جہاں تلوار کام نہیں دیتی اور اگر رائے کی احتیاج نہ بھی ہوتب بھی عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ان کے

Marfat.com

سر برآوردہ لوگوں سے رائے لینا ضروری ہے۔"

طرز جہاں بانی میں حضرت سید اشرف کی رائے موجودہ جمہوریت کے منافی ہے، ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو مجلسِ مشاورت کی اکثریت کے ذریعہ طے شدہ رائے کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے، نظام یمنی لکھتے ہیں:

"بہت سے عقلا کا خیال ہے کہ مشاورت میں نقصان ہے کیوں کہ اس سے افشائے راز ہوتا ہے، حالانکہ یہ عین کتمان ہے کیونکہ اختلاف رائے کی موجودگی میں یہ کسی کو نہیں معلوم ہوسکتا کہ بادشاہ کس رائے پر عمل کرے گا۔"

چار چیزوں سے ملک میں فساد برپا ہوتا ہے:

اول: بادشاہ کی عیش پرستی سے۔

دوسرے: مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنے سے۔

تیسرے: مجرموں کو سزا دینے میں مبالغہ کرنے سے مثلاً ایک مجرم تازیانہ کا مستحق ہے لیکن اسے قتل کا حکم دے دیا جائے۔

چوتھے: رعایا پر مسلسل ظلم سے۔

اس کے بعد ترجمہ اردشیر بابکان سے یہ عبارت نقل کی ہے:

"لاملک الا بالرجال ولا رجال الا بالمال ولا مال الا بالعمارة ولا عمارة الا بالعدل ولا عدل الا بالسیاست"

بادشاہ کے روزمرہ کے مشاغل کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بادشاہ کو صبح کی نماز کے بعد دن چڑھے تک یادالٰہی میں مصروف رہنا چاہیے، پھر علماء اور صلحاء سے ملنا چاہیے اور ان سے عدل و احسان کے متعلق استفسار کرنا چاہیے، اس کے بعد وزراء اور ندماء کو باریابی کا حکم دینا چاہیے اور ان سے ان کے فرائض اور ملکی احوال کے بارے میں اطلاعات حاصل کرنا چاہیے، اس کے بعد اگر کسی دوسری مملکت کا کوئی امیر ملنا چاہتا ہو تو اُسے

Marfat.com

ملنے کی اجازت دینی چاہیے لیکن حتی الامکان اس سے بالمواجہ گفتگو نہیں کرنی چاہیے، بلکہ درمیان میں کوئی واسطہ ہونا چاہیے، بادشاہ کا سارا مال صرف رعایا کی بہبود کے لیے ہے، رعایا کی بہبودی میں ذرا بھی تساہلی نہیں کرنی چاہیے۔" [۱]

حضرت سید اشرف ایک صوفی کا بادشاہ اور امراء سے ملنا ضروری سمجھتے تھے، اپنے نظریہ کی حمایت مختلف دلائل سے پُرزور انداز میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ یا عادل ہوگا یا ظالم، اگر عادل ہوگا تو اس سے ملنا عین سعادت ہے، اگر ظالم ہے تو اس سے ملنا اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنا واجب ہے۔ [۲]

(۲) لطائف اشرفی بہت سی کتابوں کا ماخذ ہے، جن میں "نفحات الانس" خاص طور پر قابل ذکر ہے اور نفحات کا بیشتر حصہ بغیر کسی تبدیلی کے لطائفِ اشرفی کے مواد پر مشتمل ہے۔ [۳]

لطائف اشرفی (فارسی) پہلے نصرت المطابع، دہلی سے ۱۲۹۸ھ کو طبع ہوئی، پھر حلقۂ اشرفیہ، کراچی کی طرف سے عکسی صورت میں شائع کی گئی، اس کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں کراچی سے طبع ہوا تھا، ڈاکٹر سید وحید اشرف نے لطائف کا فارسی متن از سر نو مرتب کرنا شروع کیا، آپ اس کے صرف ۲۸۵ صفحات کی تصحیح کر سکے تھے کہ ان کی صحت جواب دے گئی اور وہ مزید کام نہ کر سکے، یہ حصہ مخدوم سید اشرف جہانگیر اکادمی، بڑودھا کہ سے ۲۰۱۰ء کو طبع ہوا تھا۔

حضرت سید اشرف جہانگیر کا سالِ وفات

(۳) لطائف اشرفی سے ایک اور اہم عقدہ حل ہوتا ہے اور وہ حضرت سید اشرف کے سالِ وفات کا ہے، لطائف کے مختلف نسخوں میں آپ کا سالِ وفات مختلف ہے یعنی ۷۹۲ھ، ۷۹۸ھ، ۸۰۸ھ اور ۸۴۰ھ،

۱۔ ایضاً ۲/۱۶۵۔۱۶۸ ۲۔۲/۱۰۸

۳۔ اس موضوع پر پروفیسر سید وحید اشرف نے بڑی تحقیق سے نفحات اور لطائف کا تقابلی مطالعہ کر کے ثابت کیا ہے کہ لطائف کے بہت سے حصے بغیر حوالہ اور تغیر قلیل کے نفحات میں منقول ہیں، لطائف، نفحات سے ایک سو سال پہلے کی تصنیف ہے، ملاحظہ ہو، وحید اشرف: نفحات الانس پر تحقیقی نظر، معارف، جنوری، فروری ۱۹۶۶ء

Marfat.com

اس صدی کے تمام تذکرہ نویس ۸۰۸ھ پر متفق ہیں۔

لیکن لطائف اشرفی اور مکتوباتِ اشرفی کے مختلف مندرجات خود ہی ان سنین کی تردید کرتے ہیں، لطائف اشرفی اور مکتوباتِ اشرفی دونوں میں آپ کے سفر گلبرگہ اور خانقاہ حضرت سید محمد گیسودراز میں قیام کا ذکر ملتا ہے، [1] سید حمید الدین کے نام ایک خط میں حضرت سید اشرف لکھتے ہیں:

"ازاں جملہ سادات گیسو دراز اند...... بغایت عالی شان کہ تصانیف رایقہ و تالیفات لایقہ از آنحضرت سربرزدہ اند، سیر اخر التصنیفاتِ حضرت میراست...... در سیرنخستین کہ بجانب میرشدہ ملازمت حضرت میر بدلخواہ شدہ در سیرثانی بحضرت شاہ یداللہ و شاہ صفی اللہ ملازمت و شرف یافتہ" [2]

اس بیان سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(الف) حضرت سید اشرف نے گلبرگہ کا سفر اس وقت کیا جبکہ حضرت گیسودراز گلبرگہ میں مقیم ہو چکے تھے یعنی ۸۰۴ھ کے بعد

(ب) اس وقت حضرت گیسودراز اپنی کتاب سیر النبی ﷺ تصنیف کر چکے تھے، جو ۸۱۰ھ کے بعد مکمل ہوئی، اس لیے آپ کا پہلا سفر دکن ۸۱۰ھ کے بعد ہوا ہوگا۔

(ج) گلبرگہ کے دوسرے سفر میں حضرت گیسودراز کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے بلکہ آپ کے پوتے شاہ یداللہ اور شاہ صفی اللہ کا ذکر ملتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا یہ دوسرا سفر حضرت گیسودراز کی وفات ۸۲۵ھ کے بعد ہوا ہوگا۔

نیز لطائف اشرفی میں حضرت خواجہ گیسودراز کا سالِ وفات بھی موجود ہے۔ [3]

جس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت اشرف، خواجہ گیسودراز کی وفات (۸۲۵ھ) کے بعد بھی بقید حیات تھے۔ [4]

۱۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی ۳۶۷/۱ ۲۔ مکتوباتِ اشرفی نمبر ۳۲

۳۔ نظام غریب، لطائف اشرفی، ۳۶۷/۱

۴۔ وحید اشرف سید: "تاریخ پیدائش ووفات حضرت سید اشرف جہانگیری سمنانی" معارف، مارچ ۱۹۶۶ء، ۲۱۸۔۲۲۴

Marfat.com

(۴) حضرت سید اشرف نے اپنی طویل سیاحت میں بلند پایہ عالموں اور بزرگوں سے ملاقاتیں اور علمی مسائل پر اہم بحثیں کیں، پرانے بزرگوں کے حالات معتبر ذرائع سے حاصل کیے اور معاصرین کی ملاقاتوں کی تفصیل درج کردی۔

(۵) شعروادب کے اعتبار سے بھی اس کتاب کا پایہ کافی بلند ہے، اس میں ایک باب تو شعراء ہی کے تذکرے پر مشتمل ہے، جس میں رودکی، سنائی، عطار، سعدی، عراقی، امیر حسینی، اوحدی اصفہانی، خاقانی، نظامی گنجوی، کمال خجندی، مغربی، امیر خسرو، حسن سجزی اور حافظ شیرازی کے حالات پائے جاتے ہیں، آٹھویں صدی ہجری کی تحریر ہونے کی وجہ سے اس کو دولت شاہ سمرقندی کے تذکرہ پر تقدم زمانی حاصل ہے۔
نیز مولانا روم کے متعلق اس میں اہم روایات ملتی ہیں اور حافظ شیرازی سے متعلق اہم ترین معاصرانہ روایات درج ہیں، حضرت اشرف اور حافظ کے مابین ملاقاتوں کا حال بھی اس میں درج ہے، جو نہایت دلچسپ اور نئے ابواب وا کرتا ہے۔[۱]

مکتوباتِ اشرفی

لطائفِ اشرفی کے علاوہ حضرت اشرف کے مکتوبات بھی مدون و مرتب ہو چکے تھے، ابتدائی خطوط لطائفِ اشرفی کے مرتب مولانا نظام غریب یمنی نے ۷۸۷ھ میں جمع کیے تھے، اس کی تاریخ ''مرقومات'' سے نکلتی ہے، اور اواخر زندگی کے خطوط حضرت اشرف کے دوسرے خلیفہ شیخ عبدالرزاق حسینی نے ۸۶۹ھ میں یکجا کیے، جس کی تاریخ ''مکتوبات'' سے نکلتی ہے۔
شیخ نظام الدین نے حضرت کی زندگی میں ان خطوط کو جمع کر دیا تھا، مگر عبدالرزاق نے ان کی وفات کے بعد یہ کام پورا کیا، لیکن خود حضرت نے ان کو اس کام پر مامور کر دیا تھا۔
پہلا مجموعہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا البتہ دوسرا مجموعہ ملتا ہے، یہ خطوط مشائخ وقت کے علاوہ امراء اور سلطان ابراہیم شرقی وغیرہ کے نام لکھے گئے تھے، ان مکاتیب کا طرز استدلال لطائف اشرفی سے بالکل ملتا ہے، مکتوبات کا مجموعہ مرتبہ شیخ عبدالرزاق کے متعدد نسخے مولف احقر کی نظر سے گزر چکے ہیں:

۱۔ نذیر احمد، ڈاکٹر: حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین مآخذ، فکر و نظر علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۰، ص ۶۶

Marfat.com

(۱) نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی

(۲) اس کا ایک حصہ مطبوعہ، مطبع دبدۂ احمدی، لکھنو ۱۳۰۹ھ

(۳) دونسخوں کا ذکر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے کیا ہے، [۱] ایک سبحان اللہ کے ذخیرہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں نمبر ۱۷/۲۹۷۰۷

(۴) دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہی میں لٹن، فارسی تصوف نمبر ۱۳۶

کراچی کے حلقۂ اشرفیہ کی طرف سے مکتوبات کا اردو ترجمہ بھی دو حصوں میں طبع ہوا تھا۔

۱۔ نذیر احمد، ڈاکٹر: حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین ماخذ، فکر ونظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۰ء ص ۸۴

Marfat.com

سید من اللہ حسینی اور
تبصرۃ الخوارقات

مجموعہ حالات وکرامات حضرت سید محمد گیسودراز بندہ نواز (ف ۸۲۵ھ) اس کے مصنف سید من اللہ بن سید علی اللہ محمد حسینی ہیں، اس کا سالِ تصنیف ۹۸۱ھ ہے۔

سید من اللہ حسینی، حضرت سید گیسودرازؒ کے ہم جد یعنی خواجہ گیسودرازؒ کی دوسری صاحبزادی بی بی بتول زوجہ حضرت سید سالار لاہوری کی اولاد میں ہیں، اس طرح مصنف کا خاندانِ خواجہ گیسودرازؒ سے دہرا رشتہ ہے، شجرہ اس طرح ہے:

سید من اللہ بن سید علی اللہ بن سید محمد بن سید شاہ علی اللہ بن سید محمد عرف سید محمود حسینی بن سید شاہ فضل اللہ حسینی بن سید علی برج العشاق بن سید جلال الدین برج الاولیاء بن حضرت سید علی۔

مصنف کے والد خواجہ محب اللہ ابوالحسن علی اللہ عرف سید بابو کی ولادت ۹۱۲ھ میں ہوئی، ان کے چار فرزند تھے، سب سے چھوٹے فرزند سید من اللہ کتاب ''تبصرۃ الخوارقات'' کے مصنف ہیں۔

مصنف کے حالاتِ زندگی معلوم نہیں ہیں، ان کی تصنیف سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کے مرید تھے، ان کا عقد بیدر کے مشہور قادری بزرگ مخدوم سید محمد ملتانی قادری کے پوتے، حضرت رفیع الدین بن مخدومی جی کی صاحبزادی خوانزام ہانی سے ہوا تھا، ۹۸۱ھ میں جبکہ انہوں نے کتاب ''تبصرۃ الخوارقات'' مرتب کی ہے، ان کے دو بچے ہو چکے ہیں، ایک لڑکا سید محمد اور ایک لڑکی بی بی منت اللہ، اس وقت مصنف کی عمر قریب تیس بتیس سال ہوگی۔

مصنف نے اپنی پوری زندگی بیدر ہی میں بسر کی اور انتقال بھی وہیں ہوا اور شاید بی بی منت اللہ (بنت شاہ ید اللہ حسینی) کی درگاہ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

مصنف نے یہ کتاب اپنے والد کے حکم سے صاحب سوانح کی وفات ۸۲۵ھ کے تقریباً ڈیڑھ سو سال

Marfat.com

کے بعد ۹۸۱ھ میں تصنیف کی، اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے متعلق آپ کے سن مبارک کے اعداد یعنی ۱۰۵ کی رعایت سے ایک سو پانچ روایتیں جمع کی ہیں، دوسرا حصہ جو پہلے حصے کا ضمیمہ ہے، اس میں خواجہ صاحب کی زندگی سے متعلق ضروری معلومات فراہم کرنے کے بعد آپ کے مریدوں اور خلفاء کی فہرست دی ہے، اس کے بعد آپ کی اولاد واخفاد کی اپنے زمانے تک تفصیل درج کی ہے، ان کی اولاد اتنی پھلی پھولی کہ مصنف کو اس کی تمام شاخوں کا علم نہیں ہوسکا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں تین طرح کی روایات جمع کی گئی ہیں، پہلی قسم وہ ہیں جو انہوں نے اپنے خاندان کے بزرگوں یا آپ مریدین سے سنیں، دوسری قسم ان روایات کی ہے جو انہوں نے خود حضرت خواجہ کی تصانیف سے نقل کی ہیں، تیسری قسم کی روایات ایسی ہیں، جو آپ کے سوانح پر لکھی ہوئی کتابوں یا ملفوظات کے مجموعوں سے منقول ہیں، یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر روایت کی ابتداء میں اپنا ماخذ بتادیا ہے اور اس کے لیے انہوں نے مخففات استعمال کیے ہیں، جن کی تفصیل انہوں نے کتاب کے آخر میں دے دی ہے، جو یہ ہیں:

س: مسموع، سنی ہوئی روایت	سم: اسمار الاسرار
خا: خاتمہ	دی: دیوان
جوا: جوامع الکلم	مح: محبت نامہ
مہ: ملفوظات شاہ من اللہ حسینی	سی: سیر محمدی

مو: مولود منظوم (ملفوظات منظوم خواجہ گیسودراز)، جامع ملک عثمان جعفر خلیفہ خواجہ گیسودرازؒ

تعجب ہے کہ صاحب ''تبصرۃ الخوارقات'' نے اس سلسلہ کی ایک اور اہم کتاب تاریخ حبیبی سے کیوں استفادہ نہیں کیا، اس کے مصنف مولانا عبدالعزیز بن شیر ملک بن محمد واعظی ہیں، انہوں نے یہ کتاب ۸۴۹ھ میں لکھی تھی، جوامع الکلم اور سیر محمدی کے بعد یہ اس سلسلہ میں اہم ماخذ ہے۔

کتاب ''تبصرۃ الخوارقات'' ابتدائی عادل شاہی دور کی فارسی کا ایک اچھا نمونہ ہے، قدیم اردو بولنے والے جب فارسی لکھتے تھے، تو ان کی فارسی کیسی ہوتی تھی، اس کتاب سے اس کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے،

Marfat.com

گویا دکنی فارسی ہے، اس کتاب سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اب فارسی لکھنے والے گھروں میں فارسی نہیں بولتے تھے بلکہ قدیم اردو یا دکنی بولتے تھے، اس قدیم اردو کے اثرات ان کی فارسی زبان پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

صاحب ''تبصرۃ الخوارقات'' اوسط علمی استعداد کے بزرگ معلوم ہوتے ہیں، غالباً انہوں نے بس یہی ایک کتاب تالیف کی تھی، انہیں تصنیف وتالیف کا بھی کوئی خاص سلیقہ نہیں۔

تاہم اس کتاب میں بعض ایسی روایات درج ہیں، جو اس سے پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں میں نہیں ملتیں، مثلاً عام طور پر حضرت خواجہ گیسو دراز کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے اپنے سن مبارک کے اعداد کے برابر یعنی (۱۰۵) کتابیں تصنیف فرمائیں، اس روایت کی کوئی سند نہیں ملتی، صاحب ''تبصرۃ الخوارقات'' واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک سو پچیس (۱۲۵) کتابیں تصنیف کیں، [1] اور تصنیف کا طریقہ یہ تھا کہ انہیں املا کرواتے تھے، کتاب کے تمام ہو جانے کے بعد آپ نے کبھی اس پر نظر ثانی نہیں فرمائی۔

اس طرح حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے خلفاء کی جو فہرست سیر محمدی یا تاریخ حبیبی میں درج ہے اس سے زیادہ مکمل فہرست ہمیں ''تبصرۃ الخوارقات'' میں ملتی ہے۔

ڈیڑھ سو سال کی مدت میں دکن میں حضرت گیسو درازؒ کا خاندان کافی وسیع ہو گیا تھا، آپ کی اولاد کا سلسلہ بہت پھیل گیا تھا، اب وقت آ چکا تھا کہ اس خاندان سے تعلق رکھنے والوں کا تذکرہ ایک جگہ مرتب ہو جائے، مولف نے اپنے زمانے تک کے ایسے تمام افراد کے نام اور ان کا نسب نامہ ''تبصرۃ الخوارقات'' کے ضمیمہ میں محفوظ کر دیا ہے، جو کسی نہ کسی طرح خواجہ گیسو دراز سے نسبی تعلق رکھتے تھے، یہ بہت بڑا کام تھا، بعد کے مصنفوں اور خاص طور پر تاریخ خاندان محمد یا تاریخ محمدی کے مصنف نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔

طباعت

سید مبارز الدین رفعت پروفیسر اردو و فارسی، مہارانی کالج، میسور نے اس کے متن کی تصحیح کی اور مع اردو ترجمہ بندہ نواز اکیڈیمی، حیدر آباد، دکن سے ۱۹۶۶ء سے شائع ہوئی، یہ مطبوعہ نسخہ مذکورہ نسخ نمبر ۳، ۴، ۵

ا۔ تبصرہ: ص ۳۹، مطبوعہ دکن ۱۹۶۶ء

Marfat.com

پرمبنی ہے، پروفیسر رفعت نے اس پر ایک مختصر مقدمہ بھی لکھا ہے، ہماری مندرجہ بالا تمام تر معلومات بہ تغیر قلیل اسی مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔

نسخ خطی

۱۔ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن

۲۔ کتب خانہ نواب سالار جنگ، حیدرآباد

۳۔ کتب خانہ روضتین، گلبرگہ

۴۔ کتب خانہ مولانا شیخ علاء الدین جنیدی

۵۔ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ، بیجاپور

۶۔ کتب خانہ مولانا سید انور حسین نفیس رقم، لاہور (نقل نسخہ آصفیہ نمبر ۱)

171209

Marfat.com

حضرت محمد عبداللہ ملقب بہ خواجہ خُرد

(۱۰۱۰ھ-۱۰۷۴ھ/۱۶۰۱-۱۶۶۳ء)

حضرت خواجہ باقی باللہ کے دوسرے فرزند حضرت محمد عبداللہ ملقب بہ خواجہ خُرد تھے، جو خواجہ کلاں کی ولادت کے چار ماہ بعد ۶ر رجب ۱۰۱۰ھ کو تولد ہوئے، حضرت خواجہ نے یہ قطعۂ تاریخ لکھا تھا:

گل شکری بو العجبی دست داد شکر ہندی گل ترک زاد
بلکہ ز کشمیر گلِ زعفران شد شکر آلودۂ ہندوستان
آمدہ پس در خم این تیرہ خم ماہِ رجب بود و صباح ششم [۱]

ان اشعار سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ فرزند ایسا گل شکر یعنی گلقند ہے، جس کی شکر ہند کی ہو اور پھول ترک کا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اس فرزند عالی قدر کی والدہ کشمیر کی تھیں اور پدر بزرگوار ترک تھے [۲] خواجہ خُرد، حضرت خواجہ کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطن سے تھے، جو مولانا حاجی محمد کشمیری کی نواسی تھیں، اس اعتبار سے آپ نے اپنے اس شعر میں اپنے فرزند کو گل شکر کہا اور دوسرے شعر میں کشمیر کے گل زعفران سے تشبیہ دی ہے۔

۲۔ تیسرے شعر کے دوسرے مصرعے سے خواجہ خُرد کی تاریخ ولادت یعنی ۶ر رجب بوقت صبح بتائی ہے یعنی ''ماہ رجب بود و صباح ششم'' پورے مصرع کے عدد جمع کریں تو ۱۰۱۰ھ بنتا ہے، یہ مادۂ تاریخ فن تاریخ گوئی کی بہترین اور عجب نوعیت کی مثال ہے۔

اب ان کے مفصل حالات ملاحظہ کیجئے:

۱۔ کلیات: ۲۴۸ اس قطعہ کے آٹھ اشعار ہیں ہم نے صرف تین نقل کئے ہیں۔

۲۔ مستفاد از مقدمہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی بر کلیات خواجہ باقی باللہ ص: ۱۲

Marfat.com

خواجہ خُرد حضرت خواجہ کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطن سے تھے، جو مولانا محمد کشمیری کی نواسی اور خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری (مولف کلمات الصادقین) کی بہن تھیں، ۱ خواجہ خُرد صورت، شباہت اور سیرت میں اپنے والد گرامی سے کامل مشابہت رکھتے تھے۔ ۲ خواجہ خُرد کی پرورش ان کی دادی یعنی والدہ محترمہ حضرت خواجہ نے کی، ۳ اس ابتدائی زندگی کے بعد ان کے ماموں خواجہ محمد صادق ہمدانی نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کر لی، ۴ جسے انہوں نے بطریق احسن انجام تک پہنچایا، ''زادالمعاد'' میں ہے کہ حضرت خواجہ کے ساتھ انہیں ازدواجی تعلق کے بعد خواجہ محمد صادق کا خانوادہ بھی حضرت خواجہ کے جوار میں رہنے لگا تھا، خواجہ خُرد کی ابتدائی تعلیم و تربیت خواجہ حسام الدین احمد کی نگرانی میں ہوئی، انہوں نے اس سرعت کے ساتھ تحصیل کی کہ دیگر طلبہ عرصہ دراز میں نہ کر سکیں، دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ ۵

خواجہ خُرد نے ابتداء میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے علوم ظاہری کی تحصیل کی تھی، ۶ مولانا شاکر محمد دہلوی (ف ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء) نواسہ شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی سے تفسیر بیضاوی پڑھی ۷ اور صرف گیارہ سال کی عمر میں مطول، تلویح اور ہدایہ بآسانی پڑھنے لگے تھے۔ ۸

اسی طرح شیخ سراج الدین لونی ۹ سے نزہۃ الارواح اور الغنیہ کے چند اسباق بھی پڑھے تھے۔ ۱۰ شیخ رفیع الدین محمد بن شیخ قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی سے ایامِ جوانی میں شرح لمعات کے کچھ اسباق پڑھے۔ ۱۱

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: زادالمعاد، تعلیقات: ۲/۲۷۸ ۲۔ زبدۃ المقامات: ۶۶

۳۔ زادالمعاد: ۲۶۰ ۴۔ ایضاً: ۲۸۲ ۵۔ ایضاً: ۳۱۱

۶۔ اسراریہ: ۱۲۸ ۷۔ ایضاً: ۱۳۵ ۸۔ زادالمعاد: ۳۱۲

۹۔ شیخ سراج الدین لونی، شیخ شرف الدین خاموش کے نبیرہ اور شیخ قطب عالم بن شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی کے مرید تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کے ساتھ بڑی موانست تھی، رمضان حضرت خواجہ کے ساتھ گزارتے تھے۔ (اسراریہ: ۲۱۷۔۲۱۸)

۱۰۔ اسراریہ: ۲۱۸ ۱۱۔ شاہ ولی اللہ: انفاس العارفین، ص: ۱۰

Marfat.com

خواجہ خُرد نے خود لکھا ہے کہ میرا پہلا لقاء صرف دو سال کی عمر میں اپنے والد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں ہوا، اس کے بعد چار پانچ سال کا تھا کہ حضرت خواجہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی ثم مکی سے شرف حاصل ہوا، ۱ اس سے بھی قبل جب دونوں بھائی اپنی ماؤں کی گود میں تھے تو حضرت خواجہ نے حضرت مجدد الف ثانی کو انہیں توجہ دینے کا حکم دیا، چنانچہ توجہ دی گئی، جس کے اثرات ظاہر ہوئے۔ ۲

خواجہ خُرد پندرہ سال کی عمر میں ہی علوم متداولہ پر دسترس حاصل کر چکے تھے اور ان کی تدریس پر قادر ہو گئے تھے۔ ۳

اس دوران ان پر عجیب حالت طاری ہوئی اور روحانی کتب کے مطالعہ کی طرف راغب ہوئے، سترہ سال کی عمر میں کتب تصوف پر بھی عبور ہو گیا اور اس کے دقیق مسائل پر بحث کر کے انہیں حل کرنے لگے۔ ۴

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں خواجہ حسام الدین احمد سے رخصت واجازت لے کر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضری کے لئے سرہند روانہ ہوئے، وہاں ایک مدت تک مقیم رہے، ۵ خواجہ خُرد کے ملفوظات میں ہے کہ جب میں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی پڑھے تو آپ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ۶

معاصر تذکرہ نویس خواجہ محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ خواجہ خُرد کئی مرتبہ دیوانہ وار دہلی سے پیدل اور سوار حضرت مجدد الف ثانی کے آستانہ پر سرہند حاضر ہوئے اور قیام کیا، حضرت کی خاص توجہات اور الطاف سے نوازے گئے، روحانی فیض کے ساتھ آپ نے حضرت کی خدمت میں ظاہری علوم کی تکمیل بھی کی، شرح مواقف اور بعض رسائلِ صوفیہ بھی پڑھے، حضرت کے خاص علوم واسرار سے بھی بہرہ ور ہوئے، ایک بار حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ خُرد کے بارے میں فرمایا:

''وہ محمدی مشرب ہیں اور محبوبوں میں سے ہیں، وہ نسبت توحید کے مغلوبوں میں سے ہیں، آزادگی اور تفرید والوں میں سے ہیں۔''

۱۔ فوائح (عربی): ۵۲: ۵۳
۲۔ مکتوبات: ۱/ ۲۶۶/ ۲۶۳
۳۔ زاد المعاد: ۳۱۳
۴۔ ایضاً:
۵۔ تذکرہ خواجہ باقی باللہ ۷۲
۶۔ ایضاً ۷۲

Marfat.com

ایک بار حضرت مجدد الف ثانی نے پھر فرمایا:

اگر ہمارے یہ خواجہ زادے اپنے کمالِ وسعت مشرب اور بے تقیدی و بے تعینی کی وجہ سے شوریدہ حال نہ ہوتے تو میں انہیں تعلیمِ طریقت کی اجازت دے دیتا کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی بجائے سجادہ نشین ہوتے اور طالبوں کو مستفید کرتے۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ صاحبزادہ بہت زیادہ آزاد طبع اور نسبت وجودی سے مغلوب ہیں، سرود نغمہ سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں، اکثر شوریدہ حالی اور بے فکری کی حالت میں آنکھیں سامنے اٹھائے ٹیڑھی ٹوپی لئے ہوئے کوچوں اور بیابانوں میں پھرتے ہیں اور پرسوز اشعار پڑھتے ہیں، گرم و سرد آہیں بھرتے ہیں، وہ شعر بھی کہتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے نام شیخ احمد سرہندی کی مناسبت سے اپنا تخلص احمدی رکھا ہے۔ [۱]

ایک اور معاصر تذکرہ نگار مولانا بدرالدین سرہندی نے بھی اسی قسم کے امور خواجہ خُرد کے متعلق لکھے ہیں، ایک مقام پر وضاحت کی ہے کہ ہمارے حضرت مجدد الف ثانی اس خواجہ زادہ کی وسعتِ مشرب سے ہمیشہ ہراساں رہتے تھے کہ اس تعین کے ساتھ اپنے والد گرامی کی مسند ارشاد پر بیٹھ سکیں گے یا نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک دو طالبوں کو حضرت کے حکم کی تعمیل میں طریقہ کی تعلیم دی اور وہ وارفتگی کے باعث اس امر کی پابندی نہ کر سکے۔ [۲]

لیکن حضرات القدس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ خُرد کو خلافت و اجازتِ ارشاد عنایت کی تھی۔ [۳]

اس کے بعد ۲۴ رسال کی عمر میں خواجہ خُرد حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت لاہور میں مقیم ہیں، خواجہ خُرد نے آپ کے ساتھ چھ سات ماہ تک لاہور میں قیام کیا اور بہرہ ور ہوئے۔ [۴]

۱۔ زبدۃ المقامات: ۶۷۔۶۸ ۲۔ حضرات القدس: ۴۳۵/۱

۳۔ حضرات القدس: ۴۳۱/۱ خواجہ خُرد کے مرید خاص شیخ کمال محمد سنبھلی نے لکھا ہے کہ خواجہ خُرد کی دوسری حاضری سرہند کے دوران حضرت مجدد الف ثانی نے اجازت نامہ ارشاد اپنے دست مبارک سے لکھ کر خواجہ خُرد کو دیا تھا۔ (اسراریہ:۲)

۴۔ زاد المعاد: ۳۱۲

Marfat.com

یہاں سے حضرت مجدد الف ثانی کے قیامِ لاہور کا قیاسی سنہ [1] ۱۰۳۳ھ فرض کیا جاسکتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے آخری سنینِ حیات کے دوران لاہور میں اتنے طویل قیام کا ذکر آپ کے معاصر تذکروں میں نہیں ملتا، حضرت خواجہ محمد معصوم نے بھی آپ کے قیامِ لاہور کا ذکر فرمایا ہے، [2] جو غالباً انہی ایام کا ہوسکتا ہے، [3] اس سے قبل حضرت خواجہ معصوم کی لاہور میں شادی کے سلسلہ میں آپ کے لاہور میں طویل قیام کا تذکرہ ملتا ہے۔[4]

گویا خواجہ خُرد کی حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں یہ آخری حاضری تھی کیوں کہ اس کے چند ماہ بعد ہی حضرت کا ۲۸ رصفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو وصال ہوگیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے کئی مکاتیب خواجہ خُرد کے نام ہیں اور بعض میں ان کے بارے میں اہم روحانی معلومات ملتی ہیں، جن میں سے بعض نکات یہاں درج کیے جارہے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی کا پہلا مکتوب، [5] جو خواجہ خُرد اور خواجہ کلاں دونوں کے نام صادر ہوا ہے وہ بہت اہمیت رکھتا ہے، جس کا موضوع ''عقائدِ اہل سنت'' اور ان پر عمل کرنا ہے، اس دورِ الحاد میں بتایا ہے کہ ایک مسلمان کس طرح اپنے عقائد صحیحہ پر عمل کر کے اپنی فکری زندگی بچا سکتا ہے، یہ طویل مکتوب دراصل ایک رسالہ عقائد ہے۔

ایک اور مکتوب [6] جس میں حضرت خواجہ کی وصیت کا ذکر ہے کہ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی سے فرمایا تھا کہ ''میرے بعد تم میرے فرزندوں کی تربیت کرنا'' [7]

۱۔ ولادت خواجہ خُرد ۱۰۱۰، عمر ۲۴ رسال = ۱۰۳۴ھ ۲۔ مکتوباتِ معصومیہ: ۱/ ۲۵

۳۔ مقاماتِ معصومی: ۴/ ۸۳ ۴۔ ایضاً: ۴/ ۸۴۔۸۶ اس پر ہمارے بعض تاملات کے لئے زاد المعاد پر تعلیقات (۲۶۱/ ۱۸۔۲۱) ملاحظہ کریں۔

۵۔ مکتوباتِ امام ربانی: ۱/ ۲۶۶/ ۴۶۱۔۴۹۴ ۶۔ مقاماتِ معصومی: ۴/ ۸۳

۷۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس مکتوب کا حوالہ دے کر خواجہ حسام الدین احمد کو لکھا ہے کہ مخدوم زادگان کے نام جو مکتوب ہم نے ارسال کیا ہے اس میں بتایا ہے کہ راہِ طریقت میں ذرا سا احداث و بدعت پیدا ہونے سے روحانیت کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔ (ایضاً: ۱/ ۲۶۷/ ۴۸۵)

Marfat.com

ایک اور مکتوب میں آپ نے مخدومزادگان کو سماع اور شعر خوانی بموقع محفل مولود سے منع فرمایا ہے۔ ۱

ایک خط میں خواجہ خُرد کو لکھا ہے کہ ''سب سے عمدہ کام روشن سنت کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے اور طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت بھی بیان کی ہے۔ ۲

ایک مکتوب میں خواجہ خُرد کے توحید اور عین الیقین کے بارے میں نسبتیں حاصل ہونے پر مبارک باد دیتے ہوئے لکھا ہے:

آپ نے لکھا ہے کہ ''توحید کی ابتداء کا ظہور ہونا شروع ہو گیا ہے'' یہ دولت آپ کو مبارک ہو اس کو ادب کے ساتھ قبول فرمائیں لیکن اس حال کے غلبہ میں آداب شرعیہ کی بہت زیادہ رعایت فرمائیں اور بندگی کے حقوق کما حقہ بجالائیں۔ ۳

اس مکتوب میں خواجہ خُرد کو توحید وجودی کے ذریعہ جو کچھ حاصل ہوا تھا حضرت نے اسے ''شعبدہ'' قرار دیا تھا، اب اس خط میں اس کے برطرف ہونے پر خوشی کا اظہار فرمایا ہے:

''اندراج یافتہ بود کہ بکرم حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آن شعبدہ ہا برطرف شدہ است'' ۴

اور علم الیقین کے حاصل ہونے کا بھی اثبات کیا ہے، دوسرے مکتوب میں اس امر پر شکایت فرمائی ہے کہ خواجہ خُرد اور خواجہ جمال الدین حسین (بن خواجہ حسام الدین احمد) سرہند کے قریب آ کر بھی مجھ سے ملنے نہیں آئے۔ ۵

خواجہ خُرد کے نام ایک مکتوب کا موضوع ہے بیان عدمیت ذات انسان وانعکاسِ ظلال اسماء وصفاتِ واجبی تعالیٰ۔ ۶

ایک اور خط کا موضوع ہے تمیز میان حقائق موہوم کہ عالم ست ومیان موجود حقیقی کی صانع عالم ست۔ ۷

۱۔ ایضاً: ۱/۲۷۳/۵۱۵
۲۔ ایضاً: ۲/۲۳/۵۸
۳۔ ایضاً: ۲/۳۵/۷۵
۴۔ ایضاً: ۲/۵۹/۱۶۹
۵۔ ایضاً: ۳/۵۶/۳۹۸
۶۔ ایضاً: ۳/۶۰۔۴۰۵
۷۔ ایضاً: ۳/۷۱/۴۲۴

Marfat.com

ایک مکتوب میں خواجہ خُرد کے توحید وجودی سے نکلنے کی کوشش اور ترقی کی طرف گامزن ہونے کا ذکر کیا ہے۔

جناب خواجہ عبداللہ (خواجہ خرد) رمضان المبارک سے پہلے دہلی تشریف لے گئے، اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ خواجہ نے یہاں کے قیام کے دوران بہت فوائد حاصل کئے اور اُن کے احوال میں بہت تبدیلی آگئی ہے اور توحید کے غلبے سے تنزیہہ کے دریا میں غوطے لگائے ہیں اور گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن کی طرف بلکہ باطن سے بطون کی طرف جارہے ہیں۔ [۱]

خواجہ خُرد نے بھی کئی خطوط حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں لکھے، جن میں سے صرف دو عریضے خواجہ محمد ہاشم کشمی نے نقل کئے ہیں، جن میں اپنی شوریدگی اور سرگردانی کا ذکر کر کے اس سے روحانی طور پر نکالنے کے لئے آپ سے درخواست کی گئی ہے۔ [۲]

خواجہ خُرد کے حضرت مجدد الف ثانی کے تینوں صاحبزادوں کے ساتھ بھی گہرے روحانی روابط تھے، حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی کے ساتھ خواجہ خرد کی مراسلت تھی، آپ کے تین مکاتیب [۳] خواجہ خُرد کے نام ہیں، اسی طرح خواجہ کے دو خطوط حضرت خواجہ محمد سعید کے نام موجود ہیں۔ [۴]

حضرت خواجہ محمد سعید سے بھی انہوں نے تقریباً وہی سوالات کئے ہیں جو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں کئے تھے، حضرت خواجہ نے ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں، آخری مکتوب میں لکھا ہے:

> آنحضرت (مجدد الف ثانی) در اکثر مکاتیب برمز و اشارہ بل بصریح و کنایہ ایں احقر راو سائر دوستان را دلالت بمشرب وحدت وجود بمعنی غیب اشیاء مرحق را سبحانہ می فرمایند و باہتمام بلیغ کمال را منحصر دراں می دارند [۵]

۱۔ ایضاً: ۵۵۷/۱۲۰/۳
۲۔ زبدۃ المقامات: ۶۸۔۶۹
۳۔ مکتوباتِ سعیدیہ، مکتوب نمبر: ۲۷، ۳۰، ۳۱
۴۔ ایضاً: ۳۳، ۶۰
۵۔ ایضاً: ۷۳/۳۱

Marfat.com

خواجہ خرد کو حضرت خواجہ محمد سعید سے سلسلہ قادریہ میں خلافت و اجازت حاصل تھی، حضرات مخدوم زادگان سرہند ۱۰۶۷ھ کو حج کے لئے جاتے ہوئے دہلی میں خانقاہِ حضرت خواجہ میں آئے، قیام کیا اور خواجہ خُرد سے خوب صحبت رہی، [۱] خواجہ خُرد کے ملفوظات میں بھی حضرت خواجہ محمد سعید سے سلسلہ قادریہ میں اجازت ملنے کا ذکر ہے۔ [۲]

اس طرح حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے ساتھ بھی خواجہ خرد کے مراسم تھے اور زادالمعاد کی معاصر روایت کے مطابق حضرت خواجہ محمد معصوم کے خواجہ خُرد کے نام مکاتیب بھی ہیں [۳] لیکن ہمیں مروجہ مکتوبات معصومیہ کی تینوں جلدوں میں اُن کے نام کا کوئی مکتوب نہیں مل سکا، اس لئے اس وقت تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ خواجہ خُرد نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے کہاں تک استفادہ کیا۔

ان کے علاوہ خواجہ خُرد کی تربیت حضرت خواجہ کے خلیفہ شیخ اللہ داد نے بھی کی تھی، انہوں نے اپنے وصال (۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء) کے وقت خواجہ خرد کو طلب کیا اور فرمایا کہ مجھے جو کچھ حضرت خواجہ سے روحانی طور پر ملا ہے وہ میں تمہیں دیتا ہوں اور اسی طرح حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے سلسلۂ قادریہ کے عطیات اور چشتی حضرات سے جو کچھ حاصل ہوا ہے میں وہ بھی تمہیں دیتا ہوں، انہوں نے خواجہ خُرد کو اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ بھی لکھ کر دیا تھا، [۴] خواجہ خُرد کے ملفوظات میں ہے کہ یہ اجازت حضرت مجدد الف ثانی کی اجازت کے بعد ملی۔ [۵]

خواجہ خُرد نے لکھا ہے کہ مجھے حافظ میر جلال الدین سمرقندی، سید زید ساڈھوری، شیخ موسیٰ، شیخ مرتضیٰ سنبھلی، شیخ عبدالغفور، شیخ رستم، میر سید احمد، شیخ الہدیہ انصاری، سید محمود (من اصحاب شیخ تاج الدین سنبھلی)، سید یحییٰ (من اصحاب شیخ اللہ بخش گڈمکتیسری) شیخ اللہ داد قادری (من اصحاب محدث بہلول قادری)، شیخ فتح محمد گجراتی (برہانپوری) شیخ اللہ یار (مرید شیخ تاج الدین) [۶] سے فیض ملا ہے۔

۱۔ اسراریہ: ۹۴ ۲۔ تذکرہ خواجہ باقی باللہ ص:۷۶ ۳۔ زادالمعاد: ۳۱۲

۴۔ اسراریہ: ۳۹۔۴۳ ہم نے زادالمعاد کی تعلیقات میں اس اجازت نامہ کا پورا متن دے دیا ہے۔

۵۔ تذکرہ خواجہ باقی باللہ، ملفوظات خواجہ خُرد ۶۔ بحرالحقائق ورق: ۱۰۵۔۱۰۶۔ا،ب

Marfat.com

اسی طرح خواجہ خُرد کے مربی وشیخ خواجہ حسام الدین احمد سے بھی انہیں اجازت حاصل تھی۔ ا

خواجہ خُرد نے اس وقت کے مروجہ نقلی و عقلی علوم کی خوب تحصیل کی تھی جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں شرح مواقف جیسی کتاب انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پڑھی تھی، اکابر علماء سے صحبت رہتی تھی، آپ کتب متداولہ کا درس نہایت حسن وخوبی سے دیتے تھے، ۲ خواجہ محمد صادق ہمدانی نے لکھا ہے:

''سائر علوم حکمی وکلامی وقوف تمام دارد'' ۳

اس عہد کے سب سے بڑے عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۶ء) کے ساتھ خواجہ خُرد کی صحبت رہتی تھی، جس میں حقائق ودقائق اور مطالب غامضہ زیر بحث آتے تھے، علامہ سیالکوٹی خواجہ خُرد کو قدوۃ المحققین کہتے اور فرماتے تھے، کہ میں ایران وتوران اور ہندوستان کے اہل علم ومعرفت سے ملا ہوں اور ان سے میری صحبت بھی رہی ہے لیکن جو''حالتی وصرافتی'' میں نے خواجہ خُرد میں دیکھی ہے کہیں اور نہیں پائی، فرماتے تھے کہ خواجہ خُرد مدتوں درس اور افادۂ علوم وفضائل میں مصروف رہے، اگر وہ درویشی کے حصول میں وقت صرف نہ کرتے تو بہت کم وقت میں ہندوستان کے علماء کا کارخانۂ مولویت برہم کر دیتے۔ ۴

حضرت شیخ آدم بنوڑی کے خلیفہ شیخ قاسم سہارنپوری ۵ کہتے تھے:

''اگر خواجہ خُرد مسند مشیخت پر توجہ دیتے تو ہمارا کاروبار شیخوخت ومشیخت کو دنیا میں کوئی رونق نہ ملتی۔ ۶

خواجہ خُرد کے بہت سے مریدین تھے، ابتداء میں جب حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں انہوں نے طالبوں پر توجہ کی تو وہ بے حال ہو گئے لیکن بعد میں یہ سلسلہ جاری ہو گیا، خواجہ خُرد سے بیعت ہونے والے

ا۔ بحر الحقائق: ۲ زاد المعاد کے لاحقہ دوم میں حضرت خواجہ حسام الدین احمد سے وابستگان میں سب سے پہلے خواجہ خُرد ہی کے حالات ہیں۔ ۲۔ زبدۃ المقامات: ۶۶

۳۔ طبقات شاہ جہانی: ۲۶/۱۰ ۴۔ اسراریہ: ۱۲۹

۵۔ شیخ قاسم سہارنپوری، حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے مشہور خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوڑی، جن سے لاکھوں مسلمان بیعت ہوئے، کے مشہور خلیفہ تھے، ان کے مختصر احوال اسراریہ: ۲۷۶ اور نتائج الحرمین ۱۰۴/۳۔ الف۔ب میں ملتے ہیں۔ ۶۔ اسراریہ: ۱۲۹

Marfat.com

چند افراد کے نام یہ ہیں:

(۱) شیخ محمد صادق فرید آبادی (۲) حافظ محمد صادق کشمیری (۳) حافظ مہر علی (۴) شیخ یحییٰ (۵) خواجہ محمد صدیق بن خواجہ محمد صادق ہمدانی (۶) شیخ عبدالحی برادر شیخ لطف اللہ (۷) شیخ محمد صالح بن ابراہیم سندھی (۸) سید قطب (۹) خواجہ جمال الدین حسین بن خواجہ حسام الدین احمد، خواجہ خُرد کے خلافت واجازت یافتہ تھے (۱۰) خواجہ سراج الدین محمد بن خواجہ حسام الدین احمد خواجہ خُرد کے شاگرد، مرید اور داماد تھے (۱۱) شیخ معظم سنبھلی (۱۲) سید قریش سنبھلی (۱۳) سید فیروز (۱۴) شیخ قائم بن شیخ طاہا (۱۵) میر عماد ہروی (۱۶) شیخ ضیاء بن محمد حافظ خیالی [۱] (۱۷) شیخ کمال محمد سنبھلی [۲] مولف اسراریہ وجمع الجمع وغیرہ (۱۸) شیخ عبدالواحد سنبھلی شاگرد (۱۹) شیخ حسن وشیخ حسین شاگردان (۲۰) سید غلام محمد پسروری شاگرد (۲۱) شیخ حسین نیلی (۲۲) شیخ ابوالرضا محمد [۳] (۲۳) شیخ غلام محمد امروہوی [۴] (۲۴) شیخ ابوالقاسم چشتی ردولوی۔

خواجہ خُرد بحیثیت شاعر

خواجہ خُرد کے والد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ شاعر تھے، اگرچہ وہ صرف دو سال کے تھے کہ حضرت کا وصال ہو گیا لیکن شاعری ان کے گھر کی روایت ضرور تھی۔

اس عہد کا ماحول روحانی، علمی اور ادبی تھا، پھر خواجہ خُرد کی دہلی میں جس خانقاہ میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی، اسے کئی لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس وقت کا شاید ہی کوئی عالم، ادیب یا شاعر ہو، جو خانقاہِ حضرتِ خواجہ میں نہ گیا ہو، ان اہل علم کی صحبت کا نتیجہ شاعری کی صورت میں برآمد ہوا۔

خواجہ خُرد کے مرید شیخ کمال محمد سنبھلی نے جو خود بھی پُرگو شاعر تھے، خانقاہِ حضرت خواجہ کی مجالسِ شعر و ادب کا اپنی کتاب ''اسراریہ'' میں جا بجا ذکر کیا ہے۔

۱۔ شیخ ضیاء الدین حسین بدخشی (ف ۱۰۷۴ھ) پنج ہزاری منصب دار تھے۔ (مآثر الامراء، نزہۃ الخواطر: ۸۲۱/۵)

۲۔ خواجہ خرد کے مریدین کے یہ نام کتاب اسراریہ سے ماخوذ ہیں، اس کے بالاستیعاب مطالعہ سے مزید نام بھی مل سکتے ہیں۔

۳۔ انفاس العارفین ص: ۱۰ ۴۔ نزہۃ الخواطر: ۳۰۱/۵، مکتوب الیہ حضرت مجدد ۱۱۷/۳

Marfat.com

شیخ کمال محمد سنبھلی نے ہی خواجہ خُرد کے کم سنی کے زمانہ کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں:

صوفیانند کہ می را بسحر نوش کنند ۔ نغمہ و مطرب نوخاستہ راگوش کنند

آتش سوختہ دل را بنظر سرد کنند ۔ آب سرمازدہ را ز آتش دل جوش کنند [۱]

گویا خواجہ خرد چھوٹی عمر سے ہی شاعری کی طرف میلان رکھتے تھے، پھر اکابر کی صحبت نے اس رحجان اور ذوق کو جلا بخشی اور وہ پختہ شاعر بن گئے۔

ہمیں معلوم نہیں ہے کہ ابتداء میں ان کا تخلص کیا تھا لیکن حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ عقیدت کے بعد آپ کے اسم گرامی شیخ احمد سرہندی کی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص احمدی رکھا۔ [۲]

سرہند میں جب حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں وہ زیرِ تربیت تھے تو آپ کے خلیفہ، سوانح نگار اور صاحبِ دیوان شاعر خواجہ محمد ہاشم کشمی کے ساتھ ان کی خوب ادبی صحبت رہتی تھی، ایک بار ان کو دیکھتے ہی خواجہ خُرد نے یہ شعر فی البدیہہ کہا:

گشت گلستان بہانہ ایست نگارا ۔ بوی تو آوارہ کردہ باد صبا را

پھر انہوں نے خواجہ کشمی سے کہا کہ تم بھی چند اشعار اسی زمین میں کہو تو انہوں نے دو شعر کہے، جو انہوں نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ [۳]

یقیناً خواجہ خُرد نے اپنا کوئی شعری مجموعہ کلیات یا دیوان کی صورت میں جمع کیا ہوگا، لیکن آج ہم اس کے وجود سے بے خبر ہیں، خواجہ خُرد ہندی بھی خوب جانتے تھے، ان کے مرید شیخ کمال محمد سنبھلی نے ان کے ساتھ کئی ایسے شعراء کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے، جن کا ہندی کلام سن کر وہ محظوظ ہوتے رہتے تھے۔ [۴]

لاہور میں ملا شاہ بدخشی جیسے مشہور شاعر اور آزاد خیال صوفی کے ساتھ ان کی طویل صحبتیں رہیں، [۵] اسی طرح ملا شاہ کے ایک مرید فانی کشمیری کے ساتھ بھی خواجہ خُرد کی مجالست کا ذکر ملتا ہے۔ [۶]

۱۔ اسراریہ: ۲۵۶ ۔ ۲۔ زبدۃ المقامات: ۶۷ ۔ ۳۔ ایضاً: ۶۷

۴۔ اسراریہ ۔ ۵۔ ایضاً ۔ ۶۔ زبدۃ المقامات: ۶۷

Marfat.com

اسی طرح نقشبندی سلسلہ کے معمول کے خلاف خانقاہِ دہلی میں مجالس سماع اور شعری محافل کے قیام پر حضرت مجدد الف ثانی کی تنبیہات کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اپنے والد گرامی کی طرح خواجہ خُرد کو تاریخ گوئی سے بھی خاص لگاؤ تھا، اسرار یہ میں کئی مشائخ کی وفات پر ان کے قطعاتِ تاریخ نقل کئے ہیں، ۱ جن سے ان کے اس فن سے گہری دلچسپی کا علم ہوتا ہے، خواجہ خُرد کے منظوم رسائل کا تعارف آپ کی تصانیف کے ذیل میں کروایا جائے گا۔

لیکن خواجہ خُرد تاحیات مدرس، صوفی اور عالم ہی کی حیثیت سے جانے گئے، انہوں نے خود بھی اہتمام سے شاعری نہیں کی، اسی وجہ سے شعراء کے تذکرہ نویسوں نے ان کا ذکر نہیں کیا، خواجہ خُرد کے ایک فرزند خواجہ بہاء الدین محمد بھی شاعر تھے اور ان کا تخلص شناسا تھا۔۲

خواجہ خُرد اور وحدت الوجود:

خواجہ خُرد، بزرگ ترین نقشبندی صوفی حضرت خواجہ باقی باللہ کے فرزند گرامی تھے لیکن اپنے مشائخ کی روش کے خلاف ان کا میلان تاحیات وحدت الوجود کی طرف رہا، ہم عرصہ دراز سے اس کے اسباب پر غور کر رہے تھے کہ خواجہ خُرد کے ایک مرید خاص، جو ان کے ہم عمر بھی تھے اور ان کے مریدین میں انہیں ان کا سب سے زیادہ قرب بھی حاصل تھا کی اس روایت نے اطمینان بخشا کہ خواجہ خُرد ابھی چھ ماہ کے تھے کہ انہیں حضرت خواجہ کی خدمت میں لایا گیا کہ ان کے لئے دعا کریں کہ وہ اپنے جدِ مادری ۳ یعقوب کی طرح دولت مند ہوں، حضرت خواجہ نے فرمایا: نہیں! نہیں! ہمارا یہ فرزند مولانا عبدالرحمٰن جامی کی طرح ہوگا:

۱۔ خواجہ خُرد نے اپنے بڑے بھائی خواجہ کلاں کی وفات پر جو قطعہ لکھا تھا وہ ہم ''زاد المعاد'' میں ان کے احوال میں نقل کر چکے ہیں، خواجہ خُرد کی ایک بیاضِ اشعار بھی تھی، جب میر عماد ہروی نے اپنا فارسی اور ہندی کلام سنایا تو خواجہ خُرد بہت محظوظ ہوئے اور اسے بیاض میں لکھ لیا، مولف اسرار یہ نے اس بیاض کو سفینہ کہا ہے۔ (اسرار یہ: ۴۲۵)

۲۔ مولف اسرار یہ نے ان کا نمونہ کلام بھی دیا ہے۔

۳۔ خواجہ خُرد کے جد مادری مولانا حاجی محمد کشمیری (ف ۱۰۰۶ھ) تھے یعنی خواجہ خُرد کی نانی مولانا کشمیری کی دختر تھیں، یہ یعقوب جو صاحبِ ثروت تھے یقیناً مولانا کشمیری کے والد یا دادا ہوں گے اور ان کا پیشہ تجارت تھا، خواجہ مولانا کشمیری تجارت کی غرض سے ہی کشمیر سے نکلے تھے۔ (تعلیقاتِ زاد المعاد: ۲۳۴/۱۶۔۲۰)

Marfat.com

''پوشیدہ نماند کہ ایں حالت (مائل بہ وحدت الوجود) شیخ مراازاں نظر خواجہ بیرنگ است کہ ایشاں فرمودہ اند کہ خواجہ مثل مولانا عبدالرحمٰن جامی خواہد شد'' ا

اس وقت سے ان میں برکات کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے، چونکہ مولانا جامی نظریاتی اعتبار سے وحدت الوجودی بزرگ تھے، ۲ اور حضرت خواجہ ایک صاحبِ لفظ ولی تھے، آپ کے اس فرمان کا اثر خواجہ خُرد پر ایسا ہوا کہ وہ وحدت الوجود کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکے، موصوف عرصہ تک حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں بھی رہے اور آپ کی کوشش کے باوجود یہ مخدوم زادے اپنی روش میں تبدیلی نہ کر سکے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی، جن کے ساتھ خانقاہ سرہند شریف میں خواجہ خُرد کی صحبت رہتی تھی نے لکھا ہے کہ خود حضرت مجدد الف ثانی فرماتے تھے کہ خواجہ خُرد نسبت توحید کے مغلوبوں میں سے ہیں اور آزادگی وتفرید والوں میں سے ہیں۔ ۳

مزید لکھا ہے:

خواجہ خُرد چونکہ نسبت توحیدی سے مغلوب ہیں اس لئے مظاہر جمیلہ کے نظارے سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ۴

لیکن دیگر وحدت الوجودی صوفیہ کی طرح وہ انتہا پسند نہ ہوئے اور ہندوستان میں وجودی صوفیہ اس نظریہ کو ہندی فلسفہ ویدانت کے ساتھ ملا کر ۹ سے وحدت ادیان کی طرف لے جا رہے تھے اور اس کی ایسی تاویلات کر رہے تھے، جس کی اسلامی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ا۔ اسراریہ: ۲۲۵ ۲۔ مولانا جامی نے شیخ اکبر ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کو اپنی نثر ونظم دونوں میں خوب ڈھالا ہے، ان کی نقد النصوص در شرح فصوص اور اشعۃ اللمعات اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، افکار ابن عربی مولانا جامی کی تصانیف کے بغیر سمجھنا دشوار ہیں، ان کی ''لوائح'' صوفیہ کے ہاں سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ (حکمت، علی اصغر: جامی ترجمہ سید عارف نوشاہی: ۲۶۴ و بہ بعد)

۳۔ زبدۃ المقامات: ۶۷

۴۔ ایضاً: ۶۷ مولفِ حضرات القدس نے بھی اسی قسم کے جملے لکھے ہیں۔ (۳۱۴/۱)

Marfat.com

اکبر بادشاہ، جو وحدت ادیان اور صلح کل کے لئے مثالوں کا متلاشی تھا، اسے ان نظریات سے خوب مدد ملی اور اسلام و ہندومت یعنی کفر کو ملانے کی ناکام کوشش کرتا رہا، جس میں صوفیہ خام نے اہم کردار ادا کیا۔

خواجہ خُرد کے وحدت الوجود پر اب تک جتنے نظریات سامنے آئے ہیں، ان سے اس قسم کا مفہوم کسی نظریہ سے بھی اخذ نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم نے ان کی تصانیف کے تحت مشہور وحدت الوجودی صوفی شاہ محب اللہ الہ آبادی کے رسالہ تسویہ کی تردیدی شرح کا تعارف کروایا ہے، سے بھی عیاں ہے کہ خواجہ خُرد مولانا جامی جیسے نظریہ کے مالک تھے، شیخ امان پانی پتی کی طرح انتہا پسند نہیں تھے۔

ملا شاہ بدخشی جیسے آزاد خیال صوفی نے جب اپنی رباعیات کا مجموعہ خواجہ خُرد کو بھیجا تو اس کے جواب میں خواجہ نے اپنی شرح رباعیات ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء کو تالیف کی، [۱] دونوں کے موازنہ سے وحدت الوجود کے نظریات وتاویلات میں واضح فرق نظر آتا ہے۔

خواجہ خُرد کی تصانیف میں سے اکثر کا موضوع وحدت الوجود ہی ہے، جب آپ نے اپنے شیخ حضرت مجدد الف ثانی کو لکھا کہ مجھ پر توحید (وحدت الوجود) کے انکشاف کا آغاز ہو گیا ہے تو حضرت نے فوراً جواب دیا کہ ان حالات میں جادۂ شریعت پر قائم رہنا [۲] اور ذراسی بدعت بھی روحانیت کی راہیں مسدد کر دیتی ہے، [۳] یعنی وجودی صوفیہ کی طرح اس منزل پر نہ پہنچ جانا جہاں ان کے نزدیک اللہ سبحانہ اور بندے میں کوئی فرق نہیں رہتا اور وہ عبادت اس لئے موقوف کر دیتا ہے کہ اتحاد وحلول کی منزل میں وہ خود کو خدا ہی تصور کرنے لگتا ہے۔

یہ حضرت مجدد الف ثانی کا فیضانِ صحبت تھا کہ خواجہ خُرد وحدت الوجودی ہونے کے باوجود راہِ راست پر رہے، بھلا وہ شیخ جو سماع، نغمہ اور مولود کی محفل میں شعر خوانی کو شرعی اعتبار سے پسند نہ کرتا ہو وہ انہیں اتحاد و حلول کی طرف جاتے کیسے دیکھ سکتا تھا؟

۱۔ تفصیل تصانیف خواجہ خُرد کے تحت ملاحظہ کریں۔　　۲۔ حضرات القدس: ۱/۳۱۴

۳۔ تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

Marfat.com

ہم ایک معاصر ہندوستانی مورخ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی (ف ۲ ستمبر ۱۹۹۴ء) جو نقشبندی مشائخ کو بدنام کرنے کی مثالوں کے ہر وقت متلاشی رہتے تھے، کی یہ تحقیق پڑھ کر پشیمان ہوئے تھے کہ جب خواجہ خُرد نے ملا شاہ بدخشی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کی درخواست کی تو ملا شاہ نے یہ کہہ کر بیعت کرنے سے انکار کر دیا کہ تم ایک بڑے صوفی کے فرزند ہو تمہیں کسی دوسرے سلسلہ میں نہیں جانا چاہیے۔[۱]

لیکن جب ہم نے ان کی محولہ کتاب نسخہ احوال شاہی کا خطی نسخہ دیکھا تو معاملہ برعکس معلوم ہوا، ملا شاہ کے سوانح نگار نے لکھا ہے:

"وقائع ۱۰۵۹ھ/ ۱۶۴۹ء خواجہ خُرد دہلوی...... دعویٰ صاحبِ سجادگی نمودہ رموز حقائق ومعارف را از روی قال مذکور می ساخت، اما حال نداشت خواجۂ مذکور در خدمت مرشدی اظہار طلب و ارادت نمود، فرمودند کہ پدرِ شما سجادہ نشین بود وشما خلف او ہستید، گردنِ شما پیش فقیر دیگری کی فرود می آید کجا تاب ایں خفت دارید؟ ہر چند مشار الیہ اظہار شکستگی واخلاص نمود، قبول نیفتاد وجواب شافی داد ہم مشرب خود نساختند [۲]

یہاں ملا شاہ بدخشی کے بیعت سے انکار کا سبب واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ملا شاہ خواجہ خُرد کو "اپنا ہم مشرب نہیں سمجھتے تھے" اس لئے انکار کیا ورنہ ملا شاہ بدخشی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے لئے مسلمان اور کافر کا فرق تک نہیں کیا جاتا تھا، کئی ہندو اُن کے مرید تھے، ملا شاہ بدخشی نے ایک ہندو شاعر بنوالی داس ولی کو نہ صرف بیعت کیا تھا بلکہ اسے خلافت بھی دی تھی اور اس کی مدح میں ایک خوبصورت شعر بھی کہا تھا، جو ان کے معاصر سوانح نگار نے نقل کر کے محفوظ کر لیا ہے۔[۳]

1- Rizvi S.A.A: History of Sufism in India, Vol.ii p.124

۲۔ توکل بیگ کولابی: نسخہ احوالِ شاہی ورق: ۶۴۔ الف، خطی مخزونہ برٹش میوزیم لائبریری، لندن (شمارہ، ریوضیمہ: ۱۳۰)

۳۔ ایضاً ورق: ۶۴ ب ۶۵۔ الف ملا شاہ بدخشی کے معتقدات کی تفصیل کے لئے دیکھئے: مقاماتِ معصومی: ۱/ ۶۵۔ ۷۳

Marfat.com

خواجہ خُرد کی ملا شاہ کی خدمت میں بیعت کی اس درخواست کو ان کے سوانح نگار توکل بیگ کولابی نے ۱۰۵۹ھ/ ۱۶۴۹ء کے واقعات میں لکھا ہے یعنی اس وقت تک حضرت خواجہ کے تقریباً تمام اکابر خلفاء حضرت مجدد الف ثانی (ف ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء)، خواجہ حسام الدین احمد (ف ۱۰۴۳ھ/ ۱۶۳۳ء) اور میاں شیخ الہ داد (ف ۱۰۵۱ھ/ ۱۶۴۱ء) فوت ہو چکے تھے، یقیناً ان حضرات کے حینِ حیات خواجہ خُرد ملا شاہ جیسے صوفی سے بیعت کی درخواست نہیں کر سکتے تھے۔

خواجہ خُرد کی وفات

خواجہ خُرد کا وصال دہلی میں ۲۵ رجمادی الاول روز چہار شنبہ ۱۰۷۴ھ/ ۱۶۶۳ء کو ہوا، ان کی عمر ۶۴ سال دو ماہ اور ۱۹ر دن تھی۔ ۱

آپ نے اپنے حینِ حیات ہی اپنے دفن کے لئے جگہ متعین کر دی تھی، انہیں ان کے والد بزرگوار کے صفہ کے قریب بطرف مغرب دفن کیا گیا، ان کے معتقدین نے ان کی وفات کے کئی مادے تجویز کئے۔ ۲

وصال سے پہلے خواجہ خُرد نے اپنے فرزند خواجہ غلام بہاء الدین کو بلا کر فرمایا کہ روحانی طور پر مجھے اپنے مشائخ حضرت خواجہ، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ حسام الدین احمد اور میاں شیخ الہ داد سے جو کچھ ملا ہے، وہ تمہیں بخشتا ہوں۔ ۳

گویا خواجہ خُرد کے بعد ان کے جانشین ان کے فرزند خواجہ غلام بہاء الدین ہوئے، آزاد بلگرامی نے خواجہ خُرد کا سالِ وفات ۲۵ رجمادی الآخر ۹۷۵ھ لکھا ہے اور تعجب ہے کہ ان کا سالِ ولادت ۱۰۱۰ھ بھی تحریر کیا ہے، ۴ بھلا ۱۰۱۰ھ کو تولد ہونے والا ۹۷۵ھ میں کیسے فوت ہو گیا، یہ ان کا سہو صریح ہے۔

خواجہ خُرد کی اولاد

خواجہ خُرد کی شادی کس گھرانے میں ہوئی؟ ہمیں معلوم نہیں ہے، موصوف کی کثیر اولاد تھی، جن میں سے تیرہ فرزندوں اور دو بیٹیوں کا علم ہے، انہوں نے اپنے وصال کے قریب خواجہ غلام بہاء الدین کو طلب کیا اور انہیں سب کچھ بخشا جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ سب سے بڑے فرزند تھے، ان کے ایک

۱۔ اسراریہ: ۲۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً: ۲۸

Marfat.com

بیٹے خواجہ سلام اللہ نے ان کے ملفوظات جمع کیے تھے، خواجہ خُرد کا یہ شجرہ ان کے مریدِ خاص شیخ کمال محمد کی کتاب اسراریہ سے ماخوذ ہے:

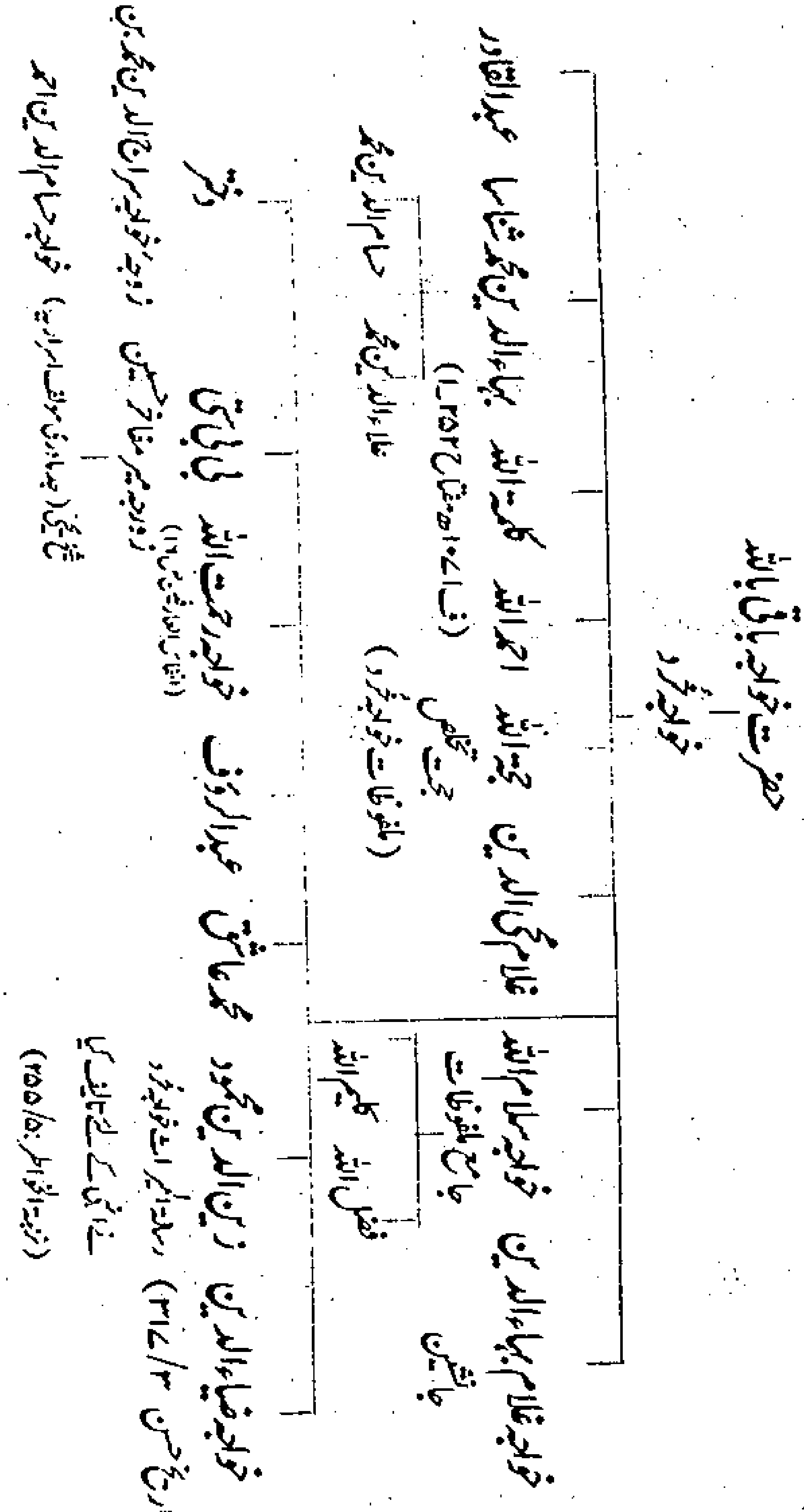

خواجہ کلمۃ اللہ بن خواجہ خُرد کا نکاح میر عماد الدین محمد حسینی ہروی کی دختر سے ہوا، جو خواجہ خرد کے مرید اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مکتوب الیہ تھے، انہوں نے جہلم میں اپنے نام سے ایک شہر عماد نگر آباد کیا اور وہیں دفن ہیں، حضرت خواجہ سید امیر کلال کی اولاد میں سے تھے، میر مفاخر حسین متخلص بہ ثابت بن میر عماد

Marfat.com

ہروی کا نکاح بی بی ستی دختر خواجہ خُرد کے ساتھ ہوا تھا، (اسراریہ: ۴۲۴) ان حضرات کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقاماتِ معصومی (۴/۴۲۳-۴۳۲)، قاضی عالم الدین مرحوم نے مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ کے اُردو ترجمہ میں خواجہ خُرد کا شجرہ دیا ہے اس میں ان کے صرف ایک فرزند خواجہ علی کا نام درج ہے، جن کی صرف ایک دختر امۃ الباقی بیگم کا نام دیا ہے جبکہ مذکورہ منقول از اسراریہ میں خواجہ علی نام کے ان کے کسی فرزند کا نام نہیں ملتا، امۃ الباقی کے بطن سے شاہ نظام الدین تولد ہوئے، جو دہلی پر مرہٹوں کے قبضہ کے دوران ان کے نمائندہ کی حیثیت سے شاہ عالم ثانی سے ملے تھے، (مقاماتِ مظہری ص ۶۳۷-۶۳۸) یہ شجرہ مشمولہ مکتوبات بالکل وضعی معلوم ہوتا ہے، جو سجادہ نشینوں نے سجادگی کے لئے بنایا تھا۔

خواجہ خُرد کی تصانیف

خواجہ خُرد کے رسائل کا کوئی جامع مجموعہ ہمیں یک جا نہیں مل سکا[۱] مختلف تذکروں میں ان کی حسب ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں جن میں سے اب تک ہم صرف ۱۵/ کتابوں کے وجود سے واقف ہیں، باقی کتب کے صرف نام ہی مل سکے ہیں:

پہلے غیر موجود رسائل کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ تفسیر بعضی مواضع بیضاوی

خواجہ خُرد نے ایامِ جوانی میں تفسیر بیضاوی کے چند حصوں کی شرح لکھی تھی، جب وہ اس کا نسخہ اپنے شیخ خواجہ حسام الدین احمد کے پاس لے کر گئے تو انہوں نے بہت پسند کی اور تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ابھی اسے پوشیدہ رکھو کہ شر العین سے بچ سکو، فرماتے ہیں:

شیخ من (خواجہ خرد) درایام شباب بر بعضی مواضع تفسیر بیضاوی شرحی

۱۔ رضا لائبریری رام پور کی فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی: ۱/۲۸۴ میں ایک مجموعۂ رسائل خواجہ خُرد کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن اس میں صرف پردہ برانداخت، اور نو وحدت دو رسائل ہیں اور تیسرا رسالہ در ذکر چہار پیر و چہار خانوادہ شامل ہیں موخر الذکر رسالہ میں ان کا نام بحیثیت مصنف نہیں آیا بلکہ فہرست ساز نے قیاس سے کام لیا ہے کہ جب پہلے دو رسالے خواجہ خُرد کے ہیں تو یہ بھی انہی کا ہوگا۔

Marfat.com

نوشته بود، حقائق و دقائق نیك و بخواجهٔ ابرار برده چون وی خوانده و خوش وقت گشته و آفرینها کرده و شکر خداوند سبحانه بجا آورده و گفته خواجم این عطائست محض از عطاهای الٰهی لیکن مصلحت آن ست که روزی چندان سخنان را باخود دارید و بکس نه نمایند[۱]

۲۔تعلیقات علی الفصوص

۳۔تعلیقات علی الفتوحات

یہ دونوں شیخ اکبر ابن عربی کی تصانیف ہیں، جو خواجہ خُرد کی نوک زبان رہتی تھیں انہوں نے ان دونوں کتابوں پر تعلیقات لکھے ہیں۔[۲]

۴۔حواشی بر نفحات الانس جامی [۳]

۵۔رسالۃ المیر اث

خواجہ خرد نے یہ رسالہ اپنے فرزند خواجہ زین الدین محمود کے لئے تالیف کیا تھا۔[۴]

۶۔طریق الوصول الی اصل الاصول

خواجہ سلام اللہ بن خواجہ خرد نے یہ رسالہ خواجہ خرد کی خدمت میں پڑھا تھا۔[۵]

۷۔رموز التوحید

اس رسالہ سے ایک اقتباس شیخ کمال محمد سنبھلی نے دیا ہے۔[۶]

۱۔اسراریہ:۳۹

۲۔عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر:۵/۲۵۵ راس سلسلہ میں مولف کا ماخذ اسراریہ ہے لیکن صاحب اسراریہ نے ان دونوں کتب پر تعلیقات کا ذکر نہیں کیا۔

۳۔اسراریہ:۲۷۱ ۴۔نزہۃ الخواطر: ۵/۲۵۵

۵۔اسراریہ:۵۷ ۶۔ایضاً ۲۰۶

Marfat.com

۸۔ رسالہ در کمال انسانی

مولف اسراریہ نے لکھا ہے کہ خواجہ خرد اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ۱

۹۔ رسالہ فی الحقائق (عربی) ۲

۱۰۔ السرالمبہم ۳ ملفوظات خواجہ خُرد میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ص:۱۱

۱۱۔ رسالۂ اذکار (اس رسالہ میں مختلف اذکار جمع کیے گئے ہیں) ۴

۱۲۔ رسالہ در آداب نقشبندیہ ۵

اب ہم خواجہ خُرد کی موجود اور معلوم تصانیف کا تعارف کروار ہے ہیں:

۱۔ نور وحدت

مولف نے اس رسالہ کے آغاز وانجام میں اپنا نام بحیثیت مولف نہیں لکھا، بلکہ دور وسطیٰ میں مولفین کے شاگرد جس طرح کتاب اپنے استاد کے نام القاب کے ساتھ لکھ دیتے تھے اسی طرح لکھا ہے تاہم آغاز میں اس رسالہ کا سالِ تصنیف ۳ ربیع الاول ۱۰۵۳ھ لکھا گیا ہے، یہ رسالہ وحدت الوجود کے عمومی مسائل پر مشتمل ہے اور بہت ہی مقبول ہوا ہے، خواجہ خُرد اپنے معتقدین کو اس رسالہ کا نسخہ بطور مطالعہ دیا کرتے تھے، اسراریہ میں کئی بار اس کا حوالہ آیا ہے، ۶ اس کے متعدد خطی نسخے پاکستان وہند اور دنیا کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، فہرست مشترک میں اس رسالہ کے اٹھارہ قلمی نسخوں کا تعارف کروایا گیا ہے، مطبع مجتبائی، دہلی سے ستہ ضروریہ کے نام سے رسائل تصوف کا جو مجموعہ ۱۳۱۲ھ کو طبع ہوا تھا اس میں یہ رسالہ بھی شامل ہے، رسالہ نور وحدت کا فارسی متن ولیم چٹک نے رسالہ ایران نامہ (سال یازدہم) شمارہ اول ۱۳۷۱ ش/۱۹۹۳ء میں مرتب کر کے شائع کر دیا تھا۔

۱۔ ایضاً ۴۸۳
۲۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵/۲۵۵
۳۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۲۵۵
۴۔ اسراریہ: ۲۲
۵۔ ملفوظات خواجہ خرد: ۴۵
۶۔ اسراریہ: ۳۷۰، ۳۸۰، ۴۷۷

Marfat.com

۲۔ رسالہ پرتوِ عشق

خواجہ خُرد نے عشق حقیقی اور اس کی روحانی واردات کے موضوع پر لکھا ہے جیسا کہ ہم ''زبدۃ المقامات'' کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ خواجہ خُرد پر نسبت محبوبیت کا غلبہ تھا، اس غلبہ کے تحت انہوں نے یہ رسالہ لکھا ہے، سنہ ضرور یہ مذکورہ کا یہ آخری رسالہ ہے۔

ان دونوں مطبوعہ رسالوں میں خواجہ خرد کے مخاطب کوئی سید بزرگ ہیں جن کا آپ نے نام نہیں لکھا۔

۳۔ شرح رباعیاتِ خواجہ خُرد (فارسی نثر و نظم)

اس شرح کے آغاز میں خواجہ خُرد نے لکھا ہے کہ مدت سے یہ آرزو تھی کہ ''معارف صوفیہ محققین و علوم عظمای المکاشفین'' کو اکابر کی اقتداء میں نظم کیا جائے، چنانچہ شعبان ۱۰۵۲ھ کو ان مطالب کو حاوی چالیس سے زیادہ رباعیات لکھیں اور پھر بقدر ضرورت ان کی شرح خود ہی کی، فرماتے ہیں:

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ علی خیر خلقہ محمد والہ و صحبہ اجمعین، امابعد بر برادران دینی و دوستان یقینی عرضہ می دارد کہ ایں فقیر حقیر را مدتہا در خاطر می گذشت کہ رباعی چند در بیان معارف صوفیہ محققین و علوم عظماء المکاشفین بقصد متابعت و اقتداء اکابر بنظم آوردہ شود...... تا آنکہ در شعبان سنہ ہزار و پنجاہ و دو آں ملاحظہ کہ از مطلب باز می داشت بیک بار از خاطر برداشتند و در اندک وقت چہل و چند رباعی صورت نمامی گرفت......
واز جہت آنکہ محتاج بہ بیان و شرح بود ورقی چند در توضیح و شرح آں نشوشتہ می شود[۱]

شرح کے دوران مولف نے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء اور اپنے شیخ خواجہ حسام الدین احمد کے بعد منتسبین کے احوال بھی لکھے ہیں، خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری کو اپنا ماموں اور نواب قلیج خان کو اپنے بڑے بھائی خواجہ کلاں کا ماموں بتایا ہے، حسب ذیل اصحاب کے احوال اس میں آئے ہیں:

۱۔ شرح رباعیات خواجہ خُرد، خطی نسخہ خانقاہِ حضرت شاہ ابوالخیر، دہلی، ص: ۲ اس اقتباس کو اسلوب نگارش کا نمونہ بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

(خواجہ حسام الدین احمد (۲) شیخ احمد فاروقی (حضرت مجدد الف ثانی) (۳) شیخ الہ داد (۴) شیخ تاج الدین سنبھلی (۵) بی بی دولت (۶) شیخ رستم (۷) مولانا یوسف (صحبت یافتہ حضرت مجدد الف ثانی) (۸) شیخ یعقوب تھانہ (۹) شیخ مرتضیٰ سنبھلی (۱۰) حافظ جلال الدین (۱۱) میر سید احمد (۱۲) شیخ عبدالغفور سنبھلی (۱۳) بی بی قطب (۱۴) شیخ نعمت اللہ انصاری (۱۵) شیخ کمال (۱۶) سید زید (ساکن قصبہ ساڈھورہ) (۱۷) مولانا احمد گوجر (۱۸) سید مصطفیٰ ناگپتی (۱۹) مولانا محمد قلیج خان (۱۰) خواجہ محمد صادق ہمدانی (۲۱) شیخ رفیع الدین محمد چشتی (۲۲) میر محمد زاہد (۲۳) شیخ جعفر (۲۴) شیخ شیدا (والد شیخ رستم مذکور) (۲۵) شیخ محمد ہاشم سنبھلی (۲۶) شیخ ابا بکر (۲۷) شیخ محمد طاہر فیروز آبادی (۲۸) شیخ بایزید (۲۹) شیخ موسیٰ مجذوب (۳۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۳۱) شیخ مجد الدین (۳۲) شیخ عثمان جالندھری (۳۳) بعضی احوال حضرت خواجہ باقی باللہ

مولف ان میں سے کئی اصحاب کی صحبت میں بھی رہے اس میں درج تمام امور براہِ راست مولف کے علم میں تھے اور بعض روایات مولف کے شیخ خواجہ حسام الدین احمد سے مروی ہیں۔

دراصل ملا شاہ بدخشی نے جب اپنی رباعیات کا نسخہ کشمیر سے خواجہ خُرد کو بھیجا تو خواجہ اسے پڑھ کر خوش ہوئے اور اس کے جواب میں اپنی شرح رباعیات لکھی، معاصر تذکرہ نویس شیخ کمال محمد سنبھلی جنھوں نے ملا شاہ کو دیکھا بھی تھا، لکھا ہے:

"اخوند اشعارِ فصیح دارد وقتی شرح رباعیات بزبان تصوف گفتہ بود و نسخہ [1] آں پیش شیخ من (خواجہ خُرد) از کشمیر فرستادہ بود، شیخ من خوش شدہ در جواب آں شرح رباعیاتی گفتہ ورائی شرح رباعیات کلاں و من از اں اخوند ہم دیدہ ام و اخوند با شیخ من دوستی و اتحاد نیک دارد و در لاہور باہم صحبتہاء نیک گذشتہ [2]

۱۔ شرح رباعیات از ملا شاہ بدخشی کا قلمی نسخہ ذخیرہ ڈاکٹر وحید قریشی، جی سی یونیورسٹی، لاہور میں ہے۔

۲۔ اسراریہ: ۴۳۷ (اخوند ملا شاہ بدخشی اور خواجہ خُرد کے مابین ملاقات کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے) یہاں محض دوستی و ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے، مذہبی ہم آہنگی و یک رنگی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ملا شاہ کا خواجہ خُرد کو بیعت نہ کرنے کا وہی سبب تھا جسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ وہ خواجہ کو اپنا ہم مشرب نہیں سمجھتے تھے۔

Marfat.com

خواجہ خُرد نے یہ رباعیات اوران کی شرح وحدت الوجود کے اثبات میں لکھی ہے شرح رباعیات، خواجہ خُرد کے والد بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ کی بھی رباعیات وشرح رباعیات موجود ہے اس کا موضوع بھی وحدت الوجود ہے، جب دورِ آخر میں حضرت خواجہ باقی باللہ پر توحید شہودی کا انکشاف ہوا تو فرمایا کہ وحدت الوجود ایک تنگ نائے ہے شاہراہ اس سے آگے یعنی وحدت الشہود ہے، ہم سے بجہت رعایت ظاہر شریعت ازیں تصنیف خود کہ سخن وحدت وجود درانجا بخوب ترین تدقیقات مبین است ناراضی بودندو می فرمودند از ما ایں تصنیف خوب واقع نشدہ......!

لیکن اس قسم کا کوئی بیان خواجہ خُرد کی طرف سے ہماری نظر سے تا حال نہیں گذرا بلکہ روایت یہی ہے کہ موصوف تا حیات مائل بہ وحدت الوجود ہی رہے اور شیخ ابن عربی ومولانا جامی کے متبع ہی رہے۔ ۲

شرح رباعیات خواجہ خُرد کے تین خطی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں:

۱۔ خانقاہِ حضرت شاہ ابوالخیر، دہلی، مکتوبہ ۲۹ محرم ۱۲۶۸ھ

۲۔ خانقاہِ احمد یہ سعید یہ، موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، مکتوبہ: ۱۲۰۶ھ

۳۔ ذخیرۂ دہلی انڈیا آفس لائبریری، مشمولہ برٹش لائبریری، لندن، مجموعہ رسائل خواجہ خُرد میں یہ شامل ہے۔

۴۔ القول السدید (عربی نثر)

خواجہ خُرد نے شاہ محب اللہ الٰہ آبادی (ف ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء) کے رسالہ تسویہ کی شرح ''القول السدید'' کے نام سے لکھی ہے۔

شاہ محب اللہ کے اس رسالہ پر اس وقت کی ذہنی فضا مکدر اور مذہبی ماحول میں ہلچل مچ گئی، یہی وہ رسالہ تسویہ تھا، جس میں انہوں نے حضور ﷺ پر نزولِ وحی کے بارے میں ایسی بحث کی تھی، جو علماء کے نزدیک قابلِ اعتراض تھی، اس رسالہ کے خلاف باقاعدہ کاروائی تو ان کی وفات کے بعد اورنگ زیب کے عہد میں ہوئی لیکن معاصر ماخذ ''معارج الولایت'' کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حینِ حیات

۱۔ کلیات خواجہ باقی باللہ: ۶۴

۲۔ اسراریہ: ۳۷۱

Marfat.com

بھی ان کے نظریات کے خلاف شورش برپا ہوئی تھی اور وہ اس قدر شدید تھی کہ عوام ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے، جب شیخ رشید جون پوری کو معلوم ہوا تو وہ برق رفتاری سے جونپور سے آئے اور عوام کے نرغے سے بچایا اور ان کے کلام کی توجیہ کر کے عوام کے جذبات فرو کئے۔ ا

اورنگ زیب کے عہد میں علماء کی درخواست پر اورنگ زیب نے تسویہ کے تمام نسخے جلانے کا حکم صادر کیا تھا۔ ۲

رسالہ تسویہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں، تائیدی اور تردیدی، شمسِ بازغہ کے مشہور مصنف ملا محمود جونپوری (ف ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء) نے حرز الایمان کے نام سے رسالہ تسویہ کا رد لکھا، جس کا اندازِ بیان سخت ہے۔ ۳

رسالہ تسویہ کی دوسری تردیدی شرح خواجہ خُرد کی ہے، انہوں نے شاہ محبّ اللہ کے افکار پر تنقید کی ہے لیکن شائستگی ومتانت کے ساتھ ان کا رد کیا ہے، ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر رسالہ تسویہ شیخ محبّ اللہ کے حین حیات مل جاتا تو وہ ان تعقبات کو انہیں بھیج کر ان کو متنبہ کرتے۔ ۴

ملا محمود جونپوری اور خواجہ خرد کی شروح کے رد میں شیخ حبیب اللہ ساکن پٹنہ نے نہایت غیر سنجیدہ جوابی رسائل لکھے۔ ۵

خواجہ خُرد کی شرح تسویہ کا خطی نسخہ ذخیرۂ مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مخزونہ آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ہے، دوسرا نسخہ کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی، قم میں ہے، تیسرا نسخہ ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس لائبریری، لندن شمارہ: D.P:1067-A میں ہے۔

ا۔ عبدی، عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت، قلمی، ذخیرۂ آذر، مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور نمبر ۲۵۔ ایچ ورق ۴۳۲

۲۔ مراۃ الخیال: ۲۲۸۔۲۲۹

۳۔ شبیر احمد خان غوری: ''تسویہ کی شروح وجروح'' مقالہ مشمولہ تصوف برصغیر میں: ۱۴۱۔۱۴۲

۴۔ ایضاً: ۵۔ ایضاً: ۴۲ (رسالہ تسویہ کے سلسلہ میں ہمارے بعض تاملات کے لئے ملاحظہ ہو مقامات معصومی: ۱/۲۷۔۷۷

Marfat.com

ہمیں تعجب ہے کہ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے شرح تسویہ کا موخرالذکر نسخہ دیکھنے [1] کے باوجود اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، رسالہ تسویہ ان کے خیالات کی ترجمانی کرنے والی کتاب ہے اور ہمارے نقشبندی مشائخ کے افکار ان کے نزدیک قابل تردید ہیں، اگر انہیں معلوم ہوتا کہ یہ شرح متن کی ترجمان ہے تو وہ اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے، چونکہ یہ شرح شاہ محب اللہ کے رسالہ کے رد میں تھی اس لئے خاموشی اختیار کرلی، یا چونکہ یہ شرح اتنی دقیق عربی میں ہے کہ وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔

۵۔ رسالہ سماع (فارسی نثر)

خواجہ خُرد نے سماع کے موضوع پر یہ مختصر رسالہ لکھا ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدللہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد　کلمہ چند در معارضی کہ متعلق بہ سماع است نوشتہ می شود، مقدمہ ہر چند در طریقہ با سماع نبود و ما را از اہل نخواندند اما حرمان از ان العیاذ باللہ نداریم اصل کار نزد ما فنا و نیستی است در مرتبہ ذات کہ نہایت مقام سماع است......

اس اقتباس میں مولف نے بتایا کہ سماع میرا معمول نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کا عادی ہوں بلکہ اس کا اصل مقصد ''فنا و نیستی'' کا حصول ہے۔

قاضی حمیدالدین ناگوری کی کتاب لوامع کا حوالہ بھی دیا ہے، [2] اصطلاح الجمع کی تشریح طریقہ نقشبندیہ کے مطابق کی ہے۔

اس رسالہ کا ایک مخطوطہ ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس لائبریری، لندن میں تحت شمارہ I.O.4270D.p.1184.a محفوظ ہے، کل اوراق ۱۶ ہیں۔

اس کے آغاز وانجام میں مولف نے اپنا نام نہیں لکھا، لیکن ناقل نے اسے خواجہ خُرد کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخہ سے نقل کیا ہے:

''ایں رسالہ سماع حضرت خواجہ خُرد را کہ خط ایشاں بودہ نقل گرفتہ شد''

1- Rizvi, S.A.A: History of Sufism in India, Vol.ii. p.499

۲۔ اسراریہ: ۲۱۱

Marfat.com

خانقاہِ حضرت خواجہ، دہلی میں حضرت خواجہ کے وصال کے بعد سماع ہوتا تھا، ''زبدۃ المقامات'' کا بیان اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے تنبیہی فقرات ہم اس سے قبل نقل کر آئے ہیں، معاصر تذکرہ نویس کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے عرس کے موقع پر جب مولود خوان نے ایک غزل پڑھی تو خواجہ حسام الدین احمد، شیخ الہ داد، شیخ رفیع الدین محمد، شیخ ہاشم سنبھلی اور شیخ ابوبکر پر وجد وسماع کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ مولف نے محسوس کیا کہ اس کا اثر مسجد کے در و دیوار پر بھی ہو گیا ہے، [1] اس رسالہ کا اندازِ تحریر و اسلوب بھی خواجہ خُرد ہی معلوم ہوتا ہے۔

انڈیا آفس لائبریری۔ لندن میں مخطوطات کا ایک جداگانہ مجموعہ ہے جسے ذخیرۂ دہلی یا دہلی کلیکشن کہا جاتا ہے، یہ وہ مخطوطات ہیں، جو ۱۸۵۷ء کے دوران دہلی کی ضبط شدہ املاک میں سے انگریزوں کے ہاتھ لگے تھے اس میں دہلی کی خانقاہوں، مدرسوں اور علماء کے کتب خانوں کے مخطوطات ہیں، ۱۹۸۶ء تک اس کی کوئی باقاعدہ فہرست شائع نہیں ہوئی تھی سید علی بلگرامی نے اس ذخیرہ کی ایک مختصر فہرست [2] بنائی تھی جس سے ہم نے ۱۹۸۶ء میں اپنے قیامِ انگلستان کے دوران استفادہ کیا تھا، اس میں خواجہ خُرد کے آٹھ رسائل موجود ہیں، جن میں مذکورہ رسالہ سماع کے علاوہ حسبِ ذیل رسائل بھی ہیں:

۶۔ رسالۂ سید (فارسی نثر) I.O.D.P.1158.c

یہ وحدت الوجود کے بعض مباحث پر ہے، ہر نئی بات کو مولف نے اسے سید کہہ کر مخاطب کیا ہے، یہی انداز انہوں نے اپنے دو مطبوعہ رسائل نورِ وحدت اور پَرتو عشق میں اختیار کیا ہے۔

۷۔ رسالہ فواتح (فارسی نثر) I.O.D.P.1862.F

خواجہ خُرد کا یہ رسالہ بظاہر تصوف کے عمومی مسائل پر ہے لیکن یہ لوائح اور لوامع کی طرح ہے، تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۱۔ اسراریہ: ۲۱۱ ۲۔ سید علی بلگرامی (مترجم تمدن عرب اور تمدن ہند) چونکہ مخطوطہ شناس نہیں تھے اس لئے اس فہرست میں ایسے بہت سے اغلاط راہ پا گئے ہیں، جو اس میں نہیں ہونے چاہییں تھے (اس فہرست سازی کا ذکر مولوی عبدالحق نے چند ہم عصر ص ۳۰۷ میں بھی کیا ہے۔)

Marfat.com

۸۔رسالہ خواجہ خُرد (فارسی نثر) I.O.D.P.1150.E

اس رسالہ کا کوئی نام ہمیں نہیں مل سکا، لیکن مسائل عرفانی پر ہے۔

۹۔پردہ برانداخت و پردہ کی شناخت

خواجہ خُرد نے عین القضاۃ ہمدانی (ف ۵۳۵ھ/۱۱۳۰ء) کی اتباع میں لکھا ہے، آغاز میں بتایا ہے کہ علم کی دو اقسام ہیں: اعتقادی و عملی، پھر لکھا ہے کہ ''اقرب طریق طریقۂ توحید'' ہے، گویا اس کے زیادہ مباحث وحدت الوجود کے ہیں، رسالہ پردہ برانداخت کے دو خطی نسخے ذخیرۂ انجمن ترقی اردو، نیشنل میوزیم کراچی میں ہیں اور ایک نسخہ کتابخانہ خانقاہ مولانا محمد لی مکھڈ اٹک میں ہے۔[۱]

چوتھا نسخہ ذخیرۂ دہلی انڈیا آفس، لندن میں ہے۔ شمارہ D.P.1178-C ایک اور نسخہ رضا لائبریری رام پور ہے۔[۲]

۱۰۔توبہ وذکر (فارسی نثر)

اس رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے اس کا ایک خطی نسخہ نیشنل میوزیم، کراچی میں ہے، اس کے ترقیمہ میں اسے خواجہ خُرد کی تالیف بتایا گیا ہے، [۳] ویسے خواجہ خُرد کا اذکار کے موضوع پر ایک جداگانہ رسالے کا حوالہ ملتا ہے۔[۴]

۱۱۔مراۃ الوحدت (فارسی نثر)

وحدت الوجود کے موضوع پر ہے، اس کا ایک خطی نسخہ رضا لائبریری، رام پور میں ہے، جس کے فہرست ساز نے اس کی کوئی تفصیل نہیں دی۔[۵] شمارہ ۸۲۹

۱۔احمد منزوی: فہرست مشترک: ۳/۱۳۲۹
۲۔فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی کتابخانہ رضا: ۱/۲۵۵
۳۔فہرست مشترک: ۳/۱۳۶۴
۴۔اسراریہ: ۲۲
۵۔فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی: ۱/۲۵۵ مخطوطات فارسی مرتبہ حکیم محمد نبی خان وغیرہ مرتبہ شائستہ خان، پٹنہ: ۱۹۹۵ء ص: ۱۲۸

Marfat.com

۱۲۔ رسالہ در ذکر چہار پیر و چہار خوانوادہ (فارسی نثر)

موضوع نام سے ظاہر ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ اس رسالہ میں مولف نے کن چار مشائخ کا تذکرہ کیا ہے اور کن چار خانوادہائے تصوف کا بیان ہے، اس کا خطی نسخہ کتابخانہ رضا، رام پور میں ہے، فہرست ساز نے کہا ہے کہ اس کے اول و آخر میں مولف کا نام درج نہیں ہے چونکہ اس مجموعہ میں باقی رسائل خواجہ خُرد کے ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ رسالہ بھی انہی کا ہو۔ ۱؎

خواجہ خُرد کے رسائل کا وہ مجموعہ جس کا خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں ہے، جناب حضرت صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی صاحب نے لندن سے صرف کثیر سے منگوایا ہے، جس کی عکسی نقل انہوں نے جناب صاحبزادہ پروفیسر محمد سعد سراجی صاحب کو دی ہے، خوش نصیبی سے ہمیں اس سے استفادہ کا موقع ملا ہے، جس میں سے حسب ذیل رسائل کا تعارف کروایا جارہا ہے، باقی رسائل کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

۱۳۔ بحرالحقائق (عربی نثر)

خواجہ خُرد نے اس میں بحیثیت مولف اپنا نام نہیں لکھا لیکن اندرونی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ انہی کا مولفہ ہے، خواجہ کے ملفوظات میں بھی اس رسالہ کا ذکر موجود ہے۔ ۲؎ یہ رسالہ وحدت الوجود کے غامض مسائل پر ہے، مولف نے اس موضوع پر مستند کتب کے حوالوں سے اپنے مشاہدات و مکاشفات کی توضیحات کی ہیں۔

اس رسالہ کا آغاز مولف نے ۲۳ رجمادی الآخر ۱۰۵۷ھ کو کیا، ۳؎ خواجہ نے اس میں اپنے مشائخ کے حالات بھی لکھے ہیں، بتایا ہے کہ سب سے پہلا لقاء صرف دو سال کی عمر میں اپنے والد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ سرہٗ سے ہوا، ۴؎ اس کے بعد خواجہ حسام الدین احمد، امام احمد فاروقی مجدد الف ثانی،

۱۔ ایضاً: ۱/۶۸۴

۲۔ بیان احوال و ملفوظات خواجہ خُرد ص:۶، نزہۃ الخواطر (۵/۲۵۵) میں جس رسالہ حقائق کا ذکر ہے ممکن ہے کہ یہی بحرالحقائق مراد ہو۔

۳۔ بحرالحقائق ص:۴۷ ۴۔ ایضاً: ۱۰۵۔الف

Marfat.com

شیخ الهداد، شیخ مرتضٰی، شیخ عبدالغفور، شیخ رستم، شیخ الهدیہ، حافظ جلال الدین، سید احمد، شیخ موسیٰ، سید زید، شیخ تاج الدین سنبھلی، سید محمود (من اصحاب شیخ تاج الدین مذکور)، سید یحییٰ (من اصحاب شیخ الہ بخش گڈھ مکتسیری)، شیخ الہ داد قادری (من اصحاب شیخ محدث بہلول قادری) اور شیخ فتح محمد گجراتی (برہانپوری) سے استفادہ کا موقع ملا۔ [1]

۱۴۔ فوائح (عربی نثر)

آغاز:

الحمد لله لمن عرفنا ذاته بذاته والصلوة على اكمل مظاهر اسمائه و صفاته اما بعد فهذه رسالة مسماة بالفواح......

مولف نے اپنا نام کہیں نہیں لکھا لیکن اس کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ خواجہ خُرد کا نوشتہ ہے، اس میں اپنے مشائخ کے حالات اور مولف پر ان کی عنایات کا ذکر بھی جابجا ملتا ہے، یہ خاصا دقیق رسالہ ہے اس کا موضوع مولف کے پسندیدہ مباحث یعنی عرفان وتصوف کے عمومی مسائل کے علاوہ توحید وجودی کا بیان قابل توجہ ہے، مولف حضرت مجدد الف ثانی کے پیش کردہ نظریہ وحدت الشہود سے بھی بخوابی واقف تھے، ان دونوں نظریات کا کئی مقامات پر تقابلی بیان بھی ہے لیکن مولف کا رجحان وحدت الوجود کی طرف ہے، موصوف اس امر سے بھی آگاہ تھے کہ ان کے والد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اسے روحانی منازل کے سلسلہ میں "تنگ نائے" کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شاہراہ اس سے آگے ہے:

كما قال الشيخ الاجل......محمد الباقي ان التوحيد طريق ضيق...... [2]

حضرت مجدد الف ثانی کی مبارک صحبت اور نصائح نے خواجہ خُرد کو ان دونوں نظریات میں ایسا اعتدال عطا کیا کہ شدت غلبہ کے باوجود موصوف ان کے مابین ایسی راہ کے متلاشی رہے کہ جو سالکانِ طریقت کو منزل مقصود تک پہنچا سکے، اس رسالہ کے دو خطی نسخے ملتے ہیں:

۱۔ بحر الحقائق: ۱۰۵۔۱۰۶، الف۔ب ۲۔ بحر الحقائق، ورق: ۹، الف

Marfat.com

۱۔ قدیم نسخہ جناب صاحبزادہ پروفیسر محمد سعد سراجی کی ملکیت ہے۔

۲۔ دوسرا نسخہ مجموعہ رسائل خواجہ خُرد، مخزونہ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں ہے۔

۱۵۔ فوائح (فارسی نثر)

آغاز:

بسم اللہ الرحمن الرحیم این رسالہ ایست مسمی بہ فوائح در بیان علوم و معارفی که از صدق قلوب قدسیه و نفوس کُمل اولیاء اجله اصفیاء بر مشام ارباب طلب و صدق و اصحاب ارادت و صفا فائح گشته است......

حضرت خواجہ خُرد علیہ الرحمۃ نے خود ہی اس دقیق عربی رسالہ کا فارسی میں ملخص ترجمہ کیا تھا، جو آپ کے مذکورہ مجموعۂ رسائل میں شامل ہے۔

اس میں حضرت مولف نے اپنے اور اپنے مشائخ کے باطنی احوال نہیں لکھے لیکن ان سے مولف کا جن امور میں تبادلہ خیال ہوتا رہا ہے ان بیانات کو بھی اپنے مباحث کا حصہ بنایا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ مولف اپنی واردات اور کشفی تحقیقات بلاکم وکاست احاطۂ تحریر میں لارہے ہیں، مولف نے مولانا علی کے رسالہ ''ادلۃ التوحید'' اور ان کی شرح فصوص کے مقدمہ کا بھی حوالہ دیا ہے، (ص:۱۷) جو اب مفقود ہیں، ان کے علاوہ بھی صوفیہ کے ایسے متون زیرِ بحث آئے ہیں، جن کے خطی نسخوں کا مطبوعہ فہارسِ مخطوطات میں ذکر نہیں ملتا۔

چونکہ اس رسالہ میں مندرج مسائل خاصے دقیق ہیں اس لئے اس کا بیان بھی عام فہم نہیں رکھا گیا، بلکہ اسے خواص کے لئے سہل ممتنع بنادیا ہے۔

اصل رسالہ کے کل ۲۴ راوراق ہیں، خط صاف اور واضح ہے لیکن سالِ کتابت درج نہیں ہے، اس کے کسی اور خطی نسخے کا تا حال علم نہیں ہے۔

سفینہ

یہ دراصل خواجہ خُرد کی بیاضِ اشعار تھی، جس کے وجود سے آج ہم بے خبر ہیں، آپ کی خانقاہ ہندوستان کے

Marfat.com

مرکز علم و ادب، دہلی میں تھی، شاید ہی کوئی صاحبِ علم اور شاعر ایسا ہو، جو اس خانقاہ میں نہ گیا ہو اور اپنا کلام نہ سنایا ہو پھر یہ دونوں بھائی یعنی خواجہ کلاں اور خواجہ خُرد خود بھی شاعر اور اہل دل تھے، آج ہمارے پاس کوئی ایسا ریکارڈ نہیں، جو اس کی آئینہ داری کر سکے، البتہ خواجہ خُرد کے ایک مریدِ خاص شیخ کمال محمد سنبھلی نے اپنی کتاب "اسراریہ" میں جا بجا ایسے شعراء کی آمد اور خواجہ خُرد سے ان کی ملاقاتوں کا حال لکھتے ہوئے بعض کا نمونہ کلام بھی دیا ہے، یقیناً خواجہ اپنے اس "سفینہ" میں ایسے تمام اشعار لکھ لیتے ہوں گے، جو انہیں محظوظ کرتے رہے ہوں گے۔

خانوادۂ شعراء کے جد بزرگوار میر عمادالدین حسینی ہروی، جو فارسی اور ہندی میں شعر کہتے تھے اور خواجہ خُرد سے رشتہ داری بھی تھی کی خانقاہ میں دو مرتبہ آمد اور اپنا دونوں زبانوں کا کلام سنا کر خواجہ خُرد کو خوش کرنے اور پسندیدہ اشعار کا خواجہ خُرد کا اپنے سفینہ میں نقل کرنے کا ذکر بھی اسراریہ میں موجود ہے۔ [1]

خواجہ کے ملفوظات میں بھی اس بیاض کا ذکر آیا ہے کہ ایک روز آپ کے فرزند خواجہ کلمۃ اللہ محفل میں آئے تو آپ کے ہاتھ میں بیاض تھی، میرے دل میں آیا کہ یہ بیاض دیکھوں تو آپ نے از خود اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ لو اور دیکھو پھر میں نے سوچا کہ مجھے چند روز کے لئے مل جائے تو میں اس کا انتخاب اپنے لئے کر لوں، آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ لو اسے چند دن اپنے پاس رکھ لو۔ [2]

مکتوباتِ خواجہ خُرد

خواجہ خُرد نے اپنے مکتوبات کا کوئی مجموعہ خود مرتب کیا ہو یا کروایا ہو؟ آج ہمیں اس کا علم نہیں ہے، آپ کے مرید خاص شیخ کمال محمد سنبھلی نے آپ کے ملفوظات جمع کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے، ممکن ہے انہوں نے مکتوبات بھی مرتب کئے ہوں، تاہم ان کے نام خواجہ خُرد نے جتنے مکتوبات لکھے تھے وہ انہوں نے اسراریہ کے آخر میں یکجا کر دیئے ہیں، [3] یہ مبارک خطوط تقریباً بیس ہوں گے، جن میں تصوف کے مسائل کے علاوہ ذاتی نوعیت کے امور بھی زیرِ بحث آئے ہیں، اپنے بڑے بھائی خواجہ کلاں کی وفات کی اطلاع بھی انہوں نے مولف کو بذریعہ خط ہی دی تھی۔

۱۔ اسراریہ: ۴۲۵ ۲۔ ملفوظات خواجہ خُرد تلخیص مشمولہ تذکرۂ خواجہ باقی باللہ ص: ۸۱

۳۔ اسراریہ: ۴۸۲۔۴۹۳

Marfat.com

خواجہ خُرد کے ملفوظات میں خواجہ کے بہت سے مکاتیب بھی نقل ہوئے ہیں، جن میں زیادہ تر سید کمال کے نام ہیں، یہی بزرگ اسراریہ کے مولف تھے، ایک رقعہ شیخ محمد حارث بن شیخ تاج الدین سنبھلی کے نام بھی ہے۔ [۱]

ملفوظاتِ خواجہ خُرد

خواجہ خُرد کے یقیناً ایک سے زیادہ ملفوظات کے مجموعے مرتب ہوئے ہوں گے، ہمیں اس وقت تک صرف ایک مجموعہ کا علم ہے۔

یہ مجموعۂ ملفوظات فارسی نثر میں ہے، جس کا خطی نسخہ کتابخانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن میں ہے، مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے ۱۹۶۹ء میں وہاں جا کر اس نسخہ کا مطالعہ کیا اور ایک مقالہ کی صورت میں اس کا تعارف کروایا، اب وہ مقالہ ان کی کتاب ''تذکرۂ خواجہ باقی باللہ'' میں شامل ہے۔

اس مجموعہ کے جامع خواجہ کے منجھلے صاحبزادے خواجہ سلام اللہ ہیں، انہوں نے صاحبِ ملفوظات کو جابجا قبلہ گاہی بتایا ہے، پھر صاحبِ اسراریہ نے بھی جامع کو پسرِ خواجہ خُرد لکھا ہے۔ [۲]

اس کے بعض مندرجات مذکورہ کتاب میں سے یہاں دیئے جارہے ہیں:

خواجہ نے خود فرمایا:

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے بعد کوئی حضرت خواجہ بیرنگ کے مثل نہیں ہوا، شیخ احمد جیو (حضرت مجدد الف ثانی) فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان میں شاہ الٰہ بخش گڈہ مکتیسری جیسا شیخ نہیں ہے۔

فرمایا: اس کام (منازل سلوک) میں اصل چیز نیسی اور غربت ہے، جو کہ منتہای ارباب ہمت ہے..... [۳]

۱۔ بیان احوال وملفوظات خواجہ خُرد ص:۵۸۔۹۶ ۲۔ اسراریہ:۲۶۴

۳۔ فریدی، نسیم احمد: تذکرۂ خواجہ باقی باللہ: ۶۸۔۸۳ نیز ملاحظہ ہو ہندوستان کے کتب خانوں میں مخطوطاتِ تصوف، مشمولہ تصوف برصغیر میں ص:۹۷

Marfat.com

مولانا فریدی نے اس مجموعۂ ملفوظات کا سالِ ترتیب نہیں بتایا، مولف اسراریہ نے اس کے جابجا حوالے دیئے ہیں، یہ کتاب ۱۰۶۹ھ کو مکمل ہوئی، مولف اس میں ۱۰۷۴ھ تک اضافات کرتے رہے، یعنی ملفوظات کا یہ مجموعہ خواجہ خُرد کے حینِ حیات قبل ۱۰۶۹ھ مرتب ہو کر معتقدین کے ہاتھوں میں جا چکا تھا، لیکن انڈیا آفس، لندن کے خطی نسخہ میں خواجہ خُرد کے نام کے ساتھ "قدس اللہ سرہ العزیز" بھی لکھا ہوا ہے، جو مرحومین کے لئے لکھا جاتا ہے اسی طرح اس نسخہ میں خواجہ خُرد کے وصال کے واقعات اور آپ کے فرزند حجۃ اللہ حجت کا لکھا ہوا مرثیہ بھی درج ہے، گویا مولف اس میں خواجہ کے وصال ۱۰۷۴ھ تک اضافات کرتے رہے تھے۔

خواجہ خُرد کے ملفوظات کا ایک مجموعہ "بیانِ احوال وملفوظات" کے نام سے ہے، ۱۹۸۶ء میں قیامِ انگلستان کے دوران انڈیا آفس لائبریری، لندن کے ذخیرۂ دہلی کا یہ نسخہ نکلوا کر دیکھا تھا لیکن وقت کی کمی کے باعث کوئی یادداشت مرتب نہیں کی جا سکی [۱] ممکن ہے کہ وہ یہی نسخہ ہو جس کی ایک نقل کتابخانہ آصفیہ میں ہے۔

خواجہ خُرد کے ملفوظات کا ایک خطی نسخہ ذخیرۂ حبیب گنج، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ [۲] (شمارہ H.G.21/293) میں بھی ہے۔

ذخیرۂ حبیب گنج سے فہرست ساز ایم ایچ رضوی اور قیصر امروہوی صاحبان نے لکھا ہے کہ اس کے جامع کا نام معلوم نہیں ہے، ممکن ہے یہ خواجہ سلام اللہ کے مرتبہ نسخہ کے علاوہ کوئی اور مجموعہ ہو، جو آپ کے کسی اور مرید نے جمع کیا ہو، [۳] مرتبین فہرست نے اس کا سالِ کتابت ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء درج کیا ہے، جو ایک لطیفہ ہے، خود حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے اس صاحبزادے (خواجہ خُرد) کا سالِ ولادت ۱۰۱۰ھ نظم کیا ہے، [۴] گویا اس کے سالِ کتابت کے وقت خواجہ خُرد صرف ایک سال کے تھے۔

۱۔ ذخیرۂ دہلی انڈیا آفس لائبریری، لندن، شمارہ 1862-B

2- Rizvi, M.H: Cat of mss Azad Library Vol.1 part ii p.115

ان کے معاون قیصر امروہوی نے مراۃ التصوف ص ۸۹ میں بھی یہی غلطی کی ہے۔

۳۔ دراصل ہمیں ملفوظات خواجہ خُرد کے خطی نسخوں کی شناخت میں دشواری اس لئے پیش آ رہی ہے کہ مولانا فریدی مرحوم نے خواجہ سلام اللہ کے مجموعہ کا جو تعارف کروایا ہے وہ بہت ہی ناقص ہے وہ بے شک ایک بزرگ عالم تھے لیکن خطی نسخہ شناس نہیں تھے، انہوں نے اس کے آغاز کی عبارت تک نہیں لکھی۔

۴۔ ایضاً: فہرست علی گڑھ: ۱/۲/۱۱۵-۱۱۶

Marfat.com

اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس خطی نسخہ کے آخر میں تین ورق پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے منظومات ہیں، ایک قطعۂ تاریخ ولادت خواجہ خُرد دوسرے شجرۂ خانوادۂ نقشبندیہ، ممکن ہے ان آخری اوراق کا سالِ کتابت ۱۰۱۱ھ ہو، اگر یہ درست ہے تو اس نسخے کے آخری چند اوراق حضرت خواجہ کے حینِ حیات کتابت کئے گئے ہیں، جن کی اہمیت واضح ہے۔

انڈیا آفس لائبریری، لندن کا جو نسخہ اپنے ۱۹۸۶ء کے سفر کے دوران ہم مطالعہ نہیں کر سکے تھے، صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی صاحب نے اس کا عکس حاصل کر لیا ہے، جس کی ایک عکسی نقل صاحبزادہ پروفیسر محمد سعد سراجی صاحب کے پاس ہے، ہم نے اس سے استفادہ کیا ہے، بعض نکات ملاحظہ ہوں:

۱۔ جامع نے اس میں اپنا نام نہیں لکھا لیکن خواجہ خُرد کو ''مولانا وشیخنا وقبلتنا واستاذنا'' لکھا ہے، ''قبلتنا'' عام طور پر والد گرامی کے لئے استعمال ہوتا ہے گویا مرتبِ احوال وملفوظات خواجہ خُرد کے فرزند تھے، معاصر مولف شیخ کمال محمد سنبھلی نے ایک مجموعہ ملفوظات کا ذکر کیا ہے کہ خواجہ کے فرزند شیخ سلام اللہ نے آپ کے ملفوظات جمع کئے تھے، گویا یہ نسخہ وہی ہے۔

۲۔ جامع نے خواجہ خُرد کی تاریخ وسالِ ولادت ۶/رجب ۱۰۱۰ھ لکھا ہے۔

۳۔ خواجہ خُرد صرف چھ ماہ کے تھے کہ انہیں ان کے حضرت والد کی خدمت میں بھیجا گیا کہ اس کے لئے دعا کریں کہ یہ اپنے جد مادر خواجہ یعقوب کی طرح صاحب ثروت ہوں، لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ نے فرمایا کہ نہیں! یہ تو مولانا عبدالرحمٰن جامی کی طرح بزرگ ہوگا۔

۴۔ خواجہ خُرد کو حضرت مجدد الف ثانی نے تکمیل کے بعد اپنے دست مبارک سے طریقہ نقشبندیہ کا اجازت نامہ لکھ کر دیا تھا۔

۵۔ خواجہ خُرد کی علمِ توحید پر چند دقیق تصانیف عربی وفارسی میں ہیں۔

۶۔ خواجہ شیخ الہداد سے بھی وابستہ رہے اور ان سے طریقہ نقشبندیہ وقادریہ کی اجازت حاصل کی، ص: ۲۔۳۔۴۱

۷۔ خواجہ خُرد کی کشفی تحقیق یہ ہے کہ شیخ ابن عربی شیخ علاء الدولہ سمنانی سے بلند مرتبہ تھے، لیکن نقطہ ولایت

Marfat.com

میں دونوں برابر تھے۔ ص:۲۹

۸۔ جامع نے خواجہ خُرد کے بہت سے مکاتیب بھی ملفوظات میں نقل کئے، یہ مجموعہ ناقص الآخر ہے، مولف نے وعدہ کیا ہے کہ وہ خواجہ خُرد کے مشائخ کے احوال بھی لکھیں گے لیکن یہ حصہ اس میں موجود نہیں ہے غالباً آخری اوراق: ۱۲۶ تا ۱۳۴ کا تعلق اس مخطوطہ سے نہیں ہے۔

حضرت خواجہ اور وحدت الوجود

حضرت خواجہ باقی باللہ بھی اکابر نقشبندی مشائخ کی طرح وحدت الوجود [۱] کی طرف روحانی میلان رکھتے تھے لیکن حضرت کا معاملہ ترقی پذیر رہا، جب آپ طلبِ طریقت کے دوران شیخ لدھیانوی کی خدمت میں لدھیانہ گئے تو ان سے تلقین طریقہ کی درخواست کی جس پر انہوں نے ''مراقبہ توحید'' بیان کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس سے آگے کی تعلیم دیجئے، جب شیخ نے پوچھا کہ اس سے آگے کیا ہے؟ تو آپ ادباً خاموش ہو گئے۔

حضرت خواجہ نے ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء میں اپنی رباعیات (درمسائل وحدت الوجود) اور پھر ان کی شرح لکھی تو خود ہی فرمایا کہ شریعت کے مطابق ہم سے یہ تصنیف خوب واقع نہیں ہوئی [۲] ہے، آپ کے خلیفہ نامدار حضرت مجدد الف ثانی نے ان میں سے صرف تین اہم رباعیات کی شرح تالیف کی جس میں دونوں نظریات کا جائزہ لیا، حضرت خواجہ پر آخری ایامِ حیات میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ:

''ورائے طریق توحید راہی است وسیع وراہِ توحید نسبت بآں شاہراہ کوچہ تنگی بیش نیست'' [۳]

حضرت مجدد الف ثانی نے شرح رباعیات کے تعلیقات میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث

1- Hamid Algar: Reflection of Ibn-I-Arabi in Early Naqshbandi Tradition. j. of Mohyiddin Ibn Arabi Society, No. 10 (1991) P.45-66

۲۔ کلیات: ۶۴

۳۔ ایضاً

Marfat.com

دہلوی راوی ہیں کہ حضرت خواجہ نے رحلت سے پہلے فرمایا کہ مجھے پورے یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ توحید (وحدت الوجود) کوچۂ تنگ ہے، شاہراہ اس سے آگے ہے، لکھتے ہیں:

''از فضائل پناہی عبدالحق از مخلصانِ حضرت ما است نقل کردند کہ حضرت خواجہ قبل ایام رحلت فرمودن کہ مارا بعین یقین شدہ است کہ توحید کوچہ تنگ است شاہراہ دیگر است ایں قسم توحید اعلیٰ اقسام توحیداست فی الحقیقت ارباب ایں معرفت مغلوب ایں واردنیستند ......[1]

حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت شیخ محدث کی اس روایت کو مزید تفصیل کے ساتھ اپنے مکتوبات میں بیان کیا ہے کہ حضرت خواجہ نے وصال سے صرف ایک ہفتہ پہلے مجھ سے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہوگیا ہے کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہی ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے برجستہ جملے ملاحظہ ہوں:

''معرفت پناہی قبلہ گاہی حضرت خواجۂ ما قدس اللہ تعالیٰ سرہ چندگان مشرب توحید وجودی داشتند ودر رسائل ومکتوبات خود آن را اظہار می فرمودند اما آخر کار حق سبحانہ وتعالیٰ بکمالِ عنایت خویش از آن مقام ترقی ارزانی فرمودہ بشاہراہ انداختہ از ضیق ایں معرفت خلاصی داد، میاں عبدالحق کہ یکی از مخلصان ایشانند نقل کردند کہ پیش از مرضِ موت ایشاں بیک ہفتہ فرمودہ اند کہ مرابعین الیقین معلوم شد کہ توحید کوچہ ایست تنگ شاہراہ دیگر است، پیش ازیں ہم می دانستم اما اکنون یقینی دیگر حاصل گشت، واین حقیر نیز چندگاہ در خدمت حضرت ایشاں ایں مشربِ توحید داشت ومقدماتِ کشفیہ در تائید ایں طریق بسیار لائح گشتہ بودند، اما عنایت خداوندی جل سلطانہ از مقام گزرانیدہ بمقامی کہ خواست مشرف گردانید...... [2]

ا۔ تعلیقات برشرح رباعیات: ۲۴۸ (مشمولہ رسائل مجددیہ)

۲۔ مکتوبات: ۱/۴۳/۱۱۴ یوں تو حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الوجود اور شہود کی بحث بہت سے مکتوبات میں کی ہے لیکن جتنی وضاحت اس مکتوب بنام نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری میں ہے وہ ان دونوں نظریات کی توضیح کا عمدہ خلاصہ ہے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ سے بیعت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکاتیب بنام حضرت خواجہ میں متعدد مرتبہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسائل پر بحث کی ہے، ایک عریضہ میں واضح طور پر لکھا ہے:

متقدمین مشائخ کے حالات بہت پسند آتے ہیں، حقائق اور معارف کی کتابیں خاص طور پر توحید وجودی اور تنزلاتِ مراتب کا مطالعہ نہیں کر سکتا، میں اپنے آپ کو فکری اعتبار سے حضرت شیخ علاء الدولہ (سمنانی) قدس سرہٗ کے ساتھ زیادہ مناسبت محسوس کرتا ہوں اور ذوق و حال میں شیخ (سمنانی) کے ساتھ متفق ہوں۔......۱

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے وحدت الشہود کی طرف توجہ دلانے والی عرض داشتوں نے حضرت خواجہ کو اس طرح توجہ دلائی اور آپ نے جب ان امور پر کشفی تحقیق کی تو وحدت الشہود کے انکشاف کا آغاز ہوا۔

معاصر تذکرہ نویس خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ، حضرت مجدد الف ثانی کی طرف انگلی مبارک کا اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ان کی صحبت سے مجھ پر توحید شہودی کا ظہور ہوا ہے:

"حضرت خواجہ بزرگوار در آخر کار می فرمودہ اند کہ در اواخر ما را از اثر صحبت فلاں و اشارہ بحضرت ایشاں (مجدد الف ثانی) می نمودہ اند معلوم شد کہ توحید کوچہ تنگ بودہ وفوق آں شاہراہ وسیع......۲

حضرت مجدد الف ثانی کے اجداد خصوصاً آپ کے والد ماجد مخدوم عبدالاحد علیہ الرحمۃ بھی وحدت الوجود کا مشرب رکھتے تھے اور شیخ اکبر ابن عربی کی تصانیف کا بہت ہی دقیق درس دیتے تھے، کئی اکابر نے فصوص الحکم اور دیگر کتب شیخ کا درس آپ کی خدمت میں لیا تھا، حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اپنے ابتداء سلوک میں حضرت مخدوم کی خدمت میں یہی مشرب اختیار کیا تھا، ۳ لیکن پھر جب حضرت خواجہ کی خدمت میں واصل ہوئے تو اس اتصال کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر توحیدِ شہودی کے انکشاف کا آغاز کیا۔

۱۔ مکتوبات: ۱/۲۲/۲۷ ۲۔ زبدۃ المقامات: ۱۵۵

۳۔ ایضاً: ۱۱۳۔۱۱۷

Marfat.com

حضرت خواجہ کے برادر نسبتی خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری کو غلط فہمی ہوئی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کے وصال کے قریب حضرت مجدد الف ثانی کا مشرب شیخ سمنانی جیسا (وحدت الشہود) ہوگیا تھا اور شیخ اکبر ابن عربی کے معارف پر ''تبریٰ'' کرنے لگے تھے لیکن حضرت خواجہ کے بعد شیخ اکبر کے نظریہ (وحدت الوجود) کا غلبہ ہوگیا اور ان دنوں (۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) آپ پر اس مشرب کا پورا غلبہ ہے۔ ۱؎

دراصل خواجہ محمد صادق ہمدانی حضرت خواجہ کے وصال کے وقت ایک جواں سال طالب تھے، ان کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی تھی، ان سے ان دونوں نظریات کے حامل بزرگوں کو سمجھنے میں سہو ہوا ہے، ان کی کتاب ''کلمات الصادقین'' ۱۰۲۳ھ کو مکمل ہوگئی تھی جبکہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی جلد اول ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوکر رائج ہوئی، اگر تالیف کے بعد موصوف ان کی جلد اول اور دوسری دو جلدیں جو بعد میں مرتب ہوئیں، دیکھ لیتے تو وہ اپنے اس خیال سے ضرور رجوع کرتے کیوں کہ وہ بہت ہی صالح اور خوش نصیب تھے، پندرہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ کے حضور حاضر ہوئے اور حضرت نے خود ان کی تربیت فرمائی، ۲؎ ۱۰۲۳ھ کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے نظریہ وحدت الشہود کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا اور وحدت الوجود کو وحدت ادیان کا رنگ دینے والے صوفیہ خام کی خوب خبر لی، لیکن شیخ اکبر ابن عربی سے اختلاف کرتے وقت آپ نے احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، بلکہ جہاں بھی اُن کا نام آیا ہے بڑے ادب سے ان کے لئے دعائیہ جملے بھی لکھے ہیں۔

۱۔ کلمات الصادقین: ۱۸۷

۲۔ خواجہ محمد صادق ہمدنی کشمیری کے حالات کے لئے دیکھئے: زاد المعاد (لاحقہ، قسم اول)

Marfat.com

حضرت خواجہ معصوم سرہندی کا
رسالہ دراذ کار یومی ولیلی

اذکار و معمولات کے موضوع پر حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے دو رسائل تالیف کئے تھے، ایک کلاں اور دوسرا خرد، زیر نظر یعنی رسالہ کلاں میں اذکار یومی ولیلی، فضیلت درود اور ہر دعا کی فضیلت کے سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث مع فارسی ترجمہ اس میں شامل کیں یہ رسالہ آپ مخلصین کی استدعا پر ارسال فرماتے رہے، آپ کے وصال ۱۰۷۹ھ کے بعد آپ کے نامور خلیفہ اور مکتوبات معصومیہ کی جلد ثالث کے جامع حاجی محمد عاشور بخاری نے اس رسالے کو مرتب کر کے اس پر ایک مختصر خطبے کا اضافہ کیا، اس خطبے میں حضرت خواجہ کے نام کے ساتھ دعائیہ الفاظ "رضی اللہ عنہ" لکھے ہیں، جو متوفی حضرات کے لئے ہی استعمال کئے جاتے ہیں لہٰذا یہ رسالہ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد مرتب ہوا، خطبے کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی حبیبہٖ محمدٍ و آلہٖ و صحبہٖ و اتباعہٖ اجمعین امابعد می گوید احقر مخلوقات حاجی محمد عاشور بخاری حسینی کہ رسالۂ ایست سلطان الاولیاء برہان الاتقیاء شیخنا و امامنا الشیخ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ از کتب معتبرۂ احادیث در اذکار یومی ولیلی وغیرہ و فضیلت درود جمع نمودہ بودند و فضیلت ہر دعا را کہ در حدیث وارد شدہ است بلسان فارسی دریں رسالہ ترجمہ کردہ اند تا ترغیب خواندہا گردد و مشتمل است بر چند فصل، فصل اول دراذکار و ادعیہ روز (و) شب در حدیث آمدہ کہ رسول خدا ﷺ فرمودہ ہر کسی کہ بگوید ہر روز سہ بار......

ہماری محدود معلومات کے مطابق یہ رسالہ تاحال طبع نہیں ہوا، ہمارے پاس اس کے ایک ایسے خطی نسخے کی نقل ہے جس کی کتابت حاجی ف مرید[۱] حضرت خواجہ سیف الدین نے ۱۰۹۳ھ میں کی

۱۔ حاجی ف مرید خواجہ سیف الدین سے مراد حاجی عبدالروف (امام مسجد فتح پوری، دہلی) ہیں۔

(مقاماتِ معصومی ۴/۲۴۳)

Marfat.com

ہے، اسی قدیم نسخے کی بناء پر ہم نے اس کا متن اشاعت کے لئے تیار کیا ہے۔

حضرت خواجہ نے رسالہ خرد کے دیباچے میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''مجموعۂ دیگر کہ ازیں رسالۂ (خرد) منفصل ومطول ست، فضائل اعمال واذکار را بہ تفصیل نوشتہ، اگر شوق باشد بآں رجوع نمایند۔[۱]

حضرت خواجہ نے مخلصین کی استدعا پر یہ رسالہ انہیں ارسال فرمایا تھا، اپنے مکتوبات میں کئی مقامات پر اس کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

ایں فقیر رسالۂ اذکار وادعیہ ماثورہ موقتہ وغیر موقتہ باذکر فضائل بعضی ازاں کتب احادیث معتبر نوشتہ است نقل آں را فرستادہ مطالعہ خواہند فرمود...... رسالہ کلانی است بزبان فارسی متضمن فوائد کثیر است اگر تمام رسالہ را مطالعہ فرمایند بہتر باشد......[۲] فضائل ایں اذکر موقتہ بجہت اختصار دریں رسالہ (خرد) ذکر نیافتہ است رسالہ دیگر کہ بہ تفصیل فضائل اذکار موقتہ وغیر موقتہ دریں رسالہ مذکور است......[۳] فقیر ہم ایں دعاہا در رسالہ از کتب احادیث جمع کردہ است اگر ازاں جایادبگیرند گنجائش دارد......[۴]

اذکارِ معصومیہ

اذکار کے موضوع پر حضرت خواجہ کا یہ دوسرا رسالہ ہے، اس کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

امابعد ایں رسالہ مشتمل بر مقدمہ وشش فصل است...... بدانکہ احادیثی کہ دریں رسالہ آوردہ است بعد تتبع بلیغ از کتب معتبرہ احادیث برآوردہ است مثل جامع الاصول ومشکوٰۃ وحصن حصین وغایۃ العمال وترغیب وترہیب وجمع الجوامع دریں احادیث سخن نہ کردہ اند......

حضرت خواجہ نے مکتوبات میں اس رسالے کا بھی کئی بار ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

۱۔ اذکارِ معصومیہ ۱ ۲۔ مکتوبات معصومیہ ۱۵۹/۱۰۱/۲

۳۔ ایضاً ۱۶۴۔۱۶۳/۱۰۴/۲ ۴۔ ایضاً ۲۵۲/۱۵۴/۲

Marfat.com

بعضی ازیں قسم وظائف و اوراد و اعمال را ایں فقیر جمع نمودہ است......۱ فقیر از کتب معتبرہ احادیث تتبع بلیغ نمودہ و اوراد و وظائف پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم جمع نمودہ است لیکن ہنوز مسودات بہ بیاض نہ رسیدہ است سالہاست کہ مسودہ افتادہ است توفیق بہ بیاض آں نمی یابد اگر میسر پارۂ از آں نوشتہ فرستد......۲

لیکن مکتوبات کی جلد دوم میں حضرت خواجہ نے مرزا خان کے نام مکتوب میں انہیں یہ رسالہ ارسال کر کے اس کے مطابق عمل کرنے کی تاکید کی ہے:

رسالہ فرستادہ است از اول تا آخر توانند مطالعہ فرمایند و مواعظ و نصائح آں را نیک تامل نمایند...... ۳

ان اقتباسات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مکتوبات معصومیہ کی جلد اول کی تدوین ۱۰۶۳ھ تک یہ رسالہ مسودہ کی شکل میں تھا، مرتب نہیں کیا گیا تھا لیکن جلد دوم کی ترتیب ۱۰۷۲ھ سے پہلے اسے ترتیب دیا جا چکا تھا، لہٰذا یہ رسالہ ۱۰۶۳ھ تا ۱۰۷۲ھ کسی سال میں مدون ہوا۔

جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے مکتوبات معصومیہ کے مقدمے میں ۱ جلد اول کے منقولہ بالا اقتباس ۲ سے سہواً اس رسالے کو حضرت خواجہ کے معروف خلیفہ مولانا محمد حنیف کا جمع کردہ رسالہ سمجھ لیا ہے حالانکہ حضرت خواجہ کا بیان بہت واضح ہے۔

اس رسالے کا متن اذکار معصومیہ کے نام سے حکیم عبدالمجید سیفی نے لاہور سے ۱۳۸۴ھ میں شائع کر دیا تھا اور رسالے کا اردو ترجمہ مولانا نازوار حسین کی کتاب انوارِ معصومیہ میں شامل ہے۔ ۳

مولفِ مقاماتِ معصومی کا یہ بیان غیر واضح ہے کہ

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۱۴/۷۹
۲۔ ایضاً ۱/۱۸۲/۲۵۵
۳۔ ایضاً ۲/۱۰۴/۱۶۳
۴۔ مکتوباتِ معصومیہ، مقدمہ ۱۵
۵۔ ایضاً ۱/۱۴/۷۹
۶۔ ۱۸۱۔۲۲۶

Marfat.com

دو رسالہ درفن حدیث نیز حضرت ایشاں جمع نمودہ اند[۱]

لیکن ہمارے نزدیک مولف کی ان دو رسائل سے مراد یہی اذکار وادعیہ پر مشتمل دو رسائل ہیں، جن میں احادیث کی بنیاد پر اذکار جمع کئے گئے ہیں، اس کا ایک مکمل اردو ترجمہ مولانا نورالحسن تنویر چشتی نے کیا، جو تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے ۲۰۱۳ء کو شائع ہوا۔

حاجی محمد عاشور بخاری

رسالہ دراذکار یومی ولیلی کے جامع حاجی محمد عاشور بخاری تھے، آپ کے بارے میں میر صفر احمد معصومی نے مقاماتِ معصومی میں لکھا ہے:

حاجی محمد عاشور بخاری قدس سرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قبلۂ ابرار (حضرت خواجہ) کے راز دار تھے، انہوں نے حضرت خواجہ کے حضور آپ کے حکم اقدس کے بموجب طالبوں کو توجہ بھی دی، انہوں نے مکتوبات شریفہ (حضرت خواجہ کی جلد ثالث) مخدوم زادۂ ثانی حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے حسب ایما جمع (ومرتب) کی، طویل عمر پا کر ۱۱۰۷ھ کو رحمت حق میں پیوست ہوئے اور دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں مدفون ہیں، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً[۲]

مقاماتِ معصومی میں ہے:

......جلد ثالث از مکتوباتِ شریفہ (حضرت خواجہ محمد معصوم) راحسب الایمای مخدوم زادۂ ثانی حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس جمع فرمودہ......

مکتوباتِ معصومیہ کی جلد ثالث کے جامع حاجی محمد عاشور بخاری اس امر کی خود وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

۱۔ مقاماتِ معصومی ۵۰/۱۸، نیز انہوں نے ایک مقام پر رسالہ درادعیۂ ماثورہ موقتہ وغیر موقتہ لکھا ہے ۱۴۰، مولف روضۃ القیومیہ نے وظائف معصومی کے نام سے جس رسالے کا ذکر کیا ہے وہ ان دونوں رسائل اذکار میں سے ایک رسالہ مراد ہے۔ (۲/۱۵۵)

۲۔ مقاماتِ معصومی ۲/۶۳۷

Marfat.com

بحسب اشارۂ صاحب وصاحبزادۂ جہاں منبع بحرالعرفان...... مخدوم ومخدومزادۂ ارجمند حضرت خواجہ محمد نقشبند...... متصدی جمع آں گردید...... (۵/۳)

حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی حجۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم اور حاجی محمد عاشور بخاری میں بڑی موانست تھی، حضرت حجۃ اللہ نے حاجی عبداللہ کے نام اپنے مکاتیب میں حاجی محمد عاشور کا ذکر کیا ہے، ایک مکتوب میں اپنے مریدین افغانستان کو سلام لکھتے ہوئے ملا عاشور کا نام بھی لکھا ہے (وسیلۃ القبول ۳۰/۱۳/۲) دوسرا خط حضرت حجۃ اللہ کے آخری سفرِ حج سے متعلق ہے جس میں سفر کے حدود و تاریخ سے حاجی عبداللہ، ملا سکندر اور ملا عاشور کو آگاہ کیا ہے۔ (ایضاً ۲/۶۳/۱۰۴۔۱۰۵)

حاجی محمد عاشور بخاری کے نام حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل چار مکاتیب موجود ہیں:

اول: درآنکہ کلمہ طیبہ توحید متضمن خلاصۂ تمام سلوک است...... (۲۹۷/۲۹۶/۱۴۵/۱)

دوم: در بعضی اسرار غامضہ (۵۸/۳۴/۲)

سوم: در بیان طریق اہل اللہ و خلاصۂ سیر و سلوک ایشاں و بیان فنای لطائف عالم امر و بقا آنہا (۱۷۔۱۵/۴/۳)

چہارم: در بیان طریق توجہ (۲۹۲/۲۵۱/۳)

حضرت خواجہ کے حینِ حیات حاجی محمد عاشور بخاری ماوراء النہر خصوصاً بخارا ہی میں متعین اور تربیت طلاب میں مصروف تھے، حضرت خواجہ نے اپنے مکاتیب بنام تیمور بیگ کولابی میں انہیں حاجی محمد عاشور کی خدمت میں رہ کر تعلیم سلوک کی تکمیل کا حکم دیا ہے:

عددی کہ اخوی حاجی محمد عاشور بہ شما نوشتہ اند بر طبق آں عمل نمایند واز جانبِ ما بطریقِ سفارت بآنہا طریقہ بگویند...... (۲۳۶/۱۸۶،۱۲۶/۸۲/۳)

مکتوبات معصومیہ کی جلد اول میں حاجی محمد عاشور بخاری کے نام مکتوب (۱۴۵/۱) میں ان کے نام کے ساتھ لفظ "حاجی" نہیں لکھا گیا، یہ جلد ۱۰۶۳ھ میں مکمل ہوئی لیکن دوسری جلد میں ان کے نام کے ساتھ جامع نے "حاجی" لکھا ہے (۱۳۲،۳۴/۲) اور تیسری جلد کے منقولہ بالا اقتباس میں تو حضرت خواجہ نے خود

Marfat.com

ان کے نام کے ساتھ لفظ ''حاجی'' بھی تحریر کیا ہے، دوسری جلد ۱۰۷۲ھ میں اور تیسری ۱۰۷۳ھ میں تکمیل کو پہنچیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حاجی محمد عاشور نے پہلی جلد کی تکمیل ۱۰۶۳ھ کے بعد اور دوسری جلد کی تدوین ۱۰۷۲ھ سے پہلے حج کیا، عین ممکن ہے حضرت خواجہ کے ہمراہ ۱۰۶۸ھ میں یہ سعادت نصیب ہوئی ہو۔

حاجی محمد عاشور بخاری حسینی سید تھے، انہوں نے اپنا پورا نام اس طرح لکھا ہے:

''اضعف عباداللہ الباری حاجی محمد عاشور بن حاجی مرزا محمد البخاری الحسینی (۲/۳)

دوسری جلد کے جامع جو خود حسینی سید تھے یعنی میر شرف الدین حسینی ہروی نے بھی ان کا نام:

سیادت پناہ جامع جلد ثالث حاجی محمد عاشور بخاری (۳۴۲/۵۸)

لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری جلد کی ترتیب ۱۰۷۲ھ کے دوران ہی حاجی محمد عاشور نے مکتوبات معصومیہ کی تیسری جلد کی تدوین کا آغاز کر دیا تھا، اور اس سے اگلے سال ۱۰۷۳ھ میں یہ جلد مکمل ہو گئی، ''مکاتبات قطبِ زماں'' سے اس کا سالِ تدوین برآمد ہوتا ہے۔ (۵/۳)

حاجی محمد عاشور بخاری شاعر بھی تھے، ان کی نثر و نظم دونوں کا نمونہ ان کی مرتبہ ''مکتوباتِ معصومیہ'' کی جلد سوم کا دیباچہ ہے، جس میں نثر کے علاوہ دس اشعار کی ایک نظم، تین قطعات اور ایک رباعی بھی ہے لیکن انہوں نے اس میں یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ اشعار خود ان کی تصنیف ہیں، غالب گمان ہے کہ یہ اشعار انہیں کے ہیں۔

حضرت خواجہ سیف الدین نے حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں اورنگ زیب کی صحبت میں رہتے ہوئے جو عریضے ارسال کئے تھے ان میں لکھا ہے کہ حاجی عاشور بھی آپ کی ''عنایاتِ خاص'' کے امیدوار ہیں۔ (مکتوباتِ سیفیہ ۱۳/۴)

جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حاجی محمد عاشور کو سلوک کی مشق کے لئے حضرت خواجہ سیف الدین کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا، نیز حضرت خواجہ سیف الدین نے ان کے نام کے ساتھ بخاری کی بجائے ''بلخی'' لکھا ہے، ہو سکتا ہے وہ اصلاً بخارا کے ہوں اور بلخ میں مقیم رہے ہوں۔

Marfat.com

در سال ہزار و صد و ہفت بہ رحمت حق پیوستہ در دار الخلافہ شاہ جہان آباد آسودہ است

(۴۹۸/۳ مقاماتِ معصومی)

گویا حاجی محمد عاشور بخاری ۱۱۰۷ھ میں دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں دفن بھی، ہمیں کسی ذریعے سے بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ دہلی میں آ کر کب اور کیوں مقیم ہوئے تھے، ممکن ہے اورنگ زیب کی مصاحبت میں رہتے ہوں، مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم نے انہیں کولاب میں متعین کیا تھا[کولاب یکی از پرگنات بدخشان است (تذکرہ ہمایوں و اکبر ۱۰۴)]

کولاب کے قدیم محل وقوع و مباحث کے لئے دیکھئے:

۱۔ بارٹولڈ: گزیدۂ مقالات بامداد اشاریہ

۲۔ تعلیقاتِ عرشی بر تاریخ اکبری ۲۸۷

۳۔ تعلیقات مینورسکی بر حدود العالم ۴۲، ۲۰۵

۴۔ تاریخ بدخشاں بامداد اشاریہ

حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوب مذکورہ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بخارا میں حاجی عبد اللہ کے ہم نشین تھے، گویا حاجی محمد عاشور بخارا، بلخ اور کولاب میں مقیم رہے اور حضرت حجۃ اللہ کے تیسرے سفر حج کے بعد دہلی آئے ہوں گے، ممکن ہے ان کے ہمراہ آئے ہوں۔

حاجی محمد عاشور بخاری خطاط بھی تھے، ان کا خط نہایت پختہ اور پاکیزہ تھا، مولانا محمد سالم بن حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی کے کتب خانہ (کوئٹہ، پاکستان) میں فصل الخطاب کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، حضرات مجددیہ کو یہ نسخہ ناقص الآخر حالت میں دستیاب ہوا تھا، حضرات نے حاجی محمد عاشور بخاری سے اس کی تکمیل کے لئے کہا تو انہوں نے اس امر پر عمل کیا، نسخہ کے آخر میں انہوں نے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

خانقاہ مجددیہ قلعہ جواد، کابل میں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا جو متبرک نسخہ، حضرت خواجہ محمد معصوم ہے (جس کے بعض اوراق کا عکس شامل کتاب مقاماتِ معصومی ہے) اس پر تحریر تملیک انہیں حاجی محمد عاشور بخاری کی ہے، اسی طرح خانقاہِ نقشبندیہ سراجیہ کندیاں (پاکستان) میں ''انیس الطالبین'' کے خطی نسخہ پر بھی

Marfat.com

ان کے دستخط ہیں، فصل الخطاب کے نسخۂ مذکورہ کے آخری اوراق کا خط اور انیس الطالبین کا خط ایک جیسا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انیس الطالبین کا مکمل نسخہ انہیں حاجی محمد عاشور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

مکتوباتِ معصومیہ کی جلد ثالث کے علاوہ حاجی محمد عاشور بخاری نے حضرت خواجہ کے رسالہ ''احادیث درازکاریومی ولیلی'' کی بھی تدوین کی تھی اور اس پر ایک دیباچے کا اضافہ کیا تھا، یہ غیر مطبوعہ دیباچہ ہم نے کتاب مقاماتِ معصومی کے مقدمے میں بعنوان ''تالیفات حضرت خواجہ'' کے تحت نقل کر دیا ہے۔[۱]

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ لازم ہے کہ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے کتابخانہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک کتاب مقاماتِ شیخ خواجہ محمد معصوم تالیف حاجی محمد عاشور بخاری کتابت ۱۳۲۱ھ کاتب نور محمد موسیٰ خیلی کی نشاندہی کی ہے (کتابخانہ ہای پاکستان ۱/۲/۱۷) ڈاکٹر تسبیحی صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، یہ نسخہ احقر نے خود مذکورہ کتاب خانے میں جا کر دیکھا ہے، یہ دراصل مکتوباتِ معصومیہ کی جلد ثالث ہے، جس کے دیباچے میں حاجی محمد عاشور کے نام سے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ مخطوطہ شاید حضرت خواجہ کے مقامات پر ہے، اس جلد کا سالِ کتابت واسمِ کاتب بالکل یہی ہے، جو مقامات کا بتایا گیا ہے۔

۱۔ رسالہ اذکار یومی ولیلی کا مکمل متن، قلمی نسخہ کا عکس ہمارے مقدمہ کے ساتھ ارمغان امام ربانی کی جلد دہم میں شامل ہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے نامور خلیفہ، مکتوب الیہ اور آپ کے فرزندوں کے استاد تھے۔

حضرت شیخ محمد طاہر کا سال ومقام ولادت کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا؟ آپ کے معاصر سوانح نگار شیخ بدرالدین سرہندی نے آپ کا سالِ وصال ۱۰۴۰ھ اور عمر ۵۶ سال تحریر کی ہے[۱] اس اعتبار سے آپ کا سال ولادت ۹۸۴ھ (۱۰۴۰ھ-۵۶=۹۸۴ھ) قیاس کیا جاسکتا ہے۔

غالب گمان ہے کہ شیخ محمد طاہر، لاہور کے ہی باشندہ ہوں گے اور آپ کی ولادت بھی مذکورہ سنہ میں یہیں ہوئی ہوگی، شیخ بدرالدین سرہندی جو آپ کے معاصر بھی ہیں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ لاہور کے مشہور مشائخ میں سے تھے[۲]

آپ کے ایک اور معاصر خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری نے لکھا ہے کہ شیخ محمد طاہر نے لاہور کے مشہور عالم مُلا جمال تلوی کی خدمت میں تحصیل کی[۳] جو اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ لاہور ہی کے باشندے تھے۔

۱۔ حضرات القدس ۲/۳۲۶ ۲۔ ایضاً ۲/۳۱۹

۳۔ طبقات شاہ جہانی ۲/۲۶۴ مولانا جمال تلوی، لاہور کے اکابر علماء ومدرسین میں سے تھے، لاہور کے مضافات میں ایک بڑا محلّہ تلہ تھا، آپ کا مسکن ومدرسہ وہیں پر تھا، آپ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ھ) سے بہت عقیدت رکھتے تھے (طبقات شاہ جہانی ۲/۲۱۲)، حضرت مجدد الف ثانی کا شیخ کے وصال سے ذرا پہلے لاہور ہی میں قیام تھا، تو اس دوران یہاں جو اکابر علماء آپ سے ملنے آئے ان میں مولانا جمال کا ذکر خصوصی طور پر ملتا ہے، (زبدۃ المقامات ۱۵۷) مولانا جمال نے فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کے اکثر مقامات کی اصلاح کر کے اُسے مربوط بنایا تھا (منتخب التواریخ ۳/۷۲) مولانا تلوی کا انتقال ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ھ کو ہوا (طبقاتِ شاہ جہانی ۲/۲۱۳) تاریخ محمدی (۲/۵/۹۴) میں ۱۰۱۶ھ درج ہے۔

Marfat.com

آپ کے والد کا نام کاتب کی غلطی سے محمد لکھا گیا ہے یعنی لطائف غیبیہ مطبوعہ ص ۱۵ میں محمد بن طاہر لکھا گیا ہے، جب ہم نے قلمی نسخہ کی طرف رجوع کیا تو وہاں محمدن الطاہر درج تھا یعنی کاتب نے کم علمی کے باعث ن کو بن لکھ دیا، یعنی اب تک شیخ محمد طاہر کے والد کا اسم گرامی معلوم نہیں ہے۔

تکمیل کے بعد آپ نے لاہور میں ہی درس وتدریس کا آغاز کر دیا، آپ بہت جلد شہرت کی بلندیوں پر فائز ہوئے، آپ کو حضرت مجدد الف ثانی نے جو خلافت نامہ دیا تھا، اس میں آپ کے لئے "عالم العامل الفاضل الکامل" کے الفاظ لکھے ہیں [۱] حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے فرزندوں شیخ محمد صادق، خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کی تعلیم وتربیت آپ ہی کے سپرد کر دی تھی [۲] شیخ بدرالدین سرہندی کے الفاظ ہیں:

"آن عزیز (شیخ محمد طاہر) درآں بلدہ (لاہور) بافادہ طلبہ مشغول گشت [۳]

آپ نے صاحبزادگان کی تعلیم وتفہیم کے لئے بہت کوشش وخدمت کی، مخدومزادگان اکثر اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کرتے تھے:

حقوق حضرت شیخ طاہر برمایان نہ آں قدرست کہ از عہدہ شکر آں توانیم برون آمد [۴]

لیکن صاحبزادہ اصغر حضرت شاہ محمد یحیٰی کی تعلیم وتربیت آپ کے سپرد نہ کی جا سکی، حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے:

"محمد یحیٰی را ہم می خواہم بشیخ طاہر بسپارم کہ چو برادرانش از میمنت انفاس شیخ عالم شود، اما الحال شیخ طاہر راآں دماغ کے ماندہ؟ [۵]

شیخ محمد طاہر باقاعدہ حافظ قرآن بھی تھے۔[۶]

۱۔ حضرت القدس ۲/۳۲۰ ۲۔ ایضاً ۲/۲۲۳

۳۔ (ایضاً ۲/۳۲۱) ۴۔ زبدۃ المقامات ۳۴۰

۵۔ ایضاً ۳۴۰ ۶۔ حضرات القدس ۲/۳۲۰، زبدۃ المقامات ۳۴۰

Marfat.com

درس وتدریس

حضرت شیخ محمد طاہر کا لاہور میں کہاں قیام تھا، کس مدرسہ سے وابستہ تھے؟ کسی معاصر نے اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

آپ کے معاصر خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شہادت دی ہے:

شیخ در بلدۂ لاہور تا امروز (۱۰۳۷ھ) بافادۂ طلبۂ علوم دینی وافاضہ سالکان براہ یقین مشتغل ست [۱]

شیخ بدرالدین سرہندی کی رائے نقل کی جا چکی ہے کہ:

آں عزیز درآں بلدہ بافادہ طلبہ مشغول گشت [۲]

ایک تیسرے معاصر خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری نے لکھا ہے:

از علمائے متعین لاہور بود [۳]

مولوی احمد علی فتح پوری نے کسی غلط فہمی سے شیخ محمد طاہر کو مسجد وزیر خان، لاہور کا مدرس لکھ دیا ہے۔ [۴] حالانکہ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نواب وزیر خان نے یہ مسجد ۱۰۴۴ھ کو تعمیر کروائی تھی [۵] گویا اس سے چار سال قبل ہی شیخ محمد طاہر کا ۱۰۴۰ھ کو وصال ہو گیا تھا۔

شیخ محمد طاہر لاہور میں محلہ شیخ اسحٰق میں رہتے تھے، جواب موتی بازار اور چونہ منڈی کہلاتی ہے، گمان

۱۔ زبدہ ۳۴۶ ۲۔ حضرات ۲/۳۲۱

۳۔ طبقات شاہ جہانی ۲/۲۶۴، اس سے ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے قیاس کیا ہے کہ شیخ محمد طاہر کو شاہ جہان بادشاہ نے لاہور میں مدرس مقرر کیا، مقالہ مشمولہ:

Jaurnal of Pakistan Historical Society, Karachi july 1977

اس کا ڈاکٹر اختر نے کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا، یہ محض تخمینہ ہے۔

۴۔ قصر عارفان مرتبہ محمد باقر، مشمولہ اورنٹیل کالج میگزین، لاہور مئی ۱۹۶۵ء ص ۴۹۷

۵۔ مسجد وزیر خان، مولفہ عبداللہ چغتائی، کتبۂ تعمیر کا عکس

Marfat.com

ہے کہ وہاں آپ نے درس وتدریس کے لئے ایک مدرسہ بھی بنایا ہوگا، جو آپ کی وفات ۱۰۴۰ھ تک جاری رہا ہوگا، جو شہر لاہور کے حصار کے اندر تھا، [1] اس کے قریب ہی اکبر بادشاہ کے عہد کا ایک محلّہ میانی تھا، جہاں زیادہ تر علماء ہی رہتے تھے، پنجابی میں میاں مولوی اور ملا کو کہتے ہیں، اس لئے اس محلّہ کا نام ہی میانی مشہور ہو گیا، محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں یہاں سے علماء اختلافات کے سبب چلے گئے تو یہ علاقہ ویران ہو کر لاہور کا قبرستان بن کر رہ گیا، جب حضرت شیخ محمد طاہر فوت ہوئے تو انہیں بھی اسی قبرستان میں دفن کر دیا گیا[2] اب اس قبرستان میں سب مشہور مزار انہی حضرت کا ہے۔

تالیفات

شیخ محمد طاہر لاہوری بادشاہوں اور امراء کے ہاں نہ خود جاتے تھے اور نہ آنے والے منصب داروں سے ملتے تھے، نذر و نیاز بھی قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ تفسیر وحدیث مثل بیضادی، مشکوۃ کے معرا نسخے بازار سے خرید کر انہیں حواشی سے مزین کرتے اور دیگر نسخوں سے تقابل کے بعد انہیں فروخت کر دیتے، اس طرح جو کچھ حاصل ہوتا اسی سے اپنی گذر اوقات کرتے تھے۔ [3]

اب یہاں اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ آپ یہ حواشی خود تحریر فرماتے تھے یا پہلے سے محشی کتب کی نقل وتقابل کر کے ہی فروخت کرتے تھے، غالب گمان ہے کہ آپ چونکہ خود اجل عالم تھے اس لئے یہ حواشی خود آپ کی تصنیف وتالیف کئے ہوئے ہوں گے۔

لیکن چونکہ آپ یہ محشی کتب فروخت کرتے تھے اس لئے ان پر اپنا نام بحیثیت محشی تحریر نہیں کرتے تھے، راقم کو درسی کتب کے بہت سے مخطوطات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن کسی میں بھی ان کا نام درج کیا ہوا نہیں دیکھا۔

منشی محمد الدین فوق کشمیری نے کسی غلط فہمی کے باعث ایک کتاب تذکرہ مجددیہ کو آپ کی تصنیف لکھ دیا

۱۔ تحقیقات چشتی ۱۶۸

۲۔ ایضاً ۱۶۷، تاریخ لاہور از کنہیالال ص ۲۹۵

۳۔ حضرات القدس ۲/۳۲۲، نتائج الحرمین ۳/۱۸۶۔الف

Marfat.com

ہے کہ اس میں آپ نے وہ عرائض جمع کردیئے ہیں، جو آپ نے لاہور سے سرہند اپنے شیخ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں لکھے تھے۔ ۱؎

بظاہر فوق کی یہ معلومات تحقیقات چشتی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں لیکن وہاں تو اس کتاب کو آپ کی تالیف لکھا ہی نہیں گیا، اگر فوق مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب خزینۃ الاصفیاء دیکھتے تو ان سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی، مفتی صاحب نے وضاحت کی ہے: صاحب تذکرہ مجددیہ کی تاریخ وفات از لفظ ''غم'' و''آہ معرفت مُرد'' اخذ کردہ است ۲؎

یعنی تذکرہ مجددیہ کے مولف نے شیخ محمد طاہر کا سال وفات لفظ غم اور آہ معرفت مُرد سے اخذ کیا ہے، گویا اس کے مولف شیخ محمد طاہر کے کوئی عقیدت مند تھے، ہاں یہ عرائض بحضور حضرت مجدد الف ثانی زبدۃ المقامات، حضرات القدس اور نتائج الحرمین میں بھی نقل ہوئے ہیں۔

اسی طرح پروفیسر خورشید حسین بخاری مرحوم نے بغیر حوالہ کے شرح قصیدہ غوثیہ بخط شیخ محمد طاہر لاہوری کے کتب خانہ مجلس شوریٰ ملی، تہران، ایران میں موجودگی کا بغیر حوالہ کے دعویٰ کیا ہے، جو اب بے بنیاد ثابت ہو چکا ہے، حال ہی میں ایک ایرانی فاضل مصطفیٰ درایتی نے فہرستوارہ بارہ جلدوں میں مرتب کی ہے، جو پورے ایران کے مخطوطات کی نشاندہی کرتی ہے، اُن کی آخری دو جلدیں تو اشاریے ہیں جن میں حضرت

۱۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء والمشائخ (تذکرہ علمائے لاہور) ص ۱۵

اگرچہ منشی فوق نے کشمیر کی تاریخ وشخصیات پر کئی کتب لکھی ہیں اور تذکرہ علمائے لاہور بھی تالیف کی ہے، لیکن مجھ عاجز کا مشاہدہ یہ ہے کہ موصوف فن تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری سے کما حقہ واقف ہی نہیں تھے، محض حاطب اللیل کی طرح رطب ویابس جمع کرکے کتابیں بنا کر خود ہی چھاپ دی تھیں، تذکرہ مجددیہ کے متعلق بظاہر ان کی معلومات تحقیقات چشتی (ص ۱۶۴) سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں، لیکن چشتی نے تو یہ نہیں لکھا کہ یہ تذکرہ خود شیخ محمد طاہر کی تصنیف ہے، یہ فوق کی غلط فہمی ہے، ہمیں تعجب ہے کہ ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب پاکستان میں فارسی ادب ۳/۳۹۸ میں فوق کے اس بیان پر بلا تحقیق اعتماد کرکے شیخ محمد طاہر لاہوری کو اس کا مصنف بنا دیا۔

۲۔ خزینۃ الاصفیاء

Marfat.com

شیخ محمد طاہر لاہوری کا کہیں نام تک نہیں آیا، کاتبوں کا اشاریہ بھی ہم نے دیکھ لیا ہے، اسی طرح ان کا یہ لکھنا کہ شیخ نے قصیدہ غوثیہ کی شرح بھی لکھی ہے، محض بے بنیاد ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے حضور

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری ذی علم بزرگ تھے اور شرع شریف کے پابند بھی، اس لئے کوئی ایسا ہی شیخ چاہتے تھے، جو ان صفات کا حامل ہو، جب آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں سُنا تو آپ کی زیارت کے لئے جانے کا ارادہ کرلیا۔

روضۃ القیومیہ کے ایک اندراج کے مطابق جس سال (۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) حضرت خواجہ باقی باللہ کا وصال ہو، اس سے چند ماہ پہلے حضرت مجدد الف ثانی لاہور میں تشریف رکھتے تھے، جہاں اکابر علماء وصوفیہ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، ان میں مولانا شیخ محمد طاہر لاہوری، حاجی محمد، مولانا میر صفر احمد بن میر محمد رمضان رومی، ان کے بھائی خواجہ میر فرخ حسین اور مولانا جمال تلوی بھی شامل ہیں [۱]۔ اس کے بعد شیخ محمد طاہر لاہور سے باقاعدہ سرہند حاضر ہوکر حضرت مجدد الف ثانی کے حضور رہ کر سلوک کی مشق میں مصروف ہوئے اور بہت ہی افتقار کے ساتھ وہاں قیام کیا، معاصر تذکرہ نویس خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے:

> خدمت شیخ سالہا بانکسار وذلت وافتقار تمام در عتبہ علیہ گذرانید [۲]

دوسرے معاصر شیخ بدر الدین سرہندی کے الفاظ بھی ایسے ہی ہیں:

> ناچار خود را باستان عرش نشان رسانید وسالہا خاکساری و جان سپاری و افتقار وانکسار در عتبہ علیہ گذارنید لاجرم از دولت ایں تعظیم وتکریم وادب وہیبت بہ یمن نظر کیمیا اثر حضرت ایشاں بمرتبہ کمال و تکمیل رسید [۳]

جب آپ نے سلوک کی تعلیم مکمل کرلی تو آپ کو سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ میں طالبوں کی تربیت کے لئے لاہور روانہ کرتے ہوئے خلافت نامہ بھی لکھ کردیا، [۴] شیخ محمد طاہر لاہوری ہر سال یا ہر دوسرے

۱۔ روضۃ القیومیہ ۱/۱۱۶-۱۱۹ ۲۔ زبدۃ المقامات ۳۴۰ ۳۔ حضرات القدس ۲/۳۲۰

۴۔ ایضاً ۳۲۰-۳۲۱، شیخ محمد طاہر اور حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ روابط کے بعض امور اسی مقالہ میں مختلف عنوانات کے تحت بیان کئے جاچکے ہیں۔

Marfat.com

سال کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے حضور سرہند حاضر ہوتے رہتے تھے اور فیض یاب ہو کر دوبارہ واپس لاہور چلے جاتے تھے۔ [۱]

شقاوت کا ظہور

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی حلقہ ذکر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی پیشانی پر لفظ ''شقی'' لکھا ہوا ہے، آپ نے ان کا نام لیے بغیر فرمایا کہ ہمارے اس حلقہ میں ایک عالم کے ماتھے پر شقی لکھا ہوا نظر آرہا ہے، جس پر وہاں موجود علماء یہ سن کر پریشان ہو گئے اور ان پر ہیبت طاری ہوگئی، پھر آپ نے فرمایا کہ وہ صاحب شیخ طاہر ہیں، جس پر انہوں نے خوف زدہ ہو کر عرض کی کہ آپ دعا فرمایئے کہ اس بلیہ سے نجات ملے، جس پر آپ نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو قضائے مبرم ہے جو بدلی نہیں جاسکتی، آپ کو یاد آیا حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں دعا کروں تو یہ قضائے مبرم بھی بدل سکتی ہے، آپ نے رب کریم سے دعا کی اگر حضرت غوث اعظم کو یہ شرف حاصل ہوا ہے تو مجھے بھی عطا ہو، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی یہ شرف بخشا اور شیخ طاہر لاہوری کو اس شقاوت سے نجات ملی۔ [۲]

آپ نے حضرت شیخ طاہر کو جو اجازت نامہ خلافت دیا ہے اس میں بھی اس کا ذکر موجود ہے [۳] آپ نے اپنے ایک مکتوب میں بھی تقدیر معلق اور تقدیر مبرم کی وضاحت کی ہے [۴] لیکن وہاں آپ نے حضرت شیخ محمد طاہر کا نام نہیں لکھا بلکہ ایک دوست تحریر فرمایا ہے۔

شیخ محمد طاہر لاہوری اور شیخ آدم بنوڑی

حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے نامور خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوڑی (ف ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) تھے انہوں نے پہلے تو حضرت مجدد الف ثانی سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت لی اور پھر انہیں رخصت کرتے وقت آپ نے سلسلہ قادریہ میں بھی اجازت دی [۵] انہیں اس سلسلہ میں بہت درک حاصل ہو گیا اور جب

۱۔ حضرات القدس ۲/۳۲۲ نتائج الحرمین ۳/۱۸۷)
۲۔ زبدۃ المقامات ۳۴۱
۳۔ حضرات القدس ۲/۳۲۱
۴۔ مکتوبات امام ربانی ۱/۲۱۷
۵۔ زبدۃ المقامات ۳۴۲

Marfat.com

ان کی شہرت حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری تک پہنچی تو آپ نے بنور سے لاہور آ کر سلسلہ قادریہ کا فیض شیخ محمد طاہر کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا، حضرت شیخ بنوری فرمایا کرتے تھے کہ میں ہندوستان کے بہت سے مشائخ سے ملا ہوں لیکن جو روحانی مرتبہ شیخ محمد طاہر کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ ۱

عبداللہ خویشگی قصوری تذکرہ اخبار الاولیاء (تالیف سال ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء) میں جو آپ کا قریب العہد تذکرہ ہے اس میں دو اشارات اہم ہیں اول یہ کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علماء اور عوام کے طعنوں کا خطرہ نہ ہو تو میں مشہور پنجابی شاعر شاہ حسین لاہوری کے مزار پر جا کر ان کی روح سے استمداد کروں۔

دوسرا واقعہ یہ درج ہے کہ جب آپ عوام وخواص کی ملاقات سے گھبرا جاتے تو کچھ عرصہ کے لئے لاہور کے ایک مضافاتی موضع جیا موسیٰ چلے جایا کرتے تھے، آپ کے خدام لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ شیخ ان دنوں ہجوم سے تنگ آ کر آرام کے لئے جیا موسیٰ گئے ہیں، جس سے آپ کو قدرے سکون میسر آ جایا کرتا تھا۔ ۲

سالِ وصال

معاصر تذکرہ نویس شیخ بدرالدین سرہندی نے شیخ محمد طاہر لاہوری کا وصال پنجشنبہ وقت چاشت ۲۰ محرم ۱۰۴۰ھ درج کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ میانی میں دفن ہیں اور ''آہ مرد معرفت'' اور لفظ ''غم'' کے عدد جمع کرنے سے آپ کا سال وفات برآمد ہوتا ہے، ۳ آپ کے ایک دوسرے معاصر شیخ محمد امین بدخشی مکی نے بھی یہی ماہ وسال وفات درج کیا ہے ۴ زبدۃ المقامات کی تالیف (۱۰۳۷ھ) کے دوران آپ بقید حیات تھے، آپ کے نام کے ساتھ مولف نے ''سلمہ اللہ تعالیٰ'' کا دعائیہ جملہ لکھا ہے۔ ۵

۱۔ محمد امین بدخشی: نتائج الحرمین ۳/ شیخ آدم بنوری نے خود محمد طاہر لاہوری کا اپنی کتاب خلاصۃ المعارف میں ذکر کیا ہے (خلاصۃ المعارف، مقدمہ)

۲۔ اخبار الاولیاء قلمی ورق ۱۵۷۔الف ہم نے ایک مقالہ میں اخبار الاولیاء کی فارسی عبارتیں نقل کر کے ان پر بحث کرتے ہوئے کچھ نتائج اخذ کیے ہیں یہ مقالہ اب تذکرہ علما و مشائخ پاکستان و ہند کی جلد دوم میں شامل ہے۔

۳۔ حضرات القدس ۲/۳۳۶ ۴۔ نتائج الحرمین ۳/۱۸۸۔الف ۵۔ زبدۃ ۳۴۰

Marfat.com

مولف تاریخ محمدی نے بھی آپ کا سال وفات ۱۰۴۰ھ میں لکھا ہے۔ ۱

لیکن آپ کے ایک اور معاصر خواجہ محمد صادق ہمدانی نے سال وفات ۱۰۳۸ھ دیا ہے ۲ جو چنداں قابل اعتماد نہیں ہے، متاخرین کا اختلاف لائق اعتنا نہیں ہے۔

اولاد

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری نے عمر کا بڑا حصہ مجردانہ گزارا، آخری عمر میں سنت مبارکہ پر عمل کرنے کے لئے نکاح کیا، ۳ آپ کی دو ازواج تھیں، ایک ماہ خانم بنت مرزا امان اللہ اور دوسری عصمت النساء بنت سید عبداللہ۔ ۴

لاہور کے مقامی تذکرہ نویسوں کی تحریرات پڑھ کر میں نے بھی یہی قیاس کر لیا تھا کہ حضرت شیخ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، لیکن ذخیرۂ آذر (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) کے ایک مخطوطہ ''مخزنِ ہدایت ومرأت المعرفت'' تالیف شاہ محمد قریشی بن شیخ کرم الدین کا ایک روز مطالعہ کر رہا تھا، جس میں مولف نے اپنے شیخ الٰہی شاہ کے ملفوظات جمع کیے ہیں، یہ کتاب ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء کو تالیف ہوئی ہے، اس میں بزرگوں کی کرامات مولف نے اپنے مذکورہ شیخ کی زبانی جمع کی ہیں، اس میں شیخ محمد طاہر لاہوری کی ایک کرامت درج ہے کہ آپ نے حج کا ارادہ کیا تو آپ کی ایک زوجۂ محترمہ نے کہا کہ میں آپ کے بغیر اس فقر وفاقہ کے ساتھ یہاں زندگی نہیں گذار سکتی اور یہ کہ ہماری بیٹی بھی اب بالغ ہوگئی ہے، پہلے اس کا فرض پورا کریں۔ ۵

آپ کے پاس اس مقصد کے لئے وسائل نہیں تھے، پھر کراماتی طور پر کچھ رقم جمع ہوئی تو آپ نے ان کا نکاح کیا، اس بیٹی کا عقد کن سے ہوا؟ ہمیں تا حال علم نہیں ہے، آپ کی کسی نرینہ اولاد کا بھی ہم حال نہیں جانتے۔

۱۔ تاریخ محمدی ۲/۵/۲۰۰ ۲۔ طبقاتِ شاہ جہانی ۲/۲۰۰

۳۔ حضرات القدس ۲/۳۲۲ ۴۔ تحقیقاتِ چشتی ۱۶۶

۵۔ مخزنِ ہدایت، قلمی ذخیرۂ آذر (شمارہ 62/A No.8231) ورق ۵۰۔۵۱

Marfat.com

مریدین وخلفاء

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری کو حضرت مجدد الف ثانی سے سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ میں اجازت و خلافت ملی تھی، خلافت نامہ حضرات القدس اور لطائف غیبیہ میں درج ہے، آپ نے اپنے ایک عریضہ بنام حضرت مجدد الف ثانی میں اپنے مخلصین کا ذکر کیا ہے کہ یہاں یعنی لاہور کے فقراء روحانی اشغال میں مصروف اور آپ کی توجہات کے خواہش مند ہیں، ان میں سے بعض اجازت کے بھی قابل ہوگئے ہیں ان میں سے ایک حافظ یعقوب عالم، عامل اور قاری ہیں، دوسرے حافظ محمود طالب علم، قاری وعامل ہیں۔

پرگنہ پُرسرور (پسرور) سے ایک جواں آئے ان پر توجہ کی تو ان کے چاروں لطائف جاری ہوگئے ہیں، چونکہ وہ طالب علم، حافظ وقاری ہیں اس لئے میں نے اجازت بھی دے دی ہے، ان کے علاوہ فضائل مآب مولانا حامد، جو میرے طالب علم بھی ہیں، سلوک کی مشق میں مصروف ہیں، اسی طرح میاں فرخ حسین بھی مصروف کار ہیں۔ [۱] (یہ وہی فرخ حسین ہیں جو ۱۰۱۲ھ کو لاہور میں حضرت مجدد الف ثانی سے ملے بھی تھے)

ان کے علاوہ شیخ آدم بنوری نے بنور سے لاہور حاضر ہوکر آپ سے نسبت باطنی حاصل کی تھی [۲] خاندانی ماخذ روضۃ القیومیہ میں ہے کہ شیخ آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کے بعد شیخ طاہر سے ملے اور قادریہ سلسلہ کی نسبت حاصل کی تھی، [۳] کیوں کہ جب آپ کو لاہور کے لئے رخصت کیا گیا تو حضرت مجدد الف ثانی نے سلسلہ قادریہ کی بھی خلافت عنایت کی تھی۔ [۴]

کتاب تحقیقات چشتی میں حضرت شیخ محمد طاہر سے وابستہ حسب ذیل افراد کا ذکر کیا گیا ہے: [۵]

۱- شیخ ابو محمد قادری لاہوری (وفات دس سال بعد حضرت شیخ طاہر یعنی ۱۰۵۰ھ) مدفون نزد مزار حضرت شیخ طاہر۔

۱۔ حضرات القدس ۲/ ۳۲۵، نتائج الحرمین ۳/ ۱۸۶۔۱۸۷۔الف

۲۔ نتائج ۳/ ۱۸۵۔ب ۳۔ (روضۃ القیومیہ ۱/ ۳۲۷-۳۲۸)،

۴۔ زبدہ ۳۴۲، حضرات ۲/ ۳۲۰ ۵۔ تحقیقات چشتی ص ۱۶۶

Marfat.com

۲- سید خیر شاہ چشتی۔

۳- سید صوفی (مدفون دہلی)۔

۴- گھلن شاہ مست (مدفون موری دروازہ، لاہور)۔

۵- شیخ ابو القاسم (مدفون جدہ)۔

شیخ محمد طاہر کے خلفاء میں سے شیخ ابو محمد قادری سے سلسلہ قادریہ کی خوب ترویج ہوئی، ان کے فرزند شیخ محمد افضل کلانوری تھے، جن کے خلیفہ شیخ فاضل الدین قادری بٹالوی (۱۰۷۰-۱۱۵۱ھ/۱۶۶۰-۱۷۳۸ء) سے سلسلہ قادریہ کی ایک شاخ بٹالہ ضلع گرداس پور، مشرقی پنجاب (ہندوستان) کا آغاز ہوا، اس خانوادہ کے احوال پر ایک اہم تذکرہ شرائف غوثیہ کے نام سے شیخ محمد بن غلام غوث بٹالوی نے بٹالہ میں ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء کو لکھا تھا، جو تا حال شائع نہیں ہوا، اس کا قلمی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں محفوظ ہے۔[۱]

شیخ فاضل الدین بٹالوی نے شرح قصیدہ غوثیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا اردو ترجمہ ملتان سے ۲۰۰۳ء کو طبع ہوا، انہوں نے اس قصیدہ کی شرح فارسی میں بیان الاسرار کے نام سے لکھی تھی، جس کا متن اور اردو ترجمہ مرکز خانقاہ قادریہ فاضلیہ، لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

مقام بندگی

صوفیہ کے نزدیک بندگی مقام تسلیم ورضا کا نام ہے، جس پر ایک سالک فائز ہو کر ماسوا اللہ کے سب کچھ بھول جاتا ہے، خواجہ عبداللہ انصاری نے لکھا ہے کہ صوفیہ کے مقامات میں یہ مقام بہت گراں اور دشوار گذار ہے (تفسیر خواجہ انصاری بحوالہ فرہنگ معارف اسلامی ۱/۴۴۰-۴۴۱ مولفہ سید جعفر سجادی)۔

صوفیہ میں حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری اس قدر ریاضت ومجاہدہ کرتے تھے کہ اس کی مثال ملنا دشوار ہے، معاصر مولف شیخ بدر الدین سرہندی کا مشاہدہ ہے:

۱۔ نوشاھی، عارف: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزہ ملی پاکستان ص ۷۸۴

Marfat.com

"شیخ ریاضات ومجاہدات شاقہ می کشید واز غایت ریاضات خشک شدہ بود و پوست و استخوان ماندہ [۱]

دوسرے معاصر شیخ محمد امین بدخشی نے لکھا ہے کہ آپ کثرت ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔ [۲]

اس لئے بجا طور پر لاہور کے مقامی تذکرہ نویسوں نے آپ کو سراپا ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے مقام بندگی پر فائز بتایا ہے، یہ مقام آپ کے نام کے ساتھ اتنا مشہور ہوا کہ مقامی عقیدت مند بھی آپ کو شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری ہی لکھتے اور کہتے ہیں گویا یہ آپ کا لقب بن کر رہ گیا ہے۔

میں عرصہ دراز سے آپ کے نام کے اس لقب کا اندراج کسی معاصر یا قریب العہد ماخذ کی تلاش میں تھا، آپ کے معاصر تذکرہ نویسوں خواجہ محمد ہاشم کشمی، شیخ بدرالدین سرہندی اور شیخ محمد امین بدخشی نے یہ لقب یا مقام آپ کے نام کے ساتھ نہیں لکھا۔

اس باب میں سب سے زیادہ افراط وتفریط کا شکار پروفیسر خورشید حسین بخاری ہوئے جنہوں نے خود بغیر حوالہ کے یہ لکھ دیا ہے کہ آپ کو بندگی کا لقب حضرت شاہ کمال کیتھلی نے عطا فرمایا۔ [۳]

موصوف اس سے پہلے خود ہی زبدۃ المقامات میں مندرج شاہ کمال کیتھلی کا سال وفات ۹۸۱ھ کو تحقیق سے صحیح ثابت کر چکے ہیں [۴] پروفیسر بخاری نے مزید تحقیق فرماتے ہوئے شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری کا سالِ ولادت ۹۸۴ھ متعین کیا ہے۔ [۵]

گویا ان کی اپنی تحقیق کے مطابق شاہ کمال کیتھلی شیخ محمد طاہر کی ولادت سے تین سال بعد تولد ہوئے، بھلا آپ کیسے شیخ محمد طاہر کو بندگی کا لقب عطا کر سکتے تھے؟

۱۔ حضرات القدس ۲/۳۲۲ ۲۔ نتائج الحرمین ۳/۱۸۶۔الف

۳۔ بخاری، خورشید حسین: سوانح حیات شیخ طاہر بندگی لاہوری ص ۳۷ ۴۔ بخاری: الکمال ۸۰-۸۲

۵۔ حضرات القدس کے اندراج کے مطابق شیخ محمد طاہر نے ۱۰۴۰ھ کو ۵۶ سال کی عمر میں انتقال کیا، اس کی بنیاد پر بخاری صاحب نے سال ولادت ۹۸۴ھ لکھا ہے (سوانح حیات شیخ طاہر بندگی ص ۳۶)

Marfat.com

چونکہ مجھے آپ کے لقب بندگی کے سلسلہ میں کسی معاصر شہادت کی تلاش تھی اس لئے جب میں نے ڈاکٹر معین نظامی صاحب کے نتائج الحرمین کی جلد سوم کا اردو ترجمہ مناقب الحضرات کے نام سے دیکھا تو اس میں آپ کا لقب جلی عنوان سے حضرت شیخ طاہر بندگی لاہوری لکھا ہوا دیکھا[۱] تو بہت خوشی ہوئی کہ مجھے اس سلسلہ میں ایک معاصر ماخذ مل گیا ہے، لیکن میں نے اپنی احتیاط پسند افتادِ طبع کے تحت کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کے جس قلمی نسخہ (انڈیا آفس لائبریری، لندن) کی بنیاد پر ترجمہ کیا ہے، رجوع کیا تو اصل فارسی میں ان کا نام صرف شیخ طاہر لاہوری ہی ملا، یعنی لقب بندگی اس کے فاضل مترجم نے مقامی شہرت کی بنیاد پر از خود لکھ دیا تھا۔

اب ہم نے لقب بندگی کے سلسلہ میں متاخر تذکروں کی طرف رجوع کیا تو عبداللہ خویشگی قصوری کا تذکرہ اخبار الاولیاء (تالیف ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء) دیکھا تو اس میں انہوں نے شیخ محمد طاہر کی روایت بیان کرتے ہوئے ان کا ذکر کیا ہے[۲] لیکن ان کے نام کے ساتھ ان کا لقب بندگی نہیں لکھا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے حالات پر آپ کے نواسے میر صفر احمد معصومی کی کتاب مقامات معصومی (تالیف بسال ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۲ء) دیکھی تو اس میں بھی شیخ محمد طاہر لاہوری ہی لکھا ہوا[۳] ملا، یعنی ان کا لقب بندگی درج نہیں ہے۔

اس خانوادہ کا ایک تذکرہ کمال الدین محمد احسان نے روضۃ القیومیہ کے نام سے حدود ۱۱۶۴ھ/۱۷۶۱ء کو تالیف کیا تو اس میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء کے احوال کے ضمن میں شیخ محمد طاہر کا ذکر کیا ہے[۴] لیکن ان کے نام کے ساتھ ان کی نسبت بندگی نہیں لکھی، شیخ محمد غلام غوث بٹالوی نے ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء کو بزرگان بٹالہ کا تذکرہ شرائف غوثیہ کے نام سے لکھا تو اس میں حضرت شیخ محمد طاہر کے ذکر میں لکھا ہے کہ

۱۔ مناقب الحضرات ۱۴۴

۲۔ اخبار الاولیاء، قلمی نسخہ مملوکہ مولانا سید طیب شاہ ہمدانی مرحوم قصور، ورق ۱۵۶۔ب

۳۔ مقامات معصومی ۳/۵۸ ۴۔ روضۃ القیومیہ ۱/۳۲۶

Marfat.com

''الان بہ بندگی صاحب مشہور است''

گویا سلسلہ فاضلیہ کے افراد نے آپ کو بندگی کے لقب سے لکھنا شروع کیا، (ورق ۱۴۵-الف) اس کے بعد شیخ محمد طاہر کے نام کے ساتھ لفظ بندگی کا اضافہ لاہور کے مقامی تذکرہ نویسوں نے کیا ہے، ان میں تحقیقاتِ چشتی (ص۱۶۳) کنھیا لال کی تاریخ لاہور (ص۲۹۴)، سید محمد لطیف کی انگریزی کتاب ''لاہور'' (ص۶۲) اور محمد الدین فوق کے ''تذکرہ علمائے لاہور'' (ص۱۴-۱۵) میں یہ نسبت بہت واضح الفاظ میں درج ہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ محترم نقشبندی لاہوری

شیخ محترم نقشبندی لاہوری، گیارہویں صدی/سترہویں صدی کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے، آپ کے روحانی بزرگوں کا تعلق قصبہ دھبید ۱؎ (مضافاتِ سمرقند) سے تھا، آپ کا شجرۂ طریقت نقشبندیہ حضرت خواجہ مولانا احمد کاسانی خواجگی دھبیدی (ف ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء) سے اس طرح واصل ہوتا ہے:

سید میر محترم اللہ خلیفۂ خواجہ محمد مسکین خلیفۂ خواجہ محمد ہاشم خلیفۂ والد ماجد خود خواجہ کلاں خلیفۂ والد خود مولانا خواجگی شیخ احمد کاسانی خلیفۂ مولانا محمد قاضی خلیفہ خواجہ عبید اللہ احرار۔ ۲؎

سید محترم لاہوری کے شیخ خواجہ محمد مسکین کے حالات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، یقیناً وہ بھی دہ بید کے ہی ہوں گے، ان کے شیخ خواجہ محمد ہاشم دھبیدی ماوراء النہر کے بزرگ مشائخ میں سے تھے، وہاں کے عوام انہیں مقتدیٰ مانتے تھے، ان کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد صالح سمرقند کے اکابر مشائخ میں سے تھے، خواجہ محمد ہاشم کا وصال ۵/ربیع الاول ۱۰۴۶ھ کو ہوا، ان کا مرقد دھبید میں ہے، جنہیں اپنے والد خواجہ کلاں

۱۔ قصبۂ دھبید، سمرقند کے دریا کے کنارے ایک پُر فضا مقام ہے، حضرت خواجگی شیخ احمد کاسانی اپنے شیخ مولانا محمد قاضی کی وفات کے بعد وہاں چلے گئے، یہاں دریا کے کنارے بید کے درخت کثرت سے تھے، اسی مناسبت سے وہ دہ بید کہلایا۔ (نسمات القدس قلمی نسخہ ذخیرۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ ورق ۱۱۴ ب)

۲۔ یہ شجرۂ طریقت تکملہ سیر الاولیاء تالیف گل محمد احمد پوری، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ھ ص ۸۶ سے منقول ہے، جبکہ کتاب ''مناقب المحبوبین'' (مطبوعہ مطبع محمدی، لاہور ۱۳۱۳ھ ص ۹) میں یہ شجرہ غلط طور پر اس طرح درج ہے:

امیر محترم من خواجہ محمد املنگی من خواجہ ہاشم دھبیدی من خواجہ کلاں من خواجگی احمد املنگی۔

یعنی اس کے مولف نے سہواً شیخ محترم لاہوری کو براہ راست خواجہ محمد ملقب بہ خواجہ کلاں سے نہیں ملایا بلکہ خواجہ محمد املنگی سے مراد یہی خواجہ محمد مسکین مذکور ہیں، ان سے لفظ مسکین درج کرنے سے رہ گیا ہے۔

Marfat.com

سے خلافت حاصل تھی، ۱؎ ان کا انتقال ۱۰۰۶ھ/ ۱۵۹۷ء کو ہوا اور اپنے والد مولانا خواجگی احمد کاسانی کے پہلو میں دھبید میں دفن ہیں۔ ۲؎

خواجہ کلاں کا اصل نام خواجہ محمد تھا، جو مولانا خواجگی کاسانی کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطن سے تھے، ۳؎ ان کے والد مولانا خواجگی کاسانی ثم دھبیدی ملقب بہ مخدوم اعظم (ف ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء) اپنے عہد کے اکابر علماء ومشائخ میں سے تھے، ان گنت اصحاب نے اُن سے باطنی فیض پایا، ان کے دقیق علمی رسائل کا ایک ضخیم مجموعہ کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہے، ۴؎ مخدوم اعظم کے احوال پر کئی مستقل تذکرے لکھے گئے تھے، جن میں سے ''جامع المقامات'' مولفہ ابوالبقا کاسانی اور سلسلۃ الصدیقین کے قلمی نسخے پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔ ۵؎

مخدوم اعظم معروف عالم مولانا قاضی سمرقندی (ف ۹۲۱ھ/ ۱۵۱۵ء) کے خلیفہ تھے، جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرار (ف ۸۹۶ھ/۱۴۹۱ء) کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔

شیخ محترم لاہوری سے سلسلۂ چشتیہ کے مشہور شیخ طریقت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (۱۰۶۰-۱۱۴۲ھ/۱۶۵۰-۱۷۲۹ء) ۶؎ نے نقشبندی سلسلہ میں بیعت کی تھی، اگر شاہ صاحب کی عمر اس وقت بیس سال فرض کی جائے تو لاہور میں آپ حدود ۱۰۸۰ء کو بیعت ہوئے ہوں گے۔

اسی مناسبت سے حضرت شاہ فخر الدین فخر جہان (ف ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) جب دہلی سے پاک پتن زیارت کے لئے جاتے ہوئے لاہور سے گزرے تو شیخ محترم اللہ نقشبندی کے مزار کی زیارت کے لئے بھی گئے، معاصر سوانح نگار نواب غازی الدین خان نظام مناقب فخریہ میں لکھتا ہے:

۱۔ تکملہ سیر الاولیاء ۸۶ ۲۔ محمد ہاشم کشمی: نسمات القدس، خطی نسخہ مدینہ منورہ ورق ۱۱۹ ب

۳۔ دوست محمد آختسگی، سلسلۃ الصدیقین، قلمی، مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور ورق ۴۳ ب

۴۔ فہرست مشترک ۳/ ۱۲۱۱-۱۲۱۳

۵۔ ایضاً ۳/۱۵۵۲

۶۔ شاہ کلیم اللہ کے یہ سنین ولادت ووفات خلیق احمد نظامی کی تاریخ مشائخ چشت (۵/ ۸۸، ۱۴۴) سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

''درلاہور بزیارت میر محترم اللہ نقشبندی کہ سلسلۂ نقشبندیہ از ایشاں بحضرت شیخنا شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی میرسد......!

شیخ محترم لاہوری، کہاں سے اور کب لاہور تشریف لائے، ان کا شجرۂ طریقت دھبید (مضافاتِ سمرقند) کے خواجگانِ نقشبندیہ سے ملتا ہے، ممکن ہے کہ آپ بھی دھبید یا سمرقند کے کسی علاقے میں رہتے ہوں اور انہیں خواجہ محمد مسکین دھبیدی نے خلافت دے کر دعوت وارشاد کے لئے لاہور بھیجا ہو، آپ کا سالِ ولادت بھی معلوم نہیں ہے۔

ایک متاخر تذکرہ نویس میاں گل احمد پوری (ف ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء) نے شیخ محترم لاہوری کے متعلق یہ چند سطور لکھی ہیں:

''سید السادات سید المتوکلین سند العارفین المکرم من اللہ حضرت شیخ میر محترم اللہ المتوکل علی اللہ رسیدہ وحضرت پیر محترم اللہ تمام مرد مرتاض ومشغول بودند وسرمایۂ ایشاں محض توکل بود وصاحبِ توجہ واثر بودند کہ باندک مدت مریدان ایشاں را بتوجہ ایشاں جذب واز خودر بودگی حاصل می شد، مرقد مبارک ایشاں درلاہور زیارت گاہ خلق است ۲

شیخ محترم لاہوری کی تعلیم وتربیت وسطی ایشیاء جیسے علمی وادبی مرکز میں ہوئی تھی، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کئی اہم کتابوں کے مولف نہ ہوں، چونکہ ان کا وطن مولود ادباء، شعراء کا مرجع تھا اس لئے وہ خود بھی شاعر تھے، ان کے دیوان کے دو قلمی نسخے ہمیں اپنے سفرِ ہندوستان کے دوران خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ، بہار (ہندوستان) میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ایک دیوان میں انہوں نے اپنے ایک فرزند کے تولد کا قطعۂ تاریخ بھی لکھا ہے، جس سے سالِ ولادت ۱۰۹۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

۱۔ نظام، غازی الدین: مناقب فخریہ، دہلی مطبع احمدی ۱۳۱۵ھ ص ۱۲، میر نذر علی درد کاکوروی کا یہاں مناقب فخریہ ص ۲۱۹ کا ترجمہ غلط ہے۔

۲۔ تکملہ سیر الاولیاء ۸۶

Marfat.com

حق محتشمی بہ محترم داد تاریخ تولد ازاں شد ''رمضان'' ۱؎

''رمضان'' کے عدد جمع کیے جائیں تو ۱۰۹۱ھ ہی بنیں گے، عین ممکن ہے کہ آپ کے اس فرزند کا نام ہی رمضان ہو۔

آپ کے روضہ کے گنبد کے اندر تین قبور ''تحقیقاتِ چشتی'' کی تالیف (۱۸۶۴ء) تک موجود تھیں، ۲؎ کنھیا لال نے ''تاریخِ لاہور ۱۸۸۲ء کو تالیف کی تو یہ تینوں قبور وہیں پر تھیں، اس نے لکھا ہے کہ ان میں سے ایک قبر تو شیخ محترم کی ہے باقی دو قبور شاید ان کے فرزندوں کی ہوں گی۔ ۳؎

اب ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ان تینوں میں سے درمیانی قبر تو خود شیخ محترم کی ہے اور دائیں جانب آپ کی زوجۂ محترمہ کی ہوگی اور تیسری قبر آپ کے مذکورہ فرزند شیخ رمضان کی ہوگی۔

نور احمد چشتی نے شیخ محترم لاہوری کا سالِ وصال ۱۱۰۲ھ/ ۱۶۹۰ء تحریر کیا ہے اور قطعۂ تاریخِ وفات جو آپ کے گنبد شمالی محراب کے اوپر ہے، جس پر یہ مادۂ تاریخِ وصال کندہ ہے:

پنج بر چیں ز نخل وفق بگو ''قدس اللہ سرہ الاشرف''

یعنی مادۂ تاریخ ''قدس اللہ سرہ الاشرف'' کے عدد جمع کیے جائیں تو اس سے ۱۱۰۷ھ کا سنہ برآمد ہوتا ہے، اس کے پہلے مصرعہ کے مطابق اگر اس میں سے پانچ عدد خارج کر دیئے جائیں تو سالِ وفات ۱۱۰۲ھ رہ جائے گا ۴؎ اور یہی شیخ محترم کا سالِ وصال ہے۔

مشہور تذکرہ نویس مفتی غلام سرور لاہوری نے نور احمد چشتی کو شیخ محترم کی وفات کا ایک قطعۂ تاریخ لکھ کر بھیجا تھا جو انہوں نے ''تحقیقاتِ چشتی'' میں نقل کیا ہے، ۵؎ لیکن اس کے عدد جمع کرنے سے سالِ

۱۔ نور الحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۲۹۹ ۲۔ تحقیقاتِ چشتی ۳۶۸

۳۔ تاریخ لاہور ۲۵۹۔۲۶۰ ۴۔ تحقیقاتِ چشتی ۳۶۹

۵۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنے تذکروں ''خزینۃ الاصفیاء، حدیقۃ الاولیاء اور گنجینۂ سروری'' میں شیخ محترم کے احوال اور تاریخِ وفات نہیں لکھی، سلسلۂ چشتیہ کے محولہ تذکروں تکملہ سیر الاولیاء اور مناقب مخدومین و مناقب فخریہ میں شیخ کا نام میر محترم اللہ درج ہے، جب کہ لاہور کے مقامی تذکرہ نویسوں نے آپ کو شیخ محترم لاہوری ہی لکھا ہے۔

Marfat.com

وفات بہت مختلف نوعیت کا برآمد ہوتا ہے ممکن ہے کتاب کے مولف سے یہ قطعہ نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہو، تاہم ہم نے آپ کے گنبد کے محراب کے اوپر درج قطعہ کو ترجیح دی ہے۔

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ ہمیں اپنے ایک سفرِ ہندوستان کے دوران خدا بخش لائبریری، پٹنہ، بہار میں شیخ محترم لاہوری کے دیوان کے دو قلمی نسخے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، یہ مخطوطات ڈاکٹر نورالحسن انصاری نے بھی ملاحظہ کئے اور اس میں سے کچھ نقل واقتباس بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جارہا ہے:

شیخ محترم سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے ان دوشعروں میں آپ نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی شان میں لکھا ہے:

محترم نقش بہاء الدین گرفت شد فرید عبد را عبد فرید
صفت شاہ نقشبند ایں بس کہ شدش بندۂ خواجہ احرار

شاہ جہان بادشاہ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار قابلِ توجہ ہیں:

خسروی صاحبقران خاقان ملک شرع دین دور نبود گر نوازد از کرم درویش را
رفت ایام غم و شادی رسید کام محنت بادۂ رات چشید
گفت تجید شہ عالم پناہ بندۂ شاہ جہان عبدالحمید
می کنم از جان دعا آمین بگو بادشاہا! عمرو دولت بر مزید

گویا شیخ محترم لاہوری شاہجہان بادشاہ کے زمانہ (۱۰۳۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۲۸۔۱۶۵۸ء) میں ہندوستان میں موجود تھے، آپ نے اورنگ زیب کا عہد (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) بھی دیکھا تھا، لکھتے ہیں:

ہمیشہ برسریر سلطنت حق محترم دارد بہ فضل خود دہد نصرت شہ اورنگزیبم را

خلفاءِ راشدین کی منقبت میں بھی اشعار پائے جاتے ہیں، دیوانِ محترم میں غزلوں کے علاوہ چند قصیدے، قطعے اور مسمط بھی ہیں، شیخ کی شاعری کا اصل رنگ غزلوں میں نظر آتا ہے، ایک مقام پر اپنی شاعری کی تحسین کرتے ہوئے پوری ایک غزل درمدح خود لکھی ہے۔

Marfat.com

شیخ محترم لاہوری شاعری میں خواجہ حافظ شیرازی اور خواجہ کمال الدین مسعود خجندی کے پیروکار معلوم ہوتے ہیں، ایک مقام پر اس طرح اعتراف کیا ہے:

شد ایں غزل سرای در عشق محترم را   از لطف شاہِ شیراز و ز خواجہ خجندی

شیخ محترم کی غزل گوئی میں جو سادگی اور سلاست ہے وہ آپ کے اس فن میں مہارت کا بین ثبوت ہے، شیخ کی غزلوں کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ان میں ایک اکائی ہے، جو ہم آہنگ جذبات واحساسات کے تسلسل سے وجود میں آتی ہے۔

ہم نے اپنے پٹنہ کے قیام کے دوران لائبریری میں شیخ محترم کے یہ دونوں دیوان دیکھے ہیں، ہمیں تو ان میں یکسانیت معلوم ہوئی ہے، اس لئے ڈاکٹر نورالحسن انصاری کا یہ لکھنا کہ ''دوسرے دیوان کی شاعری بے جان اور محض روایاتی سی ہے'' [1] درست معلوم نہیں ہوتا۔

شیخ محترم کا روضہ

۱۸۶۴ء کو جب نور احمد چشتی نے لاہور کے آثار پر ''تحقیقاتِ چشتی'' کے نام سے کتاب تالیف کی تو شیخ محترم کا روضہ موجود تھا، لکھتے ہیں:

''یہ روضہ بدھو کے آوے کے غرب رویہ گوشہ شمالی میں واقع ہے، صورت مقبرہ مربع ہے، متصل لب بام گرونہ خشتی چونہ گچ خط کشیدہ اوپر چاروں گوشوں پر چار بُرجیاں چار پہلو، سر برجی کے چار در محرابی اور اوپر خورد گنبدی، درمیان گنبد عالی شان چونہ گچ اب برنگ سیاہ کھڑا ہے،...... اندر تین قبریں، دو سالم اور ایک جو شرق کی طرف ہے بوسیدہ ہے،...... در جنوبی کے اوپر زیر محراب چند اشعار تحریر تھے، مگر اب اس قدر پڑھا جاتا ہے......'' [2]

چشتی نے اس وقت تک مقبرہ کے در و دیوار پر جتنے کلمات پڑھے جاتے تھے سب نقل کر دیئے ہیں۔

۱۔ انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۲۹۹

۲۔ تحقیقاتِ چشتی (طبع اول) ۳۶۸۔۳۶۹

Marfat.com

کنھیا لال نے بھی چشتی سے ہی تمام کلمات نقل کیے ہیں، اس کے زمانہ ۱۸۸۲ء میں یہ مقبرہ بسبب لاوارث ہونے کے سرکاری نزول کے رجسٹر میں درج تھا، پھر ایک انگریز کی درخواست پر نیلام ہو گیا ہے اور انگریز مذکور نے خرید کر چاروں طرف برانڈہ بنا کر کوٹھی کی صورت بنالی ہے، قبریں گرادی ہیں۔ [1] سید محمد لطیف کے زمانہ (۱۸۹۲ء) میں یہ مقبرہ ریلوے کے لئے سوڈا واٹر کی فیکٹری بن چکا تھا۔ [2]

آج سے تیس سال پہلے میں نے خود اسے شاز ولیبارٹری کے اندر جا کر دیکھا تھا، اس وقت یہ قدیم گنبد اپنی اصل حالت میں تھا، اندر قبریں نہیں تھیں اور نماز کے لئے صفیں پڑی ہوئی تھیں۔

ہمارے معاصر مشہور ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا مشاہدہ ہے:

"یہ ایک قدیم شلغمی شکل کا کلس دار گنبد ہے...... یہ گنبد بناوٹ میں دہرا ہے اور چاروں طرف چہار برجیاں ہیں اور آج (۱۹۸۱ء) بھی اعلیٰ گل کاری کے نشان اندرون گنبد موجود ہیں اور فنی اعتبار سے یہ عمارت عہد اورنگ زیب کی معلوم ہوتی ہے...... گنبد کی بناوٹ مقرنسی ہے اور دیواروں پر ذیل کے اشعار پڑھے جاتے ہیں...... یہ روضہ ایک مکمل نمونہ خشتی معماری کا ہے۔" [3]

اب شاز ولیبارٹری بھی ختم ہو چکی ہے، انہوں نے یہ زمین نیلام کر دی ہے اور اس کی جگہ ایک رہائشی کالونی بن چکی ہے اور یہ گنبد مسمار کر دیا گیا ہے۔

۱۔ تاریخ لاہور (طبع اول) ۲۵۹۔۲۶۰

۲۔ سید محمد لطیف: تاریخ لاہور، (انگریزی، طبع اول) ۱۳۲۔۱۳۳

۳۔ چغتائی، عبداللہ: تاریخ اماکن لاہور ۲۱۸۔۲۱۹

Marfat.com

مولانا جامی لاہوری

مولانا جامی لاہوری نام کی دو شخصیتوں کا تعلق لاہور سے تھا، اول شیخ حسین جامی تھے، جو اکبر بادشاہ اور نورالدین جہانگیر کے زمانہ میں لاہور کے علماء ومشائخ میں سے تھے، جن کا تعلق شیراز کے مشائخ سے تھا،[۱] انہوں نے جہانگیر کو اس کی تخت نشینی سے چھ ماہ پہلے ہی لاہور سے خط لکھ کر آگاہ کیا تھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری نے مجھے عالم رویا میں آکر خوشخبری دی ہے کہ عنقریب شہزادہ سلیم (نورالدین جہانگیر) تاج وتخت کا مالک بنے گا،[۲] امید ہے کہ اس وقت خواجہ زکریا احراری کی خطاء بھی معاف کر دی جائے گی۔[۳]

۱۶۰۶ء کو جہانگیر نے مولانا حسین جامی کو ان کی خانقاہ کے فقراء کے لئے پانچ ہزار روپے بھیجے،[۴] جب جہانگیر کو شیخ حسین جامی کے خواب صحیح نظر آنے لگے تو اس نے ۳۵ سے چالیس ہزار روپے ان کے اپنے اور خانقاہ کے مصارف کے لئے ارسال کئے۔[۵]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حسین جامی جہانگیر کے ابتدائی سالوں میں ہی انتقال کر گئے، کیوں کہ اس کے بعد اس کی توزک میں ان پر نوازشات کا ذکر نہیں ملتا۔

خواجہ زکریا احراری کی رہائی کا ذکر توزک (مطبوعہ ومروجہ) میں نہیں ملتا، البتہ ڈاکٹر اطہر علی نے توزک جہانگیری کے نقش اول قلمی مخزونہ برٹش لائبریری، لندن کی بنیاد پر یہ لکھا ہے کہ خواجہ زکریا بن خواجہ بخشی کو

۱۔ توزک جہانگیری کے متن میں مولانا جامی کے مشائخ شیراز کے ساتھ تعلق کا ذکر نہیں ہے، بیورج نے اپنے حواشی میں ایک قلمی نسخہ کی بنیاد پر یہ انگریزی ترجمہ کیا ہے (ترجمہ ۱/۳۰)

۲۔ جہانگیر نامہ ۱۸ ۳۔ جہانگیر نامہ ۴۵۸، کامگار حسینی: مآثر جہانگیری ۴۶

۴۔ توزک جہانگیری ترجمہ وحواشی روجرز وبیورج ۴۶، ترجمہ ٹھیکسٹن ۴۴

۵۔ روجرز و بیورج ۷۱۔۷۲، ٹھیکسٹن ۵۹

Marfat.com

۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء میں پانصدی کا منصب دیا تھا۔[۱] گویا مولانا جامی کی استدعا پر جہانگیر نے انہیں رہا کر دیا تھا، اس کے بعد ان کی عہد بعہد ترقی کا ذکر کتبِ تاریخ میں نہیں ملتا، ممکن ہے وہ رہائی کے بعد فوت ہو گئے ہوں یا اکبر کی قید و بند کی صعوبتوں سے دلبرداشتہ ہو کر واپس ماوراء النہر چلے گئے ہوں۔

مولانا محمد حسین جامی کی قبر اس وقت لاہور کے مشہور قبرستان میانی میں ہے، حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری کے مزار کے عقب کا دروازہ کھولیں تو چند قدم کے فاصلہ پر ایک قبر پر شیخ حسین جامی لکھا ہوا ہے، لاہور کے مورخ نور احمد چشتی نے لکھا ہے:

"گوشۂ شمالی و مشرقی چار دیواری حضرت شیخ طاہر میں ایک نشان دیوار محراب دار مسجد کھڑا ہے، اس کے آگے زمین دوز خشتی قبر مولوی جامی لاہوری کی ہے، اس کے گوشۂ شمالی و مشرقی میں چبوترہ مع دیوار مسجد کا اور چاہ چرمی دار قدیمی ہے، یہ حضرت (جامی) بعہد جہانگیر بادشاہ بڑے مولوی کامل اور مدرس تھے......اب تک نام ان کا مشہور ہے۔"[۲]

گویا مولانا جامی لاہوری کی میانی میں یہ مسجد، چبوترا اور قبر حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (ف ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء) سے پہلے کی ہے۔

توزک جہانگیری کے اس اندراج سے چشتی کے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے:

"یہ قبرستان میانی پنج ڈیرا کہلاتا ہے، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اول بعہد اکبر بادشاہ یہاں ایک گاؤں تھا، اور یہاں تمام عالم لوگ رہتے تھے، چونکہ بزبان پنجابی علماء کو میاں کہتے ہیں، اس واسطے یہ گاؤں مسمّٰی بہ میانی تھا......"[۳]

اب دوسرے مولانا جامی کی طرف آئیے، ان کے حالاتِ زندگی سے تو تذکرے یکسر خالی ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنا نام یوں لکھا ہے:

1- Athar Ali: Apparatus of Empire. p.45

۲۔ تحقیقاتِ چشتی ۱۷۵

۳۔ ایضاً ۱۶۷

Marfat.com

عبدالنبی ولد شیخ گرامی مولانا عبدالرحمن المشہور بہ ملا جامی ۱؎

انہوں نے اپنی مشہور ومطبوعہ کتاب ''نجات المسلمین'' میں کئی مقامات پر اپنے احوال کی طرف اشارات کئے ہیں لیکن اپنے مولد ومسکن کا نام نہیں لکھا، لیکن اپنی دوسری کتاب ''درر الفرائض'' میں اپنے مستقر کا نام سوق تحریر کیا ہے، ۲؎ آپ کے فرزند مولانا گل محمد نے 'ہفت سلک'' کے نام سے ایک منظوم فقہی کتاب تالیف کی تو اس میں اپنا مولد سوق احمد لکھا، ۳؎ جو گجرات (پنجاب) کے مضافات میں ہے۔

انہوں نے یہ کتاب ۱۱۳۵ھ/۲۲-۱۷ء کو تالیف کی تھی گویا مولانا جامی کا خانوادہ مذکورہ سنہ تک سوق احمد (مضافاتِ گجرات) میں ہی تھا، ہاں یہ قیاس ہے کہ مولانا جامی اپنے تبحر علمی اور مہارت تدریس کے باعث لاہور کے کسی بڑے مدرسہ میں مدرس ہوں یا جیسا کہ انہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے، اس کے امر پر یا اس کی مالی امداد سے لاہور میں بھی اپنا ایک مدرسہ بنالیا ہو، لیکن ابھی تک قیاس کے اثبات میں ہمارے پاس کوئی دلائل نہیں ہیں۔

مولانا عبدالنبی جامی اور اورنگ زیب عالمگیر

یقیناً مولانا جامی کی ولادت شاہ جہاں کے عہد (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ/ ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) میں ہوئی ہو گی لیکن اس کے ساتھ مولانا جامی کے مراسم کا ہمیں علم نہیں ہے، اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) چونکہ ایک ذی علم، علم پرور اور دین دار بادشاہ تھا اس لئے مولانا جامی نے اپنی کتابوں میں اس کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔

مولانا جامی نے عمومی فقہی مسائل پر فارسی نظم میں ایک کتاب ''نجات المسلمین'' کے نام سے لکھی تھی، اسے اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔ جامع الخیرات، قلمی نسخہ ذخیرۂ مجددی (شمارہ MS. 167) آغاز

۲۔ فہرست مشترک ۷/۱/۹۰۸

۳۔ فہرست نسخہ ہای خطی فارسی آرشیو ملی پاکستان مرتبہ عارف نوشاہی (گنجینہ مفتی فضل عظیم بھیروی ۴۱۲)

Marfat.com

''ایں رسالہ دلپذیر و اتمام او در عہد خلافت سلطان السلاطین حضرت اورنگزیب بہادر بادشاہ عالمگیر۔

چوں بہ دورِ شاہ عالمگیر بشگفت ایں چمن باد یارب ہر بحر نزہتہ گاہِ شاہ جہان
شد تمام اندر زمانِ عدل عالم گیر شاہ آنکہ او ہست از کمال دیں شاہ دین پروران
بوالمظفر خسرو غازی شہ اورنگ زیب بانی شرعِ محمد ثانی صاحب قِران

یقیناً مولانا جامی کو اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے مدد معاش کے طور پر آراضی وغیرہ بھی دی گئی ہو گی، جس کی تفصیلات کتب تاریخ میں نہیں ملتیں۔

تالیفات

مولانا عبدالنبی جامی یقیناً بہت سی کتابوں کے مولف ہوں گے، جو امتدادِ زمانہ سے ضائع ہو گئیں، ہمیں اب تک آپ کی صرف مندرجہ ذیل چار کتب کے وجود کا علم ہو سکا ہے:

نجات المسلمین (فارسی منظوم)

مولانا جامی کی یہ کتاب بہت ہی متداول رہی ہے، پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں اس کے کئی خطی نسخے پائے جاتے ہیں، [۱] متعدد مرتبہ طبع بھی ہو چکی ہے، [۲] ہمارے پیش نظر مطبع نولکشور، لاہور کی ۱۳۲۳ھ کی طباعت ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد صانعی کہ اوہام مخلوقات در ادراک مصنوعات او قاصر
حمد حق گو بہر آغاز کتاب اے نکتہ دان تا شود آں نامۂ نامی گرامی در جہان

مولف نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد مولانا عبدالرحمٰن کی ایک فقہی کتاب کی تنظیم کی ہے۔

۱۔ فہرست مشترک ۹۰۲/۷۔۹۰۶

۲۔ کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ ۵۷۰/۱

Marfat.com

بندہ عبدالنبی جامی کہ بیمائیگی | لقمہ جو آمد ز خوان نعمتِ صاحب دلاں
چند بیتی یافتم در فقہ تصنیف پدر | کز رہ شفقت نبود از بہر حفظ کودکان
در حق مسلم چو از ہر بیت او دیدم نجات | زاں نجات المسلمین نامش نہادم در جہان
چوں بہ دورِ شاہ عالمگیر بشگفت ایں چمن | باد یارب ہر بجر نزہتہ گاہ شاہِ جہان
گفت تاریخش خرد چوں خواندہ را برو دوبار | راقمش عبدالنبی جامی جلال الدین بداں
شد تمام اندر زمانِ عدل عالمگیر شاہ | آنکہ او ہست از کمال دیں شاہ دین پروران
بوالمظفر خسرو غازی شہ اورنگ زیب | بانی شرع محمد صاحب قران

ان اشعار سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ مولانا جامی نے اس کتاب کی بنیاد اپنے والد مولانا عبدالرحمٰن جامی کے ہم دست ہونے والے چند ابیات پر رکھی اور ایک نئی کتاب نظم کر دی۔

۲۔ یہ کتاب اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد (۱۰۵۸۔۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) میں تالیف کی گئی۔

۳۔ اس کے ساتویں شعر سے اس کی تاریخ تالیف برآمد ہوتی ہے۔

۴۔ یہ کتاب مولف نے اورنگ زیب کے نام معنون کی ہے، اس وقت انتساب کا یہی طریقہ رائج تھا۔

دررالفرائض (فارسی منظوم)

یہ رسالہ بھی مولانا جامی نے علم فقہ کے موضوع پر نظم کیا ہے، اس کا سالِ تالیف ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء ہے، اس کا قلمی نسخہ ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد (گجرات، پاکستان) کے کتب خانہ میں ہے۔[۱]

جامع الخیرات (فارسی نثر)۔

یہ کتاب بھی مولانا جامی نے اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون کرتے ہوئے لکھا کہ اس وقت ملک میں شریعت کی عمل داری ہے اور عوام بھی خیرات وصدقات دینے میں فراخ دل نظر آتے ہیں لیکن وہ ان فقہی

۱۔ فہرست مشترک ۷/ ۹۰۸

Marfat.com

احکام سے کما حقہ واقف نہیں ہیں، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ میں اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھوں تو میں نے مستند کتب فقہ اور فتاویٰ کی روشنی میں ایک کتاب مرتب کر دی ہے، آغاز کے الفاظ سے اس کا پورا مفہوم واضح ہو جاتا ہے:

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علىٰ خير الخلائق و افضل الانام سيد المرسلين ...... مثنوى ...... قطعه......

امابعد مى گويد بندهٔ ضعيف نحيف تراب الاقدام درويشان فقير حقير عبدالنبى ولد شيخ گرامى مولانا عبدالرحمن المشهور به ملاجامى غفرالله ولوالديه...... چون ديدم كه دريں ايام فرجام...... درخلافت...... حضرت بادشاه عالم و عالميان...... مثنوى...... اكثر از عوام على دين ملوكهم در كار خيرات و ميراث و رغبتى تمام دارند، ايں رساله را جامع الخيرات نام نهادم تا از مطالعهٔ آں آثارِ خيروبركت و انوار پر هدايت در عالميان پديد آيد و بعد...... مثنوى...... مهيا گشت خوان نعمت آباد...... بتاريخ هزار و هشت و هشتاد

آخری جملے سے اس کتاب کا سال تصنیف ۱۰۸۸ھ برآمد ہوتا ہے، اس کتاب کا ایک خطی نسخہ ہمارے ذخیرہ کی زینت ہے۔[۱]

محبوب الفقہ (فارسی نثر)

مولانا جامی نے فقہ حنفی کے مطابق ابواب و فصول بنا کر فرائض و آداب تحریر کیے ہیں، اس کا سالِ تالیف ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء ہے۔

یہ کتاب شیخ الٰہی بخش و جلال الدین ناشر کتب، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی، اس میں تقریباً ایک سو عنوانات ہیں۔

۱۔ ذخیرۂ مجددی (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) شمارہ MS.167

Marfat.com

اولاد

مولانا جامی کی اولاد کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں، صرف ایک فرزند مولانا گُل محمد کا علم ہو سکا ہے، جو اپنے مستقر سوق احمد (مضافات گجرات، پنجاب) میں رہتے تھے اور انہوں نے یکم محرم ۱۱۳۵ھ/۲۲/۷اء کو فقہ کی ایک منظوم کتاب 'ہفت سلک'' فارسی میں لکھی تھی، جو انہوں نے سن کہولت میں تصنیف کی تھی، اس نظم کا وزن مثنویٔ مولانا روم کا ہے، آغاز:

بعد حمد ایزد و نعتِ رسول آں بی او عرش را نبود قبول
گوہر سلک ز بحر مثنویست و ایں ہمہ از فیض روح مولویست

کتاب کے خاتمہ میں لکھتے ہیں ۔

پیر بودم یادگاری ماندہ ام نایبی برجای خود بنشاندہ ام
بر ہزار و صد فزودہ سی و پنج شد مرتبت ایں رسالہ ہفت گنج
از محرم اولین روز خمیس ختم شد بادا باہل دل انیس

اس خاتمہ کے بعد مخطوطہ میں اسی رسم الخط اور اسی وزن میں مولف نے اپنے اور اپنے والد کے متعلق اہم معلومات دی ہیں، جن میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سوکِ احمد مولد وماوای من ....
والد و استاد من ای مرد ہوش گر ندانی سوی من بگشای گوش
قبلہ گاہ مقبلان عبدالنبی ست پیشوای رہروان عبدالنبی ست
بود در علم شریعت پیشوا اہل عالم مقتدی، او مقتدا
بود در مصرِ بلاغت رودِ نیل در رہ علم و ریاضت بے عدیل
طالبان را راہ نمای راستین باغبان روضۂ علم الیقین
جامع الخیرات و محبوب و دگر کردہ اندر نظم و نثر آں نامور
کرد پر از گوہر و در ثمین نسخۂ زیبا نجات المسلمین

Marfat.com

سایۂ او تا برفت از سر مرا (کذا)　　تار و پود عیش شد ابتر مرا

یہ خطی نسخہ سات سلک (ابواب) پر مشتمل ہے اول معنی آمنت باللہ، دوم معنی ملائکہ وسوم......۱

وصال

مولانا عبدالنبی جامی کا سالِ ولادت ووفات ہمیں اب تک کسی ذریعہ سے بھی معلوم نہیں ہوسکا، اگر مولانا جامی کا تعلق سوق احمد (گجرات) کے بعد لاہور سے تھا تو لاہور کے قبرستان میانی میں جس مولانا جامی کی قبر ہے وہ کون ہیں؟ یہاں کے تذکرہ نویسوں نے ان کا نام تک نہیں لکھا۔

تحقیقاتِ چشتی (۱۸۶۴ء) کے مولف نے صرف حال قبر مولوی جامی لاہوری کا عنوان بنا کر انہیں عہد جہانگیر بادشاہ کے بڑے مولوی اور مدرس لکھا دیا ہے، ان کا نام نہیں لکھا ہے، ۲ ظاہر ہے اس سے مراد مولانا محمد حسین جامی نقشبندی لاہوری ہیں، لالہ کنھیالال نے تاریخ لاہور (۱۸۸۲ء) میں بھی میانی میں مدفون قبر مولوی جامی کی قدیم زمانہ کی بنی ہوئی ہے......عہد جہانگیری وشاہ جہانی میں یہ بزرگ لاہور میں بڑا عالم وفاضل تھا، اس کے فتویٰ کو سب اہل اسلام قبول کرتے تھے، بادشاہ کے دربار میں بھی اس کا دخل تھا۳ لکھ کر ٹال دیا ہے، جب کہ ہماری تحقیقات کے مطابق وہ جہانگیر کے ابتدائی سنینِ حکومت تک ہی بقیدِ حیات نظر آتے ہیں۔

اسی طرح لاہور کے دوسرے مورخ سید محمد لطیف نے اپنی انگریزی کتاب (۱۸۹۲ء) میں بھی ملا جامی لاہوری لکھ کر ان سے جو فارسی اشعار منسوب کئے ہیں وہ مولانا عبدالنبی جامی کے ہیں، ۴ مولانا محمد حسین جامی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، بظاہر انہوں نے اپنا کوئی ماخذ نہیں بتایا لیکن ان کے پیش نظر دو ہی کتابیں تھیں، اول تحقیقاتِ چشتی اور دوم کنھیالال کی تاریخ لاہور، سید محمد لطیف کی معلومات موخر الذکر کتاب سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ نوشاہی، عارف: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی آرشیو ملی پاکستان، گنجینۂ مفتی فضل عظیم بھیروی، تہران ۴۱۱۔۴۱۳

۲۔ تحقیقاتِ چشتی ۱۷۵

۳۔ تاریخِ لاہور ۲۹۷

4- M. Latif: Lahore, Its History...... pp.60-61

Marfat.com

منشی محمد الدین فوق نے تو تاریخ اور تذکرہ نویسی کی ساری حدود پھلانگ کر مولوی جامی لاہوری کا عنوان دے کر مولانا محمد حسین جامی اور مولانا عبدالنبی جامی کو ایک ہی بنا دیا ہے، ان کی معلومات سید محمد لطیف کی انگریزی کتاب سے بغیر حوالہ منقول ہیں، لکھتے ہیں:

''جہانگیر وشاہ جہان کے زمانہ میں ان کے علم وفضل کا لاہور میں چرچا تھا......شاہ جہاں کی نظر بندی کے بعد عالمگیر بادشاہ کا زمانہ آیا تو اس نے بھی ان کی عزت کو برقرار رکھا، ۱۰۷۲ھ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر انتقال کر گئے'' [۱]

پھر ان کے وہی اشعار نقل کئے ہیں جو سید محمد لطیف نے بھی دیئے ہیں، جبکہ ہمارے مولف مولانا عبدالنبی جامی تو ۱۰۹۹ھ تک بقیدِ حیات اور تصنیف وتالیف میں مصروف نظر آتے ہیں۔

۱۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء والمشائخ (تذکرہ علمائے لاہور) ۱۸
ان کے بعد آنے والے تذکرہ نویس تو بے چارے نقل کرنے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے تھے۔

Marfat.com

حضرت شیخ صبغۃ اللہ سرہندی

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند اکبر تھے، آپ کی ولادت بروز جمعہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ/ ۱۶۲۳ء کو سرہند میں ہوئی، یعنی آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے حینِ حیات تولد ہوئے تھے، حضرت ان دنوں بادشاہ نورالدین جہانگیر کے حکم پر اس کے لشکر کے ساتھ رہتے تھے، اس وقت آپ کا قیام اجمیر میں تھا۔

حضرت خواجہ غلبۂ اشتیاق کے باعث آپ سے ملاقات کے لئے روانہ ہو چکے تھے، حضرت مجدد الف ثانی ان ایام میں بادشاہ سے اجازت لے کر سرہند کے لئے روانہ ہو گئے تھے کہ راستہ میں قاصد نے خبر دی کہ حضرت خواجہ کے ہاں فرزند تولد ہوئے ہیں، یہ خبر سن کر حضرت اور حضرت خواجہ دونوں بہت مسرور ہوئے۔

آپ کی والدہ محترمہ، جو نہایت مودب قسم کی سیدزادی تھیں انکساری کے باعث بچے کا نام نہیں رکھا، عقیقہ وغیرہ ہو گیا، تین روز کے بعد یہ حضرات سرہند تشریف لائے تو خود حضرت مجدد الف ثانی نے اس بچے کا نام محمد صبغۃ اللہ رکھا، آپ نے فرمایا کہ اس فرزند میں میں نے ''اصالت'' کا رنگ دیکھا ہے اسی لئے اس کا یہ نام رکھا ہے۔

شیخ صبغۃ اللہ صرف چھ ماہ کے تھے کہ شدید علیل ہو گئے، زندگی سے مایوسی کے آثار نمایاں ہونے لگے، جب حضرت مجدد الف ثانی کو بیماری کا علم ہوا تو آپ گھر تشریف لائے اور آپ کی توجہ اور دعا کی برکت سے موصوف صحت یاب ہو گئے، اس صاحبزادے کی عمر ابھی پوری ایک سال نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی کا ۱۰۳۴ھ کو وصال ہو گیا۔

تحصیل علم

شیخ صبغۃ اللہ نے خود بیان فرمایا کہ میں نے تیرہ سال کی عمر میں اپنے چچا حضرت خواجہ محمد سعید سے

Marfat.com

عضدی جیسی دقیق کتاب پڑھ لی اور اس سے پہلے اور بعد بھی دوسری مروجہ کتب انہی کی خدمت میں پڑھیں، صرف چالیس روز میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔

تحصیل علوم کے دوران اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد معصوم سے باطنی علوم کا کسب بھی کرلیا، اس طرح یہ فرزند گرانمایہ جلد ہی ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ ہو گئے، حضرت خواجہ اپنے اس فرزند کے نام عمدہ بشارات خطوط میں لکھا کرتے تھے، جسے آپ ادب کے تحت دھو کر اس کا پانی پی لیا کرتے تھے، صرف چند مکاتیب ایسے تھے، جو عقیدت مندوں نے آپ تک پہنچنے سے پہلے نقل کر لیے جو مکتوبات معصومیہ کی پہلی جلد میں شامل ہیں۔ ا

آپ کے مزاج میں بے کیفی کا رنگ غالب تھا، حضرت خواجہ، شیخ صبغۃ اللہ کی بہت تعظیم کرتے تھے، شیخ کئی بار دہلی بھی گئے تھے، بجواڑہ کی بھی سیر کی تھی۔

آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ حج پر گئے تو واپس آتے ہوئے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار مبارک پر بھی حاضر ہوئے۔

آپ کی عادت تھی کہ اپنے باطنی احوال پوشیدہ رکھتے تھے، آپ اٹک کے قاضی، جو مرزا غیاث الدین کے چچا تھے، کے ہاں دعوت پر بھی گئے تھے، شیخ صبغۃ اللہ کابل بھی گئے تھے، جہاں آپ کے ارشاد کو بہت وسعت ملی تھی۔

وصال

حضرت شیخ صبغۃ اللہ کا وصال بروز جمعہ ۹ ربیع الاول ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء، کو ہوا، آ کی ولادت ۱۰۳۳ھ کو ہوئی، اس اعتبار سے آپ کی عمر نوے سال کے قریب ہوئی۔

آپ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حج کے لئے بھی گئے تھے، حجاز مقدس سے واپس آتے ہوئے آپ کو حضرت نے بغداد جانے اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار پر جا کر داراشکوہ کے متعلق یہ

ا۔ مکتوبات معصومیہ ا/ ۶۳، ۱۸۹، ۱۹۶، ۲۱۵، ۲۳۱

Marfat.com

عرض کرنا کہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے، آپ اس پر سے اپنی توجہات ہٹالیں۔ ۱

اولاد

شیخ صبغۃ اللہ کے ہاں کئی فرزند تولد ہوئے لیکن ان میں سے صرف چار اپنی طبعی عمر کو پہنچ سکے، سب سے بڑے شیخ ابوالقاسم تھے، جو ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے، فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور فائق تخلص تھا، ان کا علمی مرتبہ بھی بہت اعلیٰ تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم کے ان کے نام کئی مکاتیب ہیں۔ ۲

شیخ فائق کا اکبر آباد (آگرہ) میں ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۲ء کو انتقال ہوا۔

شیخ صبغۃ اللہ کے دوسرے فرزند شیخ محمد اسماعیل بھی بڑے عالم و عارف تھے، فارسی میں یہ بھی شعر کہتے تھے اور عاشق تخلص تھا۔

ان کے تین فرزند تھے، اول شیخ صبغۃ اللہ، جو کابل میں مقیم اور مصرف ارشاد تھے، دوسرے شیخ غلام محمد ثانی تھے، جو ان سب میں زیادہ روحانی شہرت کے مالک تھے، ۳ آپ کے تیسرے فرزند شیخ اہل اللہ تھے، ان کے زمانہ میں سرہند پر سکھوں نے کئی حملے کئے، جن میں شیخ اہل اللہ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے۔

مریدین وخلفاء

شیخ صبغۃ اللہ کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے کابل وغور بھیجا تھا تاکہ وہاں اہل سلوک کو مشق کروائیں، میر صفر احمد معصومی نے، جو آپ کے داماد وخلیفہ تھے، اپنی کتاب معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ انہوں نے تیرہ اصحاب کو خلافت دی تھی۔ ۴

۱۔ داراشکوہ بن شاہ جہان، میاں میر لاہوری اور ملا شاہ بدخشی سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھا۔ (مقامات معصومی ۱/۶۳۔۶۴ حسنات الحرمین، مقدمہ

۲۔ مکتوبات معصومیہ ۲/۱۰۲، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۹، ۳/۲۲۵

۳۔ تفصیلی حالات ہماری مرتبہ کتاب مناقب مخدومین کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

۴۔ مقامات معصومی ۴/۱۸۳

Marfat.com

شیخ صبغۃ اللہ کے حالات پر آپ کے حین حیات میر صفر احمد مذکور نے معدن الجواہر کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، ۱؎ پھر انہوں نے مزید کچھ روایات اپنی دوسری تالیف مقاماتِ معصومی میں بھی درج کر دی ہیں۔

شیخ صبغۃ اللہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں بھی ایک رسالہ لکھا تھا، ۲؎ جس کے وجود سے ہم تا حال بے خبر ہیں۔

۱۔ معدن الجواہر ہمارے مقدمہ کے ساتھ ارمغان امام ربانی کی نویں جلد میں شامل ہے۔

۲۔ روضۃ القیومیہ (جلد اول اردو ترجمہ)

Marfat.com

حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی

حضرت حجۃ اللہ، حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند دوم تھے، آپ کی ولادت سرہند میں ذی قعد ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء کو حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۲۸ رصفر ۱۰۳۴ھ) کے بعد ہوئی، ابھی آپ کی والدہ محترمہ امید سے تھیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہارا یہ بیٹا عجائب روزگار اور صاحب معارف واسرار ہوگا۔

قرآن مجید پڑھنے کے بعد درسی کتب شروع کیں، سلطان پور جا کر جامع العلوم ملا بدرالدین سلطان پوری کی خدمت میں رہ کر پڑھا، آپ نے اکثر کتب اپنے چچا حضرت خواجہ محمد سعید کے حضور رہ کر ختم کیں، خواجہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حجۃ اللہ مجھ سے پڑھنے نہیں بلکہ مجھے پڑھانے آتے ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سبق کے دوران اتنے باریک بینی سے سوالات کرتے تھے کہ آپ بہت ہی خوش ہوتے تھے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی فوج کے اکثر فوجی ان کے زیرِ تربیت رہ کر سلوک کی مشق کیا کرتے تھے، علم تفسیر میں اتنا درک تھا کہ ایک مرتبہ خواجہ محمد زبیر کو تفسیر بیضاوی کے بعض مواضع پر اشکال درپیش ہوئے تو حضرت خواجہ محمد سعید نے حضرت حجۃ اللہ کو بلا بھیجا کہ تم آکر ان کے اشکال کا جواب دو۔

تالیفات

حضرت حجۃ اللہ نے اپنے مکتوبات ''وسیلۃ القبول'' میں اپنی کئی تالیفات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ رسالہ در تحقیق گناہان، یہ رسالہ آپ نے تالیف کر کے اورنگ زیب عالمگیر کو بھیجا تھا۔ [۱]

۲۔ رسالہ در تحقیق معنی توبہ، یہ رسالہ بھی آپ نے مرتب کر کے اورنگ زیب کو ارسال فرمایا تھا۔ [۲]

۳۔ رسالہ در شرح اسمائے حسنیٰ، یہ رسالہ بھی آپ نے اورنگ زیب کے لئے لکھا تھا۔ [۳]

۱۔ وسیلۃ القبول ۱/۸/۱۵، ۱/۱۶/۲۲، ۳۸/۵۱

۲۔ ایضاً ۱/۱۹/۲۵

۳۔ ایضاً

Marfat.com

۴۔ رسالہ فضیلت ذکر خفی (عربی)، یہ رسالہ آپ نے مخدوم محمد یوسف رابع گردیزی ملتانی کی استدعا پر لکھا۔ ۱

۵۔ رسالہ رد مخالفین حضرت مجدد الف ثانی۔ ۲

۶۔ رسالہ تحفۂ سلوک کا قلمی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں ہے۔ ۳

وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول

یہ حضرت حجۃ اللہ کے مکتوبات کا مجموعہ ہے، جسے مولانا عماد الدین محمد نے ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء کو مرتب کیا، اسی سال حضرت کا وصال ہو گیا تھا، یہ مجموعہ خود صاحبِ مکتوبات اور حضرت خواجہ محمد معصوم دیگر صاحبزادگان و خلفاء کی اورنگ زیب سے روابط کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، یہ کتاب دو حصوں میں ہے، پہلے میں ۱۲۸ر مکاتیب اور دوسرے میں ۶۸ مکتوبات ہیں، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی تصحیح سے سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۶۳ء کو اس کا فارسی متن شائع ہوا تھا، پھر ڈاکٹر نذیر احمد رانجھا کا اردو ترجمہ خانقاہ سراجیہ، کندیاں، میاں والی سے طبع ہوا۔

وصال

حضرت حجۃ اللہ کا سال وصال ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۴ء ہے، روضۃ القیومیہ کے مولف نے ۱۱۱۴ھ دیا ہے، گویا ایک سال کا فرق ہے۔

اولاد

حضرت حجۃ اللہ کی اولاد میں چھ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، تین صاحبزادے یعنی عبد اللہ، عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم کم سنی میں فوت ہو گئے باقی تین صاحب کمال ہوئے، ۴ ان میں بڑے شیخ ابو العلیٰ تھے، خواجہ محمد زبیر سرہندی انہی کے صاحبزادے شہرت کی بام عروج پر تھے، حضرت حجۃ اللہ کے دوسرے فرزند

۱۔ مقامات معصومی ۳/۴۷۴ ۲۔ وسیلۃ القبول ۲/۱۲۵

۳۔ فہرست مشترک ۳/۱۳۳۶ حضرت حجۃ اللہ کے باقی رسائل کے خطی نسخوں کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں ہیں۔ ۴۔ انساب الانجاب ۲۷

Marfat.com

شیخ محمد عمر تھے اور تیسرے شیخ محمد کاظم، ان حضرات کی اولاد کی تفصیلات حضرت مجدد الف ثانی کے انساب پر کتب میں عام ملتی ہیں۔

اسفارِ حج

حضرت حجۃ اللہ نے تین مرتبہ حج کے لئے سفر کیا، پہلا سفر اپنے والد گرامی کے ہمراہ ۱۰۶۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۷۔۱۶۵۸ء کو، پھر دوسرا سفر ۱۰۸۹ھ/ ۱۶۷۸ء کو ہوا، جس میں اورنگ زیب عالمگیر کے کہنے پر آپ نے براستہ دکن یہ سفر اختیار کیا، کیوں کہ ان دنوں اورنگ زیب دکن کی مہمات سر کرنے میں مصروف تھا، اس نے عرصہ تک آپ کو تعلیم سلوک کے لئے دکن میں روکے رکھا۔[۱]

آپ کا تیسرا سفر حج ۱۱۰۳ھ/ ۱۶۹۱ء کو براستہ افغانستان و ایران ہوا، عقیدت مندوں نے کئی مقامات پر قیام کے لئے مجبور کیا، آپ ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء کو حرمین الشریفین پہنچے۔[۲]

ان تینوں اسفار کے دوران آپ کے استقبال کے لئے حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفۂ صادق شیخ محمد مراد معصومی بخاری دمشقی اپنے مریدین کی بڑی تعداد کے ساتھ استقبال کے لئے شام سے آتے رہے اور لاکھوں روپے نذرانہ پیش کرتے رہے۔[۳]

حضرت حجۃ اللہ اور اورنگ زیب

حضرت حجۃ اللہ بھی اورنگ زیب کے ساتھ منسلک رہے اور موانست کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے لئے آپ کو جدا کرنا مشکل ہو گیا، آپ نے چار رسائل تالیف کر کے اورنگ زیب کو ارسال کئے۔

آپ دوسرے سفر حج کے دوران اورنگ زیب کے کہنے پر براستہ دکن روانہ ہوئے کیوں کہ بادشاہ ان دنوں دکنی مہمات سر کرنے میں مصروف تھا، اس نے آپ کو تعلیم سلوک کے لئے عرصہ تک دکن میں روکے رکھا، ایک مکتوب میں خود لکھا ہے کہ بادشاہ نے اپنے دستِ خاص سے مکتوب لکھ کر مجھے بلایا، اس نے اپنے بیٹے شہزادہ کام بخش کو میرے سپرد کیا کہ اس کی تعلیم سلوک مکمل کرو، تو ہم نے اسے اپنے حلقہ میں شامل کر لیا۔

۱۔ روضۃ القیومیہ ۳/ ۳۲۔۳۴ (اردو ترجمہ) ۲۔ ایضاً ۳/ ۱۰۱۔۱۱۹

۳۔ رک احوال شیخ محمد مراد معصومی، کتاب حاضر

Marfat.com

حضرت حجۃ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں اورنگ زیب کو "امام اکبر بادشاہ دین پرور وارث سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام" جیسے بامعنی لقب سے مخاطب کیا ہے، آپ نے بادشاہ سے جانے کی اجازت مانگی تو اس نے آپ کو مزید رکنے کے لئے کہا اور بتایا کہ وہ اس وقت بادشاہ کی مرضی کے بغیر نہیں جاسکتے۔

پھر ۱۰۹۹ھ/ ۱۶۸۷ء کو والی بیجاپور ابوالحسن کی دختر ثانی کے ساتھ خواجہ حجۃ اللہ کے فرزند شیخ محمد عمر کا نکاح خود اورنگ زیب کے حکم سے ہوا۔

اب آپ پیرانہ سالی کے باوجود تیسری مرتبہ حج کے لئے روانہ ہونا چاہتے ہیں لیکن نوبت یہاں تک پہنچی کہ

"باوجودی کہ بادشاہ دین پناہ از کمال اخلاص از خود جدا نمی فرمودند"[۱]

۱۔ وسیلہ ۱/۲۴/۱۳۹ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مقامات معصومی ۱/۱۵۷۔۱۶۰ وبہ بعد

Marfat.com

حضرت مروج الشریعۃ شیخ محمد عبید اللہ

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے تیسرے فرزند تھے، عین نماز کے دوران آپ کو اپنا خطاب ''مروج الشریعۃ'' الہامی طور پر معلوم ہوا۔

آپ کی ولادت رجب ۱۰۳۸ھ/ ۱۶۲۹ء کو ہوئی، آپ صرف سات سال کے تھے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سرہند آئے اور صاحبزادگان سے سوال کیا کہ دل تو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ کیسے ذکر کرسکتا ہے؟ اس کا جواب حضرت مروج الشریعت نے دیا تو مولانا سن کر حیران رہ گئے، شیخ صبغۃ اللہ کی روایت ہے کہ انہوں نے قرآن مجید ایک ماہ میں حفظ کرلیا تھا۔

آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل اپنے چچا حضرت خواجہ محمد سعید اور جامع العلوم ملا بدرالدین سلطانپوری کی خدمت میں کی تھی، حضرت خواجہ محمد معصوم سے آپ کی آخری عمر میں صحیح مسلم بھی پڑھی تھی، آپ کا کشف بہت صحیح ہوتا تھا، حضرت خواجہ نے انہیں محبوبیت کی بشارت دی تھی۔

حضرت خواجہ کے مکتوبات معصومیہ کی جلد اول کے جامع آپ ہی ہیں، اس کے بعد آپ نے آپ کے مکاشفاتِ حرمین بھی عربی میں جمع کیے تھے، جس کا نام یواقیت الحرمین ہے، پھر آپ نے ملا شاکر بن ملا بدرالدین سرہندی کو اس کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا امر فرمایا تو انہوں نے ''حسنات الحرمین'' کے نام سے یہ ترجمہ کیا۔[۱]

حضرت خواجہ کے تمام معارف پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی، آپ کم سنی سے ہی ''میاں حضرت'' کے لقب سے مشہور تھے۔

۱۔ حسنات الحرمین کا فارسی متن مع اردو ترجمہ و مفصل مقدمہ، تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے دوسری مرتبہ طبع ہو گیا ہے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ کے فرزندوں میں آپ سب سے زیادہ مقرب اور محبوب تھے، آپ اپنے مریدین کی تربیت بالکل حضرت خواجہ کی طرح کرتے تھے۔

حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ پر اس قدر غم والم طاری ہوا کہ آپ مستقل علیل رہنے لگ گئے، اورنگ زیب نے اس دوران ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا، تو اپنی بیماری کا عذر کر کے آنے سے معذرت کی، جس پر بادشاہ نے کہا کہ یہاں ہر قسم کے اطباء اور ادویات موجود ہیں، یہاں آپ کا علاج صحیح طور سے ہو سکے گا، آپ نے اطاعت امر کو ترجیح دیتے ہوئے سفر کیا، جہاں امراء وفقراء نے آپ سے ہدایت حاصل کی، آپ کی صحبت میں بادشاہ نے ایک خاص مراقبہ کا طریقہ سیکھا اور وہ اتنا خوش ہوا کہ اس کی لذت اُس سے مرتے دم تک جدا نہ ہوئی۔

اس قیام دہلی کے دوران شہزادہ محمد اعظم اور اس کی اہلیہ اور شہزادہ بیدار بخت بھی آپ سے بیعت ہوئے۔

وصال

دہلی سے واپس سرہند آتے ہوئے جہاں آپ کے چچا حضرت خواجہ محمد سعید کا وصال ہوا تھا یعنی سرائے سنبھالکہ، جو سرہند سے صرف آدھی منزل کے قریب ہے آپ کا وصال ہو گیا، اس وقت ۱۹ر ربیع الاول ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء کی تاریخ تھی، اس دوران آپ جمعہ کی نماز اشارہ سے پڑھ رہے تھے کہ ۴۴ یا ۴۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا، آپ کا تابوت شریف وہاں سے سرہند لے جا کر حضرت خواجہ محمد معصوم کے روضہ کے سامنے دفن کیا گیا، اخوند سجاول سرہندی نے آپ کو غسل دینے کی سعادت حاصل کی۔

تالیفات

حضرت مروج الشریعت نے مکتوبات معصومیہ کی جلد اول کے علاوہ یواقیت الحرمین اور رسالہ فی قرأت خلف الامام، یہ رسالہ مولف کے فرزند شیخ محمد ہادی نے مولف کے مسودات سے مرتب کیا تھا، آپ کے مکتوبات خزینۃ المعارف کے قلمی نسخہ مخزونہ کتابخانہ خانقاہِ مجددیہ، قلعہ جواد، کابل کے ساتھ مجلد تھا، جو حالیہ انقلاب افغانستان کے دوران دیگر مخطوطات کے ساتھ ضائع ہو گیا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ رسالہ درعدم تعمیل کفار، یہ رسالہ آپ نے اورنگ زیب عالمگیر کے لئے لکھ کر بھیجا تھا، [۱] آپ نے امام فخر الدین رازی کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا، امام رازی نے فقہ حنفی کے رد میں یہ رسالہ لکھا تھا، جو امام ہمام کے رسالہ کا جواب ہے۔ [۲]

اولاد

حضرت مروج الشریعت کی اولاد میں پانچ فرزند اور تین لڑکیاں تھیں، لڑکوں میں سے صرف تین صاحبزادے یعنی شیخ محمد ہادی، شیخ محمد پارسا اور شیخ محمد سالم زندہ رہے، ان میں اول الذکر کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی، وہ کئی کتابوں کے مولف بھی تھے۔ [۳]

۱۔ خزینۃ المعارف ۱۲۲/۹۵ ۲۔ روضۃ القیومیہ ۲/۲۰۱۔۲۰۲

۳۔ مقامات معصومی ۴/۲۰۴۔۲۰۵ حضرت مروج الشریعت کی اولاد کی تفصیل مقامات معصومی ۴/۲۱۱۔۲۱۶ ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

حضرت خواجہ محمد اشرف

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند چہارم تھے، ۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۸ء کو سرہند میں ولادت ہوئی، رب کریم نے انہیں ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا، بہت کم عرصہ میں قرآن شریف پڑھ لیا اور پھر حضرت خواجہ محمد سعید اور ملا بدر الدین سلطانپوری سے درسی کتب پڑھی تھیں۔

آپ نے خود تفسیر بیضاوی پر نہایت متین حواشی انہی ایام میں لکھے تھے، یعنی جب آپ طالب علم تھے۔ حج پر جاتے ہوئے اورنگ زیب کے کہنے پر حضرت خواجہ اپنے اس فرزند شیخ محمد اشرف کو بادشاہ کے پاس چھوڑ گئے تھے، جو اس کی تعلیم وتربیت کے لئے سفر وحضر میں اس کے ساتھ رہتے تھے، حضرت خواجہ جب حج سے واپس آئے تو وہ بھی بادشاہ سے اجازت لے کر سرہند ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، اس وقت حضرت خواجہ سرہند کی بڑی مسجد سے پالکی میں سوار ہو کر گھر جا رہے تھے، کہ بیٹے کو دیکھ کر سواری سے نیچے اترے، معانقہ کیا اور وہاں کے احوال دریافت کئے، حضرت بادشاہ کے باطنی احوال سن کر بہت محظوظ ہوئے، کیوں کہ بادشاہ کی تربیت آپ کا مقصد حیات تھا۔[1]

خود خواجہ محمد اشرف کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ کے آخری ایام میں آپ کے ارشاد کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ عیدوں کے ایام میں نمازی ایک دوسرے کے اوپر سجدے کرتے تھے، حضرت خواجہ نے اپنے اس فرزند کو قطبیت وامامت کی بشارت بھی دی تھی۔

خواجہ محمد اشرف کابل بھی جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہاں کے ناظم امیر خان عمدۃ الملک [2] کے گھر میں مولفِ مقامات معصومی اور شیخ محمد اشرف کی صحبت رہی تھی۔

۱۔ ان امور کی تفصیل ہم نے مقاماتِ معصومی کی جلد اول میں بیان کی ہے۔

2- Athar Ali: Mughal Nobility Under Aurangzeb, p.62, 67, 80, 167, 181.

Marfat.com

وصال

خواجہ محمد اشرف کا وصال سرہند میں ۲۸ صفر ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۶ء کو حضرت مجدد الف ثانی کے عرس کے روز ہوا، حضرت خواجہ کے روضہ گنبد کے اندر دفن ہوئے۔

اولاد

خواجہ محمد اشرف کے چار فرزند تھے، بڑے شیخ محمد جعفر تھے، جو سرہند میں سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے، آپ کے دوسرے بیٹے شیخ محمد حیات تھے۔

آپ کے تیسرے فرزند شیخ روح اللہ تھے، جنہوں نے حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا تھا، آپ کے چوتھے لڑکے میاں شاہ فی الحال تھے، [۱] انہوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے احوال پر پوری کتاب بھی لکھی تھی، جس کے کسی قلمی نسخے سے ہم تا حال ناواقف ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے حجۃ الحق فی دفع اعتراضات شیخ عبدالحق، مواہب القیوم فی تائید الاحمد والمعصوم بھی تالیف کی تھیں، موخر الذکر دونوں کے کئی مخطوطات ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) کی زینت ہیں۔

۱۔ شیخ محمد اشرف کی اولاد کی تفصیل کے لئے دیکھئے مقاماتِ معصومی ۲۲۹/۴

Marfat.com

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے پانچویں فرزند تھے، آپ کے صاحبزادوں میں سب سے زیادہ شہرت انہی کونصیب ہوئی، اورنگ زیب عالمگیر کے کہنے پر آپ اس کی تربیت کے لئے اس کے شاہی محل میں رہتے تھے، لیکن کمال احتیاط کے ساتھ محل میں قیام کی بجائے محل کے چوکیدار کی کٹھیا میں رہتے تھے، اورنگ زیب امورِ سلطنت سے فراغت کے بعد آپ سے ملاقات اور تعلیم سلوک لئے اس جھونپڑی میں ہی آیا کرتا تھا۔

آپ کی ولادت ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء کو سرہند میں ہوئی، کم عمری میں ہی قرآن مجید پڑھ لیا، پھر کتب متداولہ کی تحصیل کا آغاز ہوا، آپ ابھی صرف گیارہ سال کے تھے کہ حضرت خواجہ نے ولایت کے درجات میں سے درجہ ''فناءِ قلب اور ولایت صغریٰ'' کی بشارت دی۔

آپ اپنے والد کے حینِ حیات ہی ارشاد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گئے تھے، ان کے کارناموں سے دین وملت کوطرادت ملی، بدعت اور بدعتیوں کا ہندوستان سے خاتمہ ہوا، اورنگ زیب کی خواہش تھی کہ حضرت خواجہ اس کے دربار میں اپنے فرزندوں میں سے کسی کو میرے پاس دربار میں بھیج دیں تو آپ نے استخارہ کر کے خواجہ سیف الدین کو اس مقصد کے لئے روانہ کیا تھا۔[۱]

شہزادہ محمد اعظم بھی آپ سے بیعت تھا، وہ کھانا کھلاتے وقت خود آپ کے ہاتھ دھلواتا تھا، جب آپ دہلی سے سرہند آتے تھے، صاحبزادگان سمیت بہت سے افراد آپ کا استقبال کرتے تھے، آپ کی مجلس بالکل حضرت خواجہ محمد معصوم جیسی ہوتی تھی۔

مکتوباتِ سیفیہ

یہ حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے فرزند بزرگ مولانا خواجہ محمد اعظم نے مرتب کیا تھا، اس میں ۱۹۰ رمکاتیب ہیں، اس مجموعہ میں حضرت خواجہ محمد معصوم کے معارف اس کثرت

۱۔ ہم نے مقاماتِ معصومی کی جلد اول اسی قسم کے امور کے لئے مختص کی ہے۔

Marfat.com

سے درج ہیں کہ اسے اگر مکتوبات معصومیہ کا ذیل قرار دیں تو صحیح ہوگا، یہ مجموعہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم کی کوشش سے ادارہ مجددیہ، کراچی سے طبع ہوا تھا، کتابت کی غلطیاں شمار کرنا ناممکن ہے، اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نذیر احمد رانجھا نے کیا، جو خانقاہِ سراجیہ، کندیاں، میانوالی سے شائع ہوا۔

وصال

حضرت خواجہ سیف الدین کا وصال ۲۰/ جمادی الاول ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء) کو ہوا، [۱] آپ کی عمر ۴۷ سال ہوئی، مادۂ تاریخ وفات ہے: ''ہی ہی ستون دین افتاد''

آپ کا روضہ الگ بنایا گیا، وصال سے پہلے آپ نے اسی جگہ (مدفن) کے بارے میں واضح اشارہ کیا تھا۔

اولاد

حضرت خواجہ سیف الدین کے آٹھ فرزند تھے، ان میں پہلے تین اپنے والد کے حینِ حیات بڑے ہو کر کسب کمالات کے بعد مجمع کمالات بنے۔

ان میں بڑے صاحبزادے مولانا محمد اعظم تھے، جنہوں نے آپ کے مکتوبات سیفیہ جمع کئے، [۲] ان کو حضرت خواجہ سیف الدین نے ''محبوبیت'' کی بشارت دی تھی، ان کا وصال ۱۱۱۴ھ/ ۱۷۰۲ء کو ہوا، دوسرے بیٹے شیخ محمد حسین تھے، ان کا انتقال ۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۵ء کو ہوا، تیسرے فرزند شیخ محمد شعیب تھے۔ [۳]

خلفاء

روضۃ القیومیہ میں ہے کہ خواجہ سیف الدین کے بے شمار خلفاء تھے، ہم نے مقاماتِ معصومی کے تعلیقات میں آپ کے ۱۰۶/ خلفاء کے اسماء مختلف تذکروں سے جمع کر کے ان کی فہرست دی ہے۔ [۴]

۱۔ خواجہ سیف الدین کے سالِ وصال میں تذکرہ نویسوں کے اختلاف کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مقاماتِ معصومی ۴/ ۲۴۷۔

۲۔ مولانا محمد اعظم نے فیض الباری فی شرح البخاری بھی لکھی تھی۔ (ایضاً ۴/ ۲۴۸)

۳۔ خواجہ سیف الدین کی اولاد کی تفصیل کے لئے مقامات ۴/ ۲۴۶۔۲۵۲ ملاحظہ کریں۔

۴۔ مقامات ۴/ ۲۴۳۔۲۴۵

Marfat.com

حضرت شیخ محمد صدیق سرہندی

حضرت خواجہ محمد معصوم کے آپ چھٹے فرزند ہیں، آپ کی آخری عمر میں یہ خواہش تھی کہ میرے ہاں کوئی ایسا فرزند تولد ہو جو میرے دعوت وارشاد کے کام کو اس طرح آگے بڑھائے کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے۔

شیخ محمد صدیق کی ولادت ۱۰۵۹ھ/ ۱۶۴۹ء کو سرہند میں ہوئی، جس سے حضرت خواجہ بہت خوش ہوئے، حالانکہ آپ کے پوتے اور نواسے اس وقت بکثرت موجود تھے۔

حضرت خواجہ کو ان کی تعلیم وتربیت کا بہت ہی گہرا احساس تھا کہ اب ہماری عمر کا آخری حصہ ہے، میں اس فرزند کی تربیت کیسے کروں؟

آپ نے بہت ہی کم سنی میں قرآن شریف پڑھ لیا اور پھر مروجہ درسی کتب کا آغاز کر دیا، لیکن غلبۂ حال کے باعث، جو سن بلوغت میں ہی غالب آ گیا تھا، آپ منتہی کتب پڑھ ہی نہیں سکے، لیکن اپنی اعلیٰ استعداد کے باعث کتب معتبر پر اس خوبی سے تقریر کرتے تھے کہ جید علماء بھی حیران رہ جاتے تھے، حالانکہ آپ نے وہ کتب کسی سے پڑھی نہیں تھیں۔

آپ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جیسی علم کلام کی دقیق کتاب کا درس بھی کامل قابلیت کے ساتھ دیتے تھے۔

آپ صرف گیارہ سال کے تھے کہ سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے انہیں ''ولایت احمدی'' سے سرفراز فرما کر اس کی بشارت دی، جب آپ نے اس کا ذکر حضرت خواجہ سے کیا تو آپ بہت ہی مسرور ہوئے، فرمایا کہ اس کی حفاظت کرنا اور یہ پورے عروج سے ایک روز جلوہ گر ہوگی۔

حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ تیرے باطن کی طرف سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے لیکن ابھی اس کی تکمیل لازم ہے، تم برابر اس کے لئے سعی کرتے رہنا، آپ نے اس صاحبزادے کو تعلیم طریقہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔

مقامات معصومی کے مولف میر صفر احمد معصومی (نواسۂ حضرت خواجہ) کی شیخ محمد صدیق سے بہت

Marfat.com

مدت تک صحبت رہی تھی، موصوف اس کتاب کی تالیف کے محرک بھی تھے اور وہ جتنا لکھ لیتے تھے، موصوف بڑے ادب سے اس کی سماعت کرتے تھے، شیخ محمد صدیق کا قیام دہلی میں تھا، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اورنگ زیب عالمگیر آپ سے بیعت تھا اور یہ تمنا رکھتا تھا کہ آپ دہلی تشریف لے آئیں۔

حضرت خواجہ کا وصال (۱۰۷۹ھ) کو اس وقت ہوا جب شیخ محمد صدیق صرف ۲۲ر سال کے تھے، لیکن آپ تمام باطنی کمالات حاصل کر چکے تھے۔

حضرت خواجہ سیف الدین، جو آپ کے بہت ہی فعال قسم کے بھائی تھے اکثر اپنی والدہ سے شیخ محمد صدیق کے باطنی کمالات کی تعریف کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ محمد صدیق، حضرت نبی کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ کا اتباع بہت ہی اہتمام سے کیا کرتے تھے۔

ایک بار اورنگ زیب، حسن ابدال جاتے ہوئے ایک دن کے لئے سرہند میں ٹھہرا اور حضرت شیخ محمد صدیق کو اپنے ہاتھ سے خط لکھا کہ میں آج عشاء کے بعد کھانا آپ کے ہاں کھاؤں گا۔

کئی عرب تذکرہ نویسوں نے شیخ محمد صدیق کے مناقب میں کتابیں بھی لکھی ہیں، بادشاہ فرخ سیر آپ کا مرید تھا، آپ نے حج بھی کیا تھا اور وہاں آپ کو بہت مقبولیت ہوئی تھی۔ [1]

وصال

حضرت شیخ محمد صدیق، جو دہلی میں رہتے تھے اور وہیں آپ کا ۵ر جمادی الاول ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء کو وصال ہو گیا، آپ کا تابوت شریف سرہند لا کر الگ روضہ بنا کر دفن کیا گیا، آپ کے وصال کے بعد بادشاہ فرخ سیر کا قتل بھی ہوا تھا۔

اولاد

حضرت شیخ محمد صدیق کے دو فرزند تھے، اول حافظ شیخ محمد مہدی، جو ظاہری و باطنی علوم میں کامل تھے، دوسرے بیٹے شیخ عبد الباقی تھے، یہ بھی حافظ قرآن اور عالم تھے۔ [2]

۱۔ انوار القدسیہ ۲۰۰

۲۔ شیخ محمد صدیق کے یہ تمام احوال مقامات معصومی ۳/ ۳۵۰۔۳۵۸، ۴/ ۲۵۳۔۲۵۷ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

علامہ محمد فرخ مجددی

شیخ محمد فرخ بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی ولادت سرہند میں ۱۰۳۸ ریا ۱۰۳۹ھ/ ۱۶۲۸ء/۱۶۲۹ء کو ہوئی، [۱] گویا حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ) کے صرف چار یا پانچ سال کے بعد آپ پیدا ہوئے۔

تحصیلِ علم

آپ نے سرہند کی بڑی مسجد میں قرآن شریف حفظ کیا، وہیں پر تراویح میں قرآن مجید بھی سنایا، [۲] یقیناً آپ سرہند کے مدرسہ میں ہی پڑھتے رہے ہوں گے، جہاں حضرت مروج الشریعت محمد نقشبند ثانی بن حضرت خواجہ محمد معصوم بھی آپ کے ہم سبق تھے، [۳] تمام علوم اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کیے۔ [۴]

آپ کی سند حدیث دو طریقوں سے مروی ہے، اول اپنے والد گرامی کی آبائی جید سند، دوم شیخ علی الطبری سے بھی ہے۔

حدیث شریف کی یہ سند آپ نے اپنے پہلے سفر حج بہ ہمراہی والد بزرگوارِ خود اور اپنے چچا حضرت خواجہ محمد معصوم وشاہ محمد یحییٰ کے دوران ۱۰۶۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۷۔۱۶۵۸ء کو حاصل کی، شیخ محمد فرخ اس کے بعد بھی حج کے لئے گئے تھے لیکن اس سند کا تعلق آپ کے پہلے سفر سے ہے۔

محدث شہیر شیخ علی الطبری بن عبدالقادر طبری مکی شافعی کا اس سفر کے صرف دو سال بعد ہی ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء

۱۔ صفر احمد معصومی، مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۰۵ سالِ ولادت میں صرف ایک سال کا اختلاف ہے، ہدیۂ احمدیہ (ص ۱۰) میں فقط ۱۰۳۸ھ درج ہے۔

۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۰۵۔۴۰۶ ۳۔ کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۱/ ۲۹۴

۴۔ محمد مراد ننگ کشمیری: تحفۃ الفقراء بحوالہ مقاماتِ معصومی ۴/ ۲۸۶

Marfat.com

کو انتقال ہوگیا، اس سفر میں شامل ایک اور محدث شیخ زین العابدین بھی ہیں، یہ بزرگ شیخ علی الطبری کے حقیقی بھائی تھے، ۱ یہی شیخ علی الطبری شافعی حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ بھی تھے۔ ۲

تبحر علمی اور درس وتدریس

مشہور محدث شیخ محسن ترہتی کا بیان قابل توجہ ہے کہ شیخ محمد فرخ کو ستر ہزار حدیثیں مع متن واسناد حفظ تھیں اور وہ احکام فقہ میں اجتہاد کے مرتبہ پر فائز تھے۔ ۳

شاہ محمد مظہر مجددی مدنی کا قول ہے:

فی الفقه قرب رتبة الاجتهاد ۴

حضرت فرخ کے درس وتدریس کا شہرہ سارے ہندوستان میں تھا، اور سرہند کا مدرسہ مرکزی حیثیت حاصل کر چکا تھا، کئی اصحاب کسبِ علوم کے لئے سرہند حاضر ہوئے تھے۔ ۵

معاصر تذکرہ نویس میر صفر احمد معصومی کا قول ہے:

غلغلۂ علم ایشان در گنبد افلاك صدا بخشیده و رواج فضیلت ایشان اکثر از خاك منور گردانیده، حضرات احمدیه همه ثناخوان ایشان اند و کبرائ سعیدیه تلامیذ شان...... بادشاهِ خلد مکان صحیح بخاری را در خدمت آں مولوی معنوی خوانده اند ۶

یعنی بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے صحیح بخاری علامہ محمد فرخ کی خدمت میں پڑھی تھی۔

۱۔ ان دونوں محدثین کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

محبی: خلاصۃ الاثر ۳/۱۶۱، ۲/۱۹۵،

حموی، مصطفیٰ: فوائد الارتحال ۵/۳۳۴۔۳۳۷، ۴/۱۹۶۔۲۰۰

۲۔ یٰسین سنھوتی: انوار القدسیہ ۱۹۲ ۳۔ الیانع الجنی ۶۶

۴۔ المناقب الاحمدیہ والمقامات سعیدیہ ۲۶

۵۔ براسوی، محمد اکرم: اقتباس الانوار ۳۳۸ ۶۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۰۵

Marfat.com

آپ کا لقب ''مولوی معنوی'' آپ کے حین حیات ہی رائج ہوگیا تھا۔ ۱؎ دوسرے معاصر تذکرہ نویس شیخ محمد مراد ٹنگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ) نے لکھا ہے:

اکثر عمر مبارك بتدریس و تدقیق گذرانیدند، جمع غفیر از علماء و مشائخِ عصر را شرف شاگردی حاصل شده...... محرر بارها ملازمت ایشاں کرد و چندی بشرکت...... درس کتب حدیث و فقه در جناب ایشاں حاصل نموده...... و بکشمیر تشریف آوردند عمر مبارك ایشاں از حدود تسعین تجاوز نموده، چهارم شوال سنه یك هزار و یك صد و بیست هجری انوار آفتاب آثار ایشاں رو به کُلبه خاك نمود ۲؎

کسب فیض

آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ ساری دنیا کے تمام ائمہ کا ظہور ہوا ہے، انہوں نے اس کی تعبیر حضرت مجدد الف ثانی سے دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ خواب بہت ہی دولت افزا ہے کہ محمد فرخ کو کمالاتِ نبوت کا فیض حاصل ہوگا۔

آپ نے تحصیل علم کے ساتھ روحانی فیض بھی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا اور پھر ان کے وصال (۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) کے بعد اپنے چچا حضرت خواجہ محمد معصوم کے حضور اس کی تکمیل کی۔ ۳؎

اولاد

آپ نے دو نکاح کیے، ۴؎ جن کے بطن سے چار فرزند اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں، آپ کے والد گرامی خواجہ محمد سعید سرہندی کے ہاں آٹھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں، جن میں دو فرزند

۱۔ وحدت، عبدالاحد سرہندی: گلشن وحدت ۳۶/۲۳

۲۔ تحفۃ الفقراء مرتبہ سیدہ رقیہ ۵۳۔۵۴

۳۔ مقامات معصومی ۳/۴۰۵۔۴۰۶ ۴۔ ہدیۂ احمدیہ ص ۱۰

Marfat.com

نامور ہوئے، اول علامہ محمد فرخ، دوم شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی۔ [۱]

سال وصال

علامہ محمد فرخ کے سالِ وصال میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے، مقاماتِ معصومی کے معاصر مولف نے ۱۱۲۱ھ لکھا ہے، [۲] دوسرے معاصر شیخ محمد مراد ننگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ) نے چہارم شوال ۱۱۲۰ھ دیا ہے، [۳] صاحب روضۃ القیومیہ نے ۴ر شوال ۱۱۱۸ھ درج کیا ہے، [۴] جو سہو کتابت معلوم ہوتا ہے، بہر حال دو معاصرین یعنی میر صفر احمد معصومی اور شیخ محمد مراد ننگ کے اندراج میں صرف ایک سال کا اختلاف ہے۔

تالیفات

علامہ محمد فرخ یقیناً بہت سی کتابوں کے مولف ہوں گے، لیکن ہمیں ان سب کی تفصیلات نہیں مل سکیں، صرف مندرجہ ذیل معلومات ہی دستیاب ہو سکی ہیں:

مقاماتِ معصومی میں ہے:

حاشیہ بر ملا عبدالحکیم کہ بر خیالی است بہ متانتِ تمام نوشتہ اند و رسالہ در منع رفع سبابہ نیز بادلۂ عالیہ تحریر فرمودہ...... و کتب دیگر ہم ظاہر تصنیف فرمودہ باشند [۵]

۱۔ شیخ وحدت کے احوال و آثار کی تفصیل کے لئے لطائف المدینہ پر ہمارا مفصل مقدمہ ملاحظہ کریں۔

۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۰۷ ۳۔ تحفۃ الفقراء ۵۴

۴۔ روضۃ القیومیہ ۱/ ۲۹۵ ۵۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۰۶ شیخ شمس الدین احمد بن موسیٰ ازنیقی حنفی معروف بہ خیالی (متوفی حدود ۸۷۰ھ) نے کئی کتابوں پر حواشی لکھے، جن میں شرح عقائد نسفی، حاشیہ تجرید، حاشیہ علی شرح مختصر للعضد، حاشیہ علی صدر الشریعۃ، تعلیقات علی الهدایہ والمقاصد اور شرح عقائد النونیہ کا ذکر ملتا ہے (سلم الوصول الی طبقات الفحول ۱/ ۲۵۹) شرح عقائد النسفیہ مع حاشیہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی کئی طباعتیں دستیاب ہیں۔

Marfat.com

روضۃ القیومیہ میں ہے کہ مولوی صاحب نے علوم ظاہری کی اکثر کتابوں پر شرحیں اور حاشیے لکھے تھے۔ ۱

علامہ محمد فرخ چونکہ درس وتدریس سے وابستہ تھے، آپ کی کئی درسی کتب بھی ہوں گی، اور متداول کتب پر آپ کے حواشی بھی ہوں گے، لیکن فہارس مطبوعات میں ان کی طباعت کا ذکر نہیں ملتا۔

ان کے علاوہ آپ کی مندرجہ ذیل کتب کی تفصیل مل سکی ہے، پہلے حصہ میں ہم مفقود کتابوں کا مختصر تعارف کروائیں گے اور دوسرے حصہ میں ہم دست ہونے والے مخطوطات کا تعارف کروایا جائے گا۔

۱۔ النجاۃ عن طریق الغواۃ

علامہ محمد فرخ نے یہ رسالہ اصطلاحات صوفیہ اور رد ملاحدہ کے موضوع پر تالیف کیا تھا، جس کا تعارف آپ نے خود کشف الغطا میں اس طرح کروایا ہے:

هر كه تفصيل علم خواهد در بيان معانی فنا و بقا و جذبه و سلوك وغيره ذالك من مصطلحات القوم فليرجع الى رسالتنا المسماة بالنجاة عن طريق الغواة يجد فيها معدنا بالكل جواهر ثمينه و لآلی فريده...... باعث برتسويد رساله نجاه غلو بعضی ملاحده بود كه قدم برقدم ابليس دارند در مسئله وحدتِ وجود كه ايں مسئله غامضه را از بعضی عبارات متشابه بزرگان بر آورده به نهجی كه دين متين را برهم زند آوردند چنانچه رمزی آزاں ايں اوراق هم ثبت يافت در رد آنها سخن باشباع تطويل انجاميده است تا آں بی دينان را دست آويز نماند و باعث برتاليف ايں رساله هجوم ايں جماعت بر عزيزی كه دراعتقاد بسياری از خلص عبادالله است......

(کشف الغطاء، قلمی ورق ۹۴۔ الف، ب)

۱۔ روضۃ القیومیہ ۲۹۴/۱

Marfat.com

۲۔جلاء الصدر عن مرآۃ الکعبۃ الحسناء

اس رسالہ میں حقیقت کعبہ اور اس نوعیت کے دیگر مسائل پر بحث کی گئی ہے، کشف الغطاء میں اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باید دانست که یکی از مواضع مغلقه که در فهم آنها در آمده است آں است که در بعضی مکاتیب (حضرت مجدد الف ثانی) واقع شده است حقیقت کعبه فوق حقیقتِ محمدی است و مسجودِ اوست...... مطلب ازیں حکایت آں ست که حل ایں مقام را از رساله جلاء الصدر عن مراة الکعبة الحسناء طلب نمایند، امید است که از غل حقد نجات یابند

(کشف الغطاء۹۴ب،۹۵/الف)

گویا یہ رسالہ النجاۃ اور رسالہ جلاء الصدر بھی کشف الغطاء کی تالیف ۱۰۹۴ھ سے پہلے تالیف ہو چکے تھے۔

۳۔مکاشفات الحرمین

معاصر تذکرہ نویس شیخ محمد امین بدخشی نے اس رسالہ کے حوالے اور اقتباسات دیئے ہیں، حضرت وحدت کی لطائف المدینہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر یوں کرتے ہیں:

مکاشفات الحرمین الشریفین کثیر عندی بخط الشیخ فرخ شاہ والشیخ عبدالاحد سلمہ اللہ تعالیٰ (نتائج الحرمین ۳/۲۸ب)

۴۔رسالہ در منع غنا

اس رسالہ کا ذکر حضرت وحدت نے اپنے ایک مکتوب بنام شیخ محمد مراد تنگ کشمیری میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

شیخ خلیل الرحمن سلام می رسانند و فرموده اند که رساله بابت حرمت غنا تصنیف برادرم مولوی شیخ محمد فرخ شاه جیو برای ما نویسانده ارسال دارند
(گلشنِ وحدت ۴۴/۳۷)

Marfat.com

شاہ روف احمد رافت مجددی نے بھی رسالہ حرمۃ الغنا کے نام سے اس کا حوالہ دیا ہے۔(جواہر علویہ ۲۷۰)

۵۔حاشیہ علیٰ حاشیۃ علامہ عبدالحکیم علی الخیالی

مقاماتِ معصومی کے علاوہ جواہر علویہ (۲۷۰) میں بھی اسے علامہ فرخ شاہ کی تالیف بتایا گیا ہے، نزہۃ الخواطر (۶/۲۲۳) کے مولف نے بھی اس حاشیہ کا ذکر کیا ہے۔

۶۔رسالہ در منع رفع سبابہ

مقاماتِ معصومی، جواہر علویہ (۲۷۰) اور الیانع الجنی (۶۷) میں بھی اسے شاہ محمد فرخ مجددی کی تالیف لکھا ہے۔

۷۔القول الفاصل بین الحق والباطل

صاحبِ نزہۃ الخواطر (۶/۲۲۳) نے اس رسالہ کا نام شاہ محمد فرخ کی تالیفات کی فہرست میں لکھا ہے، اس رسالہ کا موضوع غالباً حضرت مجدد الف ثانی کے مخالفین کا رد ہے۔

۸۔رسالہ فی الحقیقۃ المحمدیہ

جواہر علویہ (۲۷۰) مناقب احمدیہ ومقاماتِ سعیدیہ (۲۶) اور نزہۃ الخواطر (۶/۲۲۳) میں بھی اس رسالہ کو شیخ محمد فرخ کی تالیف لکھا گیا ہے۔

۹۔رسالہ فی العقائد

مولفِ نزہۃ الخواطر (۶/۲۲۳) نے اسے مولوی محمد فرخ شاہ کی تالیف بتایا ہے۔

اب معلوم اور ہم دست ہونے والی تالیفات کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

۱۰۔مکتوباتِ سعیدیہ

یہ علامہ فرخ کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی (ف ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) کے مکتوبات کا مجموعہ ہے، جس میں مکتوبات کی تعداد ایک سو ہے، جامع نے یہ مجموعہ صاحبِ مکتوبات کے وصال کے بعد مرتب کیا، جہاں کہیں آپ نے اپنے والد بزرگوار کے اقوال نقل کئے ہیں وہاں ''مکتوب حضرت قبلہ گاہی والدی

Marfat.com

قطب الاقطابی قدس سرہ'' لکھا ہے (مکتوباتِ سعیدیہ ۴/۶)، تقریباً چالیس سال پہلے حضرت حافظ محمد ہاشم جان مجددی مرحوم کے گھر میں مخطوطات کے ذخیرہ میں مکتوبات سعیدیہ کا جونسخہ دیکھا تھا، اس میں بھی ایک سو مکاتیب ہی تھے، یقیناً حضرت خواجہ کے اور مکاتیب بھی ہوں گے اور ممکن ہے کہ کوئی دوسرا مجموعہ بھی مرتب ہوا ہو، جس کے وجود سے آج ہم بے خبر ہیں۔

علامہ محمد فرخ کا یہ مجموعہ فارسی وعربی مکاتیب پر مشتمل ہے، جسے حکیم عبدالمجید سیفی نے مرتب کر کے محکمہ اوقاف پنجاب سے ۱۳۸۵ھ کو طبع کروایا تھا۔

۱۱۔ اصطلاحات الصوفیہ

اس میں مولف نے صوفیہ کرام کی اصطلاحات جمع کر کے ان کی تشریح کی ہے، خصوصاً مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں شامل اصطلاحات اور اپنے والد گرامی کی صحبت سے جو فیض ملا تھا وہ ان اصطلاحات کی شرح کے دوران بیان کیا ہے، مولف نے اپنے والد کے اسم گرامی کے ساتھ قدس سرہٗ کا دعائیہ جملہ لکھا ہے، گویا یہ کتاب ان کے وصال (۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) کے بعد تالیف ہوئی، اس کی تفصیل اور تلخیص جداگانہ طور پر بیان کی گئی ہے۔

۱۲۔ کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء

حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع اور مخالفین کے رد میں علامہ فرخ نے یہ رسالہ ۱۰۹۴ھ کو اس وقت تالیف کیا، جب مخالفین نے شورش برپا کی۔ (روضۃ القیومیہ ۳/۷۵)

یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے احوال ومناقب کے سلسلہ میں بھی خاص اہمیت رکھتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے ایسے احوال ومقامات بھی ثقہ روایات کی بنیاد پر نقل کیے گئے ہیں، جن سے آپ کے احوال پر تالیف ہونے والی معاصر کتب خالی ہیں، ہم نے کشف الغطاء کے مطالب کا خلاصہ اسی مقدمہ میں الگ بیان کر دیا ہے۔

کشف الغطاء کے قلمی نسخے

۱۔ خطی نسخۂ حاضر دریافت شدہ نسخوں میں قدیم ترین ہے یعنی اس کا سالِ کتابت ۱۲۰۹ھ، کاتب قل احمد

Marfat.com

بن یار محمد ہے، اس کے صفحات ۱۵۴ رہیں، اس کے آغاز اور خاتمہ میں اس کے کاتب کی تین مہریں ثبت ہیں، یہ نسخہ ہمارے ذخیرہ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں (شمارہ MS.133) محفوظ ہے۔

۲۔ کشف الغطاء کا دوسرا نسخہ مولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددی کے کتب خانہ کوئٹہ میں دیکھا تھا، جس کا سالِ کتابت ۱۲۴۹ھ ہے، اس کا کسی سرہندی بزرگ نے دوسرے قلمی نسخہ سے تقابل بھی کیا تھا، یہ نسخہ حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھے جانے والے تین رسائل کے ساتھ مجلد ہے، پہلا رسالہ بھی فارسی نثر میں ہے، جس کے مولف نے اپنا نام آغاز میں نہیں لکھا، دوسرا نسخہ کشف الغطاء کا ہے یعنی سنہ مذکور (۱۲۴۹ھ)، اس مجموعہ میں شامل تیسرا نسخہ بہجۃ النظار فی براۃ الابرار تالیف مخدوم محمد معین ٹھٹھوی ہے، جو عکسی صورت میں ہمارے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ کشف الغطاء کا تیسرا نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم، لاہور کے پاس تھا، جس کا سالِ کتابت ۱۳۱۶ھ، کاتب سید محمد حسینی بن عبدالعزیز ہے، تعجب ہے کہ کاتب نے لکھا ہے وہ یہ نسخہ صاحبزادہ فضل حق معصومی پشاوری کے امر پر کتابت کر رہا ہے، جب کہ مسلمہ طور پر شیخ معصومی کا سالِ وفات ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء ہے، ممکن ہے یہ کسی نے بعد میں اسی طرح نقل کر دیا ہو، ان کے نام کے ساتھ کاتب نے دعائیہ جملہ مدظلہ العالی بھی لکھا ہے جو زندہ اصحاب کے لئے استعمال ہوتا ہے، یقیناً یہ کسی نے اسی کاتب کے نسخے کو بہت بعد میں ۱۳۱۶ھ کو نقل کیا ہے، اس نسخے کی عکسی نقل (روٹوگراف) ہمارے ذخیرہ میں (شمارہ R.207) میں ہے اور نسخہ دوم کا روٹوگراف بھی ہمارے ذخیرہ (R.208-A) کی زینت ہے۔

امید ہے کہ مستقبل کے محققین ان تینوں نسخوں کی بنیاد پر اس کا ایک تقابلی و تحقیقی متن مرتب کر کے شائع کریں گے۔

۱۳۔ الحد الفاصل بین سدید الاعتقاد و بین الزندقہ والالحاد (عربی نثر)

اس رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے، اس کا ایک ایسا ناقص نسخہ جی معین الدین صاحب، ساکن لاہور

Marfat.com

کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، جس کا کوئی ورق بھی پورا پڑھا نہیں جا سکتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جلد ساز نے نسخہ کے کرم خوردہ ہونے کے باعث کاغذ کے دونوں طرف بٹر پیپر چپکا دیا ہے، جس کی وجہ سے اسے پڑھنا محال ہے، اس لئے اس کی تفصیل نہیں دی جا سکتی، تاہم اس کے اس حالت میں ہونے کے باوجود ہم نے اس کا روٹو گراف بنوا لیا تھا، جو اب ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں (شمارہ R.212-B) محفوظ ہے۔ (فہرست مخطوطات و مصورات ذخیرۂ مجددی ۲۹۷)

۱۴۔ تبعیۃ المنہاج المتین عن مصائد لصوص الدین (فارسی نثر)

علامہ محمد فرخ نے یہ رسالہ بھی ملاحدہ و زنادقہ کے رد میں لکھا ہے، دلائل کافی قوی ہیں، مولف نے اس باب میں تمام بے دین فرقوں کے عقائد اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ان کے اثرت سے خبردار کیا ہے، اس سے پہلے دہلی میں حضرت خواجہ کلاں بن حضرت خواجہ باقی باللہ اسی نوعیت کا ایک رسالہ ''مبلغ الرجال'' کے نام سے لکھ چکے تھے، جو اس رسالہ سے زیادہ مفصل اور عہدِ اکبری کے ملاحدہ کے مکروفریب کے بیان نے اس کی اہمیت بہت بڑھا دی ہے۔[۱] اس موضوع پر مولف علامہ محمد فرخ کا یہ دوسرا رسالہ ہے، پہلا رسالہ (شمارہ ۱۳) کا موضوع بھی اسی نوعیت کا ہے۔

تبعیۃ المنہاج کے دو قلمی نسخوں کا ہمیں تا حال علم ہے، ایک نسخہ ہم نے اپنے سفر ہندوستان میں دیکھا تھا، جس کی عکسی نقل روٹو گراف بھی بنوا لیا تھا، جو اب ہمارے ذخیرہ میں (شمارہ R.112-A) محفوظ ہے۔[۲] جس کا خط بہت صاف اور عمدہ ہے، موجودہ عکس اسی نسخہ پر مبنی ہے۔

اس رسالہ کا دوسرا نسخہ کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ میں محفوظ ہے، جس کی عکسی نقل عزیز گرامی ڈاکٹر عارف نوشاہی نے ہمیں مرحمت فرمائی ہے، اس کا سالِ کتابت ۱۲۰۹ھ اور کاتب عبدالحلیم ولد حافظ محمود ہے، اس کا روٹو گراف بھی ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

۱۔ مبلغ الرجال کا فارسی متن ہمارے مقدمہ، ملخص اردو ترجمہ و تعلیقات کے ساتھ حال ہی میں پروگریسو بکس، لاہور سے طبع ہو گیا ہے۔

۲۔ احقر نے بغیر تحقیق کے اپنی مرتبہ فہرست مخطوطات ص ۲۳۲ میں اس رسالہ کا نام ''وحدت الوجود'' لکھ دیا ہے، اب اس غلطی سے رجوع کیا جاتا ہے، یہی سہو مقاماتِ معصومی پر تعلیقات لکھتے ہوئے بھی ہوا تھا۔ (۲۹۳/۴)

Marfat.com

قاضی شیخ محمد فضل اللہ سرہندی

شیخ محمد فضل اللہ، حضرت مجدد الف ثانی کے نواسے اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے بھانجے تھے۔

شیخ محمد فضل اللہ، سرہند کے قاضی شیخ عبدالقادر (ف ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) کے فرزند تھے، جو شیخ محمد امین کے بیٹے تھے، ان کے والد شیخ عبدالرزاق تھے، جو حضرت مخدوم عبدالاحد کابلی سرہندی (ف ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء) کے فرزند تھے، مخدوم صاحب، حضرت مجدد الف ثانی کے والد گرامی تھے، جن کے سات صاحبزادے تھے۔[1]

جب شیخ عبدالقادر مذکور کا انتقال ہوا تو اورنگ زیب نے میر محمد فضل اللہ کو ان کے والد کی بجائے سرہند کا قاضی مقرر کیا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم کی زوجہ محترم روم (ترکی) کے سادات میں سے تھیں، ان کے خانوادے کے ایک فرد میر رمضان (محترمہ کے دادا) روم سے پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی، ان کے فرزند میر صفر احمد رومی کی دختر ثانی رقیہ (ف ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء) سے حضرت خواجہ کا نکاح لاہور میں ہوا، اس مواصلت میں حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ اور عالم اجل ملا محمد طاہر لاہوری (ف ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۰ء) کا خاص کردار ہے، انہی کی سعی جمیلہ سے یہ عقد مسنون ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تین صاحبزادیاں تھیں، پہلی دو بالغ ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گئیں، تیسری بیٹی خدیجہ، جو بقید حیات رہی، حضرت کی تمام دختری اولاد انہی کے بطن سے تھی، انہی بی بی خدیجہ کا نکاح حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے چھ ماہ بعد قاضی عبدالقادر مذکور سے ہوا، اس خاتون کے بطن سے حسب ذیل اولاد ہوئی:

۱۔ خواجہ محی الدین (محرم بارگاہِ سلطنت اورنگ زیب)

۱۔ زبدۃ المقامات

Marfat.com

۲۔حاجی میر محمد فضل اللہ (والد مولف مقامات معصومی، متولد ۱۰۵۰ھ)

۳۔شیخ عبداللطیف (متولد ۱۰۵۵ھ) مصاحب اورنگ زیب

فرزندوں کے علاوہ ان کی سات بیٹیاں بھی تھیں۔

ان میں سے حاجی میر محمد فضل اللہ کا عقد مسنون صفیہ بنت حضرت خواجہ محمد معصوم سے ہوا، جن کے بطن سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، ان میں سے میر صفر احمد معصومی (مولف مقامات معصومی) سب سے زیادہ مشہور ہوئے، انہوں نے اپنے والد میر فضل اللہ کے حالات پر منظر اولی الالباب، مقاماتِ معصومی کی تالیف (۱۱۳۲/۱۱۳۴ھ) سے چند سال قبل تالیف کی تھی، پھر مقامامت کی تکمیل کے بعد انہوں نے اپنے والد گرامی کے احوال پر ایک اور رسالہ مظہر ابواب فضل بھی لکھا، ہم اب تک ان دونوں کتابوں کے وجود سے بے خبر ہیں۔[۱]

البتہ ان کی سب سے ضخیم اور اہم کتاب مقاماتِ معصومی کے دو قلمی نسخے ہمیں ملے تھے، جن کی بنیاد پر اس کا فارسی متن مع اردو ترجمہ، تعلیقات اور مفصل مقدمہ (جلد اول) ہم نے مرتب کر کے ۲۰۰۴ء میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

ہمیں قاضی فضل اللہ کا سال، وفات تا حال معلوم نہیں ہے۔

۱۔قاضی فضل اللہ کے یہ تمام احوال مقاماتِ معصومی کی جلد اول سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

شیخ عبداللطیف سرہندی

آپ شیخ عبدالقادر (ف ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) کے فرزند تھے، جو سرہند کے قاضی تھے، ان کے انتقال کے وقت شیخ عبداللطیف تیرہ سال کے تھے (۱۰۶۸-۱۰۵۵=۱۳)، شیخ عبدالقادر، حضرت مجدد الف ثانی کے داماد تھے، یعنی آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی خدیجہ کا نکاح حضرت کے وصال کے چھ ماہ بعد ان سے ہوا تھا۔

شیخ عبداللطیف کی ولادت سرہند میں حدود ۱۰۵۵ھ/ ۱۶۴۵ء کو ہوئی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ہی قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا، اس کے بعد درسی کتب پڑھنی شروع کیں اور کامل محنت سے اس نصاب کی تکمیل کی، باطنی علوم کے لئے حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجمع البحرین بن گئے، حضرت خواجہ کی کثیر عنایات ان کو حاصل ہوئیں۔

اس کے بعد آپ نے خود درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، غربت، مسکنت اور غریب پروری ان کا شیوۂ مرضیہ تھا۔

موصوف بے نفسی کی تصویر تھے، انہوں نے حضرت خواجہ سیف الدین کے ایما پر بادشاہ اورنگ زیب کی مصاحبت اختیار کی تھی۔[۱]

حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے بعد انہوں نے حضرت شیخ سیف الدین کو خدمت میں رجوع کیا۔

شیخ عبداللطیف نے حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا تھا، غالباً انہوں نے یہ رسالہ ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء میں اس وقت لکھا ہوگا جب مخالفین نے آپ کے خلاف شورش برپا کی تھی، اس وقت آپ اورنگ زیب کی مصاحبت میں تھے۔

۱۔ مقامات معصومی ۱/۱۷۴ بعنوان "نبائر حضرت مجدد الف ثانی اورنگ زیب کی مصاحبت میں"

Marfat.com

وصال

شیخ عبداللطیف کا وصال شیخ فضل اللہ کے حین حیات ۷/ رمضان ۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۰ء کو ہوا، سرہند میں حضرت مجدد الف ثانی کے روضہ کے باہر دفن کیا گیا۔

اولاد

آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبدالحی تھے، جو اپنے والد کے وصال کے بعد حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی سے منسلک ہوگئے تھے، دوسرے زین العابدین بھی تھے، ان کی ایک بیٹی راشدہ حضرت مروج الشریعت کے پوتے شیخ برکت اللہ سے منسوب تھی، [1] شیخ عبداللطیف کے ایک بیٹے شیخ محمد موسیٰ بھی تھے، جن کے ایک لڑکے سرج الدین اور ایک بیٹی بھی تھیں، یہ دونوں لاولد فوت ہوئے۔ [2]

۱۔ روضۃ القیومیہ ۴/۳۴۱، ۱/۲۱۱ (قلمی فارسی)

۲۔ ایضاً

Marfat.com

شیخ خلیل اللہ سرہندی

شیخ خلیل اللہ، حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کے فرزندِ اصغر تھے، ان کی ولادت سرہند میں حدود ۱۰۵۵ھ/ ۱۶۴۵ء کو ہوئی، وہ ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ اور محاسن اخلاق سے متصف تھے، انہوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں بیعت کی سعادت حاصل کی، حالانکہ وہ اپنے والد گرامی کی زندگی میں جواں اور کتب درسیہ پڑھتے تھے، حضرت خواجہ ان کے حق میں بہت عنایات فرماتے تھے اور ان کی تربیت اپنے فرزندوں سے زیادہ چاہتے تھے۔

حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے بعد انہوں نے کمال خضوع کے ساتھ حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں رجوع کیا، [۱] انہیں حضرت حجۃ اللہ سے خصوصی انس تھا۔

حضرت خواجہ کے تین مکاتیب شیخ خلیل اللہ کے نام ہیں، [۲] ایک مکتوب میں حضرت خواجہ نے انہیں ''تعین حبی'' کی بشارت دی تھی، ان کے والد کے دو مکاتیب (۱۹-۲۰) آپ کے نام ہیں۔

حضرت حجۃ اللہ کے تیسرے سفر حج کے دوران وہ ان کے ہمرکاب تھے۔ [۳]

اولاد

شیخ خلیل اللہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی، نور القدس، شیخ مکین، شیخ مراد اللہ اور فیض النساء [۴]

۱۔ وسیلۃ القبول ۲/۳۶/۱۷

۲۔ مکتوبات معصومیہ ۳/ ۱۹۵، ۲۱۶

۳۔ روضۃ القیومیہ ۳/۱۱۲

۴۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقامات ۴/۳۱۲

Marfat.com

وصال

مقاماتِ معصومی کی تالیف کے دوران (۱۱۳۲-۱۱۳۴ھ) موصوف کی عمر اسی سال تھی، ان کی ولادت حدود ۱۰۵۵ھ کو ہوئی، اس اعتبار سے وہ ۱۱۳۵ھ تک بقید حیات تھے (۱۰۵۵+۸۰=۱۱۳۵)، معاصر ماخذ روضۃ القیومیہ میں ان کا سالِ انتقال ۱۱۳۱ھ درج ہے، [۱] مولف ہدیۂ احمدیہ نے بغیر کسی حوالہ کے ان کا سالِ وفات ۱۱۳۳ھ لکھا ہے، [۲] ممکن ہے مقامات کے مولف کو ان کے سالِ وفات کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو، گمان ہے کہ ان کا انتقال ۱۱۳۳ یا ۱۱۳۴ھ کو ہوا۔

۱۔ روضۃ القیومیہ ۱/۳۰۵

۲۔ ہدیۂ احمدیہ ۲۷

Marfat.com

خواجہ محمد حنیف کابلی

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے لاتعداد مریدین تھے اور مقاماتِ معصومی کے مولف نے آپ کے اکابر خلفاء سے سنا تھا کہ آپ کے چار سو خلفاء تھے، ان میں سے بعض کی مولف کو صحبت بھی میسر آئی تھی، ان چار سو افراد سے چار دانگ عالم روحانی طور پر منور ہوا۔ [1]

آپ کی اولاد کے بعد آپ کے افضل ترین خلفاء میں خواجہ محمد حنیف کابلی کا شمار ہوتا ہے، ان کی ارادت مندی کا حال مقاماتِ معصومی میں اس طرح درج ہے کہ ایک رات نوجوانی میں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ خانقاہ سرہند میں حاضر ہیں اور وہاں دو نورانی صورت بزرگ تشریف فرما ہیں، معلوم کرنے پر انہیں بتایا گیا یہ دونوں حضرات، حضرت مجدد الف ثانی صاحبزادے یعنی حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم ہیں، ان کا رجحان حضرت خواجہ محمد معصوم کی طرف زیادہ معلوم ہوا، انہوں نے صبح یہ واقعہ اپنے ہم عمر دوستوں کو سنایا تو وہ استہزا کرتے ہوئے ہنسے، جس پر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، لیکن ان کو ایک ناگہانی سی تڑپ کا احساس ہوا تو وہ چند دوستوں کو ہمراہ لے کر سرہند کی طرف چل پڑا اور مغرب کے وقت وہ خانقاہ میں پہنچ گئے، جب حضرت خواجہ نے دیکھا تو آپ وہی خواب میں نظر آنے والی صورت میں مشاہدہ میں آئے تو انہوں نے آپ سے بیعت کی درخواست کی اور جلد ہی آپ کی عنایت سے بہرہ ور ہونے لگے، پھر بہت کم عرصہ میں ہی خلعت خلافت لے کر کابل کی طرف رخصت ہو گئے۔

خواجہ محمد حنیف کابلی سے افغانستان اور وسطی ایشیاء میں سلسلۂ نقشبندیہ کو خوب فروغ ہوا، حضرت خواجہ نے اپنے مکتوبات میں خواجہ محمد حنیف کابلی کو بہت سی بشارات سے نوازا ہے۔ [2]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۲۳

۲۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۱۴، ۲۲، ۴۷، ۷۹، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۱۲۰، ۱۵۸، ۱۷۰، ۲۰۱، ۲/۶، ۸، ۱۰، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۳۰، ۸۱، ۱۴۸، ۳/۴۳، ۷۷

Marfat.com

خواجہ محمد حنیف کا وصال حضرت خواجہ کے حین حیات ہی ہو گیا تھا، آپ نے ان کے فرزندوں اور زوجۂ محترمہ کو تعزیت نامہ لکھ کر افسوس کا اظہار کیا تھا، ۱؎ آپ نے ملا پایندہ محمد کابلی کو بھی خط لکھ کر تعزیت کی تھی۔ ۲؎ ان کے وصال کے ایام میں حضرت شیخ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم کابل میں ہی تھے، آپ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، ۳؎ مقامات معصومی میں ان کا سالِ وفات ۱۰۸۷ھ ہے، ۴؎ جو کتابت کی غلطی ہے، مولف نے خود لکھا ہے کہ ان کا وصال حضرت خواجہ کے حین حیات ہوا، حضرت خواجہ کا وصال ۱۰۷۹ھ ہے، روضۃ القیومیہ کے مطابق ان کا سال وفات ۱۰۷۸ھ ہے، ۵؎ جو درست ہے۔

خواجہ محمد حنیف کا مولد ومسکن ومدفن قریہ میوہ خاتون تھا، ۶؎ ان کے مزار پر گنبد نہیں ہے لیکن مزار سنگ مرمر کا ہے، جس پر کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ ۷؎

خواجہ محمد حنیف کا پورا خانوادہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے مریدین میں شامل تھا، ۸؎ حضرت خواجہ نے ان کے مریدین میں سے محمد ہاشم، فاضل، ملا علی محمد اور ملا عبدالسلام کے باطنی عروج پر اطمینان کا اظہار فرمایا تھا، ۹؎ نیز ملا محمد پایندہ کابلی، جو حضرت خواجہ کے خلیفہ تھے، خواجہ محمد حنیف سے ہی منسلک تھے، حضرت مروج الشریعت بن خواجہ محمد معصوم نے خواجہ محمد حنیف کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی نورانیت دنیا میں پھیلے گی۔ ۱۰؎

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۳/۱۵۴/۲۰۵ ۲۔ ایضاً ۳/۱۷۸/۲۲۸۔۲۲۹

۳۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۳۱ ۴۔ مقامات معصومی ۳/۴۳۱

۵۔ روضۃ القیومیہ ۲/۱۴۰ (اردو ترجمہ)

۶۔ قریہ میوہ خاتون، کابل کے شمال میں قلعہ حسین کوٹ سے آگے ہے، جو سر راہ میں جادہ عمومی پر واقع ہے (مقامات معصومی ۴/۳۱۹)

۷۔ ایضاً

۸۔ مکتوبات معصومیہ ۳/۱۵۴/۲۰۸ ۹۔ ایضا ۲/۱۳/۴۰، ۲۰/۴۷

۱۰۔ خزینۃ المعارف ۲۴/۴۱

Marfat.com

خواجہ محمد صدیق پشاوری

خواجہ پشاوری بھی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے معروف ترین خلفاء میں سے تھے، ان کے والد خواجہ عبدالغفور سمرقندی، حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء میں سے تھے، ۱؎ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں رہ کر باقاعدہ سلوک کی تعلیم حاصل کی، آپ کے تین مکاتیب ان کے نام ہیں (۱/۴۲، ۲۰۶، ۲۳۵)، ان کے نام حضرت خواجہ کا بھی ایک مکتوب ہے (۱/ ۱۵۷/ ۳۱۶۔۳۱۸)، ان کا مدفن پشاور میں خواجہ محمد صدیق کی قبر مبارک کے دائیں جانب ہے، مقاماتِ معصومی کے معاصر مولف کا بیان ہے کہ خواجہ محمد صدیق کی ولادت پشاور میں ہوئی، جس کا مطلب بہت واضح ہے کہ ان کے والدین پشاور میں رہتے تھے، اسی معاصر کی روایت ہے کہ خواجہ عبدالغفور سمرقندی، حضرت مجدد الف ثانی کے ایام قید (قلعۂ گوالیار) کے دوران حضرت کے خادم کی حیثیت سے وہاں موجود تھے۔

حضرت خواجہ محمد صدیق کی ولادت پشاور میں ہوئی، انہیں حضرت خواجہ سے عشق کی حد تک محبت تھی، حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ اگر عشق انسانی صورت میں متمثل ہوکر آجائے تو اس کی صورت خواجہ محمد صدیق جیسی ہوگی، ۲؎ آپ حضرت خواجہ کے جمال جہاں آراء کی تاب نہیں لا سکتے تھے، ایک مرتبہ سرہند کے قریب سرائے دوہیری میں ٹھہرے تو جو تحائف حضرت خواجہ کے لئے لائے تھے، وہیں سے سرہند بھیج دیئے اور دوستوں سے کہا کہ میں اس آفتاب عالم تاب کے نزدیک جانے کی قوت نہیں رکھتا۔

دوسری مرتبہ آپ لاہور تک پہنچے تھے کہ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، لیکن آپ سرہند بھی حاضر ہوتے رہے اور بعض اوقات تو ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے اور پھر بہرہ ور ہوکر خلافت یاب ہوئے اور پشاور میں آپ کے حکم پر قیام کیا۔

ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ ایک شخص سرہند سے آرہا ہے اور اس کے ہمراہ ایک کتا بھی ہے، تو آپ

۱۔ زبدۃ المقامات ۳۸۹ ۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۳۲

Marfat.com

بے اختیار ہو کر وہاں گئے اور اس کتے کے پاؤں اپنے اوپر رکھ لئے اور گریہ وزاری کرنے لگے، اس کی صحبت میں بیٹھے رہے جتنا عرصہ وہ کتا پشاور میں رہا اس کے لئے خاص خوراک آپ خود بھیجتے رہے۔

ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ ایک فرنگی سرہند سے آرہا ہے تو آپ اس کی ملاقات کے لئے گئے۔ ۱

حضرت خواجہ محمد معصوم کے بہت سے مکاتیب خواجہ محمد صدیق پشاوری کے نام صادر ہوئے تھے، جو تینوں جلدوں میں موجود ہیں۔ ۲

خواجہ محمد صدیق کا وصال پشاور میں ۱۰۹۲ھ کو ہوا، آپ کی خواہش تھی کہ میری نماز جنازہ حضراتِ سرہند میں کوئی پڑھائے، تو اتفاق سے ان دنوں شیخ محمد فضل اللہ نواسۂ (حضرت خواجہ محمد معصوم و والد مولفِ مقاماتِ معصومی) پشاور میں تھے، انہوں نے ہی خواجہ محمد صدیق کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ۳

شیخ محمد صدیق کا مزار پشاور شہر سے باہر باغ گنج علی خان کے متصل ہے، ۴ ان ایام میں بھی آپ کا مزار خام حالت میں ہے، اس کے اوپر گاڑیاں گذرنے کے لئے پل بنایا گیا ہے، یہ سڑک پشاور یونیورسٹی کی طرف جاتی ہے۔

راقم ۶/اپریل ۱۹۸۵ء کو صوبہ سرحد کے نامور عالم مولانا سید محمد امیر شاہ قادری مرحوم کے ہمراہ اس مزار کی زیارت کر چکا ہے، آپ کی قبر مبارک کے ساتھ ہی ایک اور خام قبر آپ کے والد خواجہ اخوند عبدالغفور سمرقندی کی ہے، مقاماتِ معصومی کی بنیاد پر آپ کا شجرہ نسب اس طرح ترتیب دیا جا سکتا ہے:

۱۔ خواجہ محمد صدیق پشاوری کے متعلق اس قسم کی وارفتگی کے تمام واقعات مقامات (۴۳۳/۳) سے ماخوذ ہیں

۲۔ مکتوبات معصومیہ ۱/ ۱۸، ۵۶، ۶۶، ۸۴، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۷۹، ۲۱۴، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲/ ۱، ۲، ۷، ۳۵، ۳/ ۷۵، ۱۲۰

۳۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۳۶

۴۔ ایضاً ۳/ ۴۳۶

Marfat.com

اخوند خواجہ عبدالغفور سمرقندی

خواجہ محمد صدیق پشاوری خواجہ محمد فاروق

خواجہ محمد عزیز خواجہ محمد حسین خواجہ محمد صادق

خواجہ غلام حیدر خواجہ غلام حبیب خواجہ فضل قادر

فضل حق عابد شاہ میر مظفر شاہ میر شاہ ابراہیم کرنل احمد شاہ زہرہ بی بی

خواجہ محمد حسین کی اولاد کے اسماء ہمیں وہاں کے خادموں نے بتائے تھے۔

حضرت مروج الشریعت بن حضرت خواجہ محمد معصوم نے خواجہ محمد صدیق پشاوری کے متعلق اپنا مکاشفہ تحریر کیا ہے، [۱] حضرت خواجہ سیف الدین نے بھی آپ کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کیا ہے، [۲] حضرت خواجہ محمد معصوم نے آپ کے مریدین کی باطنی استعداد کی تعریف کی تھی۔ [۳]

۱۔ خزینۃ المعارف ۲۴/۴۴

۲۔ مکتوبات سیفیہ ۱۷۲/۱۹۸

۳۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۱۲۲/۲۷۶، ۱۳۹/۲۹۰

Marfat.com

مرزا امان اللہ برہانپوری

آپ کا تعلق دکن کے مشہور خطہ برہانپور سے تھا، حضرات مجددیہ کا اس علاقہ سے گہرا روحانی تعلق تذکروں سے ثابت ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے، آپ اپنے ایک مکتوب بنام صاحبزادہ شیخ محمد صدیق سرہندی کے نام مرزا امان اللہ برہانپوری کا عمدہ الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

''حقائق آگاہ مرزا امان اللہ بیگ ۱۰۵۷ھ کو برہانپور سے سرہند آئے اور حضرت مجدد الف ثانی کے روضہ کی زیارت کی اور ہم مجاوران روضہ سے ملاقات بھی ہوئی، تو عجب معاملہ ظاہر ہوا کہ ان پر عجیب وغریب واردات کا ظہور ہو رہا ہے، جو احاطۂ تحریر سے باہر ہے، موصوف مع اہل وعیال حج کے لئے بھی گئے تھے۔[۱]

ان کلمات کے علاوہ شیخ امان اللہ کے نام مکتوب معصومیہ میں پانچ مکاتیب بھی ہیں۔''

شیخ مرزا امان اللہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری آپ کے ایک اور خلیفہ شیخ ابوالمظفر برہانپوری پر تھی، جو ان کے نام مکاتیب سے ثابت ہے۔[۲]

مرزا امان اللہ کا پورا خانوادہ حضرات سرہند سے منسلک تھا، ان کے ایک فرزند شیخ محمد برہان پوری بھی حضرت خواجہ کے مرید تھے، [۳] وہ حج کے لئے گئے تو وہاں ان کا انتقال ہو گیا، ان کی اولاد پریشان تھی، اس قدیم تعلق داری کے باعث حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی نے اورنگ زیب عالمگیر کو خط لکھ کر ان کی پریشان حالی کا ذکر کیا اور ان کے فرزند شیخ شہاب الدین کو ان کے لئے ''اسباب'' مہیا کرنے کے لئے کہا۔[۴]

مرزا امان اللہ برہانپوری کا سالِ ولادت اور وفات معلوم نہیں ہے، ان کا مسکن ومدفن برہانپور تھا۔[۵]

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۲۴، ۷۶، ۱۸۶، ۲۰۵، ۲۲۷

۲۔ ایضاً ۱/۷۶ ۳۔ ایضاً ۳/ ۱۲۵/ ۱۷۱، ۱۸۵/ ۲۳۵

۴۔ مکتوبات سعیدیہ ۳۹/۹۴ ۵۔ مقامات ۳/ ۴۴۷

Marfat.com

شیخ ابوالمظفر برہانپوری

شیخ ابوالمظفر بھی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ تھے، ان کے جد اعلیٰ شیخ علم اللہ برہانپوری وہاں کے مشاہیر اہل علم میں سے تھے۔

شیخ علم اللہ کا نام دکن کے مقامی تذکروں میں شیخ علیم اللہ محدث عباسی درج ہے، آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، آپ اصلاً پورب کے باشندے تھے، حج پر جاتے ہوئے برہانپور میں ٹھہرے اور پھر واپس آکر وہیں سکونت اختیار کرلی، موصوف حرمین الشریفین میں دو سال تک رہے اور وہاں کے علماء خصوصاً شیخ ابن حجر مکی شافعی مصری سے استفادہ کیا اور سند حدیث لی، شیخ عیدروسی سے سلسلہ عیدروسیہ میں خلافت یاب ہوئے، برہان پور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، بہت مقبولیت ہوئی، ابراہیم عادل شاہ کے کہنے پر آپ برہانپور سے بیجاپور میں رونق افروز ہوئے اور صدر مدرس کا عہدہ قبول کر لیا، ۱۱ ذی الحج ۱۰۲۴ھ کو وصال ہوا، ان کے دو فرزند تھے، شیخ ابوحنیفہ اور شیخ ابوالمعالی، اول الذکر عالم و عارف تھے، ان کے دو بیٹے ابوتراب اور قاضی عزیز الدین محمد تھے، [۱] دوسرے فرزند کے حالات درج نہیں کیے گئے۔

دکن کے تذکروں میں یہ شیخ ابوالمظفر کے والد کا نام تک نہیں لکھا گیا، ممکن ہے کہ شیخ انہی شیخ ابوحنیفہ بن شیخ علیم اللہ کے فرزند ہوں۔

مرزا امان اللہ برہانپوری پہلے ہی حضرت خواجہ سے منسلک تھے، شیخ ابوالمظفر پہلے انہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، [۲] اور سلوک کی تکمیل کی، علم ظاہری میں تو وہ کامل تھے ہی، اب باطنی طور پر بھی تکمیل ہوگئی تو فیض کا سرچشمہ انہی سے جاری ہوا، روضۃ القیومیہ میں ہے کہ شیخ ابوالمظفر دکن کے روساء میں تھے، [۳]

حضرت خواجہ کے کئی مکاتیب ان کے نام ہیں، جن میں انہیں بشارات سے نوازا گیا ہے۔ [۴]

۱۔ عبدالجبار ملکاپوری: محبوب ذی المنن ۱/۶۰۸۔۶۱۲ (ملخصاً) ۲۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۲۴/۹۷

۳۔ روضۃ القیومیہ ۲/۲۲ (اردو ترجمہ) ۴۔ مکتوبات معصومیہ ۲/۳۹/۷۱/۳، ۵۴، ۹۰، ۱۲۵، ۱۳۹

Marfat.com

گویا آپ حضرت خواجہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، حضرت مروج الشریعت نے لکھا ہے کہ موصوف پہلے شیخ عبداللطیف کی صحبت میں رہے، پھر مرزا امان اللہ کی خدمت میں گئے اور آخر میں حضرت خواجہ سے تکمیل کی۔ ا

شیخ ابوالمظفر کے خلفاء میں سے شیخ حسین عشاق، ۲ مولانا سید عنایت اللہ بالا پوری (ف ۱۱۱۷ھ)، کا ذکر ملتا ہے۔

شیخ ابوالمظفر کا مولد، مسکن اور مدفن برہانپور تھا، مقاماتِ معصومی کے مولف ان کے مزار پر حاضر ہوئے تھے، ۳ ان کا سالِ وفات حدود ۱۰۸ھ ہے، ۴ روضۃ القیومیہ میں سال وفات ۱۰۸۳ھ درج ہے، ہم نے ملکاپوری کی علاقائی روایت کو ترجیح دی ہے۔

ا۔ خزینۃ المعارف ۱۲۶/۱۴۳، ۴۲/۲۴
۵۔ روضۃ القیومیہ ۲/ ۲۳۶
۳۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۴۹
۴۔ نزہۃ الخواطر ۶/ ۱۸

Marfat.com

شیخ محمد علیم جلال آبادی

شیخ محمد علیم، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے اکابر خلفاء میں سے تھے، ان کی ولادت جلال آباد (افغانستان) کے نواحی علاقہ کندی باغ میں ہوئی۔

آپ حضرت خواجہ کے ایسے خلفاء میں سے تھے، جنہیں خلافت ہی صرف بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب عالمگیر) کی تربیت کے لئے دی گئی تھی، جہاں شاہی لشکر کے افراد بھی آپ کی بدولت راہِ ہدایت پر استوار ہوئے تھے، [1] اورنگ زیب نے حضرت خواجہ سے درخواست کی تھی کہ اپنا کوئی خلیفہ میری تربیت باطنی کے لئے مقرر فرمائیے تو آپ نے جن اصحاب کو یہ ذمہ داری سونپی ان میں شیخ محمد علیم جلال آبادی کا نام بھی شامل ہے، موصوف سفر وحضر میں اورنگ زیب کے ساتھ رہتے تھے، ایک عریضہ میں انہوں نے اورنگ زیب کی باطنی ترقی کا حال لکھا تو آپ نے براہِ راست اورنگ زیب کو خط لکھ کر اس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اُسے لکھا:

"کمترین دعا گویان بعرض خادمان عتبه...... حضرت ناصرالملت والدین مرجع الاسلام و موید المسلمین...... برادر دینی شیخ عبدالعلیم کتابتی بفقیر نوشته بودند و از جمعیت باطنی آنحضرت (اورنگزیب) و اشتغال و تقید بایں امرجلیل القدر مندرج ساخته، شکر خداوندی جل سلطانه بجا آورده" [2]

شیخ محمد علیم جلال آبادی کے نام حضرت خواجہ کے کئی مکاتیب ہیں، [3] حضرت مروج الشریعت کا ایک مکتوب بھی ان کے نام ہے، [4] جس میں ان کے مریدین کی باطنی کیفیت پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۵۰ ۲۔ مکتوبات معصومیہ ۳/۱۲۲/۱۶۷

۳۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۲۸، ۱۴۰، ۲/۵۴، ۳/۹۵، ۱۱۲، ۱۲۱، ۱۴۷

۴۔ خزینۃ المعارف ۲۴/۴۵

Marfat.com

گویا حضرت خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ، جو اورنگ زیب کی تربیتِ باطنی کے لئے بھیجے گئے تھے، کی غیر موجودگی میں شیخ محمد علیم یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

اس طرح ان حضرات نے باری باری بادشاہ کے ساتھ رہ کر اُس سے دینی امور کا اجراء کروایا اور اس کی ظاہری و باطنی تربیت کا فریضہ اس طریقہ سے ادا کیا کہ بادشاہ صحیح معنوں میں ''محی الدین'' بن گیا۔

شیخ علیم جلال آبادی کا سالِ وفات واضح نہیں ہے لیکن ایک مکتوب میں حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی، جن کا وصال ۱۱۱۵ھ کو ہوا، لکھا ہے کہ شیخ علیم فوت ہو چکے ہیں، جس سے ان کا سال وفات قبل ۱۱۱۵ھ قرار دیا جاسکتا ہے۔[۱]

۱۔ دیگر مباحث و تاملات کے لئے مقاماتِ معصومی ۴/۳۳۴ ملاحظہ کریں، نیز جلد اول ''خلفائے حضرت خواجہ اور اورنگزیب کی تربیت'' کا عنوان بھی قابل توجہ ہے (ص ۱۷۰۔۱۷۲)

Marfat.com

مفتی محمد باقر لاہوری☆

شیخ، مفتی محمد باقر لاہوری حسینی، عباسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد گرامی مفتی شیخ شرف الدین حسینی عباسی بھی لاہور کے مفتی کے منصب پر فائز تھے، ان کا شمار حنفی علماء میں ہوتا تھا، ان کا انتقال ۱۰۸۶ یا ۱۰۸۷ھ کو ہوا، ۱ ہمیشہ درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے۔ ۲

ان کے اجداد کب اور کہاں سے ہندوستان اور پھر لاہور میں وارد ہوئے؟ ہمیں اس معاملہ میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہے۔

مفتی شرف الدین عباسی لاہوری کے ہمیں اس وقت تک صرف دو فرزندوں کا علم ہے، اول مفتی محمد باقر لاہوری اور دوم ملا محمد امین حافظ آبادی، یہ دونوں اور ان کے والد، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے مریدینِ خاص میں سے تھے۔

اورنگ زیب عالمگیر خواہش مند تھا کہ میر شرف الدین، حضرت خواجہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوں، اس سلسلہ میں بختاور خان (مولف مراۃ العالم) نے خاص کردار ادا کیا، حضرت خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم، اورنگ زیب کے باطنی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"از احوال والد شما...... بحضور بادشاه مذکور شد، پرسید که والد شیخ (محمدباقر) هم شغل گرفته اند؟ گفتم آری خیلی طلب دارند و آرزوی رسیدن به سرهند هم بسیار دارند، بختاور خان دریں باب خیلی جنبد...... حقیر از

۱۔ محمد بن رستم بدخشی: تاریخ محمدی ۲/۵/ ۳۶۸

۲۔ محمد اسلم پسروری: فرحت الناظرین ۲۰۵ (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری)

☆ مفتی محمد باقر لاہوری کے مختصر حالات تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند کی جلد دوم ۸۵۵۔۸۵۹ میں بھی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

Marfat.com

محبت و دل سوزی مشار الیہ خیلی محظوظ است ۱؎

خواجہ سیف الدین نے اپنے دیگر مکاتیب میں بھی میر شرف الدین لاہوری کا ذکر کیا ہے، ایک مکتوب میں انہیں ''اعلم العلماء'' لکھا ہے۔ ۲؎

گویا سرہند حاضر ہونے سے پہلے میر مفتی شرف الدین عباسی حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی سے توجہات لیتے رہے تھے اور آپ کے حلقہ میں نشست و برخاست رکھتے تھے۔

ملا محمد امین حافظ آبادی

آپ، حضرت خواجہ محمد معصوم کے خادم خاص تھے اور عمر کا بڑا حصہ آپ کی خدمت میں گذارا، اور آپ کے فقر کے موتی سمیٹے، سرائر اصالت جو کہ محبوبیت ذاتی وکمال انفعالی سے عبارت ہے، انوار احمدی و معصومی سے بہرہ ور ہوئے، انہیں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی پر کامل دسترس تھی اور اسی وجہ سے مخدوم زادہ خواجہ سیف الدین سے انہیں ''مکتوب خوان'' کا خطاب ملا تھا، وہ خلافت یاب ہو کر اپنے مستقر، حافظ آباد میں گوشہ نشین ہو گئے اور علم ظاہر و باطن میں ید طولیٰ حاصل ہو گیا۔

جب روحانیت جوش میں ہوتی تو اپنے علاقہ حافظ آباد سے، جو کہ مضافاتِ لاہور میں ہے، اپنے بھائی مفتی باقر کی خدمت میں آجاتے، پھر اپنے وطن مالوف کی طرف چلے جاتے، ان کا مولد و مسکن و مدفن حافظ آباد ہی تھا، ۳؎ اسی معاصر شہادت کے مطابق اگر واقعی ان کی ولادت قصبہ حافظ آباد میں ہوئی تھی تو ان کے والد مفتی شرف الدین لاہوری بھی ابتداء میں وہیں مقیم ہوں گے۔

ملا محمد امین حافظ آبادی کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم کے چار مکاتیب ہیں: ۲/۱۱۶، ۱۵۵، ۳/۱۰۲، ۱۹۶

ایک مکتوب (۲/۱۵۵) میں لکھا ہے کہ ''تمہیں صفت علم سے کیوں کر مناسبت نہ ہو؟ کہ تمہارے شیخ بھی اسی صفت سے متصف ہیں، تم نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے، اگر تمہارے شیخ کی اجازت کا اس میں دخل نہ ہو تو میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔''

۱۔ سیف الدین، خواجہ: مکتوبات سیفیہ ۱۴۲/۱۶۹ ۲۔ ایضاً ۱۲۳/۱۵۲

۳۔ مقامات معصومی ۳/۴۹۰

Marfat.com

اگر اس مکتوب میں شیخ شما سے مراد مفتی محمد باقر لاہوری ہیں تو اس سے اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں ہے کہ ملا محمد امین نے سلوک کی تعلیم کا آغاز اپنے بھائی مفتی محمد باقر کی خدمت میں کیا اور طریقہ کی اجازت حضرت خواجہ سے حاصل کی۔[1]

حضرت خواجہ سیف الدین کے دو مکاتیب ملا محمد امین حافظ آبادی کے نام ہیں، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”هیچ کس داخل طریق شده است یانه؟ اگر شده به چه کیفیت است؟ مفصلاً خواهند نوشت که خاطر نگران است (مکتوبات سیفیہ ۸۱/۱۲۱)

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے حین حیات اور آپ کے وصال کے بعد ملا محمد امین کی باطنی تربیت حضرت خواجہ سیف الدین کے ذمہ تھی اور وہ ان کے مریدین کے احوال کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ سیف الدین اپنے ایک مکتوب بنام مفتی محمد باقر لاہوری میں ملا محمد امین حافظ آبادی کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملا محمد امین نصیبی از استهلاك و اضمحلال یافته است و از حضور خود بخود بهره داشته، امید است که به کمال آن متحقق گردد۔[1] (۱۱۹/۱۴۸)

ملا محمد امین کا سالِ وفات ہمیں تا حال معلوم نہیں ہے۔

۱۔ ان تمام امور کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقامات معصومی ۴/۴۰۰۔۴۰۲

Marfat.com

مفتی محمد باقر لاہوری

مفتی شیخ شرف الدین لاہوری کے فرزند اکبر مفتی محمد باقر لاہوری ہی تھے، آپ کا سالِ ولادت ہمیں تاحال معلوم نہیں ہے، ممکن ہے کہ ان کی ولادت بھی اپنے چھوٹے بھائی ملا محمد امین کی طرح حافظ آباد میں ہوئی ہو اور آپ وہاں سے لاہور آ گئے ہوں۔

عین ممکن ہے کہ شاہ جہان یا اورنگ زیب نے مفتی شرف الدین عباسی کو حافظ آباد کا قصبہ مدد معاش کے طور پر دیا ہو اور انہوں نے وہاں رہائش اختیار کر لی ہو، لیکن ان قیاس آرئیوں کی موید دستاویزات ہمارے علم میں ابھی تک نہیں ہیں۔

چونکہ سلسلۂ نقشبندیہ پابندی شرع شریف پر کاربند تھا اور علماء اس لیے اس سلسلہ کو زیادہ پسند کرتے تھے، مفتی محمد باقر اپنے والد سے پہلے ہی حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند و جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم سے منسلک ہو گئے تھے، یقیناً مفتی صاحب لاہور سے بیعت ارادت کے لئے سرہند حاضر ہوئے ہوں گے۔

یہ یقیناً حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کے بعد کا واقعہ ہوگا، جب آپ کے یہ فرزند گرامی سرگرم عمل تھے اور آپ کی روحانی شہرت اس وقت تک پورے پاکستان و ہند اور عالم اسلام تک پہنچ چکی تھی۔

آپ کے خلفاء کثرت سے تھے، جن کو آپ نے اصلاح احوال کے لیے پاکستان و ہند کے مختلف خطوں میں بھیجا، اس کے تحت آپ پہلے عمومی خلافت دیتے تھے، پھر تکمیل و مشق کے بعد خلافت مطلقہ سے بھی نوازتے تھے۔

اس مشق کے تحت آپ نے جو اہم قدم اٹھایا وہ ''خلافت مقیدہ'' کا تھا، ابتداء میں اس خلافت کو مختلف علاقوں تک محدود کر دیا گیا یعنی کسی کو بخارا کے لئے خلافت دی اور بعض کو ان کے آبائی علاقوں تک رکھا گیا۔

اس خلافت مقیدہ کے تحت آپ نے اپنے بعض خلفاء کو خلافت ہی صرف اور صرف اورنگ زیب عالمگیر کی تعلیم و تربیت کے لئے دی، اسے خلافت کے ساتھ ''سفارت'' کا درجہ بھی دیا گیا، [1] ان اصحاب میں سے جن کو اس مقصد کے لئے دہلی بھیجا گیا، ان میں سے نمایاں نام آپ کے خلیفہ مفتی محمد باقر لاہوری کا

۱۔ مقاماتِ معصومی ۴۵۲/۳

Marfat.com

ہے، جو عالم، صوفی، مفسر اور مولف بھی تھے۔

ان کے ایک معاصر عالم، صوفی اور مصنف شیخ محمد مراد ٹنگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ) نے، جو ان سے ملے بھی تھے، ان کے متعلق لکھا ہے کہ خود اورنگ زیب نے حضرت خواجہ سے استدعا کی تھی کہ اپنا کوئی خلیفہ میری تربیت کے لئے مامور کریں تو آپ نے مفتی صاحب کو اس کا حکم دیا، ۱؎ مرکز میں اہل لشکر نے بھی ان سے باطنی استفادہ کیا، جس کا مطلب ہے کہ اورنگ زیب کی ملکی مہمات کے دوران بھی مفتی صاحب فوج کے ساتھ رہتے تھے۔ ۲؎

مفتی محمد باقر تاحیات اورنگ زیب کے ساتھ نہیں رہے بلکہ ان کی علم فقہ میں مہارت اور ترویج شریعت کے لئے ان کی کوشش اورنگ زیب کو قائل کرنے کے لئے کافی تھیں کہ انہیں کسی صوبے کا مفتی بنا دیا جائے، چنانچہ ان کو لاہور کا مفتی مقرر کر دیا گیا، ۳؎ خود حضرت خواجہ کو اس امر سے بھی خصوصی دلچسپی تھی کہ ہمارے اس مرید مخلص کے ذریعہ لاہور میں اسلام کو تقویت ملے۔

۱۱۰۶ھ/۱۶۹۴ء کو شہزادہ معزالدین بہادر شاہ بن اورنگ زیب کا لاہور سے گذر ہوا تو مفتی صاحب نے مفتی لاہور ہونے کی حیثیت سے شہزادہ کا استقبال کیا۔ ۴؎

مفتی صاحب کو حضرات مجددیہ کے سفرِ حرمین الشریفین میں ہمرکابی کا شرف بھی حاصل ہوا تھا، ۵؎ حضرت خواجہ، مفتی صاحب کو اپنے فرزندوں کی طرح چاہتے تھے، آپ نے بختاور خان (مولف مراۃ العالم) کے نام ایک مکتوب میں مفتی صاحب کو کمالاتِ صوریہ ومعنویہ سے آراستہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "شیخ محمد باقر کہ بجای فرزند ماست" ۶؎

۱۔ تحفۃ الفقراء قلمی ورق ۴۷۔الف ۲۔ مقامات معصومی ۴۵۲/۳

۳۔ ایضاً ۴۵۴/۳ ۴۔ ایضاً

۵۔ وحدت، عبدالاحد سرہندی: لطائف المدینہ، قلمی ورق ۱۴۔الف

۶۔ محمد معصوم، خواجہ: مکتوبات معصومیہ ۲۸۸/۲۴۴/۳

Marfat.com

حضرت خواجہ نے مفتی صاحب کو بہت سی بشارات سے نوازا تھا، ایک مکتوب میں ان کی صفت "علم" بتائی گئی ہے۔ ۱ اس کے علاوہ دیگر مکتوبات میں آپ نے انہیں ان گنت بشارات دی ہیں۔ ۲

مفتی صاحب کو اورنگ زیب نے لاہور کا مفتی مقرر کیا تھا، یہ حکم جبراً نہیں تھا بلکہ اس میں خود حضرت خواجہ کی رضامندی شامل تھی، ۳ مفتی صاحب نے اپنی کتاب "دام حق" کے آغاز میں خود کو لاہور کا مفتی لکھا ہے۔ ۴ محمد اسلم پسروری نے بھی لکھا ہے کہ شیخ محمد باقر کو لاہور کے مفتی کے منصب پر فائز کیا گیا تھا، ۵ اسی مولف نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے والد شیخ شرف الدین عباسی لاہوری بھی لاہور کے مفتی تھے۔ ۶

ہمیں حال ہی میں بارہویں صدی/ اٹھارہویں صدی کی ایک بیاضِ مفتیانِ لاہور ہم دست ہوئی ہے، جس میں دیگر اہم معلومات انکشافات سے کم درجہ کی نہیں ہیں، اس میں متعدد مرتبہ لاہور کے حصار کہنہ، حصار جدید اور حصار بیرونِ لاہور کے الفاظ درج ہیں۔

ایک متاخر روایت کے مطابق علاقہ لاہور کو چار حصوں میں تقسیم کر کے اس پر چار مفتی مقرر کیے گئے تھے، ۷ یہ غالباً انتظامی امور میں آسانی کے لئے کیا گیا ہوگا، اس بیاض میں لاہور کے چاروں مفتیوں کے اسماء اور ان کے فیصلے بھی درج ہیں۔

مفتی محمد باقر چونکہ مسجد وزیر خان کے قریب اپنے محلہ چوہٹہ مفتی باقر میں رہتے تھے اس لئے گمان ہے کہ آپ لاہور کے اندرون حصار کہنہ کے مفتی ہوں گے، مذکورہ بیاض سے ہمیں پہلی بار یہ حقیقت معلوم ہوئی

۱۔ محمد معصوم، خواجہ: مکتوبات معصومیہ ۲/۱۰۰ ۲۔ ایضاً ۲/۱۵۷، ۱۹۴، ۲۱۸، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۹

۳۔ مقامات معصومی ۳/۴۵۲ ۴۔ دام حق قلمی ورق الف۔

۵۔ فرحت الناظرین ۲۰۵

۶۔ ایضاً ۲۰۵، کنہیا لعل نے سہواً یہ لکھ دیا ہے کہ مفتی محمد باقر شاہ جہاں کے عہد میں لاہور کے مفتی تھے (تاریخ لاہور ۵۴)، کنہیا لال کے اس بیان کو بغیر حوالہ کے محمد دین فوق نے بھی نقل کیا ہے (تذکرۃ العلماء والمشائخ ۱۳)

۷۔ ایضاً فوق ۱۳۔۱۴

Marfat.com

ہے کہ مفتی محمد باقر کی ساری اولاد دراولاد لاہور کے مفتی کے منصب پر فائز رہے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے:

شیخ محمد باقر کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد عابد لاہور کے مفتی مقرر ہوئے تھے، ان کے بعد ان کے فرزند اصغر شیخ محمد حفیظ (ف ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء) لاہور کے مفتی بنائے گئے، ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ غلام ساجد یعنی مفتی محمد باقر کے پوتے لاہور کے مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔[1]

مقامات معصومی کے مولف نے، جو مفتی محمد باقر سے ملے بھی تھے کے صرف ایک فرزند اوسط شیخ قطب الدین کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف (حدود ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۰ء) سے قبل فوت ہو چکے ہیں، گویا ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ لاہور کے مفتی تھے یا نہیں، موصوف بھی عالم اور شاعر تھے، انہوں نے نقشبندی سلسلہ کے صوفیہ کے ایک تذکرے ''گلزار اسرار الصوفیہ'' کا سال تالیف ۱۱۲۴ھ کے لئے کئی شعری مادے تجویز کئے تھے، یہ کتاب دیدۂ مغل مخاطب بہ آغر خان کی تالیف ہے، اس کتاب کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں محفوظ ہے، اب بیاض اور مقامات معصومی کے مطابق مفتی محمد باقر لاہوری کا شجرۂ نسب اس طرح مرتب ہوسکتا ہے:

مفتی شرف الدین عباسی لاہوری
- مفتی محمد باقر لاہوری
  - مفتی محمد عابد
  - شیخ محمد قطب (مقامات معصومی)
  - مفتی محمد حفیظ (ف ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۴ء)
    - مفتی غلام ساجد
- ملا محمد امین حافظ آبادی

---

[1] ا۔ بیاض مفتیانِ لاہور، دستاویز نمبر ۴۰، ۷۹ ب

Marfat.com

وصال

مفتی محمد باقر لاہوری کا سال وفات صحیح طور پر معلوم نہیں ہے، معاصر مولفین میں صفر احمد معصومی نے حوالی سنہ ہزار وصد و نہ لکھا ہے یعنی آپ حدود ۱۱۰۹ھ کو فوت ہوئے، ۱؎ آپ کے ایک اور معاصر شیخ محمد مراد ننگ کشمیری نے حدود سنہ ہزار و یک صد و چند لکھا ہے، ۲؎ یہ دونوں معاصر تذکرہ نویس مفتی صاحب سے ملے بھی تھے لیکن دونوں آپ کے صحیح سال وفات کا تعین نہیں کر سکے۔ لہٰذا کسی نئی دستاویز کے منظر عام پر آنے تک مفتی صاحب کا سال وصال مولفِ مقاماتِ معصومی کے مطابق حدود ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۷۶ء ہی تصور کیا جائے گا۔

تالیفات

مفتی محمد باقر لاہوری یقیناً کئی کتابوں کے مولف ہوں گے لیکن ان میں سے اکثر امتداد زمانہ سے معدوم ہو چکی ہیں، ان میں سے چند کتب جن کے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں یا ان میں سے بعض کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے جن کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے:

ا۔ منتہی الایجاز لکشف الاعجاز

یہ قرآن مجید کی مختصر تفسیر ہے، اس نام سے اس کا سالِ تکمیل ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتا ہے، خود وضاحت فرماتے ہیں:

نحمدک یامن ابان من مخزن کلامه البسیط الحقیقی الازلی الابدی بکشف حقانیه و معانیه وافهاما و الهاما لاسیما علی عبدک المسکین محمدباقر بن شرف الدین العباسی الحسینی نسباً اللاهوری موطناً ومقاماً بالتوفیق بتمیق التفسیر الوجیز الانیق...... المسمٰی بمنتهی الایجاز لکشف الاعجاز قد نشیر تاریخه انتها و تاما المجعول مرصد القافیه

ا۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۵۵ ۲۔ تحفۃ الفقراء ۴۷ سال وفات کے سلسلہ میں اسماعیل پاشا بغدادی اور عمر رضا کحالہ کے درج کردہ سنین بے احتیاطی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔

Marfat.com

منتہی الایجاز کا یہ نسخہ مولانا غلام محی الدین قصوری کے ذخیرہ سے کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد میں آیا ہے (شمارہ ۴۱۲۳)، مفتی صاحب کی یہ تفسیر بہت مقبول اور علماء میں متداول رہی ہے، جس کے خطی نسخے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

حواشی قرآن مجید

مفتی صاحب نے قرآن پاک کے ایک نسخے پر حواشی لکھے ہیں، آپ نے منتہی الایجاز کے نام سے جو تفسیر ۱۰۱۱ھ میں تالیف کی تھی، قرآن شریف کے اس نسخے پر حواشی غالباً اسی کی تیاری کے سلسلہ میں ہوں گے، ان حواشی کا آغاز ۱۰۷۸ھ کو ہوا اور اگلے سال یعنی ۱۰۷۹ھ میں مکمل ہوگئے، خود فرماتے ہیں:

بحمد اللّٰہ تعالیٰ علیٰ نعمة انزاله الفرقان و نصلی و نسلم علیٰ حبیبه...... امابعد فانه طالما هجش ببالی...... شفاعة کلامه الجلیل فی حق هٰذا المذنب الذلیل...... ثم انی رقمت الحواشی من التفاسیر التی اذکرها فکلما لم علم بعلامة الکتاب فی آخر الحاشیة فهو غالباً ماخوذ من تفسیر اعانة القاری علیٰ فهم کلام الباری للشیخ العالِم العالَم مولانا ابی القاسم وهو مستنبط من البیضاوی والمدارک والجلالین والکشاف والحواشی التی رقمتها من التفسیر الآخر من البیضاوی والزاهدی والحسینی والجیز والمغنی ومعالم التنزیل و جامع البیان فاعلمت فی اواخرها باسم الکتاب مصرحاً او رمزاً...... ثم التی کلما نقلت الحاشیة بعینها فاکتف فی آخرها باسم الکتاب...... بدون نقل من التفاسیر او مع انضمام النقل فرقمت فی آخره لفظ الراقم...... وکان ابتداء ها فی شوال سنة الف و ثمانیة و سبعین و اختتامها فی ربیع الاول سنه الف و تسعة و سبعین من الهجرة النبویة...... وانا الفقیر المسکین محمدباقر بن شرف الدین غفرالله ذنوبهما......[1]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۴/۳۴۰۔۳۴۱

Marfat.com

آخر میں ترقیمہ، سال کتابت اور اسم کاتب موجود نہیں ہے، کسی نے محشی کا نام کاٹ کر اپنا نام لکھنے کی کوشش کی ہے، ایسا کرنے والے کا نام تو پڑھا نہیں جا سکا، لیکن اصل محشی کا نام بدقت پڑھا جا سکتا ہے، محشی کے اس دیباچہ کے بعد ایک ورق ظہریہ پر مہر ''محمد کامل خانہ زاد شاہ عالم بادشاہ غازی ۱۱۲۳ھ'' ثبت ہے اور اس کے نیچے یہ جملہ ''من موہبات جناب قطب الانام حضرت قیوم'' قابل توجہ ہے، یہ مہر اورنگ زیب کے جانشین شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۱۔۱۱۲۴ھ) کے کتب خانہ کی ہے، کتابدار کے اس جملہ کہ یہ نسخہ حضرت قیوم کے عطیات میں سے ہے، قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خود محشی مولانا محمد باقر نے شاہ عالم بہادر شاہ کو اس کی شہزادگی کے زمانہ میں دیا ہوگا، کیوں کہ اس شہزادہ کی مولانا کے ساتھ عقیدت کا حال مقامات معصومی میں ملتا ہے، یا عین ممکن ہے کہ یہ وہی نسخہ ہو جسے حضرت خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم نے سات روپے ہدیہ بھیج کر شیخ محمد باقر سے طلب کیا تھا۔ [۱] منقولہ جملہ میں حضرت قیوم سے مراد بھی حضرت خواجہ سیف الدین ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم نہیں ہو سکتے کیوں کہ اس نسخے پر حواشی کا کام ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں اختتام کو پہنچا اور اسی ماہ وسال میں حضرت خواجہ محمد معصوم کا وصال ہوا۔ [۲]

اس وقت یہ مبارک خطی نسخہ مکتبہ خاور، لاہور کے مالک کے پاس تھا لیکن ان کی وفات کے بعد معلوم نہیں کہ اس کا کیا ہوا؟

مجموعۃ السعادت (فارسی منظوم)

مفتی صاحب نے یہ کتاب مشکوۃ الانوار تالیف امام محمد غزالی میں سے چالیس حدیثیں منتخب کر کے ہر حدیث کو فارسی کے ایک قطعہ کے طور پر ترجمہ کیا ہے، اس کا سالِ تالیف ۱۰۷۲ھ، اس شعر سے برآمد ہوتا ہے:

دو و ہفتاد و دو فزون ز ہزار
کہ شدم من بہ ایں سعادت یار

اس کے دیباچہ میں آپ نے اپنے شیخ کے لئے عمدہ القاب استعمال کئے ہیں، اس میں کتاب الرقاق سے باب الریا والسمعۃ تک کا انتخاب ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

۱۔ مکتوبات سیفیہ ۱۳۴/۱۷۰ ۲۔ مقامات معصومی ۳/۲۴۷

Marfat.com

ثانیا لمی کنت عنان کل ثنا الیه...... اما بعد فقیر مسکین محمد باقر بن شرف الدین...... چهل حدیث از کتاب...... بر گرفته در یک قطعه به نظم هر حدیثِ عالی که منثور بود، همچو لآلی سعادت اندوخته و به مجموعة السعادت مسمٰی ساخت

اس مخطوطہ کا ایک قلمی نسخہ ذخیرۂ مفتی فضل عظیم بھیروی (مخزونہ کتابخانہ نیشنل آرکاویز، اسلام آباد) میں ہے۔[۱]

شمائل نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کتاب کا ایک نسخہ شیخ محمد باقر نے شیخ محمد مراد تنگ کشمیری (ف۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) کو جب کہ وہ سرہند سے واپس کشمیر جاتے ہوئے آپ سے لاہور میں ملے تھے دیا تھا، شیخ کشمیری لکھتے ہیں:

در یك سفر بعد از معاودت از سرهند که محرر به وطن می آمد، ملاقات کرده، شمائل نبوی تالیف خود به محرر دادهٔ رسالهٔ مفید و جدید النفع بود[۲]

اب اس کتاب کے کسی خطی نسخہ کے وجود کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

کنز الہدایات

مفتی صاحب نے اس کتاب میں مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات خواجہ محمد معصوم اور رسالہ مبداء ومعاد کی عبارات کو بلا تفاوت وتصرف موضوعی ترتیب سے یکجا کر دیا ہے، ۲۱/شوال ۱۰۸۰ھ کو شروع کر کے ۹/ذی قعدہ کو اسی سال مکمل کر لیا، لیکن بعض مقامات پر آسانی پیدا کرنے کے لئے ۲۵/ہدایات، ایک خاتمہ اور ایک مسکۃ الختام کا اضافہ کیا۔

۱۔ عارف نوشاہی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی آرشیو ملی پاکستان، مطبوعہ تہران ۳۵۲

۲۔ تحفۃ الفقراء، قلمی ورق ۷۳۔ الف

Marfat.com

کنز الہدایات کا فارسی متن مولانا نور احمد امرتسری نے ایڈٹ کر کے امرتسر سے ۱۳۲۵ھ کو شائع کیا، پھر لاہور سے بھی اس کا متن جدید کتابت سے طبع ہوا تھا، اردو تراجم بھی دستیاب ہیں۔

کنز الہدایات کے دو عربی تراجم کا ہمیں علم ہے:

۱۔ عربی ترجمہ از شیخ محمد باقر بن محمد جعفر حنفی دہلوی، قلمی نسخہ مخزونہ کتابخانہ رباطِ مظہر، مدینہ منورہ [۱]

۲۔ حرز العنایات ترجمہ کنز الہدایات از شیخ محمد حفظی آفندی، قلمی نسخہ مخزونہ کتب خانہ سلیمانیہ، استنبول، ترکی، عکس مملوکہ ڈاکٹر امین اللہ وثیر مرحوم سابق استاد عربی اورینٹل کالج، لاہور، موصوف نے یہ عربی ترجمہ مجلّہ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، جنوری تا اپریل ۱۹۷۵ء میں شائع کر دیا تھا۔

برٹش لائبریری، لندن کے فہرست ساز Meredith Oweni نے غلط فہمی کی بنا پر مفتی صاحب کی کتاب کنز الہدایات کو مبداء و معاد کا نام دے کر اسے جداگانہ تصنیف قرار دیا ہے، [۲] احقر نے یہ خطی نسخہ برٹش لائبریری، لندن میں جا کر دیکھا ہے، اس کے ورق ۷۵ب پر کتاب کا نام ''کنز الہدایات'' ہی درج ہے۔

دام حق

مفتی صاحب نے معروف درسی کتاب خلاصۂ کیدانی کو نام حق کی پیروی میں فارسی نظم میں ڈھالا ہے، اس کے آغاز میں لکھا ہے کہ میں دار السلطنت لاہور کا مفتی ہوں، نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دام حق صید کرد جان مرا ۔۔۔ نام حق یار شد نہان مرا

جام عشق رسول می نوشم ۔۔۔ حلقۂ ذکر اوست در گوشم

کہ فقیری شکستہ تر مسکین ۔۔۔ کمترین باقر بن شرف الدین

مفتی دار سلطنت لاہور ۔۔۔ صانہا اللہ عن الجفاء الجور

کرد نظم خلاصۂ کیدانی ۔۔۔ لائق دوستان ربانی

۱۔ یادداشتہای مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری راجع بہ سفرحج

2- Hand list of Persian MSS. No. 10947, p.7

Marfat.com

دام حق کے مندرجہ ذیل خطی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں:

۱۔ کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد نمبر ۴۸۹۸

۲۔ کتب خانہ صمدانی، بھانہ ماڑی، پشاور

۳۔ مملوکہ صاحبزادہ محمد شریف نوشاہی، بمقام ڈھل، سرائے عالمگیر ۱

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی کی خدمت میں

حضرت خواجہ محمد معصوم، مفتی محمد باقر پر غایت درجہ مہربان تھے، باطنی تربیت کے لئے انہیں اپنے فرزند خواجہ سیف الدین کے سپرد کر دیا تھا، ۲ حضرت خواجہ اور خواجہ سیف الدین دونوں بزرگوں نے مفتی صاحب کے مریدین کے احوال پر اطمینان کا اظہار کر کے ان کے احوال کی تصدیق کی تھی۔ ۳

مفتی صاحب کے نام حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی (ف ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) کے تین مکاتیب ہیں، جن میں ان کی استعداد پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔ ۴

حضرت خواجہ سیف الدین مفتی صاحب کے احوال پر بڑے مطمئن تھے، کئی مقامات پر اس کا اظہار کیا ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم کی تسبیح بطور تبرک مفتی صاحب کو ارسال کی گئی تھی۔ ۵

حضرت خواجہ سیف الدین نے انہیں لکھا کہ تم مکتوبات اور معارف حضرت مجدد الف ثانی پر مہارت تامہ رکھتے ہو، اس لئے لازم ہے کہ تم اس راہ کے طالبوں کی رہنمائی کرتے رہو، ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ حضرت خواجہ تمام اصحاب میں سے تمہاری استعداد اور سرعتِ سیر کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ۶

باقیات

مفتی محمد باقر لاہوری کے فرزندوں کا ذکر ہم گذشتہ اوراق میں کر چکے ہیں، معاصر تذکرہ نویس

۱۔ شرافت، شریف احمد نوشاہی: شریف التواریخ ۳/۳/۱۹۷۔۱۹۸

۲۔ تحفۃ الفقراء ۷۳ ۳۔ مکتوبات معصومیہ، مکتوبات سیفیہ

۴۔ مکتوبات سعیدیہ ۶۲/۱۱۸، ۷۰/۱۳۱، ۷۶/۱۳۵

۵۔ مکتوبات سیفیہ ۱۱۹/۱۴۸ ۶۔ ایضاً ۱۴۳/۱۷۰

Marfat.com

میر صفر احمد معصومی نے، جوان سے ملے تھے، لکھا ہے کہ لاہور میں مفتی صاحب کا ایک دیوان خانہ (حویلی) بھی تھا، وہی آپ کا مسکن بھی تھا، جب آپ فوت ہوئے تو آپ کو اُسی دیوانہ خانہ میں دفن کر دیا گیا۔ ۱

بیاض مفتیانِ لاہور کے ذریعہ ہمیں پہلی مرتبہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اولاد میں سے آخری فرد مفتی غلام ساجد تھے، ان کے بعد اس خانوادہ کا کوئی نرینہ فرد باقی نہیں رہا تھا۔ ۲

کنھیالال نے تاریخ لاہور (۱۸۸۸ء) میں لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی اولاد کا نام ونشان نہیں ہے، صرف ایک محلّہ چوہٹہ مفتی محمد باقر کے نام سے مشہور ہے، ۳ ۱۹۲۰ء کو جب منشی محمد الدین فوق نے تذکرہ علمائے لاہور تالیف کیا تو مفتی صاحب کے تمام مکانات لاپتہ ہو چکے تھے۔ ۴

پروفیسر علم الدین سالک مرحوم نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب کا مزار چوہٹہ مفتی باقر میں ہے، ۵ جوان کی محض قیاس آرائی ہے، مسجد وزیر خان کے عقب میں محلّہ چوہٹہ مفتی باقر اب بھی موجود ہے، لیکن وہاں نہ تو کوئی حویلی ہے اور نہ ہی آپ کا مزار ہے۔

۱۔ مقامات معصومی ۴۵۵/۳

۲۔ بیاضِ مفتیانِ لاہور دستاویز نمبر

۳۔ تاریخ لاہور ۵۴۔۵۵

۴۔ تذکرہ علمائے لاہور ۱۳

۵۔ نقوش لاہور نمبر ص ۵۰۹

بعض تاملات کے لئے ملاحظہ ہو مقامات معصومی (۳۵۶/۴) پر ہماری تعلیقات

Marfat.com

مرزا عبید اللہ بیگ داراشکوہی

مرزا بیگ، داراشکوہ کے مقربوں میں سے تھے، ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ انہیں دارا کے ہاں کون سا منصب ملا تھا؟ دارا کی اسلام دشمنی کے باوجود وہ اس کے حضور کلمۂ حق برملا کہتے تھے اور انہیں اس کا کوئی خوف نہیں تھا۔

ہمیں مقاماتِ معصومی کی بدولت یہ امر پہلی مرتبہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات کی جلد اول کا مکتوب نمبر ۲۹ر دراصل داراشکوہی مکتب فکر پر ایک ضرب شدید ہے، لکھتے ہیں:

"عجب کاروبار است، جمعی از آنانکه مشرب کم آزادی و صلح کل اختیار کرده اند باهمه فرق از کافران و جهودان و جوگیه و براهمه و ملاحده و زنادقه و ارمنی وغیره آن نیك اند...... اهل سنت و جماعت...... فرقهٔ ناجیه اند...... باینها غفلت و عداوت دارند......"

مرزا بیگ کے نام آپ نے اپنے حسب ذیل مکاتیب میں بشارات اور فوائد درج فرمائے ہیں:

مکتوبات معصومیہ ۱/ ۲۵، ۲۹، ۵۷، ۷۳، ۱۰۴، ۱۱۶، ۱۲۳، ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۵۴، ۱۸۲، ۲۲۴

بعض تفصیلات کے لئے مقامات معصومی پر ہمارا مفصل مقدمہ اور تعلیقات ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

ملا حسن علی پشاوری

ملا حسن پشاوری بھی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے قدیم اصحاب میں سے تھے، ان کے نام حضرت کے مکاتیب تینوں جلدوں میں موجود ہیں۔ [۱]

ملا حسن پشاوری کے متعلق حضرت مروج الشریعت نے لکھا ہے:

''اس مرتبہ مولانا حسن علی آپ کی خدمت گرامی سے رخصت ہوئے، تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس مرتبہ انہوں نے سلوک مکمل کرلیا ہے، میں نے ان کی جبین پر لفظ علم لکھا ہوا دیکھا ہے یعنی ان کا مبداء یقین علم ہی ہوگا۔ [۲]

ملا حسن علی پشاوری کے حضرت خواجہ کے خلفاء کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے، چنانچہ شیخ علیم جلال آبادی، خواجہ محمد صدیق پشاوری، ملا نعمت اللہ پشاوری اور شیخ محمد امین بدخشی (مولف نتائج الحرمین) کے نام حضرت خواجہ کے مشترکہ مکاتیب صادر ہوئے ہیں۔ [۳]

مقاماتِ معصومی میں ہے کہ ملا حسن علی کا مولد ومسکن ومدفن بلدۂ پشاور ہے، یہ عاجز کئی مرتبہ اس سلسلہ میں پشاور گیا ہے لیکن تلاش بسیار کے باوجود ہمیں ان کے مدفن کا علم نہیں ہوسکا۔ [۴]

۱۔مکتوبات معصومیہ ۱/ ۲۸، ۳۹، ۶۱، ۶۵، ۷۳، ۹۸، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۷۸، ۲۱۴، ۲/ ۱، ۲، ۳/ ۱۱۵

۲۔خزینۃ المعارف ۲۴/ ۴۵

۳۔مکتوبات معصومیہ ۱/ ۲۸، ۱۱۰، ۱۳۹، ۲۱۴، ۲/ ۱، ۲۰

۴۔مقاماتِ معصومی ۴/ ۳۵۰

Marfat.com

ملا موسیٰ بھٹی کوٹی

اخوند سید موسیٰ بھٹی کوٹی، اپنے علاقہ بھٹی کوٹ (جلال آباد، افغانستان بطرف جنوب راہ عام) کے علماء میں سے تھے، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی سے منسلک ہونے کے بعد ان کی روحانی شہرت بام عروج پر پہنچ گئی، آپ حضرت کے مقبول ترین خلفاء میں سے تھے، آپ عرصہ تک حضرت کی خدمت میں رہ کر سلوک کی مشق کرتے رہے تھے، آپ پہلی مرتبہ اپنے بڑے بھائی میر رحمت اللہ کے ہمراہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، آپ کو بھی فیض حاصل ہوا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ ابھی متعلم ہیں تو آپ نے امر فرمایا کہ ہمارے مدرسہ کے علماء سے علوم کی تکمیل کرو اور فارغ اوقات میں سلوک کی مشق کیا کرو۔

ایک مرتبہ شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں اخوند موسیٰ نے حضرت خواجہ کے ہمراہ دہلی کا سفر کیا، ان کا بیان ہے کہ دہلی میں ایک وقت میں چالیس ہزار افراد آپ کے حلقہ میں حاضر ہوتے تھے، جس کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج ان سے بدظن (خوف زدہ) ہو گیا، لیکن اورنگ زیب کے زمانہ میں معاملہ اس کے برعکس تھا، یہ بادشاہ آپ کا ارادت مند تھا اور حاضرین کی تعداد اس سے زیادہ ہوتی تھی، مقامات معصومی کے مولف نے یہ روایت بلاواسطہ اخوند موسیٰ کی زبانی سن کر لکھی ہے۔

دوسری روایت بھی مولف نے براہِ راست اخوند صاحب سے سنی ہے کہ جب آپ کو خلافت دے کر بھٹی کوٹ کی طرف رخصت کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرت! میں ایسے علاقے سے آیا ہوں، جہاں کے افاغنہ سرکش ہیں، انہیں بڑی بڑی کرامات بھی مشکل سے کسی کو ولی یا صوفی ماننے کے لئے کم ہیں، دوسرا میرے علاقہ میں سانپ بکثرت ہوتے ہیں، جن کے ڈسنے سے اکثر اموات واقع ہوتی رہتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ تمہارا نام ہی اس بلا کا علاج ہوگا، اور مار گزیدہ پر اگر تم دم کرو گے تو اُسے بھی ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

Marfat.com

اخوند سید موسیٰ کا انتقال بڑی عمر میں حدود ۱۰۲۳ھ کو ہوا، بھٹی کوٹ میں ہی اپنے بڑے بھائی میر رحمت کے چبوترے پر دفن ہوئے۔

اخوند موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے فرزند میر سعد اللہ ان کے جانشین ہوئے، وہ ذی علم تھے اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا درس بڑے اہتمام سے دیتے تھے، میر سعد اللہ، حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے، جب خواجہ محمد زبیر، کابل گئے ہوئے تھے یعنی ۱۱۱۴ھ کو آپ نے انہیں خلافت دے کر اسی علاقہ میں خدمت کے لئے مامور فرمایا، [1] موصوف روضۃ القیومیہ کی تالیف حدود ۱۱۶۴ھ تک بقید حیات تھے۔ [2]

۱۔ روضۃ القیومیہ ۳/ ۱۲۸، ۴/ ۲۴ ۲۔ ایضاً ۴/ ۲۹۴۔ ۲۹۵

یہ تمام تر حالات مقامات معصومی ۳/ ۴۵۹۔ ۴۶۱، ۴/ ۳۵۱۔ ۳۵۳

Marfat.com

ملا بدرالدین سلطانپوری

ملا بدرالدین سلطانپوری، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ اور اکثر صاحبزادگان سرہند کے استاد تھے، ان کو علم فقہ پر کامل عبور تھا، وہ قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں مثالی حیثیت رکھتے تھے۔

آپ حضرت خواجہ کے قدیم اصحاب اور مقبول ترین خلفاء میں سے تھے، مقاماتِ معصومی کے مولف نے یہ ثقہ روایت درج کی ہے کہ ان سے آسان سے آسان مسئلہ بھی دریافت کیا جاتا تو جب تک آپ کوئی متعلقہ کتاب نہ دیکھ لیتے جواب نہیں دیتے تھے۔

۱۰۶۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۶۔۱۶۵۷ء کے حضرات مجددیہ کے سفرحج کے دوران ملا بدرالدین بھی آپ کے ہمرکاب تھے، ملا بدرالدین سلطانپوری قصداً وہاں ٹھہر گئے اور آپ کے ساتھ واپس نہیں آئے، ان کے اہل خانہ پہلے ہی فقروفاقہ کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، ان کے وہاں قیام کے باعث معاشی طور پر بہت ہی بے حال ہو گئے، موصوف سات سال تک حرمین الشریفین میں ہی مقیم رہے، یہاں تک کہ ان کے خانوادہ کے افراد تنگی معیشت کے باعث سلطان پور سے سرہند حاضر ہوئے کہ آپ ان کو خط لکھ کر واپس بلائیے، جس پر آپ نے انہیں ایک مکتوب لکھا، جسے پڑھ کر آپ واپس آ گئے، یہ مکتوب مکتوبات معصومیہ کی جلد ثالث میں شامل ہے،[۱] جو حدود ۱۰۷۳ھ کو مرتب ہوئی، اس خط ملنے کے دو سال بعد یعنی ۱۰۷۵ھ کو ملا بدرالدین واپس سلطان پور پہنچے تھے۔

ملا بدرالدین کے کئی صاحبزادے تھے لیکن مولانا نجم الدین ان میں قابل ترین فرد تھے، وہی آپ کے حین حیات درس وتدریس میں مشہور ہوئے۔

مولانا بدرالدین کا لقب ''جامع العلوم'' آپ کے حین حیات ہی مشہور ہو گیا تھا، مکتوبات معصومیہ کی جلد اول کے جامع حضرت مروج الشریعت نے آپ کے نام کے ساتھ یہ لقب بھی لکھا ہے۔[۲]

۱۔مکتوبات معصومیہ ۳/۶۵/۱۰۷ ۲۔ایضاً ۱/۳۵/۱۴۲

Marfat.com

مولانا نجم الدین کی روحانی تعلیم وتربیت حضرت خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم نے کی تھی۔ ۱

حضرت مروج الشریعت نے اورنگ زیب عالمگیر سے ملا بدرالدین سلطانپوری کے تبحر علم کا ذکر کیا تو بادشاہ نے کہا کہ انہیں بھی یہاں (دہلی دربار) میں بلالیں، ۲ ہمیں کسی ذریعہ سے بھی یہ امر معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا ملا بدرالدین اورنگ زیب کے بلانے پر سلطانپور سے دربار شاہی میں گئے تھے یا نہیں؟

ملا بدرالدین کا مدرسہ طلبہ کے لئے مرجع خاص تھا، موصوف طلبہ کو باقاعدہ سندیں دیتے تھے، ۱۰۸۸ھ کو شیخ بہلول گول برکی جالندھری کے والد مرزا خان برکی نے ان سے حدیث کی سند لی تھی، ان کی سند حدیث علامہ محمد فرخ مجددی کے علاوہ شیخ شمس الدین محمد البابلی شافعی سے بھی تھی، یقیناً انہوں نے شیخ بابلی سے یہ سند اپنے قیام حرمین الشریفین کے دوران لی ہوگی۔ ۳

ملا بدرالدین کا مستقر سلطان پور، پنجاب کی مشہور ریاست کپورتھلہ میں تھا، شیخ بدرالدین کا حتمی سال وفات ہمیں تاحال متحقق نہیں ہوسکا۔

۱۔ مکتوبات سیفیہ ۱۸۲/۲۰۳ ۲۔ خزینۃ المعارف ۱۲۸/۱۴۵

۳۔ مقامات معصومی ۴/۳۵۷، شیخ بدرالدین سلطانپوری کے یہ تمام تر حالات مقامات معصومی کی جلد سوم اور چہارم سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

حافظ عبدالکریم توہانی

حافظ توہانی، حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ اور مکتوب الیہ تھے، حضرت خواجہ، خواجہ محمد حنیف کابلی کو لکھتے ہیں کہ میرے فرزند شیخ صبغۃ اللہ، جو کابل گئے ہوئے تھے وہ حافظ توہانی کے ساتھ بخیر و عافیت واپس آگئے ہیں اور تمہارے تعاون سے بہت خوش ہیں۔[۱] حافظ توہانی، حضرت خواجہ کو تنہائی میں قرآن مجید کی قرأت سناتے تھے، انہیں غالباً بشارتِ قرآنی اسی خلوت میں ملی ہوگی،[۲] حافظ صاحب حضرت خواجہ کی محبت میں فانی ہو چکے تھے، آپ کے ان کے نام کئی مکاتیب ہیں۔[۳]

حضرت خواجہ نے اپنے فرزند حضرت مروج الشریعت سے حافظ صاحب کے بارے میں فرمایا:

''حافظ عبدالکریم اکثر مجھے قرآن مجید سناتے ہیں، اسی وجہ سے وہ میرے بہت سے کمالات سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔''[۴]

حضرت خواجہ نے اپنے دو مکاتیب میں حافظ صاحب کی عالی ہمتی اور اعلیٰ استعداد کی تصدیق کی ہے۔[۵]

حافظ توہانی کا سالِ وفات ہمیں معلوم نہیں ہے، ان کا مولد و مسکن و مدفن قصبہ توہانہ تھا،[۶] جو افغانستان میں ہے، قاموس جغرافیای افغانستان میں اس کا محل وقوع ملاحظہ کریں۔

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۵۵
۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۶۴
۳۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۳۴، ۱۶۶، ۱۶۷
۴۔ خزینۃ المعارف ۲۴/۴۵
۵۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۱۶۶، ۱۶۷
۶۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۶۴

Marfat.com

شیخ بایزید سہارنپوری

شیخ بایزید، حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ شیخ بدیع الدین سہارنپوری ۱ (ف ۱۰۴۵ھ) کے فرزند تھے۔

اپنے والد کے بعد شیخ بایزید ان کے جانشین ہوئے، وہ بھی عالم و فاضل تھے، مدتوں حضرت خواجہ کی خدمت میں رہ کر فیض یاب ہوئے اور خلافت لے کر سہارنپور میں متعین کیئے گئے، جن سے بہت سے اصحاب نے فیض پایا، ان کے نام حضرت خواجہ کے بہت سے مکاتیب ہیں۔ ۲

ان کی بہت سی کرامات اس علاقے میں مشہور ہیں، مولف مقاماتِ معصومی میر صفر احمد معصومی ایک مرتبہ اپنے شیخ حضرت صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ کے ہمراہ سہارنپور گئے، تو ان دونوں بزرگوں کے مزارات کی زیارت نصیب ہوئی، اُن دنوں شیخ بایزید کے فرزند شیخ حسام الدین بقید حیات اور اپنے بزرگوں کے آستانہ کی خدمت کرتے تھے، انہوں نے مرافض الروافض کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جو دراصل

۱۔ شیخ بایزید بن رفیع الدین بن عبدالستار، حضرت مجدد الف ثانی کے معروف خلفاء میں سے تھے، حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

(i) کشمی: زبدۃ المقامات ۳۴۶۔۳۵۱ (ii) سرہندی، بدرالدین: حضرات القدس ۲/۳۳۴۔۳۴۰

(iii) محمد صادق ہمدانی: طبقات شاہ جہانی (iv) محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۱/ ۳۲۸

(v) عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۵/۹۱۔۹۲

یہ شجرۂ نسب نزہۃ الخواطر (۵/۹۱) سے منقول ہے، جو درست نہیں ہے بلکہ جدید تحقیق یہ ہے کہ شیخ عبدالکریم کے ایک صاحبزادے شیخ عبدالستار تھے، اور شیخ عبدالصمد کے بھائی تھے، شیخ عبدالکریم کے تیسرے صاحبزادے شیخ رفیع الدین تھے۔ (محمد شاہد سہارنپوری: تذکرہ دانشوران سہارنپور ۳۱۔۳۲)

۲۔ مکتوباتِ معصومیہ ۲/۴۲، ۷۳، ۷۴، ۸۰، ۸۵، ۱۳۹، ۳/ ۱۰۸، ۱۵۲

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی کے رسالہ ردِروافض کی شرح ہے، حضرت مجدد الف ثانی کا رسالہ بہت مختصر اور اندازِ بیان مجمل ہے، لیکن بقول حضرت شیخ محمد اشرف بن حضرت خواجہ مرافض الروافض کی عبارات زیادہ واضح و مفصل ہیں۔

مرافض الروافض کا ایک قلمی نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم کے پاس دیکھا تھا، جس کا خط عمدہ اور جلی تھا، اس کا ایک اور قلمی نسخہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں بھی ہے، اس کا سالِ تالیف ۱۱۰۶ھ ہے۔[1]

شیخ حجۃ اللہ بن حضرت خواجہ کے دو مکاتیب انہی شیخ حسام الدین کے نام ہیں۔[2]

حضرت خواجہ نے شیخ بایزید کی اعلیٰ استعداد کی کئی مکاتیب میں تعریف کی ہے، شیخ طریقۂ قادریہ میں بھی بیعت تھے، انہوں نے ان دونوں سلسلوں کا شجرۂ طریقت نظم کیا تھا، جس کے کسی خطی نسخہ کے وجود کا ہمیں علم نہیں۔

شیخ بایزید کا مولد و مسکن اور مدفن سہارنپور ہی ہے۔[3]

۱۔ محمد شاہد سہارنپوری: تذکرہ دانشورانِ سہارنپور

۲۔ وسیلۃ القبول ۲/۱۹، ۳۸/۴۰، آپ کے چھ مکاتیب شیخ بایزید کے نام ہیں، حضرت خواجہ سیف الدین کے بھی چھ مکاتیب ان کے نام ہیں، مکتوبات سیفیہ (۹۰-۹۵)

۳۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۶۵-۴۶۶

Marfat.com

حاجی حبیب اللہ بخاری حصاری

حاجی حبیب اللہ بخاری، حضرت یعقوب چرخی کی اولاد میں سے تھے، ان کے فرزند مولانا یوسف سے ان کی اولاد کا سلسلہ باقی رہا، حصار ترکستان کی امارت بخارا میں ہے، حاجی حبیب اللہ بخاری، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے معروف خلیفہ تھے۔

حضرت خواجہ کی مدت سے یہ خواہش تھی کہ بخارا جیسے مرکزی روحانی شہر میں ہمارا کوئی خلیفہ ہو، وہاں سے حضرت کی خدمت میں عریضے بھی آرہے تھے کہ اپنا کوئی خلیفہ وہاں بھیجئے۔

حاجی حبیب اللہ، بخارا کے مرکزی افراد میں سے تھے، اس لئے جب آپ کی خدمت میں حاجی صاحب حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خلافت دے کر وہاں متعین کیا، جب وہ بخارا پہنچے تو ان کی روحانیت پہلے سے بہت زیادہ ہو چکی تھی، وہاں ان کی کرامات بھی بہت مشہور ہوئیں، حاجی صاحب کا عمل مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے مطابق تھا اور آپ نے وہاں مکتوبات کے درس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ نے مکتوبات مجددی کے علاوہ مکتوبات معصومیہ کا بھی درس دینا شروع کر دیا، اور اس میں اتنی کوشش کی کہ اس کا عشر عشیر بھی یہاں ہندوستان میں نہیں تھا۔

آپ کے زمانہ میں وہاں کا بادشاہ سبحان قلی (۱۶۸۰ـ۱۷۰۲ء) بن نذر محمد خان بھی حاجی صاحب کا معتقد خاص تھا۔

حاجی حبیب اللہ کا بخارا میں ۱۱۱۰ھ کو وصال ہو گیا، [۱] ناصر الدین بخاری نے مدفونین بخارا کے حالات پر تحفۃ الزائرین کے نام سے جو کتاب لکھی تھی، اس میں حاجی صاحب کے مدفن کا کوئی ذکر نہیں ہے، جس کا مطلب ہے کہ وفات کے بعد ان کے جسد شریف کو ان کے جد اعلیٰ مولانا یعقوب چرخی کے احاطہ واقعہ حصار کے موضع ھلغتو (کالخوزلنین) میں دفن کیا گیا ہوگا۔

۱۔ مقامات معصومی ۳/۱۷۰

Marfat.com

حاجی صاحب کے وصال کے بعد آپ کے فرزند اوسط شیخ اسد اللہ بخاری آپ کے جانشین بنے، وہ ۱۱۴۴ھ/ ۱۷۳۱ء کو خواجہ محمد زبیر سرہندی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، شاہ توران ابوالفیض (۱۷۰۵ء۔ ۱۷۱۷ء) شیخ اسد اللہ کا معتقد خاص تھا۔ ۱؎

حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری کی اولاد میں سے ایک خاتون مولف مقاماتِ معصومی کے پوتے شیخ فضل احمد پشاوری بن شیخ نیاز احمد بن میر صفر احمد معصومی کے عقد میں تھیں، جن کے بطن سے میاں فضل کریم تولد ہوئے تھے۔ ۲؎

حاجی حبیب اللہ بخاری کے نام حضرت خواجہ کے چار مکاتیب ہیں، ۳؎ حضرت خواجہ کے صاحبزادگان کے ساتھ بھی حاجی صاحب کے قریبی تعلقات تھے۔

حضرت مروج الشریعت کو حاجی صاحب کے مریدین نے ایک عریضہ لکھا تو آپ نے ان کے باطنی احوال پر اطمینان کا اظہار کیا، ۴؎ حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی نے اورنگ زیب عالمگیر کو ایک خط میں حاجی صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔

حاجی صاحب کا وجود اس دیار (بخارا) میں غنیمت (کائن) ہے، ۵؎ حاجی صاحب اور حضرت حجۃ اللہ کے مابین مراسلت تھی۔ ۶؎

حضرت خواجہ سیف الدین نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نے حاجی صاحب کو حقیقت کعبہ کی بشارت دی تھی۔ ۷؎

معروف شیخ طریقت شیخ محمد مراد بخاری کو حضرت خواجہ نے خلافت دے کر دمشق (شام) بھیجا تو تاکید کی کہ چند دن حاجی حبیب اللہ کی خدمت میں رہیں۔ ۸؎

۱۔ روضۃ القیومیہ ۴/۱۴۲۔۱۴۳ (اردو ترجمہ) ۲۔ تحفۃ المرشد ۱۴۱

۳۔ مکتوبات معصومیہ ۲/۳۴، ۳/۱۶۰، ۲۳۰ ۴۔ خزینۃ المعارف ۲۱/۳۴۔۳۶

۵۔ وسیلۃ القبول ۲/۲۳۹/ ۷۹ ۶۔ ایضاً ۱/۵۶/ ۶۷۔۶۸، ۲/۳۸/ ۷۶

۷۔ مکتوبات سیفیہ ۱۷۲/ ۱۹۸ ۸۔ روضۃ القیومیہ ۲/ ۲۳۶

Marfat.com

شیخ محمد مراد معصومی بخاری

شیخ محمد مراد بن علی بن داؤد بن کمال الدین بن صالح بن محمد بن عمر بن شعیب بن ہود، آپ کا نسب نبی کریم ﷺ سے واصل ہوتا ہے، آپ حسینی سید تھے۔

اجداد

آپ کے اجداد کے حالات تذکروں میں زیادہ نہیں ملتے، صرف آپ کے والد گرامی مولانا شیخ علی بن داؤد کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ وہ اصلاً تو بخارا کے تھے لیکن وہاں کے سلاطین کی علم دوستی کے باعث انہیں سمرقند کا نقیب الاشراف [۱] بنایا گیا تھا، وہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی خدمت میں سرہند حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، [۲] خاندانی تذکرہ سلک الدرر سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بخارا سے یا سمرقند سے نقیب الاشراف کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے یا بعد سرہند گئے تھے؟ شیخ محمد مراد کے پوتے شیخ محمد خلیل مرادی نے لکھا ہے:

وکان الجد المترجم سبقت جذبة الالهية على سلوکه وهو اخذها عن والده الاستاذ احمد الفاروقی الملقب بالمجدد...... واشرقت منه شموس الارشاد [۳]

اس اقتباس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی بن داؤد کو حضرت مجدد الف ثانی سے ارشاد کی اجازت حاصل تھی، مولانا کا سال ولادت ووفات ہمارے پیش نظر تذکروں میں درج نہیں ہے، شیخ محمد مراد بخاری کے

۱۔ نقیب الاشراف، یہ عہدہ تھا، جو سلاطین علماء کو دیا کرتے تھے، ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ سلطنت کے علماء، صلحاء اور مشائخ کے سلاطین کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کروائیں، وسطی ایشیاء کے علاوہ پاکستان وہند میں بھی مغل سلاطین علماء کو یہ فریضہ سونپتے تھے، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بختاور خان (مولف مراۃ العالم)، مولانا نظام الدین اور مولانا نور محمد مدقق یہ فرائض انجام دیتے رہے تھے۔

۲۔ محمد خلیل مرادی: سلک الدرر ۴/

۳۔ مرادی، محمد خلیل: سلک الدرر ۴/۱۲۹

Marfat.com

علاوہ مولانا کے کتنے فرزند تھے؟ ہمیں آپ کی خاندانی سوانح مطمح الواجد، سلک الدرر اور عرف البشام سے معلوم نہیں ہوسکا۔

بہر حال مولانا کے فرزندوں میں سب سے نامور شیخ محمد مراد بخاری ہی تھے، گویا شیخ محمد مراد کے والد مولانا داؤد بخاری، حضرت مجدد الف ثانی کے وصال ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء تک فعال اور سمرقند میں مقیم تھے۔

شیخ محمد مراد معصومی بخاری

خاندانی تذکروں میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ آپ کی ولادت ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۶ء کو کہاں ہوئی؟ آپ کے پڑپوتے شیخ محمد خلیل مرادی نے لکھا کہ جب وہ محض تین سال کے تھے تو ان کے والد سمرقند کے نقیب الاشراف تھے، انہیں اپنے والد کی آغوش شفقت نصیب ہوئی، لکھا ہے:

کان والده نقیب الاشراف فی بلدة سمرقند فلما بلغ المترجم (شیخ محمد مراد) من سن ثلاث سنین حصلت له نازله علی قدمیه وساقیه عطلتها......[۱]

اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ محمد مراد، سمرقند میں پیدا ہوئے، البتہ آپ کے والد گرامی مولانا علی بن داؤد کا تعلق خطہ بخارا سے تھا، اس لئے یہ پورا خانوادہ بخاری ہی کہلایا۔

تعجب ہے کہ معروف کتاب شناس اور فہرست سازسی اے سٹوری نے شیخ محمد مراد کی تالیف جامع مفردات القرآن کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے نام کے ساتھ ان کی علاقائی نسبت کشمیری کیوں کر لکھ دی۔[۲]

حالانکہ آپ کے خاندانی تذکروں اور آپ کی مذکورہ تالیف جامع مفردات القرآن کے آغاز میں کتاب کے ناقل سید محمد راشد (کتابت ۱۱۶۹ھ) نے آپ کے طویل القاب درج کرنے کے بعد آپ کو:

"مولانا الشیخ محمد مراد الحنفی النقشبندی البخاری"[۳]

ا۔ سلک الدرر ۴/۱۲۹

2- Storey, C.A: Persian literature Vol.1, part.i, p.38

۳۔ مفردات القرآن، خطی نسخہ کتابخانہ سلیمانیہ، استنبول (آغاز نسخہ)، ہاں ایک شیخ محمد مراد تنگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ) آپ کے ہم عصر تھے، ممکن ہے سٹوری کو ان کے نام سے التباس ہوا ہو لیکن سٹوری تو شیخ مراد تنگ کشمیری سے واقف ہی نہیں تھے۔

Marfat.com

آپ کے فرزند شیخ محمد آفندی نے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

فیقول...... محمد آفندی المرادی النقشبندی طریقةً الحسینی نسباً، البخاری اصل الشامی وطناً القسطنطینی اقامتاً [1]

یعنی میں طریقت کے اعتبار سے نقشبندی، نسباً حسینی اور میں اصلاً بخارا کا رہنے والا ہوں، میرا توطن شام اور قیام قسطنطنیہ میں ہے۔

شیخ محمد مراد اور سلاطین ترکیہ

وسطی ایشیاء کے سلاطین کی طرح ترکی کے بادشاہ بھی علم اور علماء نواز تھے، شیخ محمد مراد (۱۰۵۰۔۱۱۳۲ھ/ ۱۶۴۶۔۱۷۱۹ء) کے حین حیات مندرجہ ذیل سلاطین ترکی پر حکمران رہے:

۱۔ ابراہیم بن احمد	۱۰۴۹۔۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۰۔۱۶۴۸ء
۲۔ محمد رابع	۱۰۵۸۔۱۰۹۹ھ/ ۱۶۴۸۔۱۶۸۷ء
۳۔ سلیمان ثانی	۱۰۹۹۔۱۱۰۲ھ/ ۱۶۸۷۔۱۶۹۱ء
۴۔ احمد ثانی	۱۱۰۲ھ۔۱۱۰۶ھ/ ۱۶۹۱۔۱۶۹۵ء
۵۔ مصطفیٰ ثانی	۱۱۰۶۔۱۱۱۵ھ/ ۱۶۰۶۔۱۱۱۵ء
۶۔ احمد ثالث [2]	۱۱۱۵۔۱۱۴۳ھ/ ۱۷۰۳۔۱۷۳۰ء

اگرچہ ان سلاطین کے زمانہ میں ترکی میں سیاسی عروج وزوال اور غیر مسلموں کے ترکی پر حملوں کے باعث عوامی زندگی تلخ رہی، [3] لیکن اس کے باوجود سلاطین ترکی کے علماء و مشائخ کے ساتھ

۱۔ مختصر المراد، قلمی نسخہ کتابخانہ حرم مکی الشریف، ص ۵

۲۔ یہ فہرست زمباور کی معجم الانساب ۲۳۹ سے ماخوذ ہے۔

۳۔ عثمان نوری طوباش: العثمانیون، دار الارقم، استنبول ۲۰۱۳ء

محمد عزیز: دولت عثمانیہ، دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

Marfat.com

عقید تمندانہ تعلقات رہے اور وہاں درویشوں کے تکیے اور زاویئے فعال طور پر کام کرتے رہے۔ ؎۱

سلاطین عثمانیہ کے زمانے میں ترکی کی حدود سلطنت میں بہت وسعت پیدا ہو گئی تھی، پورے عربستان، مصر اور شام وغیرہ ترکی کے زیر نگین تھے، خاندانی تذکرہ سلک الدرر میں درج ہے:

کانت الحکام تهابه وهو مقبول الشفاعة عندهم وكان موقرا واخذ من السلطان مصطفیٰ خان قریٰ بدمشق اقطاعا بمال يدفعه للخزينة الميرية فی كل سنة ؎۲

گویا سلطان مصطفیٰ خان مذکور نے شیخ محمد مراد بخاری کو دمشق میں ایک قطعۂ زمین دیا اور ہر سال خزانۂ عامرہ سے انہیں وظیفہ بھی ملتا تھا، یقیناً اسی قطعۂ زمین پر آپ نے مدرسہ (مرادیہ) بنایا اور اس کے علاوہ دوسری زمین پر اپنا رہائشی مکان بھی تعمیر کروایا، جو محلہ سوق صاروجا میں مدرسۃ النقشبندیہ البرانیہ کے نام سے معروف تھا۔ ؎۳ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی۔

جب شیخ محمد مراد دمشق کے حالات کی خرابی اور وہاں کے حکام کے ظلم و ستم کے باعث وہاں سے ترک سکونت کر کے قسطنطنیہ چلے گئے تو ترکی کے سلطان احمد خان بن محمد خان مذکور (۱۱۱۵۔۱۱۴۳ھ/۱۷۰۳۔۱۷۳۰ء) نے آپ کو امیر الحج بنا کر آپ سے دمشق کے حالات اور بغاوتوں کو ختم کرنے کے لئے کہا اور وہاں کے حاکم یحییٰ کو معزول کر دیا گیا۔ ؎۴

یہاں تک کہ سلطان ترکی نے دمشق میں آپ کو جو قطعۂ زمین سوق صاروجا دیا تھا، وہ فسق و فجور زدہ تھا، آپ نے وہاں سے ظلم و ستم کو ختم کر کے نورانیت سے بھر دیا، ؎۵ ان کے علاوہ ترکی کے مذکورہ چھ سلاطین میں سے موخر الذکر پانچ کے ساتھ آپ کے عقیدت مندانہ تعلقات تھے، لکھا ہے کہ آپ شریعت مطہرہ کے حامی اور ظلم و جور کو ختم کرنے والے تھے:

۱۔ لیفشیز، رایموند: تکایا الدراویش...... فی ترکیا العثمانیہ عربی ترجمہ عبلۃ عودۃ، ابوظبی ۲۰۱۱ء

۲۔ سلک الدرر ۴/۱۳۰ ۳۔ ایضاً

۴۔ مرادی، محمد خلیل: مطمح الواجد ۲۵۔الف ۵۔ ایضاً ۲۶۔الف ب

Marfat.com

كان قوّالا بالحق ناصر للشريعة مسعفاً من ظلم مساعد الاول الحاجات غاية المساعدة [1]

آپ نے دمشق میں دو مدرسے بنائے تھے، ایک مدرسہ مرادیہ، دوسرا اپنے گھر میں محلہ سوق صاروجا میں تھا، جو مدرسۃ النقشبندیہ البرانیہ کے نام سے مشہور تھا، اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کروائی، [2] معلوم ہوتا ہے کہ یہی مسجد المرادیہ کے نام سے مشہور تھی، جو ۱۱۰۸ھ/ ۱۵۹۶ء کو بنائی گئی، جو باب البرید کے پاس تھی، اس میں دو مدرسے تھے، صغریٰ اور کبریٰ، موخر الذکر میں سفلی اور عالی دونوں نوعیت کے حجرے تھے، جہاں علماء رہتے تھے، وہاں آپ نے ایک بڑا کتب خانہ بھی بنوایا تھا، جو اپنی کتابوں کی کثرت وندرت کے باعث ''ازہر دمشق'' کہلاتا تھا، ۱۹۴۳ء میں جب دمشق سے کتاب ''ثمار المقاصد'' شائع ہوئی تو وہاں درس کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور اس وقت تک اس کا صرف دروازہ ہی باقی رہ گیا تھا۔ [3]

دوسری جامع المرادیہ، سوق صاروجا میں تھی، یہ بھی ۱۱۰۸ھ/ ۱۶۹۶ء کو بنائی گئی۔

شیخ محمد مراد نے اس میں مدرسہ اور تکیہ بھی بنایا، اس کا بڑا دروزہ تھا، دوسرا دروازہ چھوٹا تھا، جو اس کے منارہ کی طرف کھلتا تھا، مدرسہ کا صحن مفرش تھا، اس میں نماز کے لئے جگہ کے ساتھ مدفن بھی ہے، جن پر قطعات تاریخ درج ہیں، [4] اس میں بعد میں اضافات بھی ہوئے تھے۔

مختلف اسفار

شیخ محمد مراد بخاری نے تبلیغ دین اور سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج کے لئے طویل سفر کئے، چار مرتبہ حرمین الشریفین کے اسفار حج وزیارت کے مقاصد کے علاوہ مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کی مجاورت اور فیوض و برکات کے حصول اور ان سے اپنے عقیدت مندوں کو فیض یاب کرنا، آپ کے مقاصد شریف تھے۔

اب آپ کے ان اسفار کے مختصر حالات بیان کئے جا رہے ہیں:

۱۔ سلک الدرر ۴/ ۱۳۰
۲۔ ایضاً ۴/ ۱۳۰
۳۔ محمد اسعد طلس: ثمار المقاصد، ذیل ۲۵۱
۴۔ ایضاً ۲۵۱

Marfat.com

سرہند

سرہند، اپنے مرکزِ علمی وروحانی ہونے کے اعتبار سے اس وقت خاص شہرت حاصل کر چکا تھا، مخدوم عبدالاحد کابلی اور آپ کے فرزند گرامی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے قیام کے باعث علمیت و روحانیت میں کامل شہرت حاصل کر چکا تھا۔

جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ شیخ محمد مراد بخاری سمرقند میں متولد ہوئے اور آپ کے والد گرامی مولانا علی بن داؤد وہاں کے نقیب الاشراف کے عہدہ پر فائز تھے اور وہیں سے آپ حضرت مجدد الف ثانی کے حین حیات سرہند حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، شیخ محمد مراد کے سامنے اپنے والد کی مثال موجود تھی کہ آپ روحانی تشنگی کی تسکین کے لئے سرہند گئے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے شیخ محمد مراد بھی سرہند حاضر ہوئے، اس وقت حضرت مجدد الف ثانی کا وصال (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) ہو چکا تھا، جب شیخ محمد مراد سرہند پہنچے تو آپ کے فرزند عزیز القدر حضرت خواجہ محمد معصوم آپ کے جانشین کی حیثیت سے مصروف کار تھے۔

معاصر ماخذ مقامات معصومی میں لکھا ہے کہ آپ کا مسکن روم اور شام ہے اور آپ کو خلافت دے کر شام میں حضرت خواجہ نے متعین فرمایا، [۱] گویا آپ شام سے حاضر خدمت ہوئے تھے۔

قیاس ہے کہ آپ اپنے والد مولانا علی بن داؤد کے وصال (جن کا سال انتقال ہمیں تا حال معلوم نہیں ہے) کے بعد سرہند گئے ہوں گے، یہ بھی گمان ہے کہ ابتدا میں آپ نے اپنے والد بزرگوار سے سلوک کی تعلیم لی ہوگی اور اُسی کے زیر اثر آپ نے شام سے سرہند کے لئے رختِ سفر باندھا ہوگا۔

معاصر ماخذ مقاماتِ معصومی میں آپ کے قیام سرہند کی مدت مختلف طور پر درج ہے یعنی صرف ایک ہفتہ میں آپ کی توجہات سے خلافت یاب ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی کے خانوادہ کے افراد یہ مدت بیس روز یا ایک ماہ سے کم عرصہ میں تکمیل کے قائل ہیں۔ [۲]

آپ کے خاندانی ماخذ ''سلک الدرر'' میں بھی قیام کی مدت چند روز ہی تحریر ہے: ''اقام عنده ایاماً'' [۳] آپ کو حرمین الشریفین، روم اور شام کی خلافت دی گئی، آپ سے ہر دیار کے علماء ومشائخ نے

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۶۹ ۲۔ ایضاً ۳/۴۶۹ ۳۔ سلک الدرر ۴/۱۲۹

Marfat.com

روحانی فیض پایا، آپ ۱۰۸۰ھ کے بعد دمشق پہنچے تو وہاں کی عوام وفود کی صورت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جہاں آپ کی تعظیم، راسخ اعتقاد اور آپ سے محبت اور آپ کے زہد، ایثار اور کثرت عبادت کے باعث مقبول ہوئے، ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء کو ترکی کے سفر کا قصد کیا اور وہاں کے دار الملک قسطنطنیہ میں منتقل ہو گئے، جہاں علماء، صلحاء، مشائخ اور موالی (امراء) کثرت سے آپ کے حلقہ میں داخل ہوئے اور آپ سے طریقت کی تعلیم لی، اور جب آپ کی انتہائی تعظیم وتکریم کی گئی تو آپ نے وہاں قیام کا ارادہ کرلیا، وہاں آپ نے محلہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میں ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۵ء تک قیام کیا، [۱] گویا یہ سارا فیض حضرت خواجہ محمد معصوم کا تھا، جو آپ نے اپنے قیام سرہند کے دوران حاصل کیا۔

سفر حجاز مقدس

خلافت یاب ہونے کے بعد آپ حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوئے تا کہ حج اور زیارت روضۂ مقدسہ نبی کریم ﷺ کی برکات حاصل کرسکیں، اس پہلے سفر میں آپ نے تین سال تک حرمین الشریفین کی مجاورت کی۔ [۲]

سفر اصفہان

وہاں سے آپ پہلے بغداد اور پھر بخارا گئے، بلاد عجم کے سفر کے دوران آپ مشہور شاعر میرزا صائب سے ملاقات کے لئے اصفہان بھی گئے، [۳] ان سے ملاقات وصحبت رہی، صائب نے اپنے کلام کے منتخبات بھی آپ کو ہدیہ کئے۔ [۴]

۱۔ سلک الدرر ۴/۱۳۰ ۲۔ مطمح الواجد ۲۵۔الف ۳۔ ایضا

۴۔ سلک الدرر ۴/ ۱۲۹ میرزا محمد علی صائب تبریزی (۱۰۱۶۔۱۰۸۶ھ/ ۱۶۰۷۔۱۶۷۵ء) معروف شعراء میں سے تھے، ظفر خان احسن حاکم کابل کی دعوت پر مدتوں کابل میں مقیم رہے، شاہ عباس دوم نے انہیں ملک الشعراء کا لقب دیا، ان کا دیوان کلیات صائب کے نام سے کابل سے متعدد جلدوں میں شائع ہوا ہے، صائب سبک ہندی میں شعر کہتے تھے (فرہنگ فارسی معین ۵/ ۹۶۱۔۹۶۲)، احسن کے ساتھ ہندوستان گئے اور کشمیر میں بھی قیام رہا، ان کا دیوان اور رسائل پاکستان وہند میں زیادہ مقبول ہوئے۔

Marfat.com

سمرقند اور بخارا کا سفر

میرزا صاحب سے ملاقات کے بعد آپ سمرقند اور بلخ بھی گئے، جہاں علماء ومشائخ سے آپ کی ملاقاتیں اور صحبتیں رہیں، اس کے بعد آپ نے دوسری مرتبہ بغداد کا سفر کیا، جہاں آپ ایک عرصہ تک مقیم رہے۔[۱]

حرمین کا دوسرا سفر

بغداد سے آپ دوسری مرتبہ حرمین الشریفین کے سفر پر گئے، وہاں سے آپ نے قاہرہ (مصر) کا سفر بھی اختیار کیا۔

دمشق کا سفر

مکہ مکرمہ کے دوسرے سفر کے بعد آپ ۱۰۸۰ھ/ ۱۶۶۹ء کو دمشق میں داخل ہوئے، جہاں عوام وفود کی شکل میں آپ کی خدمت میں آنے لگی اور گروہ در گروہ آپ کے سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہونے لگے، عوام، علماء اور صلحاء آپ کے تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے، [۲] یہاں آپ نے قیام کا فیصلہ کرلیا۔

قسطنطنیہ کا سفر

۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء کو آپ نے روم (ترکی) کا سفر کیا اور قسطنطنیہ پہنچ گئے، تو وہاں کے علماء، صلحاء، مشائخ اور والیوں (امراء) نے حاضر ہو کر آپ سے بیعت کی اور آپ کی بہت تعظیم وتوقیر کی گئی، جہاں آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے محلہ میں قیام کیا، جہاں آپ تقریباً پانچ سال تک مقیم رہے۔[۳]

حرمین کا تیسرا سفر

دمشق کے ایک عرصہ تک قیام کے بعد آپ نے حجاز مقدس کا تیسرا سفر اختیار کیا اور آپ نے وہاں کی ایک سال تک مجاورت کی، [۴] ہمارا گمان ہے کہ حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی، جو کہ بقول روضۃ القیومیہ

۱۔ مطمح الواجد ۲۵ ب ۲۔ ایضاً ۲۵ ب

۳۔ ایضاً ۲۶۔ الف ۴۔ ایضاً ۲۶۔ الف

Marfat.com

۱۰۸۹ھ کو دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے تھے اور مدتوں اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں دکن میں روکے رکھا تھا، ۱ شیخ محمد مراد شامی سے اسی سفر کے دوران ملاقات ہوئی ہوگی، اس سفر میں حضرت حجۃ اللہ کے ساتھ حضرت وحدت، شیخ خلیل اللہ اور شیخ محمد پارسا بن حضرت مروج الشریعۃ بھی ہمرکاب تھے کیوں کہ شیخ محمد مراد کے چوتھے سفر حج ۱۱۱۹ھ ۲ سے پہلے ۱۱۱۵ھ کو حضرت حجۃ اللہ کا وصال ہوگیا تھا، ۳ حضرت خواجہ محمد معصوم کے سال وصال کے بعد آپ کے فرزند اکبر شیخ صبغۃ اللہ حج کرنے کے لئے گئے تو شیخ مراد نے حاضر ہوکر ایک لاکھ روپے بطور نذرانہ پیش کیا تھا۔ ۴

حرمین کا چوتھا سفر

شیخ محمد مراد نے ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۸ء کو چوتھی مرتبہ حج کیا، ۵ لگتا ہے کہ اس مرتبہ آپ نے حرمین الشریفین میں زیادہ عرصہ قیام نہیں کیا۔

دمشق میں قیام

آپ چوتھے حج سے واپس دمشق آگئے، جہاں عوام نے آپ کے ساتھ بڑے اعتقاد کا اظہار کیا، وہاں آپ کی بہت ہی عزت وتوقیر کی گئی، حکومت کے اہل کاروں نے بھی عقیدت کا اظہار کیا، آپ کی سفارش کو بہت اہمیت دی جاتی تھی، وہاں سے آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ ۶

روم (ترکی) کا سفر

آپ نے دمشق کے قیام کے بعد ترکی کا سفر کیا، ان دنوں ترکی پر سلطان مصطفیٰ خان (۱۱۰۶-۱۱۱۵ھ/۱۶۹۴-۱۷۰۳ء) بن سلطان محمد خان کی حکومت تھی، جس سے ان کے اعتقاد میں مزید اضافہ ہوا۔

۱۔ مقامات معصومی ۴/۱۸۶

۲۔ مطمح الواجد ۲۶۔الف

۳۔ مقامات معصومی ۳/۳۰۴، ۴/۱۸۶
مطمح الواجد ۲۶۔الف

۴۔ ایضاً بحوالہ حسنات الحرمین ۲۵۴

۶۔ ایضاً ۲۶۔الف

Marfat.com

دمشق کا آخری سفر اور وہاں مدرسوں کی تعمیر

بادشاہ نے آپ کو دمشق میں ایک قریہ دیا اور آپ کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا، ۱ آپ نے اس علاقہ میں ایک مدرسہ بنایا، جو مدرسہ مرادیہ کے نام سے مشہور ہوا، پھر آپ کو سلطان نے محلّہ سوق صاروجا میں بھی زمین دی، جہاں آپ نے اپنا گھر اور مدرسہ ومسجد بھی تعمیر کروائی، یہ مدرسۃ النقشبندیہ البرانیہ کے نام سے معروف ہوا۔ ۲

پہلا مدرسہ جامع المرادیہ، جو باب البرید کے قریب ۱۱۰۸ھ/ ۱۶۹۶ء کو تعمیر ہوا، اس میں دو مدرسے تھے، صغریٰ اور کبریٰ، ان میں چھوٹے بڑے حجرے بھی بنائے گئے تھے، جن میں علماء ٹھہرتے تھے، وہاں ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، جس میں اتنی کتابیں تھیں کہ اسے جامعہ ازہر (مصر) کی طرح ''ازہرِ دمشق'' کہا جاتا تھا۔ ۳

سوق ساروجا کا مدرسہ بھی ۱۱۰۸ھ کو بنایا گیا، وہاں تکیہ اور مدرسہ بھی تھا، اس میں مدرسہ کے علاوہ صحن، نماز کے لئے مصلے اور قبرستان بھی تھا، ۴ ان مدرسوں کے اب (۱۹۴۶ء تک) صرف دروازے ہی رہ گئے ہیں، باقی عمارتیں امتدادِ زمانہ سے گر کر ختم ہو چکی ہیں۔ ۴

اس دوران آپ کی تعظیم میں بھی اضافہ ہوا، اکابر دولت (امراء) خصوصاً شیخ الاسلام علامہ سید فیض اللہ شہید، آپ کے سلاطین وامراء بہت سے عقیدت مند ہو گئے، عوام اپنے مسائل حل کروانے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، آپ نے وہاں (دمشق) سے مظالم کا خاتمہ کروادیا، آپ ''ناصر الشریعۃ'' بھی کہلائے، اب بلاد شام عراق، روم (ترکی) اور حجاز مقدس کے کثیر افراد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے طریقۂ نقشبندیہ میں داخل ہوئے، غالباً اسی حسد کا نتیجہ تھا کہ دمشق کا وزیر اسماعیل پاشا ۱۱۰۵ھ میں آپ سے بدظن ہو کر آپ کا مخالف ہو گیا، یہ وزیر ایک ظالم اور محرمات کا مرتکب ہوتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے آپ

۱۔ مطمح الواجد ۲۶　　۲۔ سلک الدرر ۴/۱۳۰

۳۔ ثمار المقاصد فی ذکر المساجد، تالیف یوسف بن عبدالہادی مرتبہ محمد اسعد طلس مع ذیل مرتب

۴۔ ایضاً ۲۵۱

Marfat.com

دمشق سے حجاز مقدس پھر چلے گئے، لیکن اس ظالم وزیر کی زیادتیاں جاری رہیں، یہاں تک کہ آپ وہاں سے حلب الشہبا کی طرف ہجرت کر گئے، جہاں عوام کی کثیر تعداد، اعیان علماء دمشق نے آپ کو خطوط لکھ کر استدعا کی کہ آپ واپس دمشق آجائیں، مطمح الواجد میں ان اکابر علماء کے اسماء درج ہیں، جنہوں نے آپ کو واپس دمشق بلانے کے لئے خطوط لکھ کر درخواست کی تھی۔ [1]

اس دوران اس وزیر اسماعیل پاشا کو حکومت سے معزول کر دیا گیا، اس دوران اس نے آپ سے بڑی عاجزی سے معافی کی درخواست کی، جسے آپ نے معاف کر دیا، آپ پھر امیر حج بن کر کئی بار حجاز مقدس حاضر ہوئے۔ [2]

قسطنطنیہ کا ایک اور سفر

اسی طرح ایک اور وزیر یحییٰ بھی معزول ہوا، پھر آپ حدود ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء کو قسطنطنیہ گئے اور وہاں قیام کر لیا، تا کہ دمشق کی بغاوتیں اور طغیان ختم ہو جائیں، وہاں آپ جامع سلطان سلیم کے قریب ٹھہرے تو اعیان سلطنت نے آپ کا استقبال کیا اور وہاں کے اشراف نے بے حد تعظیم کی، تو اس وقت وہاں کے صدر اعظم وزیر علی پاشا کے سر میں فکر فاسد نے جگہ لے لی، اور اُسے فکر ہوئی کہ کہیں آپ کے کہنے پر اس وزیر کو معزول نہ کر دیا جائے، اس دوران سلطان احمد خان (ثالث) (۱۱۱۵ھ/۱۱۴۳ھ/۱۷۰۳ء۔۱۷۳۰ء) کو اس خطرہ کی خبر ہوئی تو وہ علماء اور موالی کی ایک جماعت کے ساتھ ملاقات کے لئے آیا، تو اس وزیر نے معزولی کے خوف سے بغاوت کر دی، اس دوران حاکم بحر وزیر ابراہیم پاشا نے شیخ مراد کو، جو حج کا ارادہ کر چکے تھے، سلطان کے جہاز آپ کو سفر حج کے لئے دیئے، آپ نے راستہ میں بلدہ علابیہ، [3] میں قیام فرمایا، وہاں سے آپ قونیہ کی طرف گئے، وہاں سے کتاہیہ اور پھر بروسہ پہنچے تو حکومت کی طرف سے آپ کا استقبال کیا گیا......

اس کے بعد دار الملک قسطنطنیہ آگئے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے محلّہ کے قریب قیام فرمایا،

۱۔ مطمح الواجد ۲۶ ب ۲۔ ایضاً ۲۷۔ الف

۳۔ بلدہ علابیہ، غالباً پہلے حِلَب کہلاتا تھا، جو آخر حد یمامہ میں بصرہ کے قریب تھا۔ (معجم البلدان ۴/ ۱۴۵)

Marfat.com

ایک خاص گھر میں آپ کا قیام تھا، اس کے بعد آپ نے رئیس الاطباء سلطان مولی نوح کے ہاں قیام کیا، جہاں آپ کو بہت عزت واحترام سے رکھا گیا۔ [۱]

وصال

حضرت شیخ محمد مراد بخاری کا وصال قسطنطنیہ (ترکی) میں ہوا، اس وقت رات کا تیسرا پہر تھا، ۱۲ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء کو حضرت ابوایوب خالد انصاری رضی اللہ عنہ کی مسجد میں نماز ظہر کے بعد ہوا، آپ کے وصال کا سن کرجم غفیر آ گیا، آپ کا جسد مبارک تدفین کے لئے مدرسہ مولیٰ مصطفیٰ قاضی عساکر ختن شیخ الاسلام المولی بن عمر المنقاوی مفتی الدولۃ اور عالم زمانہ معروف بہ داماد میں لے جایا گیا، جو محلہ نیشانچی پاشا کہلاتا ہے، اس کے درس خانہ میں تدفین عمل میں آئی۔

سلطان احمد خان مذکور نے اپنے وزیر اور صدر ابراہیم پاشا کو حکم دیا کہ آپ کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے روضہ شریفہ کے قریب دفن کریں، اس وقت قاضی عساکر رومیہ ابوالخیر مخل المولی مصطفیٰ مذکور بھی حاضر ہو گئے اور اسی مدرسہ میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ [۲]

راقم عاجز کو تین مرتبہ شیخ محمد مراد بخاری کے روضہ کی زیارت اپنے قیام استنبول کے دوران نصیب ہوئی۔ [۳]

آپ کے وصال پر علماء وشعراء نے ترکی، عربی اور فارسی میں قطعات وقصائد لکھے، پہلا قطعہ آپ کے شاگرد شیخ احمد بن علی المنینی دمشقی کا ہے، جس سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

"قطب الزمان اجاب داعی ربہ" [۴]

۱۔ مطمع الواجد ۲۷۔الف ۲۔ ایضاً ۲۷ب۔۲۸۔الف

۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے راقم کے اسفار کا مجموعہ "وہ کتابیں اپنے آباء کی" ص ۴۳۷، ۴۸۳، ۵۱۶

۴۔ مطمع الواجد ۲۸ب

Marfat.com

جانشین حضرات

حضرت شیخ محمد مراد معصومی کے وصال کے بعد آپ کے پہلے جانشین آپ کے شاگردِ خاص عالم عارف صالح شیخ علی بن حسین المناستری الرومی، موصوف آپ کی ملازمت میں چالیس سال تک رہے اور پوری استقامت کے ساتھ جانشینی کا حق ادا کر کے ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء فوت ہوئے، آپ کی قبر مبارک کے ایک جانب دفن کئے گئے، ان کے بعد آپ کے دوسرے خلیفہ عالم شیخ علی بن سلیمان ثانی رومی، جو اپنے تقویٰ اور عقیدت کے باعث شہرت رکھتے تھے، جانشین ہوئے، جو ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء کو فوت ہو کر اسی مدرسہ میں دفن کئے گئے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے ایک اور خلیفہ شیخ مصطفیٰ کلیبو لی نے آپ کی مسند سنبھالی، جو ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کو فوت ہو گئے، وہ بھی اسی مدرسہ میں دفن کئے گئے، ان کے بعد خلیفہ شیخ محمد بن حسین حصاری رومی مسند نشین ہوئے، ۱ آپ کے وصال پر بہت سے علماء وشعراء نے قطعاتِ تاریخ لکھے۔

تدفین کے بعد آپ کے مرقد مبارک کی زیارت کے لئے عالم اسلام سے علماء وصلحاء کے علاوہ سلطان احمد خان مذکور، اس کے بھائی کا فرزند سلطان محمود اور پھر سلطان عثمان بھی اس وقت آئے جب وہ ترکی کے تاج وتخت کے مالک تھے، پھر ان کی اولاد سلطان مصطفیٰ خان اور اس کا بھائی اس وقت کا حاکم سلطان عبدالحمید خان کئی بار زیارت کے لئے آیا، ان سلاطین نے مدرسہ کے اوقاف اور مزارات کی حفاظت کے لئے وظائف اور مصارف مقرر کر دیئے، ان میں سے سلطان محمود خان مذکور نے شرط وقف کے ساتھ ہر سال ۴۵ ہزار ترکی سکہ مقرر کئے جو اس تکیہ اور مجاورین اور واردین کے لئے ہوتا تھا۔

اسی طرح وزیر محمد سعید پاشا نے اس تکیہ اور تکیۃ النقشبندیہ محلہ سوق ساروجا کے اخراجات کے لئے ہر سال پچاس ہزار غرش کی رقم مقرر کر دی اور تکیہ جدیدہ کے لئے مصارف کی ادائیگی کے لئے سعی بلیغ سے کام لیا، ان کے علاوہ بھی واقفین کی بڑی تعداد کا ذکر ملتا ہے۔ ۲

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادگان باری باری کیوں

۱۔ مطمح الواجد ۲۸۔۲۹

۲۔ ایضاً ۲۸ ب حاشیہ

Marfat.com

سجادہ نشین نہ ہوئے؟ حالانکہ ان میں سے ہر ایک ذی علم بزرگ تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے فرزندان دمشق میں آپ کے بنا کردہ دو مدرسوں کے متولی اور نگران تھے، اس لئے وہ دمشق سے استنبول آ کر آپ کے جانشین نہیں ہوئے۔

اولاد

شیخ محمد مراد معصومی بخاری کے دو فرزند تھے، اول شیخ مصطفیٰ اور دوسرے شیخ محمد تھے، شیخ مصطفیٰ کی ولادت دمشق میں ہوئی اور اپنے والد کے زیر سایہ پرورش پائی، ابتدائی اور انتہائی علوم کی تحصیل کے بعد جزبۂ الٰہی حاصل ہوا، تو تمام معاملات ترک کر کے اطاعت وعبادت میں زندگی بسر کرنے لگے، آپ دمشق سے بہت کم باہر نکلے، انہیں سلوک میں عظیم مقام حاصل تھا، ان کا وصال ربیع الاول ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۴۹ء کو ہوا، اور آپ کو باب صغیر کی تربت میں دفن کیا گیا، جہاں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار شریف ہے، آپ کی وفات پر شعراء نے کئی قطعات تاریخ لکھے، جن میں سے شیخ سعید بن محمد سمان دمشقی کا قطعہ مطمح الواجد میں نقل ہوا ہے۔ ۱

شیخ مصطفیٰ دمشق کی صدارت کے منصب پر فائز تھے، ۲ ابتداء میں موصوف سلاطین ترکیہ کے دنیاوی امور میں بھی دلچسپی لیتے تھے اور وہ آپ کے مشوروں کے مطابق عمل کرتے تھے، بعض امور میں مشاورت کے لئے سلطان مصطفیٰ خان نے بھی آپ کی خدمت میں خط لکھا تھا، خط میں طویل القاب مذکور ہیں: ۳

موصوف کی محفل ہمہ وقت علماء وفضلاء وادبا سے بھری رہتی تھی اور مسائل علمیہ زیر بحث رہتے، نکاتِ شعری بھی زیر بحث آتے رہتے تھے، آپ ہر سال بلا ناغہ میلاد شریف کے موقع پر بہت سی رقم خرچ کرتے تھے، آپ ہر سال حکومت کے رؤسا (منصب داروں) کو لباس فاخرہ بھیجا کرتے تھے، حج پر جانے والے افراد کے لئے بھی تحائف ارسال فرماتے رہتے تھے، ترکی کے سلطان کو بھی آپ نے ایک مرتبہ ہدیہ بھیجا

۱۔ مطمح الواجد ۲۸۔ب، ۲۹۔الف ۲۔ ایضاً ۳۳ب

۳۔ ایضاً مذکورہ ماخذ میں خط کا متن نقل ہوا ہے۔

Marfat.com

تھا، سلطان ہر سال آپ کو ایک ہزار دینار اور ملبوسات دیا کرتا تھا، عثمان پاشا کے ساتھ شیخ علی مرادی کے اچھے تعلقات تھے۔ [۱]

آپ کے ہاں تہجد کی نماز با قاعدہ ہوتی تھی اور ختم خواجگان نقشبندیہ بھی تواتر سے ہوتا تھا، آپ کے وقفیہ زاویہ میں رہنے والے علماء وصوفیہ کے اسماء بھی ملتے ہیں۔ [۲]

تالیفات

شیخ مصطفیٰ کی حسب ذیل تالیفات کے نام ملتے ہیں:

۱۔ دلائل الیمن والبرکات (شرح صلوۃ والدخود)

۲۔ العقود السنیہ فی الفتاوی المرادیہ (مجلد ضخیم) مرتبہ شیخ محمد خلیل مرادی

۳۔ الروض الرائض فی عدم صحۃ نکاح اہل السنۃ للروافض (سالِ تالیف ۱۱۸۲ھ)

۴۔ القول البین الرجیح عند فقد العصبیات

۵۔ ہدایہ پر آپ کے خطبات، (مولف نے اس کے آغاز کی طویل عبارت نقل کی ہے)، [۲] (ورق ۴۲۔ ۵۱۔الف)، یہ درس مدرسہ سلیمانہ میں ۱۱۸۳ھ کو ختم ہوا تھا۔ [۳]

شیخ مصطفیٰ شاعر بھی تھے، مطمح الواجد میں بہت سے اشعار نمونہ کے طور پر نقل ہوئے ہیں، جو زیادہ تر عربی میں ہیں، سوق ساروجا میں گھر اور مدرسہ کی تجدید تعمیر بھی کی۔ [۴]

وصال

لکھا ہے کہ شیخ مصطفیٰ کے مرض کا آغاز رمضان میں ہوا، شوال میں زیادہ ہو گیا، ان دنوں آپ جامع اموی کے قریب اپنے گھر میں مقیم تھے...... سوق ساروجا، پھر ۱۲ ر شوال قبل عشا آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کو مدرسۃ الکائنہ میں دفن کر دیا گیا، [۵] طویل مرثیے قطعات کے طور پر لکھے گئے۔ [۶]

۱۔ مطمح الواجد ۳۵۔الف، ب

۲۔ ایضاً ۳۹ب

۳۔ ایضاً ۵۹ب

۴۔ ایضاً ۶۴ب

۵۔ ایضاً ۲۴۱

۶۔ ایضاً ۲۴۱۔۲۴۹ب

Marfat.com

شیخ محمد مراد معصومی کے دونوں صاحبزادے خواجہ محمد زبیر سرہندی کی خدمت میں ہندوستان گئے تھے۔ ۱
شیخ محمد مراد کا یہ روضۃ اس وقت محکمہ اوقاف ترکیہ کی تحویل میں ہے اور اس کی از نو تعمیر ہو رہی ہے، مزار پر ایک چھوٹا سا بورڈ آویزاں ہے جس پر مزار شیخ محمد مراد قزانی درج ہے، جو غلط محض ہے، یہ شیخ محمد مراد قزانی (ف ۱۹۳۴ء) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی مترجم تھے، ۲ ان کا شیخ محمد مراد معصومی بخاری (ف ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۰ء) سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیخ سید محمد مرادی

شیخ محمد مراد معصومی کے یہ دوسرے فرزند تھے، عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں مہارت رکھتے تھے، موصوف صوفیہ کے کلام کی تشریحات میں بھی دسترس رکھتے تھے، موصوف علم ظاہر و باطن کے عالم تھے، قسطنطنیہ میں ۱۰۹۴ھ/ ۱۶۸۲ء تولد ہوئے، آپ اپنے والد کے زیر سایہ پروان چڑھے، اپنے والد سے ہی طریقت کی تعلیم لی اور ان سے تلمذ بھی حاصل تھا، شیخ عبدالرحیم کابلی اوزبکی، جو آپ کے والد کے شاگرد تھے سے بھی کچھ پڑھا تھا، ان کے علاوہ شیخ عبدالرحمٰن مجلد دمشقی اور علامہ شیخ عبدالغنی نابلسی سے فتوحاتِ مکیہ کا درس بھی لیا، اب ان کے اپنے فضائل اور قابلیتوں کا ظہور ہونے لگا، وہ علم معقول و منقول کے ماہر تھے، خصوصاً تصوف اور معارف الٰہیہ کے بیان میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

آپ دمشق واپس آگئے، جہاں دنیا اور ہر قسم کے علائق ترک کر دیئے، وہاں عبادت و ریاضت میں آپ وقت گذارنے لگے، درویشوں کی صحبت ان کو اب اچھی لگتی تھی، ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، ان سے ظاہری و باطنی علوم میں استفادہ کرنے والوں کی تعداد حد شمار سے باہر تھی، ان کا تعلق بھی طریقۂ نقشبندیہ سے تھا، آپ نے متعدد مرتبہ حجاز مقدس کا سفر کیا، وہاں سے قدس شریف اور خلیل کا بھی سفر کیا، انہیں مدینہ منورہ کا قاضی بنایا گیا، جو آپ کے رتبہ کے لحاظ سے تھا۔

آپ نے مختلف علوم پر بہت سے رسائل اور کئی کتب پہ تعلیقات بھی لکھے تھے۔

سلطان محمود خان نے ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۱ء کو انہیں استنبول بلالیا، تو آپ وہاں چلے گئے، انہیں ہر دیار میں

۱۔ روضۃ القیومیہ ۴/ ۲۰، ۸۶ ۲۔ ارمغان امام ربانی، جلد دہم، حصہ دوم ۵۸

Marfat.com

میں بڑے ہی احترام سے رکھا گیا، جہاں بہت سے اصحاب نے ان سے طریقت کی تعلیم بھی لی، سلطان مذکور نے انہیں بہت سے انعامات سے بھی نوازا، اوران پر عطیات کی بارش کی، انہیں ارکان حکومت کا مکمل اعتماد حاصل تھا، انہوں نے اسی سال سلطان سے اجازت لے کر حج کی سعادت بھی حاصل کی تھی، وہاں سے وہ پھر سلطان کے امر پر استنبول واپس آ گئے، جہاں وہ اس مکان میں ٹھہرے، جو حکومت کی طرف سے انہیں دیا گیا تھا، جہاں پہلی مرتبہ آپ کا قیام عمل میں آیا تھا۔

سلطان محمود کے بعد ان کے بھائی سلطان عثمان تخت نشین ہوئے، تو ان کی غایت درجہ تعظیم وتوقیر کی گئی، پھر انہوں نے دیارِ شام کا قصد کیا، اور وہاں قیام کرلیا، جہاں ان کی وفات صفر ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۵ء کو ہوئی اور انہیں محلّہ سوق صاروجا میں ہی دفن کیا گیا، ان کے جنازہ میں بے شمار افراد نے شرکت کی، ان کی وفات پر بہت سے مرثیے اور قطعات تاریخ لکھے گئے۔[1]

ا۔ شیخ سید محمد مرادی کے یہ تمام تر حالات ان کے خاندانی ماخذ "سلک الدرر" ۱۱۴/۳۔۱۱۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

شجرۂ نسب اولاد شیخ محمد مراد معصومی

شیخ محمد مراد معصومی بن شیخ علی[1]

- مصطفیٰ
  - عبداللہ
    - محمد طاہر
      - مفتی عبداللہ (ف ۱۲۱۲ھ)
        - احمد
          - صالح
            - عبدالمحسن (ف ۱۳۳۲ھ) (امین الفتویٰ شام)
- محمد (۱۰۹۴ـ۱۱۶۹ھ)
  - ابراہیم (۱۱۱۸ـ۱۱۴۲ھ)
    - (؟)
    - مفتی محمد خلیل (۱۱۵۴ـ۱۲۰۶ھ) (مولف سلک الدرر)
  - مفتی علی (۱۱۳۲ـ۱۱۸۴ھ)
  - مفتی حسین (۱۱۳۸ـ۱۱۸۸)
    - مفتی عبدالرحمٰن (ف ۱۲۱۸ھ)
      - مفتی حسین (۱۲۰۰ـ۱۲۶۷ھ)
        - عبدالرحمٰن (ف ۱۲۶۴ھ)
        - ابوالسعود
          - قاضی موسیٰ
            - مراد (مدیر اوقاف)
        - مفتی علی
    - علی (ف ۱۲۳۰ھ)

۱۔ یہ شجرۂ نسب مفتی محمد خلیل کی کتاب عرف البشام کے مرتبین محمد مطیع الحافظ اور ریاض عبدالحمید مراد کے مقدمہ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

تالیفات شیخ محمد مراد معصومی بخاری

خاندانی ماخذ مطمح الواجد میں ہے:

لہٗ من التالیف المفردات القرآنیه فی مجلدین تفسیر الآیات و جعله بالثلاث لغات اولاً بالعربیه ثم بالفارسیه ثم بالترکیه وهو مشهور بین علماء الروم و غیرها ولم یسبق الی مثله وله رسائل کثیرة فی الطریقة النقشبندیة وغیرها و تحریرات کثیرة و مکاتبات غزیرة لاثر الاقطار وقد جمع بعض تلامیذه الافاضل ماوقع فی مجالسه من الفوائد العلمیة والادبیة والاجوبة الصادرة عنه عن اسئلة سئل بها فجآء ت مجلداً ضخیماً وفی رحلتی الثانیة للروم سنه سبع و تسعین بعد المآئة طالعت ذلک عند بعض الاحباب واستکتبت نسخة من ذلک مرغوبه ومکاتباته مجموعة ضخم بالاسن الثلاث الفارسیة والعربیة والترکیه......ا

ان میں سے مفردات القرآن اور بعض رسائل کتابخانہ سلیمانیہ، استنبول میں محفوظ ہیں، مفردات کے بہت سے نسخے پائے جاتے ہیں۔ ۲

شیخ محمد مراد کا کتب خانہ

شیخ محمد مراد بخاری کتب بینی اور جمع کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، دمشق میں آپ نے اپنے مدرسۂ نقشبندیہ میں ایک بڑا کتب خانہ بنوایا تھا، آپ علماء اور دیگر اصحاب سے کتابیں اس میں عطیہ کرنے کے لئے کہا کرتے تھے، یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ کتب خانہ اپنی ندرت کے اعتبار سے جامعہ ازہر، قاہرہ (مصر) کے ہم پلہ تھا اور دمشق میں اسے ''ازہرِ دمشق'' کہا جاتا تھا۔

لیکن استنبول میں جس مدرسۂ مذکورہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی وہاں اس قسم کا کتب خانہ نہیں تھا

ا۔ مطمح الواجد ۲۷ ب

2- Storey, C.A: Persian literature, vol.i, part.i, p.38

Marfat.com

بلکہ وہاں صرف درسی نوعیت کے مخطوطات تھے، ظاہر ہے آپ اس مدرسہ میں مدرس نہیں تھے، وہاں کا کتب خانہ تو دوسرے علماء نے درس وتدریس کے نقطۂ نظر سے جمع کیا تھا، حدود ۱۹۲۵ء کو جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا نے حکم دیا تھا کہ تمام مدرسوں، خانقاہوں اور ذاتی گھروں میں جمع شدہ کتابیں کتابخانہ سلیمانیہ میں جمع کروادی جائیں تو شیخ محمد مراد کی درگاہ، مدرسہ محلّہ نشانچی پاشا سے بھی مخطوطات اٹھا کر مذکورہ کتب خانہ میں جمع کروادیئے گئے، یہ ذخیرہ اب تک الگ ہے اور اس کی فہرست وہاں کے کتب خانہ میں موجود ہے، جسے ہم نے اپنے سفر استنبول کے دوران دیکھا ہے، اس میں مدرسہ کے نقطۂ نظر سے تمام مخطوات درسی نوعیت کے ہیں، سلسلۂ نقشبند کا کوئی نادر مخطوطہ اس میں موجود نہیں ہے۔

شیخ محمد مراد معصومی کی علاقائی نسبت

شیخ محمد مراد معصومی کے خاندانی مآخذ مطمح الواجد، سلک الدرر اور عرف البشام میں ان کی علاقائی نسبت بخاری الاصل، دمشقی مستقر لکھا ہوا ہے، ہمارے پیش نظر کتابوں میں سے صرف سٹوری کی ادبیات فارسی میں آپ کی کتاب ''جامع مفردات القرآن'' کے فارسی حصہ کا تعارف صرف دو سطور میں ہے، [1] جہاں انہیں محمد مراد کشمیری لکھا گیا ہے، تعجب ہے کہ معاصر مولف میر صفر احمد معصومی نے یہ کیسے لکھ دیا:

''اگرچہ مولد آنجناب بلدۂ کشمیر است، اما مسکن و مدفنش شام شریف......'' [2]

یہاں مولف نے محض قیاس آرائی سے کام لیا ہے کہ آپ کا مولد کشمیر اور مدفن شام ہے، حالانکہ ہم تفصیل سے عصری حوالوں کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ آپ کا مدفن استنبول (ترکی) ہے۔

یقیناً مولف کو یہاں شیخ محمد مراد ننگ کشمیری (ف ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء) اور شیخ محمد مراد بخاری شامی، جو ہم عصر تھے سے التباس ہو گیا ہے، اگرچہ صاحب مقامات نے اول الذکر کا کہیں نام تک نہیں لکھا، جو شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی کے خلیفۂ خاص تھے، بحث کا حاصل یہ ہے کہ شیخ محمد مراد معصومی کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

1- Storey, C.A: Persian literature, Vol.i, part.i, p.38

Marfat.com

مخدوم آدم ٹھٹھوی

مخدوم آدم ٹھٹھوی سندھی بھی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلفاء میں سے تھے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند حضرت خواجہ سیف الدین سے منسلک ہو گئے، مخدوم آدم کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم کے چار مکاتیب ہیں، [۱] ان میں سے صرف ایک مکتوب (جلد دوم ۷۶) فارسی میں ہے باقی تین مکاتیب عربی میں ہیں۔

مخدوم آدم اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم کی محبت میں فانی ہو چکے تھے، آپ کئی بار سرہند حاضر ہوئے، جسے آپ نے بہت ہی پسند فرمایا، آپ علم ظاہری کے عالم اجل تھے، جب حضرت خواجہ کے ارشاد کا سنا تو وہاں سے فیض یاب ہو کر سندھ میں ہر کسی کو آب رحمت کی طرح فیض پہنچایا۔

آپ سے خلافت یاب ہو کر اپنے وطن مالوف (ٹھٹھہ، سندھ) واپس آ گئے، اور یہاں پہنچ کر سلسلۂ نقشبندیہ کو فروغ دینے میں مصروف ہو گئے، [۲] ان سے اس سلسلہ کو سندھ میں خوب فروغ ہوا، آپ سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کے دو خلفاء قاضی موسیٰ شوحین (سیوَن) اور ان کے فرزند مولانا اسحٰق، سندھ میں سرگرم عمل تھے۔ [۳]

مخدوم آدم، حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے بعد چار یا پانچ سال بقید حیات رہے اور حدود ۱۰۸۴ھ کو فوت ہو کر کوہِ مکلی میں دفن ہوئے، ان کا مولد، مسکن اور مدفن ٹھٹھہ ہی ہے۔ [۴]

مخدوم آدم کے خلفاء میں مخدوم ابوالقاسم ٹھٹھوی (ف ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۶ء) سے بھی اس سلسلہ کو خوب

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۲/ ۵۹، ۶۳، ۷۶

۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۷۱، ۷۴

۳۔ مکتوبات امام ربانی ۳/ ۶۹۔ ۷۰

۴۔ مقاماتِ معصومہ ۳/ ۷۲، ۷۴، تکملہ مقالات الشعراء ۲۳۳

Marfat.com

تقویت ملی، [1] مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (ف ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) نے مخدوم ابوالقاسم کے ہی ایما پر حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں بہجۃ النظار فی براۃ الابرار تالیف کی تھی۔ [2]

مخدوم آدم کے تین فرزند تھے، اولاد کا شجرہ اس طرح ہے:

مخدوم آدم

مخدوم فیض اللہ — مخدوم ابوبکر — مخدوم محمد اشرف

(روضۃ القیومیہ ۲/ ۲۴۰)

مخدوم حاجی محمد (تکملہ ۲۸۵) — دختر منسوب بہ محمد صادق نقشبندی (تحفۃ الکرام ۳/ ۲۳۵)

مخدوم ابوالحسن صغیر محدث مدنی

(شاگرد و جانشین شیخ محمد حیات سندھی)

[تحفۃ الکرام ۳/ ۲۳۶، نزہۃ الخواطر ۶/ ۶]

۱۔ محمد حامد اللہ سرہندی: خورشید مکلی مخدوم ابوالقاسم ۱۳۵

۲۔ یہ نادر الوجود مخطوطہ ہمارے مفصل مقدمہ کے ساتھ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۸ء کو شائع ہوا، مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۷۱-۴۷۲، ۴/ ۳۷۱-۳۷۴

Marfat.com

سید یوسف گردیزی ملتانی

سید یوسف گردیزی ملتانی (رابع) کے اجداد اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے، اور موصوف اپنے آباء کرام کے روضہ پر سجادہ نشین تھے، جب انہوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے ارشاد کی شہرت سنی تو اپنی آبائی مسند چھوڑ کر سرہند حاضر ہوئے، سلوک میں تو پہلے ہی کئی منازل طے کر چکے تھے، نقشبندی سلوک کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ سے خلافت یاب ہوئے، ان کو ان کے مستقر ملتان کی قطبیت کی بشارت دی گئی۔

حضرت خواجہ کو آپ کا یہ ایثار بہت پسند آیا، آپ کئی بار سرہند حاضر ہوئے اور ہر مرتبہ عنایات تازہ سے نوازے گئے، آخری مرتبہ موصوف سرہند میں تھے، ان کو ان کے ہاں فرزند کے تولد ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے نومولود کا نام حضرت خواجہ سے دریافت کیا، آپ نے اس کا نام سید ابراہیم تجویز فرمایا، ان کے اگرچہ تین چار فرزند اور بھی تھے لیکن آپ کے نام رکھنے کی برکت سے والد کے بعد سجادہ نشینی ان کے نصیب میں ہوئی۔

اس کے بعد حضرت خواجہ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے سرہند حاضر ہو کر آپ کے روضہ کی زیارت کی، اس موقع پر ان کی ملاقات حضرت خواجہ کے صاحبزادے حضرت حجۃ اللہ سے ہوئی، انہوں نے آپ سے ذکر خفی کی ذکر جہر پر فضیلت کے اسباب دریافت کئے، جس کے جواب میں حضرت نے عربی میں ایک رسالہ متین لکھ کر انہیں دیا۔ [1]

ہمیں تا حال اس رسالہ کے وجود کا علم نہیں ہے۔

سید یوسف رابع گردیزی ملتانی کا سال وفات مقاماتِ معصومی کے اندراج کے مطابق حدود ۱۱۹۰ھ ہے، [2] ہمیں ایک اپنے سفرِ ملتان کے دوران وہاں کے معروف سکالر ڈاکٹر مہر عبدالحق کے کتب خانہ میں

۱۔ مقاماتِ معصومی ۴/۳۷۶

۲۔ ایضاً

Marfat.com

حضرات القدس کی جلد دوم کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۲۶ھ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، جس کے ظہریہ پر مخدوم سید یوسف رابع کا سال وصال ۱۰۹۳ھ درج ہے، اس کے الفاظ ہیں:

بود معین فضلا

۱۲+۱۷۰+۹۱۱=۱۰۹۳ھ

یقیناً ملتان میں موجود ''حضرات القدس'' کا یہ نسخہ اسی خانوادہ گردیزی کی ملکیت رہا ہوگا، جس کے ایک ورق پر اس خاندان کے کسی فرد نے یہ مادۂ تاریخ وفات رقم کیا ہوگا۔

اسی مذکورہ سفر ملتان کے دوران وہاں کے افراد خاندان میں سے ایک صاحب علم فرد عباس حسین گردیزی نے مجھے مزارات سادات گردیزیان پر لے جا کر مخدوم محمد یوسف رابع کی قبر مبارک دکھائی، جو مخدوم محمد یوسف اول کے منقش مزار کے دروازے کے بالکل عقبی حصے میں چبوترے پر ہے، یہ قبر اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

مخدوم محمد یوسف رابع کا سلسلۂ نسب دو طریقوں سے اہل بیت کرام سے ملتا ہے یعنی مخدوم محمد یوسف رابع بن سید فتح محمد بن سید فرید بن عبدالجلیل کوہ وقار بن سید ابوالفتح صدرالدین محمد راجو بن علم الدین بن سید حامد بن مخدوم یوسف ثالث بن ابوالفتح (داماد شیخ یوسف ثانی) بن سید عبداللہ بن معزالدین (شوہر سعادت خاتون بنت ناصرالدین بخاری بن مخدوم جہانیان جہاں گشت بخاری) بن سید علاء الدین (شوہر خاوند جہانیاں بنت مخدوم جہانیاں مذکور)

مخدوم یوسف ثانی مذکور (کی دختر فاطمہ سید ابوالفتح بن سید عبداللہ سے منسوب تھیں) بن نجم الدین بن رکن الدین عبدالملک بن سید مبارک بن سید ابازید بن سید یحییٰ بن عبدالصمد بن عمادالدین احمد بن مخدوم محمد یوسف گردیزی اول بن ابوبکر بن شیخ الاسلام قسورہ بن محمد بن حسین بغدادی بن احمد بغدادی بن محمد علی بغدادی بن سید علی بن سید حسین بن علی الخاصی بن محمد دیباج بن امام جعفر (شجرۂ خاندن گردیزیان مرتبہ برطانوی عہد) مخدوم یوسف رابع کی اولاد کا شجرہ یہ ہے:

Marfat.com

مخدوم محمد یوسف رابع

محمد راجو سید حامد سید عبداللہ حافظ ابراہیم سید عالم

عظیم شاہ منکن شاہ | سکندر قلندر دولت بی بی جنت بی بی

قربان علی گل علی پیر شاہ گلاب شاہ سید شاہ

نصرت الدین مخدوم محمد یوسف ابوالفتح جان شاہ

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے تین مندرجہ ذیل مکاتیب ''شیخ محمد یوسف گردیزی پیرزادہ ملتان'' کے نام ہیں:

در مقدماتیکہ مشعر از ھضم نفس...... و معاملۂ افادہ و بیان حقیقت متمکن و فناءِ او (۱۶۲/۳)

از حلقہ نشستن و متاثر شدن یاران و بی ھوش شدن بعضی و دیدن سرور کائنات را علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التحیات کہ برنگاشتہ بودند بوضوح پیوست و سبب مسرّت گردید...... (۱۸۸/۳)

در تعبیر وقائع او و ترغیب بر حلقۂ ذکر و صحبت با طالبان...... (۲۲۳/۳)

اورنگ زیب ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء میں جنگ تخت نشینی کے دوران جب داراشکوہ کا تعاقب کرتا ہوا ملتان پہنچا تو وہ شاہِ گردیز کے مرقد کی زیارت کے لئے گیا، اس وقت سجادہ نشین مخدوم محمد یوسف رابع ہی تھے، اس

Marfat.com

نے انہیں ''خلعت اور ایک مادہ فیل'' بطور نذر پیش کیا، درباری مورخ محمد کاظم شیرازی کا بیان ہے:

محمدیوسف از اولاد کرام عزیزِ مصر کرامت و عزیزی شاہ یوسف گردیزی کہ مرقد شریفش در بلدۂ طیبہ ملتان است بہ مرحمت خلعت و مادہ فیل سرمایۂ اعتبار اندوخت (عالمگیرنامہ ۲۱۷۔۲۱۸)

یہی الفاظ آداب عالمگیری کے مرتب نے بھی نقل کر دیئے ہیں (۲/۱۰۴۹) سید عباس حسین گردیزی (ساکن محلّہ گردیزیان، ملتان) کے کتب خانے میں مغل بادشاہوں کے عطیات کے سلسلے میں بعض فرامین بھی محفوظ ہیں، جن میں اورنگ زیب کے فرامین بھی ہیں۔

مخدوم یوسف گردیزی کی موجود اولاد شیعی عقائد اپنا چکی ہے، اس باب میں حسن رضا گردیزی نے مخدوم اول شاہ یوسف گردیزی کی سوانح شائع کی ہے، جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہمارا خانوادہ آغاز سے ہی اہلِ تشیع سے تعلق رکھتا تھا، مولف کے دلائل نہایت کمزور ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ عہد حاضر کے فلسفہ تاریخ کے سب سے بڑے ماہر ٹائن بی نے اپنے ملتان کے قیام کے دوران اس خاندان کی زبانی روایت پر بغیر کسی تحقیق کے یقین کرلیا اور اپنے سفرنامے میں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ خاندان آغاز سے ہی شیعہ ہے:

(Toynobee, A: Between oxcus and jumna, Oxford, 1961, p.15-16)

انگریزی عہد میں اس خاندان کا جو شجرہ مرتب کیا گیا ہے اس میں لکھا ہے کہ انہیں رافضی کہتے ہیں اور شجرے کے اسماء میں نام ''علی'' کا تصرف بھی اسی دورِ آخر کی یادگار ہے، مثلاً علی قسورہ علیہ السلام اور ان کے بیٹے علی ابوبکر علیہ السلام، جبکہ دونوں قدیم مآ کذ یعنی کشف المحجوب اور آداب الحرب والشجاعت میں ان کے نام شیخ قسورہ بن محمد اور شیخ الاسلام قسور ہی درج ہوئے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ ملتان کا سادات گردیزی کا خانوادہ بہت بعد میں غالباً سکھ عہد میں شیعہ ہوا، ورنہ یہ خاندان اس سے پہلے راسخ العقیدہ صوفیہ کا خانوادہ تھا، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صاحب کشف المحجوب حضرت علی ہجویری غزنوی مسلمہ طور پر ایک راسخ العقیدہ سنی صوفی تھے، انہوں نے

Marfat.com

منقولہ بالا اقتباس میں شیخ قسورہ کا ذکر جس طرح کیا ہے وہ شیخ قسورہ کے سنی عالم ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ کتاب آداب الحرب والشجاعت میں اہلِ غزنی کی استدعا پر جس عالم نے دفعہ شر کے لئے حضرت قسورہ کے مزار مبارک پر جا کر دُعا واستمداد کے لئے اہتمام کیا وہ مسلمہ طور پر اہل سنت کے اکابر علماء میں سے تھے یعنی خواجہ امام قدوۃ الاولیاء شمس العارفین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۸) اگر حضرت قسورہ شیعہ ہوتے تو اتنے بڑے سنی عالم یہ اقدام نہ فرماتے۔

۳۔ موجودہ شیعان گردیزی نے اپنے شجرات میں مخدوم محمد یوسف اول کے والد کا اسم گرامی ''ابوبکر'' لکھا ہے یعنی مخدوم یوسف بن ابوبکر بن شیخ قسورہ یعنی مخدوم یوسف کے والد اور شیخ قسورہ کے صاحبزادے کا نام ابوبکر تھا، یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اہل تشیع اپنی اولاد کے نام خلفاء ثلاثہ کے اسماء گرامی پر نہیں رکھتے، اگر یہ حضرات آغاز سے ہی شیعہ ہوتے تو ان کے نسب میں یہ نام کبھی نہ آتا۔

۴۔ معروف شیخ طریقت اور محدث شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار (۶۱) میں ''شاہ گردیز'' کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے وہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہ خانوادہ اخبار الاخیار کی تالیف ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک راسخ العقیدہ سنی خاندان تھا۔

۵۔ اورنگ زیب جیسے بادشاہ کی مخدوم محمد یوسف گردیزی رابع کی خدمت میں حاضری، عقیدت مندی اور اس خانوادے کے لئے عطیات و مذکورہ فرامین ارسال کرنا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ عالی شان خاندان عہدِ اورنگ زیب تک شیعہ نہیں ہوا تھا۔

۶۔ مخدوم محمد یوسف رابع گردیزی کا اپنے مشائخ کی مسند چھوڑ کر حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی (مولف ردّ روافض) کی خدمت میں سرہند حاضر ہو کر خلافت یاب ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ خاندان سنی تھا، یہ حقیقت ہے کہ کوئی شیعہ حضرت خواجہ کا مرید بھی نہیں ہوسکتا تھا، مخدوم رابع تو آپ کے خلیفہ تھے۔

جب مخدوم رابع نے حضرت خواجہ کی خدمت میں اپنے بزرگوں کے عطا کردہ خلعتوں کا ذکر کیا تو حضرت خواجہ نے اس پر مبارک باد دیتے ہوئے لکھا:

Marfat.com

"خلعتهای که از بزرگان عنایت شده است مبارك باشد" (مکتوبات معصومیہ ۳/۱۱۸/۲۳۷)

اگر مخدوم رابع کے اجداد اہل تشیع میں سے ہوتے تو ان کے عطا کردہ تبرکات پر انہیں مبارک نہ دیتے بلکہ تنبیہ فرماتے۔

۷۔ مقاماتِ معصومی کے مولف میر صفر احمد بن حضرت محمد فضل اللہ حضرات گردیزی کی خانقاہِ معلّٰی میں حاضر ہوئے تھے اور وہاں اہل سنت کی تصانیف بطور درس پڑھائی جاتی تھیں، وہ خود حافظ ابراہیم بن مخدوم محمد یوسف رابع گردیزی کے درس میں شریکِ سبق ہوتے تھے۔

(مقاماتِ معصومی ۴/۳/۴۷۳/۲۰-۲۲)

گویا اس کتاب کی تکمیل ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء تک سادات گردیزیان کا خاندان شیعہ نہیں ہوا تھا۔

۸۔ خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے جب سادات گردیزی کے مزارات کی زیارت کے لئے آئے تو انہیں یہ جان کر تعجب ہوا کہ یہ خاندان شیعہ ہو چکا ہے، ان کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ صرف چار پشتوں سے شیعہ ہوئے ہیں، خواجہ صاحب نے اس خاندان کے اصحاب کی تصانیف میں خود پڑھا تھا کہ مخدوم اول شیخ محمد یوسف صرف ایک واسطے سے حضرت بایزید بسطامی کے مرید تھے، گویا یہ خانوادہ آغاز سے ہی سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ تھا، فرماتے ہیں:

"چون در ملتان رفتم سادات گردیزی نزدِ من به ملاقات آمدند ازو شان پرسیدم که چند مدت گذشته که به رفض مبتلا شده آید؟ گفتند چهارم پشت است و پیش ازیں در اجدادِ اوشان شائبه رفض هم نه بود و در کتابی از کتبِ گردیزیان نبشته دیده ام که سید یوسف گردیزی که جد کلانِ ایشان است بیك واسطه مرید حضرت بایزید بسطامی است و دروی بوی از رفض نه بوده است خاص سنی و صوفی بود

(ارشادات فریدی معروف بہ مقابلیس المجالس جامع رکن الدین محمد، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۱ھ، ص ۳۶)[1]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۴/۷۷۳-۳۸۱

Marfat.com

میر سید شرف الدین حسین لاہوری

میر شرف الدین حسین، حضرت خواجہ معصوم سرہندی کے فدویانِ مخصوص میں سے تھے، ابتداء میں ان کا مشقِ سلوک کا مدار وحدت الوجود پر تھا، اور عمر کے بڑے حصہ میں اسی میں روحانی لذت کو محسوس کرتے رہے، حضرت صاحبزادہ شیخ سیف الدین فرمایا کرتے تھے کہ میر شرف الدین ”تم تو اپنے وقت کے شیخ محی الدین ابن عربی ہو“۔

آخر انہیں حضرت خواجہ سے خلافت ملی اور انہیں لاہور میں متعین کیا گیا، وہ لاہور سے سال میں ایک دو مرتبہ سرہند حاضر ہوتے رہتے تھے، حضرت کے وصال کے بعد بھی موصوف اسی طریقہ پر کاربند رہے۔

میر شرف الدین کا خانوادہ بھی سید صحیح النسب تھا، ان کی خواتین بھی آپ سے اجازت یافتہ تھیں اور عورتوں کو روحانی مشق کرواتی تھیں۔

میر شرف الدین کی عمر اسی سال سے متجاوز ہوئی اور ۱۱۰۲ یا ۱۱۰۳ھ کو لاہور میں وصال ہوا، ان کی وفات کے دو تین سال بعد ان کی اہلیہ نے بھی وفات پائی اور یہ تمام افراد بلادِ لاہور میں دفن ہوئے۔[1]

افسوس کہ ہمارے پاس میر شرف الدین حسین لاہوری کے سالِ وصال کی تطبیق اور جائے مدفن کے تعین کے کوئی ذرائع نہیں ہیں۔

میر شرف الدین حسین لاہوری کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم کے چار مکاتیب میں سے تین وحدت الوجود اور اس کے مکاشفات میں احتیاط کرنے کی تلقین کے موضوع پر ہیں، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

”(میر شرف الدین) نوشته بودند مقدمهٔ همه اوست بر دل مستوی می شود و غالب می آید و ایں شکسته ملاحظهٔ شریعت نموده التماس کرده است که بهرچه فرمایند بوسعِ طاقت بران مستقیم باشد

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۷۵۔۴۷۶

Marfat.com

بلدۂ (لاہور) کہ قطبِ بلاد است نزدِ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

حضرت مجدد الف ثانی، قلیج خان کو لاہور کے بارے میں لکھتے ہیں:

در بلدۂ معظمۂ لاہور بوجودِ یاشاں بسیار از احکام شرعیه دریں طور زمانه رواجی پیدا کرده است و تقویت ایں و ترویج ملت دراں بقعه حاصل گشته است و آں بلده نزد فقیر، همچو قطب ارشاد است نسبت به سائر بلاد هندوستان خیر و برکتِ آں بلده بجمیع بلاد هندوستان ساری ست اگر آں جا دیں را ترویج است در همه جا نحوی از رواج متحقق است...... (۱/۶۷/۱۷۰)

''شرف الدین'' نام کی تین شخصیات کے نام حضرت خواجہ کے مکاتیب ہیں:

۱۔ میر شرف الدین حسین بن میر عماد ہروی (رک بہ مقاماتِ معصومی ۵۰۰) جامع مکتوبات معصومیہ جلد دوم

۲۔ شرف الدین سلطانپوری (تعلیقات بر مقامات معصومی ۳۸۹/۷)

۳۔ میر شرف الدین حسین اندجانی ثم لاہوری

دراصل صرف موخر الذکر شخصیت کا تعلق ہی لاہور سے تھا اور یہی زیر بحث بزرگ خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم ہیں، مکتوبات معصومیہ میں ان کے نام چار میں سے دو مکاتیب میں ان کی نسبت اندجانی ثم لاہوری تحریر ہے (۳/۱۰۵، ۱۷۴)، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اندجان سے لاہور میں آکر مقیم ہو گئے تھے، مولف مقامات معصومی نے بھی ان کے سال وفات کا ذکر کرتے ہوئے حسب معمول یہ نہیں لکھا کہ میر شرف الدین کا مولد و مسکن و مدفن لاہور ہے بلکہ لاہور کو ان کا مسکن و مدفن ہی بتایا ہے (۶/۴۷/۱۲۔۱۴)، نیز مقاماتِ معصومی کے ان الفاظ:

میر مشار الیه به خلافت حضرت ایشاں رضی اللہ عنہ صاحبِ مسندِ ارشاد گردیده در بلدۂ لاهور رسیده (۴۷۵/۲۲۔۲۳)

سے مترشح ہوتا ہے کہ سرہند سے خلافت دے کر انہیں لاہور میں متعین کیا گیا تھا، تاہم ان کا خانوادہ یا وہ خود ''اندجان'' سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔

Marfat.com

اندجان، اندیجان، اندکان (اندگان) شهریست در کنار درهٔ فرغانه در شمال شرقی شهر فرغنه (فرهنگ فارسی معین، برهان قاطع)

اندکان (اندجان) نام کے دوشہر ہیں بقول سمعانی:

اندکان، بفتح الألف و سکون النون و ضم الدال المهملة و فتح الکاف و فی آخرها النون، هذه النسبة الی اندکان وهی قریة من قری فرغانة واندکان قریه من قری سرخس ایضا. (الانساب ۱/۲۶۴)

اندجان (اندکان) ماوراءالنہر کے اس پُرفضا مقام کا بہت سے جغرافیہ نویسوں نے ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

۱۔ یاقوت: معجم البلدان ۱/۲۶۱

۲۔ ایضاً: المشترک ۲۶

۳۔ بابر، بادشاہ: بابرنامہ ۱/۳۔۴ (وبہ امداداشاریہ ترجمہ بیورج)

۴۔ لی سٹرنج: بلدان الخلافۃ الشرقیہ ۵۲۰، ۵۲۱

۵۔ بارٹولڈ: گزیدۂ مقالات تحقیقی ۴۵، ۴۸، ۵۱ (بامداداشاریہ)

۶۔ ایضاً: ترکستان نامہ ۱/۳۵۷

۷۔ رنجبر، احمد: خراسان بزرگ ۱۵۸ (وبہ بعد)

ہمارے پاس اس امر کے فیصلے کے لئے بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ میر شرف الدین حسین اندجانِ فرغانہ سے آئے تھے یا ان کا تعلق اندجانِ سرخس سے تھا، تاہم قیاس ہے کہ ان کا تعلق اندجانِ فرغانہ سے ہوگا۔

یہاں ایک امر کی وضاحت لازم ہے کہ مولانا محمد باقر لاہوری کے والد گرامی میر شرف الدین عباسی لاہوری مفتی بلدۂ لاہور (رک بہ تعلیقات مقامات معصومی ۴۵۵/۱۱۔۱۲) زیر بحث شخصیت میر شرف الدین حسین اندجانی ثم لاہوری سے مختلف ہیں، مولانا محمد باقر کے والد بھی حضرت خواجہ محمد معصوم کے مرید تھے، وہ یقیناً اپنے نامور فرزند کے وصال حدود ۱۰۹۰ھ سے قبل فوت ہوئے ہوں گے اور صاحبِ ترجمہ کا سالِ وصال حدود ۱۱۰۲ھ درج کیا گیا ہے (مقامات معصومی ۴۷۶/۱۲)، حضرت خواجہ نے میر شرف الدین اندجانی کی گرمی مجلس اور ان کے مریدین کا ذکر کیا ہے۔ (مکتوبات معصومیہ ۳/۱۷۴/۲۲۵)

Marfat.com

شیخ انور نور سرائی

شیخ انور، نور سرا سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں رہتے تھے، نور سرا، لاہور اور سرہند کے مابین سرِ راہ واقع تھی۔

موصوف، حضرت خواجہ محمد معصوم کی محبت میں فنا تھے، شریعت مطہرہ پر استقامتِ کامل رکھتے تھے، بہت کم وقت میں آپ کی صحبت کے اثرات کا ظہور ہو گیا، اس زمانہ میں جو آپ کی عمر کا آخری حصہ تھا، آپ کی روحانیت پورے عروج پر تھی، موصوف آپ کی خلافت کے مستحق ٹھہرے، انہیں ان کے وطن کی قطبیت کی بشارت بھی دی گئی تھی، وہ اسی حلاوت کے ساتھ وہاں گوشہ نشین تھے، موصوف حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ کے عرس میں شرکت کے لئے اپنے مستقر سے ہر سال سرہند حاضر ہوتے رہتے تھے۔

ان کا مولد، مسکن اور مدفن وہی مذکورہ قصبہ ہے، جو نور سرائے کے قریب واقع ہے، حضرت خواجہ کے تین مکاتیب شیخ انور کے نام ہیں، [۱] حضرت نے ان کی گرمی مجلس اور مریدین کے احوال کی تصدیق کی ہے۔ [۲]

روضۃ القیومیہ (۲/ ۴۳۵۔۴۳۶ قلمی) کے مولف نے نہایت اہم اطلاع دی ہے کہ شیخ انور نے حضرت خواجہ کے باطنی احوال پر کئی کتابیں تالیف کی تھیں، جن میں ایک کا نام "کثیر الہدایت" ہے، ہمیں اب تک اس کے کسی قلمی نسخے کی اطلاع نہیں ہے۔

نور سرا، ملکہ نور جہاں ملقب بہ نور محل کی تعمیر کردہ ہے اس لئے اسے سرائے نور محل کہا جاتا ہے، یہ سرائے پھلور سے ۲۰ رکلومیٹر مغرب میں جالندھر کے ایک چھوٹے سے قصبے میں واقع ہے، اس سرائے کی تعمیر ۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۸ء میں شروع ہوئی اور ۱۰۳۰ھ/ ۱۶۲۰ء کو مکمل ہوئی، جہانگیر بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ اس سرائے میں دو مرتبہ قیام کیا تھا، ملاحظہ ہو:

۱۔ مکتوباتِ معصومیہ ۳/ ۱۳۱، ۱۵۵، ۲۰۴ ۲۔ ایضاً ۳/ ۱۳۱/ ۱۸۳

Marfat.com

(۱) جہانگیر بادشاہ: جہانگیر نامہ ۳۸۵، ۴۴۰

(۲) علی الدین: عبرت نامہ ۹۴/۱

(3) Farooque, A.M: Roads and Communications in Mughal India, Dehli, 1977. p.98

(4) Gupta, H.R: Later Mughal History of the Punjab, p.229

(5) Mughal sarais in the Panjab and Haryana, (Panjab past and Present) April. 1982, pp.110-12

شیخ انور کے نام مکتوبات معصومیہ میں شامل تینوں مکاتیب (۳/۱۳۱، ۱۱۵، ۲۰۴) میں ان کی علاقائی نسبت ''نورسرائی'' ہی درج ہے۔

حضرت خواجہ نے شیخ انور نورسرائی کی گرمی مجلس اور ان کے مریدین کے احوال کی تصدیق فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

ظهورِ تاثیر توجه طلبه و گرمیٔ مجلس همه نیك و عالی است مطالعه آں خوش وقت ساخت (مکتوبات معصومیہ ۳/۱۳۱/۱۸۳)

مخدوما نسبتی که دارید و نقدِ وقت شماست به علو موصوف ست احتیاجِ تعین ندارد و از مشرف شدن به حقیقة الحقائق نوشته بودند نیك و روشن و مبارك است، از گرمیٔ مجلس و تاثیر صحبت که به قلم آورده اید شُکر خداوندی جل شانه برآں بجای آرید...... (ایضاً ۳/۲۰۴/۲۵۰)

روضۃ القیومیہ کے مولف نے نہایت اہم اطلاع دی کہ شیخ انور نورسرائی نے خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے باطنی احوال پر چند کتابیں تالیف کی تھیں، جن میں سے ایک کا نام کثیر الہدایت ہے، لکھتے ہیں:

از اصحاب خاص حضرت ایشان است سلوك باطن را بخدمت آنحضر حاصل کرده، خلافت یافت آنجناب اور بشارات عمده غایت کرده اند، شیخ از دل و

Marfat.com

جان معروف (در خدمتِ) حضرت امام معصوم بود و چند نسخه در احوال باطن آنجناب تصنیف نموده است یکی از آن جمله "کثیرالهدایت" است

(۲/۴۳۵۔۴۳۶، قلمی)

ہمیں اب تک شیخ انور کی کسی تصنیف اور خصوصاً ان کی کتاب ''کثیر الہدایت'' دراحوال حضرت خواجہ محمد معصوم کے وجود کا علم نہیں ہے۔

جن اصحاب کو حضرت خواجہ کے غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں شیخ انور بھی شامل ہیں۔

(مقاماتِ معصومی ۴/۲۴۹/۱۸۔۲۰)

Marfat.com

شیخ حسین منصور جالندھری

شیخ حسین منصور، حضرت خواجہ محمد معصوم کے اس زمانہ کے فیض یافتہ ہیں، جب آپ کا فیض شدید بارش کی طرح برس رہا تھا، آپ اس زمانہ میں آپ کے حضور بہرہ ور ہوئے تھے، چونکہ ان کی فطرت میں استعداد کی بلندی شامل حال تھی، اس لئے ان کا معاملہ دوسروں کے مقابلہ میں کامل سرعت کے ساتھ ظہور میں آیا، ان کے نام حضرت کے بہت سے مکاتیب جلد دوم وسوم میں شامل ہیں۔ [۱]

ان مکاتیب میں شیخ حسین کے نہایت دقیق سوالات کے جواب دیئے گئے ہیں، نیز ان میں حضرت خواجہ نے اپنے امراض کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت مروج الشریعت نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی نسبت ''برکی'' بھی لکھی ہے اور تحریر کیا ہے کہ ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے معارف کے دقائق، جن کا تعلق فنا وبقا، تجلی ذات وغیرہ سے ہے کو سمجھنے کی مہارت رکھتے تھے، انہوں نے اپنے جو مخصوص احوال مجھے بتائے ہیں وہ امورِ مخصوصہ میں سے ہیں، حضرت خواجہ ان کے احوال پسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ ولایت کبریٰ سے گذر کر ولایت اعلیٰ میں داخل ہو چکے ہیں۔ [۲]

موصوف ہر سال عرس کے موقع پر سرہند حاضر ہوتے تھے۔

حضرت مروج الشریعت نے شیخ حسین منصور کے بارے میں حضرت خواجہ کے تاثرات نقل کرتے ہوئے ان کے نام کے ساتھ ''برکی'' بھی لکھا ہے، فرماتے ہیں:

شیخ حسین منصور برکی علم فراوان به احوال و مواجید دارد و در دقائق معارف حضرت مجددالف ثانی را که در تحقیق فناوبقا و تجلی ذات به آن

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۲/۹۲، ۱۰۹، ۱۲۰/۳، ۱۲۰، ۲۰، ۳۵، ۹۹، ۱۳۰، ۱۶۴، ۲۰۰

۲۔ خزینۃ المعارف ۴۴/۴۴

Marfat.com

ممتاز اند به نظر بصیرت و وجدان نیك می آوردند و به آں متحقق است بعض امور مخصوصه را از احوالِ خود به فقیر بیان نمود که از نوادر عالم بود...... حضرت ایشان (خواجه محمدمعصوم) احوال او را می پسندیدند از ولایت کبریٰ گذشته در ولایت اعلیٰ داخل شده، چنانچه خود ایں معنیٔ دقیق را دریافته است، آنحضرت تصدیق او نمودند...... از حقائق و از تعین حبی نصیبی بوی ارزانی شده است

(خزینۃ المعارف۲۴/۴۴)

شیخ منصور کا مدفن ان کا قریہ جالندھر ہی ہے، ان کا مولد ومسکن بھی وہی تھا، کہتے ہیں کہ ان کے مزار سے عجیب قسم جلوہ اور انوار تاباں کا ظہور ہوتا ہے۔[1]

ا۔ شیخ حسین جالندھری کے یہ تمام تر حالات مقامات معصومی ۳/۳۷۸، ۴/۳۸۶۔۳۸۷ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

اخوند سجاول سرہندی

اخوند سجاول، سرہند کی ایک قریبی بستی مورندہ کے رہنے والے تھے، لیکن خود ان کا قیام سرہند میں ہی تھا۔

اخوند صاحب، حضرت خواجہ محمد معصوم کے قدیم اصحاب میں سے تھے، وہ پرہیزگار عالم وفاضل تھے، آپ کو ان پر بہت اعتبار تھا، آپ کو حضرت خواجہ سے بہت سی بشارات ملی تھیں، حضرت کے امر پر انہوں نے شرح وقایہ کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے خانوادہ کے اکثر صاحبزادگان اخوند صاحب کے شاگرد تھے، ان میں سے میر فضل اللہ (والد مولفِ مقاماتِ معصومی) شیخ سیف الدین سرہندی، شیخ عبداللطیف، شیخ عبدالاحد وحدت اور شیخ محمد صدیق بن حضرت خواجہ بھی آپ کے شاگرد تھے، حضرت خواجہ ان سے قرآن شریف بھی سنا کرتے تھے۔

ایک بار خود حضرت خواجہ ان کے قریہ چرک برکت میں ان کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے، یہ قریہ یقیناً ان کو اورنگ زیب کی طرف سے مدد معاش کے طور پر ملا ہوگا۔

حضرت خواجہ کے وصال پر انہیں حضرت خواجہ کو غسل دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔[۱] اخوند صاحب، حضرت مروج الشریعت کے ایک بار ہمسفر تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا تو اخوند صاحب نے ہی ان کو غسل دیا۔

اخوند صاحب کو وصال کے بعد روضۂ خواجہ کے جوار میں دفن کیا گیا، جس کے لئے وہ دعا کیا کرتے تھے۔[۲]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۲۴۹

۲۔ اخوند سجاول کے یہ تمام تر حالات مقاماتِ معصومی ۳/۴۸۰۔۴۸۱ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

اخوند سجاول آغاز جوانی میں ہی حضرت خواجہ سے وابستہ ہو گئے تھے، اورنگ زیب عالمگیر، حضرت مروج الشریعت کا بہت عقیدت مند تھا، اس کی خواہش پر آپ اس کے پاس دہلی گئے تو اخوند صاحب بھی ان کے شریک سفر تھے، آپ انہیں بادشاہ کی تربیت کے لئے ہمراہ لے گئے تھے، قریہ چرک اورنگ زیب نے انہیں مدد معاش کے طور پر دیا ہوگا۔[1]

مورندہ، سرہند سے تقریباً ۱۴ ارمیل شمال مشرق میں واقع ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے:

ا۔ گنڈا سنگھ: احمد شاہ درانی ۲۹۱ ۲۔ علی الدین: عبرت نامہ ۱/ ۳۲۲، ۴۱۰

۳۔ خوشونت سنگھ: ہسٹری آف دی سکھس ۱/ ۱۵۷، ۲۱۶

حضرت اخوند سجاول نے اس کے دیباچے میں ان امور کی خود وضاحت کی ہے، لکھتے ہیں:

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوة والسلام علیٰ خیر خلقہٖ مُحمّد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

بعد هذا می گوید احقر عباداللّٰه الغنی عبدالحق سجاول سرهندی که از ایامِ عنفوانِ جوانی...... توفیق الٰهی عزشانه به صحبت کثیرالبرکت قبلةالاقطاب...... شیخنا وسیدنا شیخ محمدمعصوم ادام اللّٰه تعالی ظلاله...... انفاسِ آنحضرت بقدرِ استعداد از فوائد صحبتها شگرف بهره مند می کردند...... بعنایت ایزدی جل شانه در ساعات فراغ ازاں صحبت نه خیلی بمطالعه کتب دیگر از طلبه علم داشتم و اشتغال برترجمه شرح وقایه می نمودم که در چنیں مطالعه مبتدین طلبه علم بکار آید و متوسلین ایشاں از شاگردانِ ایں فقیر در گفت و گوی دراز کرده بودند......

چو مرکوز خاطر بود که بعد از اتمام آں به عبارتی که تربب فهم مردم باشد نوشت بهماں طریق از سر نو کرده در سنه هزار و هفتاد و ششم اتمام نمود به مسائلِ شرح وقایه مسمّی گردانید، و چوں شروع و اتمام آں در آوان سلطنت محب العلماء الاتقیاء و معین الفقراء الغربا صاحب السیف زُهد و الورع والتوقیٰ سلطان

ا۔ مقاماتِ معصومی ۴/ ۳۹۱

Marfat.com

محمد اورنگ زیب شاہ عالمگیر بہادر بود تزین آن را بہ دُعا خیر آن لازم دیدہ بہ فقرۂ چند از دعای خیر آن بادشاہِ دیں پناہ دیباچہ ایں کتاب را مزیّن ساخت......

(خطی نسخہ کتاب خانہ گنج بخش، اسلام آباد، نمبر ۹۱۳۰)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ مترجم اخوند سجاول عنفوان جوانی سے ہی حضرت خواجہ سے وابستہ ہو گئے تھے۔

۲۔ مترجم خود مدرس تھے اور شرح وقایہ (عربی) مدرسۂ سرہند میں بھی بطور نصاب شامل تھی، جس کا انہوں نے مدرسہ کے طلبہ کے لئے فارسی میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ بھی مدرسۂ سرہند میں شامل نصاب تھا۔

۳۔ یہ ترجمہ ۱۰۷۶ھ میں حضرت خواجہ کے حین حیات ہی مکمل ہو گیا۔

۴۔ یہ ترجمہ اورنگ زیب کے نام معنون کیا گیا ہے، قدیم زمانے میں انتساب کا یہی قاعدہ تھا۔

۵۔ اس ترجمے کا نام ''مسائل شرح وقایہ'' ہے۔

مذکورہ قلمی نسخے کے علاوہ اس کتاب کے بہت سے خطی نسخے دُنیا کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، دو نسخے انڈیا آفس لائبریری ۲۵۹۱، ۲۵۹۲ Ethe-i-o میں ہیں، کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے، نولکشور، کانپور دو مرتبہ، دوم ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۶ء طبع بمبئی ۱۸۷۷ء دو جلد، کانپور ۱۸۷۳ء (مشار: فہرست کتابہائی چاپی فارسی ۱/۸۷۱)، اس کا آخری ایڈیشن مصباح الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کے نام سے دار العربیۃ للدعوۃ الاسلامیہ، منصورہ، لاہور، پاکستان ۱۹۸۴ء ہے۔

اخوند سجاول نے ہدایہ کی شرح بھی لکھی تھی، انڈیا آفس لائبریری میں اس کی صرف آخری یعنی چوتھی جلد کا خطی نسخہ محفوظ ہے، اس جلد کے ابواب وفصول کے لئے ملاحظہ ہو:

Ethe: Cat, Persian MSS, London, 1980, p.1389.

ڈی این مارشل نے لکھا ہے کہ مترجم نے یہ شرح بھی اورنگ زیب کے نام معنون کی ہے:

Mughals in India, p.8

اخوند سجاول کی علم فقہ پر ایک اور کتاب ''مسائل ضروریہ'' کے نام سے ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

Marfat.com

الحمدللّٰہ الحمید الحنان الذی خلقنا من الانسان و جعلنا من امة النبی آخرالزمان المخصوص سبقة دخول الجنان...... غریق بحرالعیان می گوید اضعف عباداللّٰہ تراب الاقدام اھل اللّٰہ و علماء باللّٰہ عبدالحق که معروف سجاول سرھندی است که ایں چند مسائل ضروریه از فیروزشاھی و کتب دیگر انتخاب نموده تحفه برای عزیزان ساخته است تاازیں بهره مند گشته...... اوراق ۳۲

(خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، نمبر ۵۴۴۸)

اکثر حضرات الاحمدیه را معلم بوده اند چنانچه...... حضرت وحدت...... بلااشتباه پیش اخوند (سجاول) خوانده اند......

حضرت وحدت نے خود اپنے ایک مکتوب بنام اخوند سجاول میں انہیں ''مخدومی واستاذی'' لکھا ہے۔ (گلشنِ وحدت ۲۶/۵۴)

اخوند سجاول، حضرت خواجہ کے اکابر اصحاب میں سے تھے، آغاز جوانی میں ہی حضرت خواجہ سے وابستہ ہو گئے (رک مسائل شرح وقایہ اقتباس سابقہ ۴۸۰/ ۹۔۱۱)، ان کا نام بعض مقامات پر ''عبدالحق'' ہی نقل کیا ہے، روضۃ القیومیہ (۲۴۶/۲) میں بھی عبدالحق ہی ہے، مارشل کو ان کا عرف سجاول خطی نسخے سے پڑھنے میں سہو ہوا ہے جو محض ناقل کی غلطی ہے، ''ذ'' اور ''و'' میں ناقل فرق نہیں کر سکا (حوالۂ سابقہ) یعنی انہوں نے ''سجادل'' پڑھ لیا ہے، جو غلط ہے، صحیح ''سجاول'' ہے۔

اورنگ زیب، حضرت مروج الشریعت کا بہت عقیدت مند تھا، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد جب اورنگ زیب کی خواہش پر حضرت مروج الشریعت اس کے پاس دہلی گئے تو اخوند سجاول بھی شریک سفر تھے، (مقاماتِ معصومی ۴۲۱/۴۔۵)، ہمارا قیاس ہے کہ خود اورنگ زیب نے بعض دینی مقاصد کے لئے اخوند سجاول کو دہلی طلب کیا ہو گا یا حضرت مروج الشریعت انہیں اورنگ زیب کی تربیت کے لئے ہمراہ لے گئے تھے، یہاں ''قریۂ خود کہ عوض معاش درآنجا داشتہ'' (۴۸۱/۴) سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ یہ قریہ اخوند سجاول کو اورنگ زیب نے بطور مدد معاش دیا ہو گا۔

Marfat.com

میر رفعت بیگ گرز دار

موصوف پہلے شاہ جہان بادشاہ کی ملازمت میں تھے اور اس کے گرز دار تھے، لیکن جلد ہی ملازمت سے دل اُچاٹ ہو گیا اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے مریدین میں شامل ہو گئے، حضرت کے خاص فدویوں میں شمار کیے گئے اور آپ کی خلافت سے کے حق دار ٹھہرے اور پھر اپنے حوصلہ واستعداد کے مطابق فیض یاب ہوئے، اسی اثنا میں ان پر ''غیبت'' کا غلبہ ہوا، جس سے انہیں کئی قسم کی روحانی لذتیں محسوس ہوئیں، ہر لذت اپنی لطافت اور نشاۃ کے اعتبار سے بے کیف تھی۔

انہیں، حضرت خواجہ سے کئی قسم کی بشارات ملیں، آپ کے مکاتیب میں ان کا اندراج موجود ہے، [1] آپ فرماتے تھے کہ رفعت بیگ ہمارے یاران مخصوص میں سے ہیں، موصوف ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے، جس میں انہیں بڑی حلاوت محسوس ہوتی تھی، یہی وہ مقام ہے جسے فنا وبقا کہا جاتا ہے۔

میر رفعت بیگ کے ایک فرزند میاں لشکری تھے، جو والد کے حین حیات ہی فوت ہو گئے، حضرت خواجہ نے ان کی وفات پر ایک خط میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [2]

...... (میررفعت بیك)...... گرزدارِ طلائی شاہ جھان بادشاہ بود......

گرز اور گرز دار کے مفہوم کے لئے دیکھئے:

(۱) فخر مدبر: آداب الحرب والشجاعت ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۷

(۲) ابوالفضل: آئین اکبری ۱/ ۱۳۸ (تحت آئین قورخانہ)

(۳) محمد معین: فرہنگ فارسی

(۴) صباح الدین عبدالرحمٰن: ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ۴۳

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۱/ ۳۸، ۴۰، ۸۱، ۳/ ۵۲، ۷۶

۲۔ ایضاً ۳/ ۵۲/ ۸۳ میر رفعت کے یہ حالات مقامات معصومی ۳/ ۴۸۲۔ ۴۸۳، ۴/ ۳۹۱، ۳۹۲ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

میر رفعت بیگ کے ایک بیٹے میاں لشکری تھے، جو والد کے حین حیات ہی فوت ہوگئے، حضرت خواجہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس کی وفات کا ذکر کیا ہے:

......از ارتحالِ فرزند میاں لشکری مرقوم نمودہ بودند و انواع تالم از فرقتِ او ظاہر ساختہ...... حق سبحانہ اجر جزیل دھد...... ونعم البدل کرامت فرمايد......

(مکتوبات معصومیہ ۳/۵۲/۸۳)

میر رفعت گرزدار کے حالات صوفیہ کے تذکروں اور کتب تاریخ میں نہیں مل سکے، حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل پانچ مکاتیب ان کے نام ہیں: ۱/ ۳۸، ۴۰، ۸۱، ۳/ ۵۲، ۷۶

حضرت خواجہ نے اپنے ایک مکتوب میں میر رفعت بیگ کے احوال پر تحسین فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

از احوالِ باطن نگاشتہ بودند از اعراض از ظل بالکل و او بزوال و نیستی آوردن آں و ازل ظل باصل گردیدن...... اکثر اوقات از سرورِ آں کیفیت عجیبہ رُوح می خواھد کہ از قالب پرواز نماید درآں وقت عجب حالتِ بی خودی و نیستی دست می دھد کہ شرح آں از بیان خارج ست...... مطالعہ آں (عریضۂ میر رفعت) محظوظ و متلذذ ساخت احوال درست و سنجیدہ است و بیشتر حصول حقیقتِ فنا ھر درجہ کہ ازیں دولت میسر آید مبارك ست......

(مکتوبات معصومیہ ۳/۷۶/۱۲۱)

Marfat.com

شیخ پیر دہلوی

شیخ پیر دہلوی، دہلی کے اکابر میں سے تھے، اللہ کریم کی طرف سے سعادت ملی تو حضرت خواجہ محمد معصوم سے ارادت پیدا ہوگئی، موصوف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی اصطلاح ''تجلی ذات'' پر استقرار رکھتے تھے اور اسی کو ہی سلوک کی انتہا تصور کرتے تھے لیکن حضرت خواجہ کی نظر عنایت سے وہ اس تنگ نائے سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور حضرت مجدد الف ثانی کی تشریح کے مطابق ''تجلی ذات'' کی منازل پر پہنچے۔

حضرت خواجہ کے صاحبزادگان بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے، حضرت حجۃ اللہ کا ایک مکتوب ان کے نام ہے، [1] حضرت خواجہ سیف الدین، سلطان عبدالرحمٰن کو لکھتے ہیں کہ شیخ پیر دہلوی ان دنوں دہلی میں ہیں، ان کی صحبت کو غنیمت جان کر ان کی صحبت اختیار کرو۔ [2]

شیخ پیر محمد دہلوی کے متعلق سب سے اہم معلومات ان کے معاصر بزرگ شیخ مراد تنگ کشمیری نے دی ہیں کہ شیخ محمد مراد اپنے مرشد حضرت وحدت کے ہمراہ ان کے گھر تشریف لائے، انہوں نے یہ اہم ترین اطلاع دی ہے کہ شیخ پیر محمد دہلوی نے صاحبزادگان کے حکم کے مطابق اورنگ زیب کی صحبت اختیار کی تھی۔ [3]

حضرت خواجہ کا ایک مکتوب پیر محمد دہلوی (صحیح نام پیر محمد) کے نام ہے۔ [4]

شیخ پیر محمد دہلوی کی حضرت خواجہ سے ''وحدت وکثرت'' کے موضوع پر مراسلت بھی ہوئی تھی، حضرت خواجہ انہیں لکھتے ہیں:

> رهائی تام از تعلیقات کثیره کثرت میسر آید و جمالِ وحدتِ حقیقی پرده نه کشاید وحدت و کثرت ضد یك دیگرند سالك هر چند جهات کثرت با خود

۱۔ وسیلۃ القبول ۱/۱۰۷/۱۱۶ ۲۔ مکتوبات سیفیہ ۴۳/۶۲، ۱۰۳/۱۳۵

۳۔ تحفۃ الفقراء قلمی ۲۷۔۳۷، نیز مقامات معصومی ۳/۴۸۴

۴۔ مکتوبات معصومیہ ۳/۱۴۶

Marfat.com

دارد و باحکام کثرت در آویخته است از وحدت دور و مهجور است......

(مکتوبات معصومیہ ۲/۹۰)

شیخ پیر محمد دہلوی، حضرت خواجہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، صاحبزادگان بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے، حضرت حجۃ اللہ کا ایک مکتوب ان کے نام ہے، جس میں آپ آخری سفرِ حج کا ذکر وحدودِ سفر کا تذکرہ کیا ہے۔(وسیلۃ القبول ۱/۱۰۷/۱۱۶)

حضرت خواجہ، سیف الدین سلطان عبدالرحمٰن کو لکھتے ہیں کہ شیخ پیر محمد دہلوی ان دنوں دہلی میں مقیم ہیں، ان کے وجود کو غنیمت جان کر ان کی صحبت اختیار کریں:

یکسر کمالات دستگاه میاں شیخ پیر دراں شهر مغتنم اند گاه گاهی اگر هم صحبت شده باشند بغایت احسن است (مکتوبات سیفیہ ۴۳/۶۲)

اپنے ایک مکتوب بنام خواجہ محمد شریف بخاری میں لکھتے ہیں:

حقائق آگاه میاں شیخ پیر خیلی اظهار رضامندی از شما نموده بودند ایں سبب فرحت تام گردیده...... (ایضاً ۱۰۳/ ۱۳۵)

شیخ پیر محمد کے بارے میں سب سے اہم معلومات ان کے معاصر بزرگ حضرت شیخ محمد مراد تنگ کشمیری نے دی ہیں، شیخ محمد مراد اپنے مرشد گرامی حضرت وحدت کے ہمراہ ان کے گھر، دہلی میں گئے تھے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرات صاحبزادگان کے حکم کے مطابق شیخ پیر محمد دہلوی نے اورنگ زیب کی صحبت اختیار کی تھی، فرماتے ہیں:

فضیلت و مشیخت پناه حقائق آگاه شیخ پیر محمد که از جمله خلفای حضرت قطب الاقطابی شیخ محمدمعصوم قدس سره بود بامر حضرات صحبت دار ظل سبحانی هم چندی بود و آمد و رفت اوقات معینه داشت، مردی آگاه بود واقفِ علوم و خوش خلق و خوش همه چیز بود، در دهلی قدیم می بود در رکاب سعادت حضرت قطبی مرشد محرر به خانهٔ ایشان رسیده بود،

Marfat.com

مردی صاحبِ فناوبقا و حامل کمالات بدید ظل سبحانی از اوضاع ایں معارف آگاھی راضی و شاکر می بود و اعزۂ دیگر از حضرات نیز رضامند بودند و به توسطِ وی حل مشکلات مردم دربار می شد رحمة اللہ علیه رحمة واسعة

(تحفۃ الفقراء، قلمی ۷۲۔۷۳)

نیز دیکھئے مقدمۂ کتاب مقاماتِ معصومی ''خلفاءِ حضرت خواجہ محمد معصوم اورنگ زیب کی مصاحبت میں''۔

مولف نزہۃ الخواطر (۵/ ۹۷، ۹۸) نے لکھا ہے کہ شیخ پیر محمد جنیدی، شیخ احمد دیوبندی (خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی) کے تربیت یافتہ تھے، وہ جنید من اعمال حصار (پنجاب) میں مقیم ہو گئے، اورنگ زیب انہیں اپنے ہاتھ سے خط لکھتا اور ان کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا۔

ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ یہی شیخ پیر محمد دہلوی ہیں، ممکن ہے وہ شیخ احمد دیوبندی کے وصال کے بعد حضرت خواجہ سے منسلک ہو گئے ہوں اور انہیں دہلی میں قیام کرنے کا حکم دیا گیا ہو جیسا کہ شیخ محمد مراد کشمیری کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے حضرت کے حکم کے مطابق اورنگزیب کی صحبت اختیار کی اور دہلی میں مقیم ہوئے۔

مکتوبات معصومیہ کی جلد سوم کا مکتوب ۱۴۶ ؍جن شیخ میر دہلوی کے نام ہے وہ یہی شیخ پیر دہلوی ہیں، پیر کی بجائے ''میر'' سہو کتابت معلوم ہوتا ہے، اس مکتوب میں حضرت خواجہ کے منقولہ بالا مکتوب کے مندرجات کا اعادہ بھی ہے کہ وحدت الوجود کی منزل تنگ سے تمہیں ترقی ہو اور اس تنگ نای سے نکلو۔

Marfat.com

شاہ حسین عشاق اورنگ آبادی

اگرچہ آپ کا وطن مولود صحیح طور پر معلوم نہیں ہے لیکن ان کا قیام اورنگ آباد (دکن) میں تھا، انہوں نے سلوک کی مشق کا آغاز حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ شیخ ابوالمظفر برہانپوری کی خدمت میں رہ کر کیا، جب وہ اعتبار کے قابل ہوگئے تو انہوں نے شاہ حسین عشاق کو اپنے شیخ حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا، وہ آپ کی توجہات کا مرکز بنے اور بلا واسطہ خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت کے حین حیات آپ سات مرتبہ سرہند حاضر ہوئے، ہر مرتبہ انہیں ایک ہفتہ سے زیادہ وہاں قیام میسر نہ آیا، پہلی مرتبہ جب حاضر ہوئے تو ان کی داڑھی نہیں آئی تھی، حضرت نے شیخ ابوالمظفر سے فرمایا کہ اس بچے کی استعداد کا خیال رکھنا، بس یہی دو الفاظ آپ نے فرمائے، اُسی دن سے شیخ میرے حال پر زیادہ مہربان رہنے لگے، حضرت شیخ سے اس جوان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا "حسین" آپ نے فرمایا کہ "شاہ حسین عشاق"، یہ بات انہوں نے خود مقاماتِ معصومی کے مولف سے اس وقت بیان کی تھی، جب وہ خود دکن کے قلعہ پرینده میں موجود تھے، انہوں نے مزید کہا کہ میری عمر مسنون ہوگی، حضرت مجدد الف ثانی اور میرے شیخ اول ابوالمظفر کی عمر بھی یہی تھی، چنانچہ ان کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں حدود ۱۱۰۹ھ ہوا، ان کا مدفن ان کا بلدہ اورنگ آباد ہی ہے۔[۱]

شیخ حسین کی ملاقات خواجہ محمد زبیر سرہندی سے بھی ہوئی تھی۔[۲]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۸۵

۲۔ روضۃ القیومیہ ۴/ ۱۵ (اردو ترجمہ) بحوالہ مقامات ۴/ ۳۹۵

Marfat.com

خواجہ عبدالصمد کابلی

خواجہ عبدالصمد، حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلفاء نامدار میں سے تھے، موصوف افغانستان کے بزرگ زادوں میں سے تھے، وہ سب کچھ ترک کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے منظور نظر بنے، ولایت ظلی واصلی سے سرفراز ہوئے، کمالاتِ نبوت میں سے بھی کچھ حصہ ملا، خلافت یاب ہو کر اپنے وطن کو لوٹے، انہیں متعدد مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی، مسافروں کو نوازنے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔

ان کا مولد قریہ دیہ یعقوب تھا، جو کہ کابل سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے، وہاں انہوں نے ایک عمدہ خانقاہ بنا رکھی تھی، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ کی اولاد کی مہمانداری کا التزام کرتے تھے، آخری عمر میں حج بھی کر لیا تھا، واپس وطن آئے اور وہیں آ کر فوت ہوئے۔

ان کا سالِ وفات ۱۱۰۸ھ ہے، دیہ یعقوب کے باغیچوں ہی سے ایک باغ میں آپ دفن ہیں [۱]

حضرت خواجہ عبدالصمد کابلی، حضرت خواجہ محمد معصوم کے اکابر خلفاء میں سے تھے، جنہیں افغانستان میں بہت مقبولیت ہوئی، حضرت خواجہ کے یہ چھ مکاتیب ان کے نام ہیں:

۱/۴۳، ۸۳، ۱۸۸، ۳/۳۱، ۱۵۶، ۲۱۴

حضرت خواجہ اور خواجہ عبدالصمد کے مابین بڑی موانست تھی، حضرت خواجہ فرماتے ہیں:

یاران و همنشینان که پار و پارسال یك جاهم سفر و هم بستر بودند و مونس و همدم کجاشدند...... (مکتوبات ۳/۱۵۶/۲۱۰)

حضرت مروج الشریعت لکھتے ہیں:

خواجه عبدالصمد کابلی دریں مرتبه از ترقیاتِ وی بسیار می فرمودند بعد فنای

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۸۷

Marfat.com

نفس بعض امور دیگرهم می فرمودند، بعد ازیں بسیار در خدمت عالی گذرانیده و ترقیات نموده چنانچه بحصول کمالات ولایتِ کبریٰ ممتاز گردیده و تعین بعض مقامات قرب ازآں حضرت دربارۂ مشارٌ الیه مسموع گردیده

ومن اعظم کمالاته حصول حظ مرعن مرتبة العالی المعبر بالخُلة والصباحة وانه ابراهیمی المشرب علٰی صاحبها الصلوٰة والسلام و از اخص کمالات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللّٰه تعالٰی عنه نصیب کامل یافته که تفصیل آں را دفتری باید...... (خزینۃ المعارف ۲۴/۴۳-۴۴)

حضرت مروج الشریعت کا ایک عربی مکتوب ''فنا وبقا'' کے دقائق پر خواجہ عبدالصمد کے نام ہے:

الی جناب زبدة السالکین مورد عنایات الاحد خواجه عبدالصمد کابلی فی دقائق الفناء والبقاء ومع ما یتعلقه من الاسولة والاجوبة (ایضاً ۱۰/۲۰)

حضرت مروج الشریعت کے دو اور مکاتیب شیخ عبدالصمد کے نام ہیں، ایک میں بیان استغنای محبوب حقیقی......(۱۶/۶)، دوسرے میں ترغیب بہ زیارت روضۂ منورہ......(۵۰/۷۳)

خواجہ عبدالصمد کابلی کے بیٹوں نے اورنگ زیب کے ہاں ''نوکری'' کر لی تھی، حضرت حجۃ اللہ اپنے ایک مکتوب بنام اورنگ زیب میں ان کے فرزندوں کی ملازمت کی سفارش کی ہے۔(۱/۴۹، ۱۰۵/۱۱۵)

Marfat.com

شیخ عبدالکریم کابلی

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے قدیم خلفاء میں سے تھے، کابل جیسے مرکزی علاقہ میں حضرت خواجہ کے کئی خلفاء دعوت وارشاد میں مصروف تھے، شیخ عبدالکریم کو بھی حضرت خواجہ نے وہاں کی قطبیت سے سرفراز کیا تھا، آپ نے شیخ کے احوال پر ایک مکتوب میں اطمینان کا اظہار کیا ہے اور انہیں استقامت کی تلقین کی ہے۔ ۱

حضرت مروج الشریعت کے دو مکاتیب شیخ کابلی کے نام ہیں:

اول بہ ولایت پناہ معرفت انتباہ خدمت شیخ عبدالکریم کابلی در بیان معارفی کہ بہ کلمۂ مطہرہ مطہر اتم تعلق دارد کہ در عبارات مشائخ کرام در نعت سید انام علیہ وعلی آلہ الصلوۃ واکمل السلام...... (خزینۃ المعارف ۶/ ۲۸۔۳۱)

دوم...... حقائق آگاہ شیخ عبدالکریم کابلی در حصول بشارتِ اسرار مختصۂ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ دربارۂ حضرت ایشان باحضرت مروج الشریعت یعنی تبدل دنیا بہ آخرت...... (ایضا ۲۵/ ۴۶۔۴۷)

ایک مکتوب میں انہیں کلمۂ مطہرہ کے بارے میں لکھا ہے، ۲ دوسرے میں حصولِ بشارت اسرار مختصۂ حضرت مجدد الف ثانی سے متعلق ہے۔ ۳

حضرت مروج الشریعت، حضرت خواجہ کے خلفاء کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:

شیخ عبدالکریم روزی (حضرت خواجہ محمدمعصوم) فرمودند کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ آں قدر بایں مرد (شیخ عبدالکریم کابلی)

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۲/ ۱۴/ ۴۱

۲۔ خزینۃ المعارف ۶/ ۲۸۔۳۱

۳۔ ایضا ۲۵/ ۴۶۔۴۷

Marfat.com

مهربانی می نمایند به کم کسی ازیاران مهربانی می نمایند در سفر دیگر به حصول ولایت کبریٰ بل نصیبی از کمالاتِ نبوت وی را ممتاز گردانیدند و مناسبت او را به مرتبۂ ارشاد بسیار می فرمودند، دریں سفر از حقیقت کعبۂ حسناء و از حقیقت، قرآنی بهره برداشته و به آں ممتاز گردیده (ایضاً ۴۳/۲۴)

شیخ کابلی کے بارے میں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے ان پر بہت مہربانیاں کی ہیں کہ کسی دوسرے پر کم کی ہوں گی، ایک سفر میں تو انہیں ولایت کبریٰ بلکہ کمالاتِ نبوت کے حصول کے لئے ممتاز قرار دیا ہے، انہیں حقیقت کعبۂ حسنا اور حقیقت قرآن سے بہرہ ور بتایا گیا ہے۔[1]

شیخ عبد الکریم کابلی، حضرت خواجہ کے معروف خلفاء میں سے تھے، آپ نے ایک مکتوب میں ان کے احوال پر اطمینان کا اظہار فرمایا ہے:

استقامت اوضاع شما که گوش زد می شود و سبب مسرت گردد...... احوال و ترقیات خود نوشته بودید رسید مضامین آں به وضوح انجامید...... شکر آں بجا آرند...... (۲/۱۴/۴۱)

۱۔ ایضاً ۴۳/۲۴

Marfat.com

شیخ قاسم کابلی

شیخ قاسم، صوفی مغربی کے فرزند تھے، موصوف حضرت خواجہ محمد معصوم کے منظورِ نظر اور آپ کے روحانی اسرار سے کامل واقفیت رکھتے تھے، آپ نے انہیں بلند مرتبہ بشارات سے نوازا تھا، موصوف اصالت کے حصول کے بھی دعویٰ دار تھے۔ ا

ملا قاسم نے سلوک کی تعلیم کا آغاز حضرت خواجہ سیف الدین کی خدمت میں کیا تھا، ان کے والد صوفی عبداللہ مغربی حضرت خواجہ کے خلیفہ تھے، آپ نے انہیں خلافت دے کر مغرب بھیجا تھا، جہاں بہت سے اصحاب ان سے فیض یاب ہوئے۔ ۲

حضرت خواجہ کا ایک ہی مکتوب شیخ قاسم کابلی کے نام ہے، جس میں آپ نے انہیں تصفیۂ عناصر اربعہ کے حصول پر خوشی کا اظہار کیا ہے...... ۳

حضرت خواجہ سیف الدین نے حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک عریضہ میں ان کے داخل سلسلہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ۴

ا۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۸۹
۲۔ مکتوبات معصومیہ ۲/ ۲۴۴
۳۔ ایضاً ۳/ ۲۳۵/ ۲۸۲
۴۔ مکتوبات سیفیہ ۲/ ۱۱

Marfat.com

مُلا محمد امین حافظ آبادی

ملا محمد امین، حضرت خواجہ محمد معصوم کے بزرگ خلیفہ مفتی محمد باقر لاہوری کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے سلوک کی مشق کا آغاز اپنے برادر بزرگ کی خدمت میں کیا، لیکن عرصہ دراز تک حضرت خواجہ کی خدمت میں گذارا، آپ کی معرفت سے حصہ کامل پایا، انہیں اصالت، جو کہ محبوبیت ذاتی کا درجہ رکھتی ہے، حاصل ہوگئی تھی۔

ملا محمد امین کو حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات پر عبور کامل حاصل تھا، انہوں نے حضرت شیخ سیف الدین سے ''مکتوب خوان'' کا خطاب پایا تھا۔

موصوف حضرت خواجہ سے خلافت یاب ہوکر اپنے مستقر حافظ آباد میں عرصہ دراز تک دعوت وارشاد میں مصروف رہے، آپ علم ظاہری وباطنی کے جامع تھے، چونکہ ان کا قیام لاہور کے مضافاتی قصبہ حافظ آباد میں تھا اس لئے اکثر وہاں سے اپنے برادر گرامی مفتی محمد باقر کے پاس لاہور آتے جاتے رہتے تھے۔

ان کا مولد، مسکن اور مدفن حافظ آباد ہی ہے، [۱] ملا محمد امین کے نام حضرت خواجہ کے چار مکاتیب ہیں، [۲] حضرت شیخ سیف الدین کے دو مکاتیب ملا محمد امین کے نام بھی ہیں، ایک مکتوب (۱۲۱/۸۱) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روحانی تربیت آپ ہی کے سپرد تھی۔

ایک مکتوب میں مفتی محمد باقر کو شیخ سیف الدین نے لکھا ہے کہ انہیں استہلاک واضمحلال نصیب ہوگیا ہے، [۳] ملا محمد امین کے بعض احوال مفتی محمد باقر لاہوری کے حالات کے ذیل میں مذکور ہیں۔

۱۔ مقامات معصومی ۳/۴۹۰

۲۔ مکتوبات معصومیہ ۲/۱۱۶، ۱۵۵، ۳/۱۰۲، ۱۹۶

۳۔ مکتوبات سیفیہ ۲۲/۱۵۱

Marfat.com

شیخ عطاء اللہ سورتی

شیخ عطاء اللہ، حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلفاء میں سے تھے، انہوں نے قرآن مجید کی کتابت کے ذریعہ رزقِ حلال حاصل کرنے کی باقاعدہ حضرت خواجہ سے اجازت لی تھی۔ ۱

انہوں نے قرآن شریف کے تین نسخے ایسے عمدہ تیار کئے تھے کہ اُن میں سے ایک نسخہ سید المرسلین ﷺ کے روضۂ شریفہ کے لئے بھیجا، دوسرا حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی کے روضہ میں رکھوایا اور تیسرا حضرت خواجہ محمد معصوم کے روضہ کے لئے تیار کیا تھا، ۲ حضرت خواجہ کے روضہ کا نسخہ مدتوں وہاں رہا، جس کا طول دو گز اور عرض ایک گز سے زیادہ تھا۔ ۳

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عطاء اللہ، حضرت خواجہ کے لئے بھی کتابت کرتے تھے، انہوں نے سلسلہ کے شجرات کی بھی کتابت کر کے کئی نسخے سرہند بھیجے تھے۔ ۴

شیخ سورتی کے دو فرزند بھی تھے، ایک فضلی اور دوسرے شیخا، دونوں ہندی کے اچھے شاعر تھے۔ ۵

شیخ سورتی کا زیادہ قیام اورنگ آباد میں رہتا تھا، وہیں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ۶

۱۔ مکتوبات معصومیہ ۳/ ۸۸/ ۱۳۰

۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۹۱

۳۔ روضۃ القیومیہ ۲/ ۲۴۱ (اردو ترجمہ)

۴۔ مکتوبات معصومیہ ۳/ ۸۸/ ۱۲۱

۵۔ روضۃ القیومیہ ۲/ ۲۴۱

۶۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۹۱

Marfat.com

شیخ نور محمد سورتی

حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلفاء میں سے تھے، انہیں اعلیٰ بشارات سے نوازا گیا تھا، پہلی صحبت میں ہی انہیں فنا ومحویت حاصل ہوگئی، اس وقت ان کے چہرہ سے موسم گرما کی طرح پسینہ بہہ رہا تھا، دوسری صحبت میں ان کی بشارت سو درجہ ترقی پر تھی، انہیں خلافت سے نوازا گیا، موصوف اپنے وطنِ مولود (سورت، بمبئی) میں مسندِ ارشاد پر متمکن تھے کہ پیغام اجل آپہنچا، آپ اپنے شہر ہی میں دفن کئے گئے۔[۱]

شیخ نور محمد سورتی، ملا عطاء اللہ سورتی کے دوستوں میں سے تھے، حضرت خواجہ نے اپنے ایک مکتوب بنام ملا عطاء اللہ سورتی میں لکھا ہے کہ تینوں طالبوں کو شیخ نور محمد توجہ دیں تو بہتر ہے۔[۲]

حضرت خواجہ کا ایک مکتوب شیخ نور محمد سورتی کے نام ہے، جس میں انہیں اوقات ''ذکر وفکر'' میں گزارنے کی تلقین کی گئی ہے۔[۳]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۹۲ ۲۔ مکتوبات معصومیہ ۳/۸۸/۱۳۱

۳۔ ایضاً ۳/۲۸/۷۵، مقامات ۴/۴۰۳

Marfat.com

حافظ محسن سیالکوٹی

حافظ محسن، معانی بلند اور کمالاتِ ارجمند کے مالک تھے، موصوف حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلافت یافتہ تھے، حضرت ان کے احوال پسند کرتے اوران کے اقوال کی تعریف کرتے تھے، حضرت خواجہ کے خلیفہ مفتی محمد باقر لاہوری کے ساتھ ان کے اچھے تعلقات تھے، اپنی حیثیت سے بڑھ کر مہمان کی خدمت کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کے درس کا خاص اہتمام کر رکھا تھا، حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے چند سال بعد ان کا انتقال ہوا۔ [۱]

محسن نام کی دو شخصیتیں حضرت خواجہ سے منسلک تھیں، ایک مولانا محسن سیالکوٹی اور دوسرے حافظ محمد محسن دہلوی، موخرالذکر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے تھے، ان سے حضرت سید نور محمد بدایونی نے استفادہ کیا اوران سے حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید نے، [۲] ان دونوں حضرات کے نام حضرت خواجہ کے مکاتیب ہیں، حافظ محسن دہلی ہی میں رہے، وہیں وفات ہوئی اوراپنے جداعلیٰ شیخ محدث کے جوار میں دفن ہوئے، ان کا سیالکوٹ سے کوئی تعلق نہیں تھا، جب کہ مولانا محسن سیالکوٹی کے دہلوی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، مکتوبات معصومیہ کے جامعین نے واضح الفاظ میں ایک کا نام مولانا محسن سیالکوٹی [۳] اور دوسرے کا نام حافظ محمد محسن لکھا ہے۔ [۴]

حضرت خواجہ کا ایک مکتوب بنام مولانا محسن سیالکوٹی ہے، جس کا موضوع ''ذکر کمالی کہ مناسب مقام جمع است......'' [۵] ہے۔

حضرت خواجہ سیف الدین نے اپنے مکتوبات میں ملا محمد محسن سیالکوٹی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۹۳
۲۔ مقاماتِ مظہری ۴/۴۰۴
۳۔ مکتوبات معصومیہ ۲/۴۸/۸۰
۴۔ ایضاً ۲/۶۷/۱۱۰
۵۔ ایضاً ۲/۴۸

Marfat.com

"چوں کمالات دستگاہ شیخ محمدمحسن سیالکوٹی کہ خود را در اعلاء کلمۂ حق فدا ساختہ است و امر معروف و نہی منکر شیوۂ مرضیۂ اوست بہ جہت تبلیغ بعضی امور دینی متوجہ ملازمت است......" (مکتوبات سیفیہ ۱۲۴/۸۵)

اخوند ملامحسن سیالکوٹی دریں مدت کہ در ایام عرس آمدہ بود بحصولِ کمالات نبوت اشارہ نمودند (ایضاً ۱۷۲/۱۹۸)

حضرت مروج الشریعت، ملامحسن سیالکوٹی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ملامحسن سیالکوتی، دریں سفر بکمالات نبوت مبشر شد، یک مرتبہ ہماں روزی کہ از وطن آمدہ بود وی را آں حضرت (خواجہ محمدمعصوم) طلبیدند؛ بعد از برخاستن بہ فقیر (حضرت مروج الشریعت) فرمودند کہ متوجہ وی شدم دیدم کہ خلعتی عالی و بہ انوار مزین وی را عنایت شد، معلوم شد کہ خلعتِ قطبیتِ ارشاد بود امّا مقید بہ بقعۂ وطن وی شکرِ ایزدی جل شانہ بجاآوردند...... (خزینۃ المعارف ۲۴/۴۴-۴۵)

حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہ نے اپنے ایک مکتوب "درذکر بعضی احوال یاران کہ حضرایشاں بہ آں حضرت (خواجہ سیف الدین) درمیان آوردہ اند" میں حافظ محسن اور اخوند ملامحسن سیالکوٹی الگ الگ ذکر کیا ہے (۱۷۲/۱۹۷-۱۹۹)، جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں، نیز صاحبِ مقاماتِ معصومی نے جو نہایت باشعور مولف تھے، ملامحسن سیالکوٹی کے احوال میں انہیں حضرت شیخ محدث کی اولاد میں نہیں بتایا اور نہ ہی ان دونوں اصحاب کے احوال کو ایک دوسرے سے ملانے کا سہوان سے ہوا ہے بلکہ انہوں نے حضرت خواجہ کے خلفاءِ دہلی میں سے مولانا محسن کا الگ ذکر کیا ہے۔ (۴۹۸)

روضۃ القیومیہ میں اخون میر محسن سیالکوٹی اور ان کے خلیفہ حافظ نور محمد کا بھی ذکر ملتا ہے (۲/۲۳۸)۔ میر محسن سیالکوٹی کے خلفاء نے خواجہ محمد زبیر سے بیعت کر لی تھی خصوصاً حافظ نور محمد سیالکوٹی مذکور (ف ۱۱۵۱ھ) کے خلفاء شیخ محمد سعید سیالکوٹی (۴/۲۹۸)، شیخ محمد اعظم سیالکوٹی (۴/۳۰۳)، استاذ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ و میرزا مظہر جان جاناں شہید (مقاماتِ مظہری بامدادِ اشاریہ)، صوفی عبدالرحیم سیالکوٹی (روضہ ۴/۳۰۳)۔

Marfat.com

خواجہ محمد شریف بخاری وخواجہ عبداللطیف

خواجہ محمد شریف بخاری اور خواجہ عبداللطیف دونوں بھائی حضرت خواجہ پر اعتقاد میں محکم بنیاد تھے، انہوں نے اپنے اخلاص کے غلبہ کے باعث سرہند شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی،

......خواجہ محمد شریف بخاری...... نوکریٔ بادشاهی هم ساخته و گرزدار گردیده......

اگرچہ انہوں نے بادشاہ کی نوکری بھی کی تھی اور گرزدار بن گئے تھے۔

لیکن ان کے خاندان یہیں (سرہند) میں آباد رہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ اسی بلدۂ طیبہ (سرہند) میں دفن ہیں۔

یہ محمد شریف وہی ہیں کہ جن کا حضرت خواجہ کے مکتوب مقدس بنام خلد مکان (اورنگزیب) میں نام آیا ہے، اس مکتوب محبوب میں سے دو تین سطریں یہاں نقل کر رہا ہوں:

آپ کا فرمان (مکتوب) عالی شان جو کمال عنایت ومہربانی کے ساتھ قلم عنبریں رقم سے لکھا گیا تھا خواجہ محمد شریف بخاری نے عزیز ترین زمانہ میں پہنچایا، انتہا کلامہ۔

ان دونوں بھائیوں سے اور بھی روایات منقول ہیں لیکن طوالت کے خیال سے تحریر نہیں کی گئیں۔

......فرمان علی شان که از کمالِ عنایت و مهربانی مرقوم قلمِ عنبرین رقم گشته بود خواجه محمد شریف بخاری در اعزّ اسمنه رسانید و فقرای بی نوا را به تشریفات علیه بنواخت......

حضرت خواجہ کے تین مکاتیب خواجہ محمد شریف بخاری کے نام ہیں:

ایک مکتوب ان کے اذواق کے بارے میں ہے (۲/۱۳۶/۲۳۰-۲۳۱)، دوسرا مکتوب درنصائح ہے کہ خواجہ عبداللہ نے جو کچھ لکھا ہے اسی کے مطابق استخارہ کرو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے خواجہ عبداللہ

Marfat.com

بخاری کے زیر تربیت تھے۔(۳/۶۹/۱۱۱)

تیسرے مکتوب میں ہے:

بعد ازاں گویند کہ این نسبتِ محبوبیت ست بر تو مبارك بادبشارت ست

شگرف اگر از قوت بفعل آید (۳/۱۵۱/۲۰۵)

حضرت خواجہ سیف الدین کے مکاتیب بنام خواجہ محمد شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے خواجہ محمد شریف کو تربیت کے لئے حضرت خواجہ سیف الدین کے سپرد کر دیا تھا، حضرت خواجہ سیف الدین کے بیس مکاتیب خواجہ محمد شریف بخاری کے نام ہیں: مکتوباتِ سیفیہ ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۶۸، ۱۹۰۔

ایک مکتوب میں خواجہ محمد شریف کی بیوی کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مرحومہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے ''معتقدات خاص'' میں سے تھیں (۱۰۵/۱۳۶)، ایک مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ محمد شریف بخاری کو حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی (۱۱۱/۱۴۱)، حضرت خواجہ سیف الدین نے انہیں بہت سی بشارات دی تھیں، جن میں حقائق ثلاثہ کی بشارت بھی شامل ہے (۱۱۵/۱۴۳)، انہوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے وصال پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا تھا۔ (۱۹۰/ ۲۰۸)

روضۃ القیومیہ میں ہے کہ خواجہ محمد شریف بخاری، حضرت خواجہ کے خلیفہ ہیں، آپ نے انہیں ولایات ثلاثہ، کمالات نبوت اور حقائق ثلاثہ کی خوشخبری دے کر خلافت عنایت فرمائی۔ (۲/۲۴۳)

ان کے بھائی خواجہ عبداللطیف کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

Marfat.com

صوفی پائندہ محمد کابلی وملا پائندہ محمد کابلی

صوفی پاینده محمد کابلی مشهور به صوفی پاینده طلائی است......

صوفی پائندہ محمد کابلی قدس سرہ، جوکہ صوفی پائندہ طلائی کے نام سے مشہور ہیں، قبلۃ الاولیاء (حضرت خواجہ) کے معتبر اصحاب میں سے گزرے ہیں، حضرت خواجہ کے تین مکاتیب (۳/ ۱۸، ۲۰۲، ۲۱۲) ان کے نام ہیں۔

ایک مکتوب میں انہوں نے اپنے احوال لکھے تو ان پر مسرت کا اظہار فرمایا ہے:

نوشته بودند که خود را دریں ایام داخل تعین حبی می یابد بلکه از مرکز هم بهره مفهوم می شود و در سکوت تنها و در حلقهٔ یاران که در مراقبه می شوم تمام را نور محمدی علیه و علی آله الصلوة والسلام فرومی گیرد، مخدوما ایں نسبت علیه حکم عنقاءِ مُغْرَبْ دارد عقل و هوش از تصر آں می لرزده، الله تعالیٰ حصول ایں معنی را مبارك و میمون گرداند...... (۳/۲۰۲/۲۴۸)

حضرت مروج الشریعت لکھتے ہیں:

صوفی پاینده از یاران مخصوص آنحضرت است و به وصول مراتب کمال مبشر است بل به ولایت کبریٰ وبه مافوق آں متحقق است (خزینہ۲۴/۴۶)

حضرت خواجہ سیف الدین صوفی پائندہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

جناب ارشاد پناهی صوفی پایندهٔ مجد معلوم نمایند که بشارتِ تعین حبی در حضورِ حضرت ایشاں در حق شما مفتح شده بود، الحال امید ست که ترقیات بی اندازه فوق آں تعین نموده باشند (مکتوبات سیفیہ ۵/۱۳)

حضرت خواجہ سیف الدین کے ساتھ ان کی خوب ''نشست وبرخاست'' تھی، فرماتے ہیں:

Marfat.com

امّا آں جماعت (خلفاءِ حضرت خواجه محمد معصوم) که بایں مسکین نشست و برخاست دارند ازآں جمله حقائق آگاه صوفی پاینده که دائره ولایت ثلاثه را قطع نموده و به وصول به کمالاتِ نبوت استعداد یافته و از آں جا ترقی نموده به حقیقت کعبهٔ ربانی حقائقِ خاص بهم رسانده بآں مقام علی مزین گشته متوجه فوق است (ایضاً ۱۶۹/۱۹۳) به وصول کمالات نبوت و جامعیت تام در حق صوفی پاینده عنایت نمودند چندگاه چند صحبت باصوفیٔ مذکور بازداشته شد تا آنکه مناسبتی به کعبهٔ ربانی مفهوم گردید دریں سال شبی بعد از نماز عشا که بسط عظیم رو داده بود عنایت خاص جلوه گر شده مجلسِ سکوت با صوفی مبشر شد و چناں متخیل گشت که مناسبت مذکور در ازدیاداست بلکه تحقیقی به انوار کعبه نیز متخیل شد و صوفی هم معلوم ایں معنی که در مشاهده که بانورِ عظیم از انواراتِ کعبه که حقیقت آں فوق حقائق بایں زمین و آسمانی را مملو ساخت خود را دراں مستغرق دید چوں به سمع حضرت ایشاں (خواجه محمدمعصوم) رسانیدیم تصدیق نمودند

(ایضاً ۲/۱۷۲، ۱۹۸۔۱۹۹)

حضرت شیخ محمد مراد ننگ کشمیری جو سرہند میں صوفی پاینده سے ملے تھے لکھا ہے کہ حضرت وحدت سرہندی کے ساتھ بھی صوفی پاینده کی صحبت رہتی تھی، لکھتے ہیں:

مردی عزیز و معروف و صاحبِ ولایت و محل کمالات احمدیه و از جناب عروۃالوثقی (خواجه محمدمعصوم) مجاز بود محرر در سرهند وی را دیده خدا آگاه بود در طریقه کامل مع هذا عجب عمل داشت فیض بخش مسلمانان و فرح ده طالبان که عند سوالِ سائلان پارچه کاغذی در دهن می کرد و روپیه مضروب بر می آورد و به محتاجان می داد از حضرت مرشدی (وحدت

Marfat.com

سرهندی) استفسار رفت که این عمل از حضرات بیافت و باز جای دیگر فرمودند که این عمل است از مایان نیافت چون قصد پیشاور نمود درآن زمان یکی از یاران محرر بوط (کشمیر) متوجه تابه گجرات در خدمت ایشان بود چون صوفی بطرف پیشاور رفت مشارٌ الیه اظهار کم خرچی خود به نمود به عمل مذکور روپیه از دهان برآورده بوی داد و وی صرف حوائج خود به نمود و به وطن خویش رسید، اکنون مدتی است که در شهر مذکور برحمت حق پیوست۔ (تحفۃ الفقراء ۳۳-۳۴)

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ شیخ محمد مراد کشمیری نے صوفی پاینده کا مسکن و جای وصال پشاور بتایا ہے نیز انہوں نے ان کے تذکرے کا عنوان بھی صوفی پاینده پشاوری ہی لکھا ہے لیکن مقاماتِ معصومی میں ہے کہ وہ کابل میں مدفون ہیں (۲۴/۵۰۱)، ممکن ہے مدت تک پشاور میں رہے ہوں اور وہیں انتقال ہوا ہو اوران کی نعش کابل منتقل کر دی گئی ہو۔

صوفی پاینده کابل سے عراق بھی گئے تھے (رک مقامات معصومی ۳۴۴)

ملاپاینده محمد کابلی...... هرچند اول از یاران خواجه محمد حنیف بوده اما ثانیاً به شرف صحبت آن قبلهٔ ارباب (خواجه محمدمعصوم قدس سره) معرفت سرافراز گردیده و به خلافت ممتاز...... (مقاماتِ معصومی ۳/۵۰۱)

ملا پاینده محمد کابلی کے حضرت خواجہ محمد حنیف کابلی سے استفادے کا ذکر مکتوبات معصومیہ میں بھی ملتا ہے، حضرت خواجہ، خواجہ محمد حنیف کابلی کو لکھتے ہیں:

کتابتی که مُلّا محمد در تبیین احوال خود به شما نوشته نیز رسیده آنچه نوشته است از حصول نسبتِ بی کیفی و بی رنگی و ترتب لذات بران تمثل نفسِ اماره و...... همه به وضوح انجامید چیزهای عالی و دل پذیراست (۲/۲۰/۴۷)

حضرت خواجہ نے محمد حنیف کابلی کے وصال پر ملا پاینده محمد کو تعزیت نامہ بھی لکھا تھا (۳/۱۷۸/۲۲۸۔

Marfat.com

۲۲۹) اس مکتوب میں ''دراعزای خواجہ مرحوم'' سے مراد یہی مولانا خواجہ محمد حنیف کابلی مکتوب الیہ کے مرشد اوّل ہیں۔

حضرت مروج الشریعت کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ عثمان کولابی اور عبدالواحد قیام خانی سے بھی ملا پایندہ محمد کے تعلقات تھے۔ (خزینہ ۲۶/۴۸، ۳۶/۸۸)

مجمع البحرین نام کا ایک شجرۂ طریقت ''پایندہ محمد کابلی'' کا ہے، لیکن اس کے متن سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ دو ہم نام کابلی خلفا حضرت خواجہ محمد معصوم یعنی صوفی پایندہ محمد اور ملا پایندہ محمد میں سے کس کی تالیف ہے، مجمع البحرین کے اس فقرے سے:

کسب فیوض و برکات اوّل از اکابر ایں سلسلۂ علیہ نصیب او گردید ثانیاً از خدمتِ زبدۃالعارفین و قطب المحققین میاں محمد معصوم رحمۃاللہ علیہ اخذ نمودہ (صفحہ ۵)

ان دونوں حضرات میں سے ملا پایندہ محمد نے حضرت خواجہ سے منسلک ہونے سے پہلے خواجہ محمد حنیف کابلی سے استفادہ کیا تھا (منقولہ بالا اقتباسات مکتوبات معصومیہ)، اس لیے قیاس ہے کہ مجمع البحرین ملا پایندہ محمد کابلی کی تالیف ہے، اس کے مرتب جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے بھی اس امر کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ ان دونوں حضرات میں سے کس کی تالیف ہے غالباً ان کو رسالہ مرتب کرتے وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ اس نام کے دو اصحاب ہیں، اگر ڈاکٹر صاحب مکتوبات معصومیہ پر نظر ڈال لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ صوفی اور ملا دو شخصیات تھیں تاہم انہوں نے بغیر کسی دلیل کے ان کے نام مولانا پایندہ لکھ دیا ہے۔

روضۃ القیومیہ کے مولف نے دونوں کا فرق یوں سمجھایا ہے کہ صوفی پایندہ اپنی کرامت مضروب زر (روپیہ بنانا) کی وجہ سے ''پایندہ طلائی'' کہلاتے تھے اور دوسرے چونکہ پلاس کے پتے بُن کر لباس بنا لیتے تھے، اس لئے انہیں ''پایندہ پلاش پوش'' کہا جانے لگا، تاہم انہوں نے دونوں کے نام کے ساتھ صوفی ہی لکھا ہے (۲/۲۳۹)، جو مکتوبات معصومیہ کے مندرجات سے متضاد ہے۔

Marfat.com

ان کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر خلفا میں سے کوئی زرد رنگ کا کاغذ لے کر آتا تو آپ اس کی اشرفی بنا دیتے اور اگر کاغذ سفید ہوتا تو اس سے روپیہ ظاہر ہو جاتا، ہاں فرماتے تھے کہ البتہ اشرفی بنانے میں زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے اور بڑی سخت توجہ صرف کرنا پڑتی ہے، ان کے نام حضرت خواجہ کے مکاتیب میں بشارتیں بھی درج ہیں۔

ملا پایندہ محمد کابلی اگرچہ آغاز میں خواجہ محمد حنیف کابلی کے مریدین میں سے تھے لیکن بعد میں انہیں قبلۂ ارباب معرفت (حضرت خواجہ) کی صحبت میسر آئی اور وہ خلافت سے ممتاز کیے گئے، یہ دونوں پایندہ کابل میں ہی مدفون ہیں۔

صوفی عبدالرؤف کابلی

صوفی عبدالرؤف کابلی، جن کا مولد و مسکن قریہ سنجت درہ ہے، جو کہ دامنۂ کوہ بلدہ، کابل کے مشہور قریوں میں سے ایک قریہ ہے، وہ پہلے خواجہ محمد حنیف (کابلی) کے مریدین میں شامل تھے، لیکن بعد میں پہلے تو خواجہ (محمد حنیف) کی رفاقت میں اور پھر بغیر رفاقت کے سرہند شریف حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ کی صحبت کی برکات سے بہرہ ور ہو کر خلافت یاب ہوئے۔

میر عرب ماہ

اسی طرح میر عرب ماہ بھی، جو کہ میوہ خاتوں سے متصل ایک قریہ مارکی سے تعلق رکھتے تھے، حضرت خواجہ کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔

Marfat.com

صوفی سعداللہ کابلی

صوفی سعداللہ کابلی، حضرت خواجہ کے معروف خلفاء میں سے تھے، حضرت خواجہ سیف الدین نے حضرت خواجہ کے خلفاء کے احوال بیان کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھا ہے:

صوفی سعداللّٰہ بعد از آمدن جھان آباد خیلی ترقی نمود، بعد از اندك مدت بحصولِ ولایتِ علیا مبشر گردانیدند (مکتوبات سیفیہ ۱۷۲/۱۹۸)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مندرجہ ذیل پانچ مکاتیب صوفی سعداللہ کابلی کے نام ہیں:

مکتوب اول: در احوال و مکاشفات و تحسین برآں (۲/۱۳۵/۲۲۸-۲۳۰)

دوم: در تعبیر وقائع و شرح احوال او...... این احوال خوب و پسندیده است و لوازم و ملائماتِ فنای نفس ست.لیکن...... (۳/۲۶/۵۵)

سوم: در شرح اذواق و احوال او که نوشته بود (۳/۳۹/۷۱-۷۲)

چهارم: در جواب وقائع روشن او...... (۳/۴۲/۷۴)

پنجم: در تعبیر وقائع و تحسین احوال او...... (۳/۵۹/۹۷)

صوفی سعداللہ اپنے وطن (کابل) سے بڑی سعادت کے ساتھ سرہند شریف آئے اور حضرت خواجہ کی بشارتوں سے مبشر ہو کر رحمت حق میں پیوست ہوئے۔

میاں شیخ عبدالخالق

صاحب کمالات میاں شیخ عبدالخالق قدس سرہ کو رعایت خان صوبہ دار بنگال کی التماس پر خلافت دے کر بنگالہ بھیجا، لیکن رعایت خان نے بہت بدقسمتی سے ان کی قدر نہ کی۔

Marfat.com

حاجی امان اللہ لاہوری

حاجی صاحب لاہور میں کامل مسکنت کے ساتھ رہتے تھے، موصوف نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کی تھی اور وہاں سے جو عنایات آپ کو ملی تھیں، حاجی صاحب کو بھی ان کی استعداد کے مطابق حصہ ملا تھا، ان کا انتقال حدود ۱۱۱۰ھ کو ہوا اور لاہور میں ہی دفن ہیں، [۱] ان کے حالات لاہور کے علماء وصوفیہ کے تذکروں میں نہیں ملتے۔

شیخ محمد فاروق لاہوری

شیخ لاہوری صاحب اسرار ومعانی تھے، ان کے چہرہ سے نور نکلتا ہے، اگرچہ ان کی ظاہری آنکھیں خراب ہو چکی ہیں، لیکن ان کی باطنی نظر پوری طرح روشن ہے، اور وہ لوگ جو بینا ہیں وہ کور باطن حضرات سے بھی بہتر باطنی نظر رکھتے ہیں۔

مقاماتِ معصومی کے مولف نے ان کی چند کرامات کا مشاہدہ کیا تھا، [۲] لاہور کے علماء ومشائخ تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

۱۔مقاماتِ معصومی ۴۹۶/۳

۲۔ایضاً ۴۹۶/۳

Marfat.com

شیخ محمد عارف لاہوری

یہ بھی حضرت خواجہ محمد معصوم کے مقیم لاہور خلفاء میں سے تھے، ان کو آپ نے ولایت علیا کی بشارت دی تھی، آپ نے اپنے خلیفہ مفتی محمد باقر لاہوری کو اپنے مکتوب میں لکھا کہ محمد عارف کو ولایت علیا سے مناسبت پیدا ہوگئی ہے لیکن ان کا مسکن ولایت کبریٰ میں ہوگا، ابھی چندروز میں دیگر مقامات کا علم ہوگا۔[۱]

حضرت خواجہ کا صرف ایک ہی مکتوب شیخ محمد عارف لاہوری کے نام ہے، جوان کے عریضہ کے جواب میں ہے کہ آپ کے احوال پسندیدہ کا علم ہوا، جسے پڑھ کر روحانی لذت محسوس ہوئی۔[۲]

مذکورہ مکتوب سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ شیخ محمد عارف لاہوری، حضرت خواجہ کے خلیفۂ نامدار مفتی محمد باقر لاہوری سے وابستہ ہوکر سلوک کی مشق میں مصروف تھے، پھر انہی کی تحریک وسفارش سے حضرت نے انہیں خلافت سے نوازا، حضرت خواجہ سیف الدین نے بھی اپنے ایک مکتوب بنام مفتی محمد باقر لاہوری میں شیخ محمد عارف لاہوری کا ذکر کیا ہے، حضرت مروج الشریعت نے لکھا ہے کہ شیخ محمد عارف لاہوری حضرت کے ''یاران مخصوص'' میں سے ہیں۔[۳]

شیخ محمد عارف لاہوری کے نام حضرت خواجہ کا صرف ایک مکتوب ہے جس میں لکھتے ہیں:

آنچہ از احوالِ پسندیدۂ خود نوشتہ بودند...... مطالعۂ آں محظوظ و متلذذ ساخت...... (۲/۵۰/۸۳۔۸۴)

حضرت خواجہ نے اپنے مکاتیب بنام مفتی محمد باقر لاہوری میں شیخ محمد عارف لاہوری کے باطنی احوال تحریر فرمائے ہیں، جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ پہلے مفتی محمد باقر کے حلقہ میں تھے اور انہیں کی سفارش و تحریک پر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۳/۱۲۸/۱۷۷، ۱۵۰/۲۰۴)

۱۔مکتوبات معصومیہ ۳/ ۱۲۸، ۱۵۰/۲۰۴ ۲۔ایضاً ۲/۵۰/۸۴

۳۔خزینۃ المعارف ۲۴/۴۰، مقاماتِ معصومی ۳/ ۴۹۶، ۴/ ۴۰۹

Marfat.com

حضرت خواجہ سیف الدین نے بھی اپنے ایک مکتوب بنام مفتی محمد باقر میں شیخ محمد عارف لاہوری کا تذکرہ کیا ہے، جس سے مندرجہ بالا بیان کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔(مکتوبات سیفیہ ۱۳۰/ ۱۵۷)

مولف روضۃ القیومیہ (۲/۲۴۳) نے حضرت خواجہ کے خلفاء میں ایک حاجی عارف کا ذکر کیا ہے، ان کے نام حضرت خواجہ کے مکاتیب بھی ہیں لیکن یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہی لاہوری بزرگ تھے، اسی طرح بغیر نسبت کے مکتوب (۲/۲۴۴) پر مولانا عارف کا نام بھی آیا ہے۔

میر حسین متخلص بہ عارف لاہوری کا تعلق بھی عہد اورنگ زیب سے ہے (فرحت الناظرین ۱۷۶، پاکستان میں فارسی ادب ۲/ ۲۱۷) لیکن یہ زیر بحث شیخ محمد عارف لاہوری سے بالکل مختلف شخصیت ہیں۔

Marfat.com

مولانا محمد امین بخاری ثم پشاوری

مولانا محمد امین بخاری پشاوری، حضرت خواجہ محمد معصوم کے عمدہ اصحاب میں سے تھے، موصوف آپ کے ''طالبانِ مقبول'' میں سے تھے، ان کی اچھی باتیں حضرت کو پسند تھیں۔ [۱]

حضرت خواجہ کے موصوف کے نام چار مکاتیب ہیں، [۲] جن میں ان کے احوال پر تحسین کی گئی ہے، روضۃ القیومیہ میں ان کو حضرت خواجہ کے ''صاحب جذب قوی'' خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ [۳]

ان کے مدفن کا صحیح علم نہیں ہے۔ [۴]

حاجی سلیم بلخی

حاجی سلیم، حضرت خواجہ کے مقبول خلفاء میں سے تھے، انہیں خلافت دے کر علاقہ بلخ کی طرف روانہ کیا گیا، جہاں مدت دراز تک آپ حضرت خواجہ کے خلیفہ کی حیثیت سے دعوت وارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے، ان کا انتقال وہیں ہوا۔ [۵]

ان کی نسبت ''بخاری ثم پشاوری'' کسی مکتوب میں بھی نہیں لکھی گئی، مکتوب اوّل میں تو ان کے نام کے ساتھ کوئی نسبت ہے ہی نہیں فقط مقامات معصومی میں اس مکتوبات کے اقتباس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ مکتوب بھی ان کے نام ہے، موخر الذکر تینوں مکاتیب میں ''میر محمد امین بخاری'' اور (۲/ ۲۸) میں ''سیادت پناہ میر محمد امین بخاری'' درج ہے۔

ان مکاتیب میں مولانا محمد امین بخاری حضرت خواجہ کے ''صاحبِ جذب قوی'' خلیفہ ہیں (۲/۲۴۳)

حاجی سلیم بلخی، بلخ کے مشائخ میں سے تھے، ان کے نام حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل تین مکاتیب ہیں: ۲/ ۵۵، ۶۰، ۱۳۸

موخر الذکر مکتوب میں ان کے ایک مرید حاجی احمد ترک کا ذکر بھی کیا گیا ہے، یہ مکاتیب مکاشفات اور بشارات علیہ سے پُر ہیں۔

۱۔ مقامات معصومی ۳/ ۴۹۷ — ۲۔ مکتوبات معصومیہ ۱/ ۱۱۹، ۲/ ۲۸، ۱۲۷، ۳/ ۲۹

۳۔ روضۃ القیومیہ ۲/ ۲۴۳ — ۴۔ مقامات ۳/ ۴۹۷ — ۵۔ ایضاً ۴۹۷

Marfat.com

حاجی محمد عاشور بخاری

حاجی محمد عاشور بخاری، حضرت خواجہ کے رازداروں میں سے تھے، انہیں طالبوں کو توجہ دینے کی صدارت پر متعین کیا گیا تھا، مکتوبات معصومیہ کی جلد ثالث اور حضرت کے اذکار یومی ولیلی آپ ہی نے مرتب کئے تھے۔

......جلد ثالث از مکتوباتِ شریفه (خواجه محمدمعصوم) را بحسب الایمای مخدوم زادهٔ ثانی حضرت حجةالله قدسنا الله سبحانه بسره الاقدس جمع فرموده......

حاجی محمد عاشور اس امر کی خود وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

بحسب اشارهٔ صاحب و صاحبزادهٔ جهان منبع بحر العرفان...... مخدوم و مخدومزادهٔ ارجمند حضرت خواجه محمدنقشبند...... متصدی جمع آن گردید...... (۳/۵)

حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی حجۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم اور حاجی محمد عاشور بخاری میں بڑی موانست تھی، حضرت حجۃ اللہ نے حاجی عبداللہ کے نام اپنے مکاتیب میں حاجی محمد عاشور کا ذکر کیا ہے، ایک مکتوب میں اپنے مریدین افغانستان کو سلام لکھتے ہوئے ملا عاشور کا نام بھی لکھا ہے (وسیلۃ القبول ۲/۱۳/۳۰)، دوسرا خط حضرت حجۃ اللہ کے آخری سفر حج سے متعلق ہے، جس میں سفر کے حدود و تاریخ سے حاجی عبداللہ، ملا سکندر اور ملا عاشور کو آگاہ کیا ہے۔ (ایضاً ۲/۶۳/۱۰۴-۱۰۵)

حاجی محمد عاشور بخاری کے نام حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل چار مکاتیب موجود ہیں:

اول: درآنکہ کلمہ طیبہ توحید متضمن خلاصۂ تمام سلوک است...... (۱/۱۴۵/۲۹۶/۲۹۷)

دوم: در بعضی اسرار غامضہ (۲/۳۴/۵۸)

سوم: دربیان طریق اہل اللہ و خلاصۂ سیر و سلوکِ ایشاں و بیان فنای لطائف عالم امر و بقا آنہا (۳/۴/۱۵-۱۷)

Marfat.com

چہارم: در بیان طریق توجہ (۲۹۲/۲۵۱/۳)

حضرت خواجہ کے حین حیات حاجی محمد عاشور بخاری ماوراء النہر خصوصاً بخارا ہی میں متعین اور تربیتِ طلاب میں مصروف تھے، حضرت خواجہ نے اپنے مکاتیب بنام تیمور بیگ کولابی میں انہیں حاجی محمد عاشور کی خدمت میں رہ کر تعلیم سلوک کی تکمیل کا حکم دیا ہے:

عددی که اخوی حاجی محمدعاشور به شما نوشته اند بر طبق آن عمل نمایند و از جانب مابطریق سفارت بآنها طریقه بگویند...... (۲۳۶/۱۶۸،۱۲۶/۸۲/۳)

مکتوباتِ معصومیہ کی جلد اول میں حاجی محمد عاشور بخاری کے نام مکتوب (۱/۱۴۵) میں ان کے نام کے ساتھ لفظ "حاجی" نہیں لکھا گیا، یہ جلد ۱۰۶۳ھ میں مکمل ہوئی لیکن دوسری جلد میں ان کے نام کے ساتھ جامع نے "حاجی" لکھا ہے (۱۳۲،۳۴/۲) اور تیسری جلد کے منقولہ بالا اقتباس میں تو حضرت خواجہ نے خود ان کے نام کے ساتھ لفظ "حاجی" بھی تحریر کیا ہے اور تیسری جلد کے دیباچے میں اپنے نام کے ساتھ خود بھی حاجی لکھا ہے، دوسری جلد ۱۰۷۲ھ میں اور تیسری ۱۰۷۳ھ میں تکمیل کو پہنچیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حاجی محمد عاشور نے پہلی جلد کی تکمیل ۱۰۶۳ھ کے بعد اور دوسری جلد کی تدوین ۱۰۷۲ھ سے پہلے حج کیا، عین ممکن ہے کہ حضرت خواجہ کے ہمراہ ۱۰۶۸ھ میں یہ سعادت نصیب ہوئی ہو۔

حاجی محمد عاشور بخاری، حسینی سید تھے، انہوں نے اپنا پورا نام اس طرح لکھا ہے:

اضعف عباد اللہ الباری حاجی محمد عاشور بن حاجی مرزا محمد البخاری الحسینی (۲/۳)

دوسری جلد کے جامع، جو خود حسینی سید تھے یعنی میر شرف الدین حسینی ہروی نے بھی ان کا نام:

سیادت پناہ جامع جلد ثالث حاجی محمد عاشور بخاری (۵۸/۳۴/۲)

لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری جلد کی ترتیب ۱۰۷۲ھ کے دوران ہی حاجی محمد عاشور نے مکتوبات معصومیہ کی تیسری جلد کی تدوین کا آغاز کر دیا تھا اور اس سے اگلے سال ۱۰۷۳ھ میں یہ جلد مکمل ہوگئی، "مکاتیب قطب زماں" سے اس کا سال تدوین برآمد ہوتا ہے۔ (۵/۳)

حاجی محمد عاشور بخاری شاعر بھی تھے، ان کی نثر و نظم دونوں کا نمونہ ان کی مرتبہ مکتوبات معصومیہ کی جلد

Marfat.com

سوم کا دیباچہ ہے، جس میں نثر کے علاوہ دس اشعار کی ایک نظم، تین قطعات اور ایک رباعی بھی ہے، لیکن انہوں نے اس میں یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ اشعار خود ان کی تصنیف ہیں، غالب گمان ہے کہ یہ اشعار انہیں کے ہیں۔

حضرت خواجہ سیف الدین نے حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں اورنگ زیب کی صحبت میں رہتے ہوئے جو عریضے ارسال کئے تھے ان میں لکھا ہے کہ حاجی عاشور بھی آپ کی ''عنایاتِ خاص'' کے امیدوار ہیں۔(مکتوبات سیفیہ ۴/۱۳)

جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حاجی محمد عاشور کو سلوک کی مشق کے لئے حضرت خواجہ سیف الدین کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا، نیز حضرت خواجہ سیف الدین نے ان کے نام کے ساتھ بخاری کی بجائے ''بلخی'' لکھا ہے، ممکن ہے وہ اصلاً بخارا کے ہوں اور بلخ میں مقیم رہے ہوں۔

''در سال ہزار و صد و ہفت بہ رحمت حق پیوستہ در دارالخلافہ شاہ جہان آباد آسودہ است''

ان کا انتقال دہلی میں ۱۱۰۷ھ کو ہوا، وہیں دفن ہیں۔[1]

ہمیں کسی ذریعہ سے بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ دہلی میں آکر کب اور کیوں مقیم ہوئے تھے؟ ممکن ہے اورنگ زیب کی مصاحبت میں رہتے ہوں، مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم نے انہیں کولاب میں متعین کیا تھا[کولاب، یکی از پرگنات بدخشان است (تذکرہ ہمایوں واکبر ۱۰۴)]، کولاب کے قدیم محل وقوع ومباحث کے لئے دیکھئے:

۱۔ بارتولد: گزیدۂ مقالات بامداد اشاریہ

۲۔ تعلیقات عرشی بر تاریخ اکبری ۲۸۷

۳۔ تعلیقات مینورسکی بر حدود العالم ۴۲، ۲۰۵

۴۔ تاریخ بدخشان بامداد اشاریہ (رک تعلیقاتِ حاضر ۵/۸۹)

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۹۸

Marfat.com

حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات مذکورہ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بخارا میں حاجی عبداللہ کے ہم نشین تھے، گویا حاجی محمد عاشور، بخارا، بلخ اور کولاب میں مقیم رہے اور حضرت حجۃ اللہ کے تیسرے سفرحج کے بعد دہلی آئے ہوں گے، ممکن ہے ان کے ہمراہ آئے ہوں۔

حاجی محمد عاشور بخاری خطاط بھی تھے، ان کا خط نہایت پختہ اور پاکیزہ تھا، مولانا محمد سالم بن حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی کے کتب خانہ (کوئٹہ، پاکستان) میں فصل الخطاب کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، حضرات مجددیہ کو یہ نسخہ ناقص الآخر حالت میں دستیاب ہوا تھا، حضرات نے حاجی محمد عاشور بخاری سے اس کی تکمیل کے لئے کہا تو انہوں نے اس پر عمل کیا، نسخہ کے آخر میں انہوں نے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

خانقاہ مجددیہ قلعہ جواد، کابل میں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا جو متبرک نسخہ حضرت خواجہ محمد معصوم (جس کے بعض اوراق کا عکس کتاب مقاماتِ معصومی میں شامل ہے)، اس پر تحریر تملیک انہیں حاجی محمد عاشور بخاری کی ہے، اسی طرح خانقاہِ نقشبندیہ سراجیہ کندیاں (پاکستان) میں انیس الطالبین کے خطی نسخہ پر بھی ان کے دستخط ہیں، فصل الخطاب کے نسخۂ مذکورہ کے آخری اوراق کا خط اور انیس الطالبین کا خط ایک جیسا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انیس الطالبین کا مکمل نسخہ انہیں حاجی محمد عاشور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

مکتوبات معصومیہ کی جلد ثالث کے علاوہ حاجی محمد عاشور بخاری نے حضرت خواجہ کے رسالہ ''احادیث دراز کاریومی ولیلی'' کی بھی تدوین کی تھی اور اس پر ایک دیباچے کا اضافہ کیا تھا، یہ غیر مطبوعہ دیباچہ ہم نے کتاب مقاماتِ معصومی کے مقدمے میں بعنوان ''تالیفات حضرت خواجہ'' کے تحت نقل کر دیا ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ لازم ہے کہ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کے کتابخانہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک کتاب مقاماتِ شیخ خواجہ محمد معصوم تالیف حاجی محمد عاشور بخاری کتابت ۱۳۲۱ھ کاتب نور محمد موسیٰ خیلی کی نشاندہی کی ہے (کتابخانہ ہای پاکستان ۱/۱۷۲)، ڈاکٹر تسبیحی صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، یہ نسخہ، احقر نے خود مذکورہ کتاب خانے میں جا کر دیکھا ہے، یہ دراصل مکتوبات معصومیہ کی جلد ثالث ہے، جس کے دیباچے میں حاجی محمد عاشور کے نام سے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ مخطوطہ شاید حضرت خواجہ کے مقامات پر ہے، اس جلد کا سالِ کتابت واسم کاتب بالکل یہی ہے جو مقامات کا بتایا گیا ہے۔

Marfat.com

حافظ صادق کابلی

حافظ صادق کابلی، حضرت خواجہ محمد معصوم کے صاحبِ کمال خلفاء میں سے تھے، مخدوم زادہ ابوالقاسم کو تکلیف پہنچانے کے سلسلہ میں ان کی نسبت سلب کرلی گئی تھی لیکن پھر معذرت کرنے پر ان کی نسبت بحال ہوگئی، موصوف وصال کے بعد سرہند ہی میں دفن کیے گئے۔ ۱

انہیں صرف بادشاہ کی اصلاح کے لئے ہی خلافت دے کردار الحکومت بھیجا گیا تھا۔ ۲

مولف مقاماتِ معصومی اس سے قبل وضاحت کرچکے ہیں کہ حافظ محمد صادق کو خلافت ہی ''برمغلیۂ بادشاہی در بلدۂ دارالخلافہ بادشاہ تمام نشستہ بود'' کے مقصد سے دی گئی تھی (۲۸۴)، یعنی وہ اہل لشکر اور بادشاہ کی اصلاحِ احوال پر توجہ رکھیں۔

حضرت خواجہ نے اپنے ایک مکتوب بنام محمد میرک بیگ بدخشی گرزبردار میں حافظ محمد صادق کابلی کے احوال ومناقب تحریر کیے ہیں، لکھتے ہیں:

......معلوم شریف باشد حقائق و معارف آگاه اخوی اعزی شیخ محمدصادق از اخصّ اصحاب و خُلصِ احباب ایں جانب ست بلکه از راهِ ولادتِ معنوی داخل فرزندانِ ماست بالتماس شما روانه آں حدود نموده شده است امید که یاراں و دوستاں از صحبتِ مشارٌ الیه مستفید و مستفیض خواهند شد (۲۸۶/۲۴۰/۳)

ایک اور مکتوب میں حضرت خواجہ نے محمد میرک کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کے لئے حافظ محمد صادق کابلی کو لکھا ہے (۲۰۲/۱۱۷/۱)

حضرت مروج الشریعت نے محمد میرک بدخشی کو لکھا ہے:

۱۔ مقاماتِ معصومی ۴۹۸/۳ ۲۔ ایضاً ۲۸۴/۳

Marfat.com

صحبت حقائق آگاہ خواجہ محمدصادق را سخت غنیمت شمرند

دادیم تر از گنجِ مقصود نشاں (خزینہ ۱۱۸/۱۳۵۔۱۳۶)

حضرت مروج الشریعت نے حافظ محمد صادق کابلی کے احوال کے بارے میں نہایت اہم اطلاعات دی ہیں:

حقائق آگاہ حافظ محمد صادق از خلص اصحاب و اجلۂ احباب حضرت قبلۂ ما ست سالھا بہ طلبِ صادق بر پای توکل و قناعت و تبتل و انقطاع در خدمت آں عالی حضرت بسر بردہ و آنحضرت را نظرِ عنایتِ خاص بہ حال مشارٌ الیہ بودہ در تربیت و تکمیل وی ھمت می گماشتند تاآنکہ مدتِ قلیلہ و بہ سبب توجھات کثیرہ آنحضرت آثار رشد و ھدایت بر صفحۂ باطن مشار الیہ شرف ظھر فرمودہ...... بہ کمالی کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ بہ بیان آں ممتاز اند تحقق حاصل شد...... تا مدارج نہایت النہایت آشنا ساخت چنانچہ بکمالات وراثت مبشر شد و بہ نوید وصول بہ حقائق ثلاثہ ممتاز فرمودند......(خزینہ ۲۴/۴۲۔۴۳)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

بشاراتِ عظیمہ کہ از حضرت قبلۂ ارباب آں حقائق آگاہ بہ تکرار شنیدہ است...... و کم کسی را بہ آں خصوصیات ممتاز کردہ باشند...... شما از مقبولانِ خاص حضرت ایشاں اند و آنحضرت را نظرِ مخصوص بحالِ شما است...... (ایضاً ۸۴/۱۰۹۔۱۱۰)

Marfat.com

نذر بیگ سمرقندی

مقاماتِ معصومی میں ہے: نذر بیگ، حضرت خواجہ کے منظورِ نظر خلیفہ تھے، وصال ہو چکا ہے۔ [1]

میر غضنفر داراشکوہی

غضنفر خان بن اللہ وردی خان نام کے جس امیر کے حالات کتب تاریخ میں ملتے ہیں، ان کے مکمل طور پر داراشکوہی ہونے یعنی داراشکوہ سے کامل توسل کا ثبوت نہیں ملتا، مآثر الامراء میں صرف اس قدر ہے کہ وہ داراشکوہ کی لڑائی (جنگ تخت نشینی) میں دائیں طرف کی فوج میں تھا، [2] حضرت کے تین مکاتیب ان کے نام ہیں، [3] لیکن کسی مکتوب میں ان کے نام کے ساتھ نسبت ''داراشکوہی'' مذکور نہیں ہے:

اول: بہ میرزا غضنفر در تذکیر و تنبیہ و حفظ اوقات (۲/۲۱/۴۷_۴۸)

دوم: بہ سیادت پناہ حاجی الحرمین الشریفین میر غضنفر در تہنیتِ حج (۲/۴۹/۸۲)

یعنی یہ مکتوب میر غضنفر کو حج کی سعادت نصیب ہونے پر مبارک باد کے طور پر لکھا گیا۔

سوم: در شرح اذواق و تعبیر وقائع کہ نوشتہ بودند (۳/۳۲/۴۸_۵۰)

اس مکتوب میں اس کے باطنی احوال پر مبارک و اطمینان کا اظہار فرمایا ہے۔

۱۔ مقامات معصومی ۳/ ۴۹۸ ۲۔ مآثر الامراء ۲/ ۸۶۳

۳۔ مکتوبات معصومیہ ۲/ ۲۱، ۲/ ۴۹، ۳/ ۳۲ مقامات ۴/ ۴۱۹_۲۰

Marfat.com

مولانا محمد جان ورسکی

درجۂ تکمیل حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے انہیں اورنگ زیب کی تعلیم وتربیت کے لئے بھیجا، یعنی انہیں خلافت ہی صرف بادشاہ کی تربیت کے لئے دی گئی تھی۔ ۱

......مولانا محمد جان ورسکی...... بعد از وصول به درجۂ کمال و تکمیل بر بادشاہِ خلد مکان خلافتِ معصومی یافته و به بی نفسئ تمام زندگانی نموده......

اس سے پیشتر دو اصحاب کو اسی مقصد کے لئے نعمت خلافت ملی تھی (رک بہ مقدمہ مقامات معصومی)

حضرت خواجہ کے دو مکاتیب مولانا محمد جان ورسکی کے نام ہیں:

اول: در تحقیق ولایات سه گانه و حقیقت اطمینان نفس و شرح صدر و کمالات لطائف عالمِ امر و عالم خلق و...... (۲/۹۷/۱۵۳ـ۱۵۶)

دوم: مشتمل بر بعضی اذواق علیه بود (۳/۱۵۸/۲۱۱ـ۲۱۲)

حضرت مروج الشریعت لکھتے ہیں:

ملاورسکی، دریں ایام بایں ولایت فائز گردیده اند در غیبت او روزی او را آنحضرت بسیار ستائش کردند و نیز فرمودند که دراں ولایت باز ترقی واقع شده است و ولایت ثانی که در اقوال مشائخ اشارت به ایں عبارت رفته **لن یلج ملکوت السمٰوٰت من لم یولد مرتین** دربارۂ مشارٌ الیه فرمودند که متحقق گشته است بعد ازیں بمدتی جمیع ایں یاران...... بحصول بعض کمالات نبوت مبشر گشته (خزینۃ المعارف ۲۴/۴۰)

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳/۴۹۹

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ جن ایام میں حضرت خواجہ سیف الدین کو حضرت خواجہ نے اورنگ زیب کی تربیت کے لئے بھیجا تھا انہیں دنوں مولانا محمد جان ورسکی کو بھی وہیں متعین کیا گیا تھا، حضرت خواجہ سیف الدین نے بادشاہ کی مصاحبت کے دوران جو عریضے حضرت خواجہ کی خدمت میں لکھے ہیں، ان میں برابر اخوند ورسکی کا ذکر ملتا ہے۔(مکتوبات سیفیہ ۱/۹،۲/۱۰)

اورنگ زیب کو مولانا محمد جان سے بڑی عقیدت تھی، انہیں اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کی اجازت بھی بمشکل ملتی تھی، ایک مکتوب میں حضرت خواجہ سیف الدین، مولانا ورسکی کو لکھتے ہیں کہ اگر تمہیں بادشاہ رخصت دے تو میں بھی رخصت دینے کے لئے تیار ہوں:

به خدمت بدشاه دیں پناه بموجب و شاورهم فی الامر نیز عرض نمایند اگر ایشاں رخصت دادند ما هم رخصت نمودیم (ایضاً ۵۴/۷۸)

حضرت خواجہ سیف الدین نے اپنے ایک مکتوب بنام اورنگ زیب میں مولانا محمد جان ورسکی کی بہت تعریف کی ہے، لکھتے ہیں:

کمالات دستگاهی برادرِ طریق ملامحمدجان که از نفوس متبرکه است و سالها در صحبت گذرانیده و مراتب خصائصی که حضرت مجدد الف ثانی به آں ممتازند از اکثر حظی وافر گرفته...... (ایضاً ۱۶۱/۱۸۸)

مولانا محمد جان کی نسبت ''ورسکی'' موضع ''ورسک'' سے ہے، یہ قریہ بدخشاں میں ہے (روضہ ۲/۲۴۵)، وَرْسَکْ، بالفتح، ثم السکون، وکاف، قبلہ سین مہملہ، موضع (مراصد الاطلاع ۳/۱۴۳۳، معجم البلدان ۵/۳۷۱)، جامع الصغیر کے شارح امام بدرالدین ورسکی (متوفی ۵۹۴ھ، مدفون بخارا) کا تعلق بھی اسی قریہ سے تھا۔(تاریخ ملازادہ ۶۹)

Marfat.com

خاندان میر عماد الحسینی

میر عماد ہروی حسینی اپنے سارے بیٹوں سمیت یعنی میر مفاخر حسین متخلص بہ ثاقب، میر شرف الدین حسین، جو کہ مکتوبات حضرت خواجہ کی جلد ثانی کے جامع ہیں اور انہوں نے یہ کام حضرت شیخ سیف الدین قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ کے ایماپر انجام دیا، میر مظفر حسین بھی جناب قیومیت مآب (حضرت خواجہ محمد معصوم) کے مخصوصان میں سے تھے اگر چہ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل تھی، میر محمد زمان راسخ، جو کہ میر عماد مذکور کے پوتے تھے، بھی حضرت خواجہ کے اکابر فدویوں میں سے گزرے ہیں، اس خاندان کا ہر فرد شاعر فصیح اور عاقل وجیہ تھا، یہاں ثاقب کا ایک شعر نقل کیا جارہا ہے:

گرہ زدن بنفسی اے نسیم زار کہ بود
بہ بے دلاں نہ رسیدن پیغام یار کہ بود

میر شرف الدین حسین قدس سرہ کی بلاغت (مکتوبات معصومیہ) کی (جلد) ثانی مسمٰی بہ وسیلۃ السعادت کے خطبہ کا مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر اور ہویدا ہے۔

راسخ کی مثنوی بعض اہل طبع کے نزدیک ناصر علی (سرہندی) کی مثنوی سے خیال اور نسبت سے زیادہ نازک تر ہے، ان الفاظ کے لکھتے وقت اس شاعر راسخ کی ایک رباعی یاد آگئی ہے، جسے یہاں نقل کر رہا ہوں:

سجدہ بنیاد کردم سر نمی دانم چہ شد
ریخت ایں می بر زمیں ساغر نمی دانم چہ شد
اشک بی کیفیت و داغ جنوں بی رنگ
ماند می بجا ساغر بجا دلبر نمی دانم چہ شد

غرض! ان عزیزوں میں سے ہر ایک حضرت خواجہ کی محبت میں محو تھا اور ان میں سے ہر ایک کے نام آپ کے مکتوبات قدسی آیات میں متعدد مکتوبات موجود ہیں، جو عالی شان بشارتوں پر مشتمل ہیں۔

Marfat.com

اس میں شک نہیں ہے کہ میر شرف حسین نے مکتوبات (معصومیہ) کا دفتر جمع کر کے خود کو حضرت خواجہ کے مداحوں میں شمار کروالیا ہے اور گویا ایک داستان زمانہ کے ہاتھ میں دے دی ہے، لیکن راسخ، حضرت خواجہ کی کمال محبت حاصل ہونے کے باوجود (اس سے محروم ہے) ایک روز اس فقیر (مولف) نے راسخ سے اس کی بابت سوال بھی کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تمہاری مثنوی حضرت خواجہ کے ذکر سے خالی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری زبان میں اس امر کی لیاقت ہی نہیں ہے کہ اسرار معصومی کی تعریف کی متحمل ہو سکے، گویا فقیر کو اس کا تسلی بخش جواب نہ مل سکا، بہر حال وہ محبت قیومی میں استوار تھے، راسخ کا ۱۰۶۱ھ یا ۱۰۷ھ کو سینتالیس سال کی عمر میں انتقال ہوا اور وہ روضۂ مقدسۂ حضرت خواجہ میں مدفون ہیں رحمۃ اللّٰہ سبحانہ میر مظفر حسین کے سوا جو کہ بنگال کی طرف چلے گئے تھے اور عرصۂ دراز تک مسند ارشاد پر متمکن رہ کر وہیں آسودۂ (خاک) ہیں، باقی تمام حضرات سرہند شریف میں دفن ہیں۔

میر عماد تو اپنے آباد کردہ شہر عماد نگر[۱] میں مدفون ہیں، جو کہ بالائی آب جہلم میں واقع ہے۔

۱۔ عماد نگر نام کا کوئی قصبہ یا بستی جہلم میں اب موجود نہیں ہے، البتہ چار باغ پنجاب مولفہ گنیش داس وڈیرہ کے انڈیکس میں ایک نام عماد پور آیا ہے، یہ قیاس کرتے ہوئے کہ شاید عماد نگر کثرت استعمال سے عماد پور بن گیا ہو، لیکن سعی تمام کے باوجود متن کتاب مذکور میں اس کا سراغ نہ مل سکا، دار العلوم سلطانیہ، کالا دیو، جہلم کے ایک بزرگ استاد مولانا محمد علیم الدین صاحب کی خدمت میں تحریری استفسار پر بھی یہی معلوم ہوا کہ اس نام کی کوئی بستی ضلع جہلم میں اب موجود نہیں ہے، انہوں نے کوشش کی اور جہلم کے محکمہ مال کے ریکارڈ آفس سے رابطہ قائم کیا تو وہاں بندوبست اراضی ۱۸۸۰ء میں ایک ''چک مادنگر'' کا نام ملا، جو شہر جہلم کے قریب واقع ہے، خیال ہوا کہ شاید عماد نگر بگڑ کر مادنگر بن گیا ہوگا، لیکن مولانا موصوف کی معلومات کی حد تک وہاں کسی قبرستان کا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ہی وہاں اس وقت میر عماد حسینی نام کی کسی شخصیت کا مزار ہے، البتہ کچھ قدیم مزارات وہاں موجود ہیں، جن کے ناموں کے بارے میں تا حال کوئی معلومات نہیں ہیں۔

(مکتوب مولانا محمد علیم الدین صاحب بنام محمد اقبال مجددی، مورخہ ۴ راگست ۲۰۰۳ء)

(مقاماتِ معصومی ۲/ ۶۴۰۔۶۴۱)

Marfat.com

میر عماد، حضرت خواجہ سید امیر کلال بخاری (ف ۷۷۲ھ) کی اولاد میں سے تھے، آزاد بلگرامی نے ان کے پڑپوتے میر معصوم وجدان (بن میر محمد زمان راسخ بن میر مراد بن میر عماد) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

نسب او با میر سید کلال قدس سرہ میرسد (خزانۂ عامرہ ۴۴۳)

حضرت سید امیر کلال کے چار فرزند تھے: امیر برہان، امیر حمزہ، امیر شاہ اور امیر عمر (رشحات ۱/۷۷۔۸۵)، ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ میر عماد، حضرت سید امیر کلال کے مذکورہ بیٹوں میں سے کس کی اولاد میں سے تھے؟ اور ان کے اجداد میں سے پہلے کون ہندوستان آیا؟ شیر خان لودھی نے میر عماد کے پوتے میر راسخ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اصلش از عراق عجم است و مولدش ہندوستان" (مراۃ الخیال ۳۳۸)

ممکن ہے حضرت امیر سید کلال کی اولاد میں سے کوئی عراق میں مقیم ہوگیا ہو اور میر عماد کے اجداد عراق سے ہندوستان آئے ہوں، لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ میر عماد کے فرزند نے، جو مکتوبات معصومیہ کی جلد دوم کے جامع بھی ہیں، اپنے والد کے نام کے ساتھ علاقائی نسبت "ہروی" لکھی ہے، جس کا مطلب واضح ہے کہ میر عماد خود یا ان کے اجداد براہِ راست ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔

حدیقۂ ہندی کے مولف نے میر مفاخر حسین ثاقب بن میر عماد کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ان کے اجداد کا تعلق اصفہان سے تھا، وہ سید امیر کلال کی اولاد میں سے تھے، میر عماد، شاہ جہان کے عہد میں پانصدی منصب پر فائز تھے بعد میں نوکری ترک کردی، لکھتا ہے:

از سادات صحیح النسب ہندوستان...... اصلش اصفہان و نسبتش با امیر کلال قدس سرہ می رسد، یکی از اجدادش ہند آمدہ در سرہند ساکن گشت...... والدش میرعماد در عہد شاہ جہان بادشاہ بہ منصب پانصد ممتاز بود و او ترک منصب بدر کردہ بہ عنوان درویش بسر می برد......

(حدیقۂ ہندی قلمی نسخہ کتابخانہ مرعشی، قلم، روٹو گراف مملوکہ صاحبزادہ عارف نوشاہی ورق ۱۶۵، ب)

لیکن کتب تاریخ میں میر عماد اور ان کے منصب کا ذکر نہیں ملتا، ڈاکٹر اطہر علی نے مغل عہد کے امراء کی

Marfat.com

جوفہرست مرتب کی ہے اس میں ایک نام عماد الدین بن میر عابد بھی درج ہے لیکن ان کے حال سے کتب تاریخ خالی ہیں، ممکن ہے یہ میر عماد ہروی ہوں۔

یہ امر تحقیق طلب ہے کہ حضرت حجۃ اللہ کے مکتوبات وسیلۃ القبول کے جامع مولانا عماد الدین محمد کون بزرگ ہیں؟ یہ یقیناً میر عماد ہروی سے متاخر شخصیت ہیں، میر عماد ہروی کے احوال اسراریہ میں بھی موجود ہیں۔

میر مفاخر حسین ثاقبؔ، میر عماد کے بیٹے اور میر راسخ کے چچا تھے، سرخوش نے لکھا ہے:

ثاقبؔ، عموی میر محمدزمان راسخ از سادات نجیب است طبع معنی یاب و ذهن سلیم دارد و خوش فکر و صاحب تلاش است در سرهند سکونت داشت و هماں جا در گذشت (کلمات الشعراء ۲۱)

سرخوش نے ثاقبؔ کے دس اشعار نقل کئے ہیں، عبدالوہاب افتخار نے لکھا ہے کہ ثاقبؔ شاہی ملازمت میں تھے مگر بعد میں نوکری ترک کر دی (بحوالہ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۲۷ حاشیہ) ثاقب کا انتقال ۱۱۰۰ھ میں ہوا۔ (نتائج الافکار ۱۳۴)

معروف شاعر میر محمد زمان راسخؔ، میر ثاقبؔ کے شاگرد تھے (رک بہ احوال راسخ در تعلیقات مقامات معصومی)

فارسی شاعر میر علی رضا حقیقت سرہندی بھی میر ثاقب کے اقرباء میں سے تھے۔ (سفینۂ خوشگو ۳۴)

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا ایک مکتوب (۲/۱۰۳/۱۶۲-۱۶۳) در بیان انفس دررنگ آفاق...... انہیں میر مفاخر حسین ثاقب کے نام ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا قطعہ تاریخ وصال جو روضۃ القیومیہ میں درج ہے (۲/۱۶۵) وہ انہیں میر مفاخر حسین ثاقب کا ہے، اسی کتاب میں ہے کہ میر مفاخر حسین حضرت خواجہ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے اور آپ نے انہیں خلافت دی تھی:

از اصحاب مخصوص حضرت امام معصوم بود آنحضرت او را بشارت داده خلافت عنایت کردند...... (۲/۴۳۸ قلمی)

Marfat.com

تعجب ہے کہ بزرگ تہرانی نے میر مفاخر حسین ثاقب کا شمار شیعہ شعراء و مصنفین میں کیسے کر لیا (الذریعہ ۹/۱/۱۸۳)، نام اور نسبت حسینی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے عقائد بھی اہلِ تشیع کے سے ہوں گے۔

میر شرف الدین حسین که جامع جلد ثانی مکتوبات حضرت ایشاں به موجب امر حضرت شیخ سیف الدین است...... بلاغت میر شرف الدین حسین قدس سره بر ناظرانِ خطبهٔ ثانی که مسمیٰ به وسیلة السعادت است ظاهرا و هویدا......

میر شرف الدین حسین بن میر عماد ہروی مذکور مکتوبات معصومیہ کی جلد ثانی کے جامع ہیں، انہوں نے ''وسیلۃ السعادت'' (۱۰۷۲ھ) کے تاریخی نام سے اسے ترتیب دیا اور اس پر ایک خطبے کا اضافہ کیا، وہ اس فصیح و بلیغ خطبے میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ سیف الدین نے مجھے ان مکاتیب کو جمع کرنے کا حکم دیا، انہوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ میرے ''احوال'' کی ''اصلاح'' بھی حضرت خواجہ سیف الدین نے کی تھی، خود فرماتے ہیں:

اضعف عباد اللّٰه القوی شرف الدین حسین بن میر عماد الدین محمد الحسینی الهروی احسن اللّٰه سبحانه و عاقبتهما که چوں ایں مکتوبات قدسی سمات که هر یکی ازاں کنزیست از کنوز معرفت...... بعد از اتمام دفتر اول از قلم فیض رقم حضرت قدوة الاولیاء...... سمت تحریر یافت...... متصدی جمع آں توانم شد...... مخدوم و مخدوم زادهٔ عالی منزلت...... سیف الحق والملة والدین متع اللّٰه المسلمین بطول بقائه بنا بر نظر عنایتی که در باب ایں بی حاصل دارند و توجه شریف ایشاں باصلاح احوال ایں دوراز کار مربوط است جمع ایں مکاتیب...... تفویض فرموده و به تکرار مؤکد ساختند...... و جمع ایں کتاب مستطاب که نام و تاریخ اختتام آں "وسیلة السعادت" است وسیلهٔ وصول به سعادت حقیقی گردد......

Marfat.com

نامش بعقیدت و ارادت گفتیم "وسیلۃالسعادت"

(۱۰۷۲ھ)

پُرسند اگر ز سالِ اتمام هم باز تواں شناخت از نام

نثر اور نظم پر مشتمل یہ مختصر سا خطبہ ہے، جس میں میر شرف الدین حسین نے ۳۷ شعر بھی لکھے ہیں، انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ اشعار ان کے اپنے ہیں، تاہم یقین ہے کہ یہ اشعار خود انہیں کے ہوں گے، کیونکہ وہ شاعر تھے، فارسی شعراء کے تذکروں میں ان کا تخلص فائض اور نمونۂ کلام بھی درج ہے، تذکرہ حسینی میں ہے:

میرشرف الدین حسین فائض واقف و تیرۂ معنی بندیست و برادر میرمفاخر حسین سهرندی (سهو کتابت مقاخرحسین) ویراست

حسرت نگه نکرده چشم سیاه کیست شورِ جنوں صدای شکست کلاه کیست

(تذکرہ حسینی، طبع نولکشور ۲۵۴)

روز روشن میں ہے:

فائز سرندی (سہو کتابت ہے فائض سہرندی ہونا چاہیے)

طبعش فائز ذروۂ مضمون بندی ست

چناں دریا دار از خود رمیدن شد شعارِ من
کہ گردد سرمۂ چشم رم آہو غبارِ من
ترا تا دیدم از خود رفتم ای غارت گر دلہا
بہ بی ہوشی کشید از مستی چشمت غبارِ من

(صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، تہران ۵۹۷)

میر شرف الدین حسین فائض کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا ایک مکتوب ہے:

بفقیر حقیر شریف الدین حسین دریاس از حقیقت مطلوب و تفصیل غیب و

Marfat.com

شهود برخی از کمالات صلوة و اشارت بحقیقت آں (۲/۸۷/۱۴۱-۱۴۳)

روضة القیومیہ میں ہے:

میرشرف الدین حسین، از مقبولانِ حضرت عروة الوثقی بود سلوك باطن را بخدمت آنحضرت حاصل کرده خلافت یافت (۲/۴۳۸)

......میر محمد راسخ که نبیرۂ میرمعاد مذکور بوده و پدرش میرمراد بحضور پدر خود میر عماد ودیعت حیات سپردہ بود......

علمی دنیا میں مقامات معصومی کے مولف کی بدولت جو راسخ سے ملے بھی تھے (۵۰۰/۲۰-۲۳) یہ بات پہلی مرتبہ معلوم ہوئی ہے کہ راسخ کے والد کا نام میر مراد تھا اور وہ اپنے والد میر عماد کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے ورنہ تذکرہ نویسوں نے تو بلا تردد ان کے دادا میر عماد کو ہی ان کا والد لکھ دیا ہے۔

ان میں معاصر مورخ بختاور خان بھی شامل ہے (مراۃ العالم ۲/۵۸۴)، خوشگو نے بھی یہی لکھا ہے (سفینہ ۷)، لیکن آزاد بلگرامی نے یدِ بیضا میں میر عماد کو دادا اور مولف مصحفِ ابراہیم نے از اولادِ میر عماد بتایا ہے۔ (فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۲۷ حاشیہ)

راسخ نے ابتدائی تعلیم اور فن شاعری کی تحصیل اپنے چچا میر مفاخر حسین ثاقب سے کی۔

میر راسخ نے ملازمت کا آغاز اورنگ زیب کی مصاحبت سے کیا، انہیں حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی کی سفارش سے اورنگ زیب کے ہاں ملازمت ملی، حضرت حجۃ اللہ، اورنگ زیب کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

شاها دین پناه! حقیقت ثمرۂ شجرۂ سیادت و سعادت میرمحمدزمان که از فدویان صمیمی آں درگاه است و از مقبولان قطب الاقطاب قبله گاه (حضرت خواجه محمدمعصوم) است در فرد علیحده نوشته بخدمت عالی فرستاده امید که منظور نظر کیمیا اثر گردد و مشارٌ الیه به عنایت بادشاه نه مورد قبول ملتمساتِ خود شود (وسیلۃ القبول ۱/۹۱/۱۰۰/۱۰۱)

Marfat.com

اس کے بعد لکھے جانے والے دو مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حجۃ اللہ کی کوشش سے میر راسخ کو اورنگ زیب کے ہاں ملازمت مل گئی تھی، حضرت حجۃ اللہ انہیں اپنے سفرِ حج کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت وہ ''حسب استدعا عنایات بادشاہ دین پناہ بہ لشکرِ ظفر اثر رسیدہ''...... نیز حضرت حجۃ اللہ نے اپنے ایک مرید میر منصور کی بادشاہ سے سفارش کے لئے میر راسخ سے کہا ہے ''امید کہ حاجی مذکور را نیز از نظرِ والا (بادشاہ) بگذراند و مہربانیہا نمایند وحتی المقدور از سرکارِ والا در حقش نیز سعی فرمایند۔(ایضاً/۹۲/۱۰۱۔۱۰۲)

میر راسخ کو خان والاشان سعادت نشان ''مصطفیٰ خان'' کا بھی قُرب حاصل تھا، راسخ نے حضرت حجۃ اللہ سے اس کی تعریف کی تھی (ایضاً/۹۶/۱۰۴)

میر راسخ نے شہزادہ اعظم بن اورنگ زیب کی ملازمت بھی کی تھی، حدیقۂ ہندی میں ہے کہ انہیں ''ہفت صدی'' کا منصب ملا:

......مدتی در خدمتِ شاهزاده محمداعظم شاه به منصب هفت صدی امتیاز داشت آخر به سببی ترك نوکری کرده...... (حدیقہ ۱۷۵۔الف)

لیکن سفینۂ خوش گو میں صرف ''منصب شائستہ سرفرازی یافت'' ہے (ص ۷) معاصر تذکرہ نویس شیر خان لودھی نے لکھا ہے کہ وہ جلد ہی شہزادے کے مشیر بن گئے (مراۃ الخیال ۳۳۸)، راسخ نواب مکرم خان سے بھی منسلک رہے، انہوں نے راسخ کے لئے صرفۂ پالکی کے علاوہ تین سو روپے وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔(خزانۂ عامرہ ۴۴۴)

میر راسخ کے خسر، شیخ عبدالعزیز دلاور خان کشمیری سیالکوٹی امرائے کبار میں تھے۔(تاریخ محمدی ۸،۶۳)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کا ایک مکتوب میر محمد زمان راسخ کے نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر راسخ کی والدہ یعنی میر عماد کی بہو بھی حضرت خواجہ سے بیعت تھیں، میر راسخ نے جب والدہ کا باطنی حال حضرت خواجہ کی خدمت میں لکھا تو جواباً آپ نے فرمایا کہ عورتوں میں اس قسم کے احوال غنیمت ہیں:

آنچه از احوال والدۂ خود نوشته بودند از رفع خطرۂ دل و ظهور آن در دماغ

Marfat.com

واضح گردید و طائفہ نساء ایں قسم احوال مغتنم است بکارِ خود مشغول باشند و طالب زیادتی بودند (۲/۱۰۷/۱۷۴)

......مثنوئ راسخ بر بعضی از اهل طبیعت ناز کتر از مثنوئ ناصر علی (سرهندی) در خیال ولینت مقال است......

میر راسخ کی اس مثنوی کی شعراء کے تذکرہ نویسوں اور ماہرین فن نے داد دی ہے، خان آرزو کی رائے میں یہ مثنوی ''بسیار دقیق است'' لچھی نرائن شفیق کا خیال ہے ''زبانِ ناصر علی درزیدہ لیکن مغزی کہ کلام ناصر علی داد''......(فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۷۸)

میر راسخ کی مثنوی داد و فریاد کا ایک خطی نسخہ کتب خانہ بانکی پور، پٹنہ میں ہے (ایضاً ۷۵)، میر راسخ نے اپنے شاگرد ارادت خان واضح کے کلیات کا انتخاب بھی کیا تھا، یہ انتخاب ۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۷ء میں ہوا، اس کا نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے۔ (ایضاً ۱۵۷)

شعراء کے تمام تذکرہ نویسوں نے راسخ کا سالِ وفات ۱۱۰۷ھ درج کیا ہے سرخوش نے ''راسخ بمرد'' سے سال وفات نکالا ہے (کلمات الشعراء ۴۲)، نیز تذکروں کے اقتباسات کے لئے دیکھئے راشدی: تذکرہ شعراء کشمیر (تکملہ ۱/۲۶۲۔۲۶۷)

میر راسخ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، چند نام یہ ہیں: غنیمت کنجاہی، ارادت خان واضح (مولف تاریخ ارادت خان)، سرخوش (مولف کلمات الشعراء)، محمد علی رائج اور مرزا عبداللہ فنا۔

(فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۷۴)

میر راسخ کے بیٹے میر معصوم وجدآن، ان کے پوتے میر شمس الدین سند اور ان کے بھانجے میر غازی شہید نے شاعری کی خاندانی روایت کو زندہ رکھا۔

میر وجدان مخاطب بہ عالی نسب خان صاحبِ دیوان شاعر تھے (سفینہ خوش گو ۲۷۰۔۲۷۲)، میر معصوم وجدان کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے دو مکاتیب ہیں (مکتوبات معصومیہ ۱/۱۶،۲/۱۲۵)، میر شمس الدین سند بن میر وجدان کے اشعار بھی خوشگو نے نقل کئے ہیں (۲۷۲)، میر راسخ کے بھانجے میر

Marfat.com

غازی شہید بھیروی متوفی (حدود ۱۱۳۰ھ) نے ہفت پیکر کے نام سے سات مثنویاں لکھی ہیں، ان کی ایک مثنوی اشک و آہ کا خطی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے (فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۴۷ حاشیہ) اور ان کی ایک مثنوی شورِ جنون کا ایک عمدہ خطی نسخہ (بخط مولوی محمد صالح کنجاہی) کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہے نمبر ۳۱۶۸، میر راسخ کے برادر نسبتی محمد نعیم مخاطب بہ دلاور خان متخلص بہ نصرت بھی شاعر تھے۔ (تاریخ محمدی ۶۳ مع تعلیقات عرشی)

میر مظفر حسین کے نام حضرت خواجہ کا ایک نہایت شوق انگیز مکتوب ہے۔ (۲/۸۶، ۱۳۹۔۱۴۱)

حضرت مروج الشریعت لکھتے ہیں:

میر مظفر...... در مدتی قلیل به این ولایت (کبری) رسیده اند (خزینہ ۲۴/۴۰)

روضۃ القیومیہ میں ہے:

میر مظفر حسین از یاران خاص حضرت ایشان بوده آنجناب او را خلافت مرحمت کردند (۲/۴۳۸۔ قلمی)

لیکن بنگال کے حوالے سے ہمیں میر مظفر حسین کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

......(خوانوادۂ میر عماد)...... سوای میر مظفر حسین...... همه در حضرت سرهند آسوده اند......

یعنی میر عماد کا پورا خانوادہ میر مظفر کے سوا حضرات نقشبندیہ کے قبرستان سرہند میں مدفون ہے۔

میر عماد بالای آب جهلم در عمادنگر که شهر ساخته اوست مدفون است......

(رک مقاماتِ معصومی ج ۲، اردو ترجمہ، حاشیہ)

Marfat.com

میر عماد کے خانوادے کا شجرہ اس طرح ہوگا:

میر عمادالدین حسینی ہروی (مدفون عماد نگر، جہلم)

[از اولاد حضرت سید امیر کلال]

- میر مفاخر حسین ثاقبؔ
  - میر علی رضا حقیقتؔ (از اقربای ثاقب)
- میر شرف الدین حسین فائض (جامع جلد ثانی مکتوبات معصومیہ)
- میر مظفر حسین (بہ سوی بنگالہ رفتہ بود)
- میر مراد
  - میر محمد زمان راسخؔ
    - میر معصوم وجدان
      - میر شمس الدین سندؔ
  - دختر
    - میر غازی شہید بھیروی
- میر جلال الدین حسین (خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم روضۃ القیومیہ ۲/۴۳۸)

خانوادۂ میر عماد کے ایک فرد میر جلال الدین حسین تھے، روضۃ القیومیہ میں اس خاندان کے افراد کے حالات لکھتے ہوئے مولف نے لکھا ہے:

میر جلال الدین حسین از کبار خلفاء حضرت ایشاں است سلوك باطن را به تقید تمام حاصل کرده خلافت یافت مردم بسیار از وی استفاده ها گرفتند و اکثر خلافت یافتند میر برشریعت و طریقت مستقیم بود (۴۳۸/۲)

میر جلال الدین حسین کے ایک خلیفہ تھے شیخ محمد ابراہیم بھی عظیم شاعر تھے، انہوں نے مثنویٔ مولانا روم کا ساتواں دفتر نظم کیا تھا۔ (ایضاً)

Marfat.com

حافظ محمد شریف لاہوری

حافظ لاہوری، حضرت خواجہ کے اکابر اور اجل خلفاء میں سے تھے، موصوف صاحب معنی اور اسرار تھے، [۱] ان کے نام حضرت خواجہ کے آٹھ مکتوبات ہیں، [۲] حافظ محمد شریف نے ابتدائی تعلیم مفتی محمد باقر لاہوری سے لی، انہیں کی کوشش اور سفارش سے وہ حضرت خواجہ سے منسلک ہوئے، [۳] حضرت خواجہ اپنے ایک مکتوب بنام حافظ محمد شریف لاہوری میں لکھتے ہیں:

مخدوما مکرما بالتماس سعادت آثار میاں محمدباقر توجهی بجانب شما نموده آمد، آن نواحی رابه شعشعان انوارِ شما روشن و منور یافت و دید که خلائق آنجای توجهی به شما دارند در ضمن خلعتی هم به شما احاطه کرده که خلعتِ مداریت آن مقام باشد (۲/۱۴۷/۲۴۵)

ان کا مولد و مسکن اور مدفن لاہور ہے۔ [۴]

حضرت خواجہ سیف الدین اور حضرت مروج الشریعت نے بھی حافظ لاہوری کا عمدہ الفاظ میں ذکر کیا ہے، حضرت خواجہ سیف الدین، مفتی محمد باقر لاہوری کو حافظ محمد شریف کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حقائق آگاه حافظ محمد شریف دریں سفر از راهِ معنٰی که به حضرت ایشان دارند بهره از کمالات مرتبه نبوت به طریق تبعیت یافتند و به ایں سعادت عظمٰی که منتهای از کمال اولیاست مشرف شدند، وجودِ شریف ایشان مغتنم شمرده کسب سعادت نمایند..... (مکتوبات سیفیہ ۱۲۲/۱۵۱)

۱۔ مقامات معصومی ۳/۴۹۵

۲۔ مکتوبات معصومیہ ۱/۱۳، ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۰۲، ۲/۱۴۷، ۹۸، ۳/۱۲، ۱۳

۳۔ ایضاً ۲/۱۴۷/۲۴۵

۴۔ مقامات ۳/۴۹۵

Marfat.com

حضرت خواجہ سیف الدین نے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

حافظ محمدشریف لاهوری را فرمودند که از راهِ معیت در کم چیزی کوتاهی دارد و از همیں راه به کمالات نبوت واصل است (ایضاً ۱۷۲/۱۹۸)

حضرت مروج الشریعت نے حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

حافظ شریف لاهوری در وقتِ رخصت متوجه برحالِ او شدند، بعد ازاں به فقیر (حضرت مروج الشریعت) فرمودند که وی در عروج بود چوں نزول نمود انوارِ عروج باخود گرفته آمد، در مرتبهٔ دیگر که در خدمتِ علیه آمده بود می فرمودند که بسیار بَری نمود به فنای نفس و لحوق به مبداءِ تعین مشترك است، در سفر دیگر بحصولِ کمالاتِ ولایتِ کبریٰ سربلند گردیده بل به کمالاتِ وراثت نیز مبشر شد (خزینۃ المعارف ۲۴/۴۵)

حافظ محمد شریف لاہوری کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے ایک مکتوب بنام مفتی محمد باقر لاہوری میں ان کے وصال کے بارے لکھتے ہیں:

خبرارتحالِ حافظ جیو که نگاشته بودند به وضوح انجامید...... وجود ایشاں رحمتی بود درآں نواحی، در خدمت حضرت ایشاں عرض نموده، باصوفیه عظام ختم قرآن مجید کرده شد و آں حضرت هم شریك بودند امید است که برکاتِ آں بایشاں رسیده باشد (مکتوباتِ سیفیه ۱۸۷/ ۲۰۶-۲۰۷)

اس اقتباس میں ''حافظ جیو'' سے مراد حافظ محمد شریف لاہوری ہیں کیونکہ مکتوباتِ سیفیہ کے جامع نے مکتوبات کے آغاز میں اس کا موضوع ''ارتحالِ حافظ محمد شریف'' واضح الفاظ میں لکھا ہے۔

Marfat.com

دیگر اصحاب

میاں شیخ حامد، حاجی تاجو اور حاجی نصر اللہ بھی آپ کے ذوی الاحترام خادموں میں سے گزرے ہیں اور اس خدمت کے عوض ان کا کام (سلوک وعروج) افلاک کی بلندیوں تک پہنچا، ملا خیرا ایک مغلوب الحال تھا اور وہ اکثر غیر شرعی لباس پہنتا تھا بلکہ بعض لوگ اسے عورتوں والا لباس پہننے پر تنبیہ بھی کرتے رہتے تھے، وہ بعض اوقات داڑھی بھی منڈوا دیتا تھا، اور عورتوں والے زیورات بھی پہنتا تھا، لیکن اس کی یہ عادتیں حضرت خواجہ کے وصال کے بعد شروع ہوئیں ورنہ حضرت خواجہ کی زندگی میں ان میں سے وہ کچھ بھی نہیں کرتا تھا بلکہ قبلہ ارباب تحقیق (حضرت خواجہ) کی تقلید کے سوا کوئی دوسری بات اسے زیب نہیں دیتی تھی۔

میر محمد خانی، شاہ خواجہ ترمذی، اسد اللہ افغان، خواجہ محمد فاروق بن خواجہ عبدالغفور سمرقندی، مولانا جمال الدین، مولانا محمد افضل، حاجی حسین، صوفی نور بیگ، مولانا قاسم روپڑی اور ملا فیض محمد فتح آبادی تمام کے تمام کمالات معصومی کے بشارت یافتہ اور صحبت قیومی کے باریاب حضرات میں سے گزرے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے نام مکتوبات (معصومیہ) کی تینوں جلدوں میں مکاتیب موجود ہیں۔

میاں دینار جو کہ شاہ جہان بادشاہ کا خواجہ سرا تھا، اس قبلۃ الابرار (حضرت خواجہ) کے مقبولوں خاص میں سے گزرا ہے، ان کا ذکر آپ کے قلم محترم میں آیا ہے۔

Marfat.com

شیخ محمد یار ملقب بہ خدا پرست خان

شیخ محمد یار ملقب بہ خدا پرست خان نے اپنی عمر کے چار سال حضرت خواجہ کی خدمت میں صرف کئے اور پھر واجب استتار اسرار کے محرم بنے اور حضرت خواجہ سے خلافت حاصل کی، وہ عرصہ دراز تک اس پر قائم رہے، آخر بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) نے بغیر درخواست کے انہیں منصب سے سرفراز کر کے خدمات کا امتیاز بخشا اور پھر اپنی استعداد کے مطابق دنیا کے لیے آسائش بہم پہنچاتے رہے، بادشاہ خلد منزل (بہادر شاہ) کے عہد میں ہزاری (منصب) ہو گیا، لاہور میں ۱۱۲۳ھ کو اس دنیا سے انتقال کیا، شاہ جہان آباد میں زیرِ قدم مبارک مدفون ہیں۔

مآثر الامراء میں ایک منصب دار محمد یار خان بن مرزا بہمن یار اعتقاد خان کا ذکر ہے، اس کتاب میں اس منصب دار کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں اور اس کے جس مزاج کا ذکر کیا گیا ہے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ شیخ محمد یار خدا پرست خان ہوں گے لیکن مآثر الامراء یا دیگر کتب تاریخ میں اس کا خطاب خدا پرست خان درج نہیں ہے (مآثر ۳/۵۸۴۔۵۸۸)، تاریخ محمدی میں اس کا سالِ وفات ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۶ء لکھا ہوا ہے (۶۱)، جبکہ مقامات معصومی کے اس بیان میں ۱۱۲۳ھ ہے، گویا سال وفات میں بھی تضاد ہے، مکتوبات معصومیہ میں محمد یار خادمِ حضرت خواجہ محمد نقشبند کے نام ایک مکتوب ہے (۳/۶۳/۱۰۴)، مقامات معصومی میں ہی درج ہے کہ خدا پرست خان حضرت خواجہ کی خدمت میں چودہ سال رہے۔ (۳۲۷)

Marfat.com

قل احمد ترک

شیخ قل احمد حضرت خواجہ کے مقبول تھے اوران کا ایک ہی ہاتھ تھا، انہوں نے اپنا ایمان کمالات معصومی کے ذریعہ درست کیا، آخر کار انہوں نے حضرت خواجہ کے ارشاد کے مطابق حرمین شریفین میں اقامت اختیار کرلی، جہاں انہوں نے مدتوں خلائق کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور وہیں وصال فرمایا۔

محمد یوسف موذن بھی صاحب اسرار تھے اوران کی اذان کا خنجر (خاص آواز ولہجہ) شہرۂ آفاق ہے، وہ فوت ہو چکے ہیں۔

میر معصوم سرہندی، خواجہ مومن جذبی، حاجی محمد جان طالقانی، مومن بیگ برہانپوری، میر مغل، مومن بیگ کابلی، ملا مسافر، شیخ عبدالحمید برہانپوری اور محمد کاشف بھی اسی قبلۂ آفاق (حضرت خواجہ) کے یک رنگ مخلصین میں تھے اور غالب گمان ہے کہ وہ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے ہوں گے۔

شیخ قل احمد ترک کا پورا نام یوں ہے:

شیخ احمد بن خلیل معروف بہ یکدست حنفی نقشبندی جوریانی، شیخ احمد یکدست کا وصال مکہ مکرمہ میں ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۸ء کو ہوا، ان کے ہم وطن مولف محمد خلیل آفندی لکھتے ہیں:

احمد بن خلیل المعروف به یکدست الحنفی النقشبندی الجوریانی نزیل مکة المکرمة الشیخ الاستاذ العارف الکامل العمده کان من مشاهیر الاجلة والشیوخ الاخیار تلمذ للاستاذ الکبیر محمدمعصوم بن احمد الفاروقی السرهندی واخذ عنه الطریقة النقشبندیه وسلک علی یدیه و عمته نفحاته و روته و رشحاته وفاض علیه صبب امداده برکته فاثمروا ورق واینع وطاب للواردین روضة، ودفق بالارشاد حوضه وقدم مکةالمکرمة واستقام بها مدة سنین و اشتهر وفاق واخذ عنه الطریقة المذکورة اناس کثیرون وکان هو

Marfat.com

والجد الاستاذ محمد مراد بن علي البخاری قدس سرهما رفيقتين بالتلمذه علی الاستاذ محمد معصوم الفاروقی المذکور واعطاهما القبول و اشتهر امرهما وظهرت لهما الکرامات واحوال العجيبة وعقدت علی ولايتهما خناصر الاتفاق ومدهما الله بمدد موعونه وكانت وفاة المترجم بمكة المكرمة سنة تسع عشر و مائة والف الجوريانی بضم الجيم وكسر الراء ثم مثناة تحية والف و نون و ياء نسبة الی جوريان و يكدست لفظة مركبة بالناسية من كلمتين الاولٰی "يک" بمعنی واحد والثانية "دست" بمعنی اليد ای ذويد واحدة لان الاستاذ المترجم كان عاطل اليد الواحدة فلذا اشتهر "بيكدست" رحمه الله تعالٰی

(سلک الدرر ۱/ ۱۰۷۔۱۰۸)

سلک الدرر کے اس اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ شیخ احمد یکدست جوریان کے باشندے تھے۔

۲۔ انہوں نے مدت تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا، جہاں طالبوں کی کثیر تعداد نے ان سے کسب فیض کیا۔

۳۔ شیخ مراد بن علی البخاری شامی (خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم) اور شیخ احمد یکدست کسب سلوک کے لئے باہم حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہاں ''محمد مراد بن علی'' لکھا گیا ہے جس سے عام قاری یہ سمجھے گا کہ شیخ مراد شامی کے صاحبزادے شیخ محمد اور شیخ احمد یک دست بیک وقت حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حالانکہ شیخ محمد بن شیخ مراد بن علی کی تو ولادت ہی حضرت خواجہ کے وصال ۱۰۷۹ھ کے بعد ۱۰۹۴ھ میں ہوئی۔

(تعلیقات مقامات معصومی ۴/۴۷۰/۱۹)

۴۔ شیخ احمد یکدست کا وصال مکہ معظّمہ میں ۱۱۱۹ھ کو ہوا۔

۵۔ شیخ احمد یک دست کے عرف سے اس لیے معروف ہوئے کہ ان کا ایک ہاتھ نہیں تھا۔

Marfat.com

شیخ احمد یک دست کے ترک خلفاء میں ایک بزرگ شیخ محمد امین توقادی بھی تھے، جن سے معروف خطاط ومولف کتب شہیر مستقیم زادہ سعدالدین سلیمان نے ظاہری وباطنی فیض پایا (تحفۃ الخطاطین ۹ حاشیہ)، مستقیم زادہ نے مکتوبات معصومیہ کا ترکی زبان میں ۱۱۶۲ـ ۱۱۶۵ھ کو ترجمہ کیا (تحفۃ الخطاطین، مقدمہ ۴۵ـ۴۶)، نقشبندی سلسلہ کے افکار پر ترکی زبان میں مستقیم زادہ کی کئی قابل توجہ کتابیں ترکی کے کتب خانوں میں موجود ہیں، جن کا مفصل تعارف ان کی معروف کتاب تحفۃ الخطاطین کے مقدمہ میں کروایا گیا ہے۔

Marfat.com

نواب مکرم خان

نواب مکرم خان مرحوم اس پرشکوہ خانوادہ کا سرغنہ تھا، اس سید صحیح نسب کا نام میر محمد اسحاق تھا، اس کے والد شیخ میر اور چچا سید میر (میر خوافی مخاطب بہ امیر خان) حضرت خواجہ کے مریدان خاص اور فدویان مخصوص میں سے گزرے ہیں، لیکن ان میں سے مکرم خان اپنے بڑے بھائی محتشم خان اور چھوٹے بھائی شمشیر خان، جن میں سے بڑے کا نام میر ابراہیم اور چھوٹے کا میر یعقوب تھا، نے کئی سال تک سرہند شریف میں قیام کیا اور متعدد مرتبہ اپنے مناصب ترک کر کے تحصیل کمال کیا اور حضرت خواجہ کی پالکی مبارک اپنے کندھوں پر اٹھائی اور ہر طرح سے نیازمندی کا اظہار کیا اور اپنے سروں پر حضرت خواجہ کے دست مبارک سے دستار بندھوائی، یہ انہیں عنایت کی گئی تھیں، جو انہوں نے اپنی آخری عمر تک اپنے پاس رکھیں، ان تینوں بھائیوں کو ہر قسم کی بشارات ولایات سے مبشر کیا گیا، اگر مکتوبات شریفہ کی آخری دو جلدوں میں جستجو کی جائے تو ان کے احوال کا مفصل طور پر مشاہدہ ہوگا، اس لیے میں ان میں سے پہلے دو کا تذکرہ کر رہا ہوں کہ حضرت خواجہ کی مبارک تحریرات میں یہی نام مذکور ہوئے ہیں، اسے خان کا خطاب حضرت خواجہ کے وصال کے بعد ملا تھا، مکرم خان نے اپنے اعتقاد کے بارے میں حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مجھے آپ کی محبت حق سبحانہ کی محبت سے زیادہ محسوس ہوتی ہے، جس کا حضرت خواجہ کی طرف سے جواب ایک مکتوب قدسیہ میں درج ہے، اس کی صرف دو تین سطریں یاد ہیں یہاں نقل کر رہا ہوں باقی (مکتوباتِ معصومیہ) کی دوسری جلد کے ملنے پر موقوف ہے:

آپ نے لکھا ہے کہ مجھے جو محبت آپ سے ہے وہ جناب قدس تعالیٰ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے، جس سے مجھے اکثر خوف اور وحشت ہونے لگتی ہے، سعادت آثار کو اس معاملہ میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کی تین توجیہات ہیں، پہلی توجیہ اہل ابتداء کے حال کے موافق ہے، جس کو متوسط اور انتہا سے کوئی مناسبت نہیں ہے، دوسری توجیہ اہل وسط سے مناسبت رکھتی ہے، جس کا منتہی

Marfat.com

اصحاب سے کوئی تعلق نہیں ہے، تیسری توجیہ منتہی حضرات سے مناسبت رکھتی ہے، جس کا مبتدیوں اور متوسطیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، توجیہ اول کا تعلق اس کی اپنے پیرومرشد سے محبت کا حق ہے، جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا وسیلہ ہے، ان معنوں میں جب تک یہ محبت درست نہیں ہوگی وہ اس محبت تک جو کہ مقصود اصل ہے نہیں پہنچ سکے گا، اس لیے اگر مطلب تک پہنچنے سے پہلے وسیلہ کو محکم ترین کرلے تو اس کی گنجائش ہے، ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

اگر آخری دو توجیہات جو کہ اہل وسط اور منتہی حضرات کے احوال کے مناسب ہیں کے مطالعہ کا شوق شورش انگیز ہو تو مکتوبات کی جلد ثانی کی طرف رجوع کریں کہ وہ مبارک جلد اس وقت مولف مقاماتِ معصومی کے پاس موجود نہیں ہے، یہ بھی پہلے کی طرح اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے، جو کہ بے شک الفاظ ومعانی کے اختلاف سے پاک ہے، الا ماشاء اللہ اور اگر کسی اتباع کرنے والے کو کچھ فرق محسوس ہو تو وہ اس کی اصلاح کرلے۔

(نواب مکرم خان) کے باقی دو اعزہ یعنی محتشم خان اور شمشیر خان بھی حضرت خواجہ سے اس قسم کی راسخ محبت وعقیدت رکھتے تھے، ان کے والد اور چچا بھی اس اعتقاد میں محکم تھے۔

سید میر، نواب مکرم خان کے چچا

سید میر خوافی نام اور امیر خان خطاب، وہ شیخ میر خوافی کا چھوٹا بھائی تھا، جب شیخ میر خوافی مارا گیا تو اس کو چار ہزار ذات اور تین ہزار سوار کا منصب ملا، چوتھے سال جلوس عالمگیری (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) میں اسے کابل کا صوبہ دار بنایا گیا اور گیارہویں جلوس عالمگیری (۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء) تک وہ کابل کا صوبہ دار رہا، اس کے بعد وہ استعفاء دے کر دہلی میں مقیم ہوگیا، ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰ء میں انتقال ہوا، لاولد تھا۔

(مآثر الامراء ۲/۲۶۹-۲۸۰)

نیز ملاحظہ ہو: حبیبی: تاریخ افغانستان ۱۲۳-۱۲۴

حضرت خواجہ محمد معصوم کا ایک مکتوب اسی سیادت پناہ امیر خان کے نام ہے، جو حدود ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء میں تحریر کیا گیا، یہ مکتوب "تحریص بر تحصیل معرفت" کے موضوع پر ہے۔ (۲/۱۰۰/۱۵۷)

Marfat.com

حضرت خواجہ کے ایک خلیفہ صوفی پایندہ محمد کابلی (رک بہ تعلیقات مقاماتِ معصومی ۵۰۱/۱۹_۲۲) کے ساتھ امیر خان کے روابط تھے، حضرت خواجہ کا ایک مکتوب صوفی پایندہ محمد نے امیر خان کو دیا تھا۔

(مکتوبات معصومیہ ۳/۲۱۲/ ۲۵۷)

حضرت خواجہ سیف الدین نے سید امیر خان کی وفات ۱۰۸۰ھ/ ۱۶۷۰ء پر بی بی عرب خانم کے نام تعزیت نامہ لکھا تھا، فرماتے ہیں:

نمی داند کہ چہ نویسد و چگونہ شرح دھد کہ از استماع خبرِ وحشت اثر واقعۂ ھائلہ خان مغفرت نشان محبوب القلوب...... چہ قسم الم و اندوہ بہ این دل فگار رسیدہ...... روزی کہ این خبر رسیدہ حالی کہ بہ جمیع اھلِ خانہ طاری شد کہ تاب بیان نہ دارد...... **(مکتوبات سیفیہ ۴۷/۶۶)**

اس مکتوب سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خانوادے کے ساتھ حضرات مجددیہ کے گہرے تعلقات تھے بلکہ یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ مکتوب الیہا بی بی عرب خانم کا بھی حضرات سے عقیدت مندانہ تعلق تھا، یہ غالبًا سید امیر خان کی بیوی ہوگی، اس خاتون کے نام حضرت خواجہ سیف الدین کے مندرجہ ذیل مکاتیب ہیں: ۴۷/ ۶۶، ۳/ ۷۳، ۱۰۷/ ۷۹، ۱۱۸/ ۱۵۵، ۱۷۶

سید میر ابراہیم محتشم خان بن شیخ میر خوافی، اورنگ زیب کے منصب داروں میں سے تھا، اس کو ایک ہزاری ذات اور چار سو سوار کا منصب ملا اور اس کے منصب میں ترقی ہوتی رہی، وہ مختلف مہمات میں اہم کردار ادا کرتا رہا، اس پر پریشانیاں بھی بہت آئیں، اس کے باپ کی خدمات کے عوض اورنگ زیب نے اُسے بہت نوازا (مآثر الامراء ۳/ ۵۳۶_۵۳۹)، ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۸ء میں اس کا انتقال ہوا۔ (تاریخ محمدی ۲۳)

میر ابراہیم کے بیٹوں میں میر محمد جان سب سے قابل تھا، اُسے باپ کا خطاب محتشم خان دیا گیا وہ دکن میں بخشی کے عہدے پر فائز رہا، اس کا بیٹا حشمت اللہ خان تھا (مآثر الامراء ۶۵۲)، میر جان ذی علم تھا، اس کا شمار علماء میں کیا گیا ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/ ۲۹۳)

Marfat.com

میر محمد ابراہیم محتشم خان کے نام حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل چھ مکاتیب ہیں:

۲/۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۳/۱۳۷، ۱۹۲، ۲۲۵

اسی طرح حضرت خواجہ سیف الدین کے بھی چھ ہی مکتوبات اس کے نام ہیں، جن میں اُسے ''خان سعادت نشان محتشم خان'' لکھا گیا ہے۔ ۱۹/۳۴، ۱۰۸/۱۳۸، ۱۵۷/۱۷۷، ۱۵۸/۱۸۰، ۱۶۲/۱۹۱، ۱۸۴/۲۰۳۔۲۰۵

حضرت خواجہ اور حضرت خواجہ سیف الدین دونوں بزرگوں نے اُسے قیمتی نصائح سے نوازا ہے اور اسے ذکر وفکر میں مصروف رہنے کی تلقین کی ہے۔

میر یعقوب مخاطب بہ شمشیر خان بن شیخ میر خوافی، یہ اپنے بھائیوں میں سب سے شجاع تھا، اپنے بھائی نواب مکرم خان کے ساتھ ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء میں افغانوں کی تنبیہ کے لئے درۂ جانوس کی طرف روانہ ہوا اور سخت معرکے میں مارا گیا۔ (مآثر الامراء ۲/ ۶۶۸، ۴۸۲)

حضرت خواجہ کے مندرجہ ذیل دو مکاتیب اس کے نام ہیں:

۱۔ در تحریص بر مخالفت نفس امارہ وتصحیح عقائد...... (۲/۱۱/ ۳۶، ۳۹) شمشیر خان

۲۔ در تحریص بر ذکر وطاعات (۳/۱۹۳/ ۲۴۱) باسم میر محمد یعقوب

حضرت خواجہ نے مکتوب بنام میر محمد اسحٰق ومیر ابراہیم میں میر محمد یعقوب کے بارے میں دریافت کیا ہے:

برخورداری میر محمد یعقوب بہ جمعیت باشد از احوال خود گاھی نمی نویسد (۳/۱۵۹/ ۲۱۲)

مکتوبات معصومیہ کی جلد دوم میں جو ۱۰۷۲ھ میں مکمل ہوگئی تھی میر یعقوب کے نام خط میں جامع نے اُسے ''شمشیر خان'' لکھا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اُسے یہ خطاب ۱۰۷۲ھ/۱۶۶۲ء سے پہلے مل چکا تھا۔

مکتوبات معصومیہ کی جلد دوم کا مکتوب نمبر ۱۵۱ ہے (سہو کتابت ۱۵۳)، چونکہ مولف مقاماتِ معصومی نے وضاحت کی ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے دوران ان کے پیش نظر مکتوبات معصومیہ کی آخری دو جلدیں نہیں تھیں (۵۱۰/۳۔۵)، انہوں نے اسے حافظہ کی بنیاد پر لکھا ہے، سارے منقولہ اقتباس میں حافظہ کا

Marfat.com

تصرف موجود ہے، پورا مکتوب اسی موضوع پر ہے:

میر اسحٰق مخاطب بہ مکرم خان خوافی، شیخ میر مذکور کا دوسرا بیٹا ہے، اورنگ زیب شیخ میر کی خدمات کے عوض اس کی اولاد کو نوازتا رہا، اس کے صلے میں اس نے میر اسحٰق کو بھی عمدہ منصب اور مکرم خان کا خطاب دیا، اُسے افغانوں کی بغاوت ختم کرنے کے لئے بھیجا گیا، وہ لاہور اور ملتان کا گورنر بھی رہا، مولف اس کی گورنریٔ ملتان ۱۰۹۹ھ/ ۱۶۸۸ء کے زمانے میں اس سے ملے تھے (کتاب مقامات معصومی ۳/۴۷ ۱۸۔۱۹)، مکرم خان خود استعفا دے کر دہلی میں گوشہ نشین ہو گیا تھا (مآثر الامراء ۳/ ۵۷۵۔۵۷۹)، ۱۹ محرم ۱۱۲۹ھ/ ۱۷۱۶ء کو اس کا انتقال ہوا۔

(تاریخ محمدی ۳۶)

نواب مکرم خان کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم کے مندرجہ ذیل پانچ مکتوبات ہیں:

۱۔ پہلے مکتوب کا کچھ حصہ مولف حافظہ کی بنا د پر نقل کر چکے ہیں (۲/۱۵۱/۲۵۰۔۲۵۱)

۲۔ اس مکتوب میں اُسے ترک ملازمت پر مبارک باد دی ہے:

مکتوب شریف رسیده مسرت بخش گردید از ترک علاقهٔ نوکری نوشته بودند هزار لشکر که به سهولت و عافیت میسر شد نیك و مبارك است، حق سبحانه استقامت کرامت فرماید (۲/۱۵۲/۲۵۱/۲۵۳)

جلد سوم کے پہلے دونوں مکاتیب میں اس کے احوال پر تحسین کی گئی ہے (۳/۱۵۹، ۱۶۵)، تیسرے مکتوب میں اُس سے کہا گیا ہے کہ اپنے باطنی مسائل کے سلسلے میں میرے فرزند میاں حضرت یعنی مروج الشریعت سے رجوع کرو۔ (۳/۲۲۶/۲۷۲)

نواب مکرم خان پر کئی مرتبہ عتاب شاہی بھی نازل ہوا، ایک مکتوب بنام بی بی خانمی بنت تربیت خان مرحوم میں حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ لکھتے ہیں:

چه نویسد که از استماع خبر وحشت اثر اختلالِ حال برخورداری میر محمداسحق چه قدر کلفت حاصل شد...... (مکتوبات سعیدیہ ۷۷/۱۳۶)

Marfat.com

حضرت مروج الشریعت کے دو مکاتیب نواب مکرم خان کے نام ہیں (خزینہ ۴۷/۶۹ـ۷۲، ۷۳/۱۰۲ـ۱۰۳)، اسی طرح حضرت خواجہ سیف الدین کے بھی دو خطوط اس کے نام ہیں، جن میں اس کی بلند ہمتی اور اس کے باطنی احوال کے عروج کا ذکر ہے۔ (مکتوبات سیفیہ ۱۷/۳۱،۲۱/۳۷)

حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی کے ساتھ بھی مکرم خان کے روابط تھے۔ (وسیلۃ القبول ۱/۲۵/۳۶)

شعراء اور صوفیہ کے تذکروں میں اس کی علم پروری اور اہل علم وفقراء نوازی کے واقعات بکثرت درج ہیں، اس کے دربار میں مشہور شعراء غنیمت کنجاہی، میر راسخ سرہندی اور محمد سعید اعجاز رہتے تھے، تفصیل کے لئے دیکھئے: انصاری، نور الحسن: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۱۱، ۵۶، ۴۷، ۴۳، ۳۰۳، ۴۰۸

حضرت میرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ـ۱۱۹۵ھ/۱۷۰۰ـ۱۷۸۱ء) نے نواب مکرم خان کی حضرت خواجہ محمد معصوم کے ساتھ عقیدت کو سب سے زیادہ عمدہ پیرایۂ بیان میں واضح کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اورنگ زیب نے نواب سے دریافت کیا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ نواب نے جواب دیا چار سال، یعنی وہ عرصہ جو میں نے اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ محمد معصوم) کی خدمت میں گذارا، حضرت خواجہ اس کے ہاں کھانا تناول فرمالیتے تھے اور اس کے کھانے کو نور خیال فرماتے تھے۔ (مقامات مظہری ۳۵۲ـ۳۵۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب مکرم خان مسلسل چار سال تک حضرت خواجہ کی خدمت میں رہا، مکرم خان لاولد تھا، اس نے عبید اللہ خان کو اپنا متبنیٰ بنالیا۔ (ماثر الامراء ۳/۵۷۷)

Marfat.com

نواب مکرم خان کے خاندانی اسماء بصورت شجرہ ملاحظہ کریں:

شیخ میر خوافی + سید میر خوافی (لاولد)

میر ابراہیم محتشم خان (ف ۱۱۲۹ھ)

میر یعقوب شمشیر خان (ف ۱۰۹۶ھ)

دختر منسوب بہ میر عزیز اللہ (مآثر ۳/۵۷۶)

محمد اسحٰق مکرم خان (لاولد)

مخاطب بہ فدائی خان (ف ۱۱۵۰ھ) بن شیخ میر

مخاطب بہ فدائی خان بن خواجہ میر صلابت خان خوافی (تاریخ محمدی ۹۹)

میر محمد جان محتشم خان (ف ۱۱۵۶ھ)

دختر (متوفی ۱۱۶۰ھ) منسوب بہ عبید اللہ خان متبنی مکرم خان

عبید اللہ خان (متبنی)

سید محتشم خان

شیخ میر خوافی کی علاقائی نسبت ''خواف'' سے ہے، یہ علاقہ قدیم زمانے میں نیشا پور کے مضافات میں تھا لیکن اب مدت دراز سے اس ولایت کا بڑا حصہ ہرات میں شامل ہے۔ (تعلیقات مایل ہروی بر جغرافیۂ حافظ ابرو، مقدمہ ۳۳-۳۴)

سمعانی نے اس نسبت کی یوں وضاحت کی ہے:

الخوافی، بفتح الخاء المعجمة وفی آخرها الفاء بعد الواو والالف هذه النسبة الی خواف وهی ناحیه من نواحی نیسابور...... وهی متصلة بحدود الزوزن (الانساب ۵/۲۱۹)

ملاحظہ ہو: یاقوت: معجم البلدان ۲/۳۹۹ لیسترنج: بلدان الخلافۃ الشرقیہ ۳۹۷-۳۹۸

محمد معین: فرہنگ فارسی ۵/۴۸۸ بادیل، محمد آبادی: ظرائف وطرائف ۲۲۹۴

Marfat.com

اخون عبدالسلام نقشبندی کشمیری

حضرت اخون عبدالسلام کے والد بزرگوار مولانا خواجہ شاہ مسعود حسنی نقشبندی بھی اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے، گویا آپ حسنی سادات میں سے تھے، اور حضرت حافظ عبدالغفور پشاوری کے برگزیدہ خلفاء میں سے تھے، ان کی سکونت پشاور میں تھی، جہاں آپ ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم میں مصروف رہتے تھے، بہت سے افراد آپ کی توجہ سے زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے، حافظ عبدالغفور سے آپ کو بہت محبت تھی، آپ کو اپنے فرزند کی طرح چاہتے تھے، حافظ صاحب کی خواہش تھی کہ وہ میرے قائم مقام بن کر تعلیم و تربیت کے کام کو جاری رکھیں لیکن آپ نے یہ قبول نہ کیا، اس سے آپ کے علو مرتبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے چار فرزند تھے، اول سید مرادالدین خان، دوم اخون عبدالسلام، سوم ملا خواجہ عبدالکریم اور چہارم خواجہ محمد ابراہیم، موخرالذکر نے طویل عمر پائی، پشاور میں رہتے تھے اور وہیں حضرت حافظ صاحب کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ [1]

خواجہ شاہ مسعود حسنی کی تصانیف کا علم نہیں ہے، فقط ان کے چار مکاتیب ملے ہیں، جو ان کے فرزند کلاں خواجہ مرادالدین خان کے نام ہیں۔ [2]

شاہ مسعود حسنی کے فرزندوں میں سے اخون عبدالسلام سب سے زیادہ فعال اور نامور ہوئے ہیں، کم سنی سے ہی ان کے چہرہ پر سعادت کے آثار نمایاں تھے، ان کے بڑے بھائی مرادالدین شاہ جہان آباد (دہلی) کے قاضی القضات تھے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ابراہیم خان بن علی مروان خان ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء کو کشمیر کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا تو وہاں شیعہ سنی اختلاف اپنے عروج پر تھا، اس کی مدد کے لئے ارسلان خان کو دہلی سے کشمیر

۱۔ خواجہ شاہ مسعود حسنی کے یہ تمام تر حالات ''تحفۃ السلام'' مولفہ ابوالحسن سید محمد حسنی سے ماخوذ ہیں۔
۲۔ یہ مکاتیب ''تحفۃ السلام'' کے مولف نے نقل کر کے محفوظ کر لئے ہیں۔

Marfat.com

بھیجا گیا، ۱ تو وہ اخون صاحب کو بھی ساتھ لے گیا، آپ وہاں کچھ عرصہ رہے، پھر آپ کی والدہ نے اپنے دونوں بیٹوں یعنی اخون صاحب اور میاں عبدالکریم کو پشاور بلا لیا اور دونوں کو حافظ عبدالغفور پشاوری کے سپرد کر دیا کہ ان کی تعلیم وتربیت کریں، حافظ صاحب دن کے وقت ان کو کتب پڑھاتے اور رات کو باطنی تعلیم یعنی سلوک کا سبق دیتے تھے۔ ۲

اخون صاحب کی شادی وہاں پشاور میں ہی ہوئی، جہاں ان کے ہاں دو فرزند اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، ۳ اخون صاحب کے برادر اکبر پہلے دہلی کے مفتی مقرر ہوئے پھر قاضی بنائے گئے اور آخر میں قاضی القضاۃ ہو گئے، انہی مرادالدین نے اخون صاحب کو اورنگ زیب کا وکیل بنا کر کشمیر بھیجا، جہاں وہ محلّہ گوجوارہ میں رہنے لگے، ان کا قدیم گھر آستانہ سید محمد عراقی سے متصل تھا، جو محلّہ ملکو کے نام سے مشہور تھا۔ ۴

اخون صاحب کی ذات گنائی تھی، کشمیر میں گنائیوں کے کئی قبائل ہیں ☆ قاضی مرادالدین خان کی دو لڑکیاں تھیں، ایک کو اخون صاحب کے پاس بھیج دیا، اس کی وہیں شادی ہوئی اور ان کے ہاں ایک فرزند محمد عمر پیدا ہوئے، جن کا خطاب وحیدالدین خان تھا، ۵ ان کے دوسرے بیٹے ملا عبداللہ تھے، جو فریدالدین خان کے نام سے مشہور ہوئے، وہ کشمیر میں اپنے والد اخون صاحب کے جانشین تھے اور مریدین کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہتے تھے۔ ۶

۱۔ تاریخ کشمیر ۲/۵۳۶ ۲۔ روضۃ السلام

۳۔ روضۃ السلام ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً

☆ گنائی، کشمیر کی قدیم اقوام میں سے ہے، فارسی میں منشی کو گنائی کہتے ہیں، شیخ یعقوب صرفی کے اجداد میں سے بایزید کو گنائی کا خطاب ملا تھا کیوں کہ وہ اعلیٰ پائے کے خوش نویس اور منشی تھے، گنائی اہل قلم کو کہتے ہیں، گنائی عاصم بن حضرت عمر فاروق کی اولاد میں سے ہیں، بہر حال گنائی ایک قوم بھی ہے اور اہل علم کا لقب بھی، فوق نے کشمیر کے ان اکابر کی فہرست دی ہے، جو گنائی مشہور ہوئے۔

(تاریخ اقوام کشمیر ۱/۳۲۴۔۳۲۷)

Marfat.com

منصب وکالت

اخون صاحب تھے تو کشمیر کے ہی، پشاور اور دہلی سے برابر وہاں جایا آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ اورنگ زیب عالمگیر شدید بیمار ہوا، معالجین نے بہت علاج کیا لیکن صحت نہ ہوئی تو اخون صاحب کو بلایا گیا، انہوں نے فرمایا کہ فلاں کتاب میں اس کا علاج موجود ہے اور وہ کتاب شاہی کتب خانہ میں ہے، کتاب بادشاہ کے حکم پر لائی گئی، آپ نے نشاندہی کی، علاج کامیاب ہوگیا، تو بادشاہ نے آپ کو کشمیر کی وکالت پر متعین کیا۔ ۱؎ تحفۃ السلام میں درج ہے کہ بادشاہ نے داروغہ کتب خانہ کو بلا کر کہا کہ اخون صاحب کو ساتھ لے جاؤ، اخون صاحب گئے اور اس کتاب میں سے مذکورہ علاج تلاش کر کے بادشاہ کے حضور پیش کیا، جس پر بادشاہ نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں کشمیر میں وکیل مقرر کردیا۔ ۲؎

اس کے کچھ عرصہ بعد ہی اخون صاحب کو کشمیر کے مفتی کا عہدہ دیا گیا، اس کے بعد ان کو ترقی دے کر قاضی القضات بنادیا گیا اور اس کے بعد انہیں ''شیخ الاسلام کشمیر'' کا عہدہ مرحمت ہوا، اور کشمیر میں اقامت کی اجازت بھی مل گئی، آپ وکالت کی خدمت پر بھی بحال رہے، اس طرح آپ کے منصب وجاگیر میں بھی ترقی ہوئی اور آپ کو ظاہری دولت بھی نصیب ہوگئی، آپ کو چار مواضع جاگیر کے طور پر بھی دیئے گئے، ۳؎ ان دنوں اخون صاحب کی عمر ۲۵ رسال سے زیادہ نہیں تھی۔

آپ سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ سلوک کی مشق بھی کرتے رہے، اسی دوران آپ سالکوں کو سلوک کی تعلیم بھی دیتے رہے اور تفسیر، حدیث وفقہ کا درس بھی جاری رہا۔ ۴؎

مشائخ

اخون صاحب تصوف کے چاروں مروجہ سلاسل میں مجاز تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ کے مرشد حافظ عبدالغفور پشاوری تھے، طریقۂ قادریہ میں حضرت شاہ فی الحال از اولاد حضرت مجدد الف ثانی آپ کے شیخ تھے، سلسلۂ کبرویہ کی تعلیم آپ نے خواجہ محمد بادشاہ سے حاصل کی، طریقہ احسدیہ، افضلیہ، آدمیہ، بنوریہ کو

۱۔ روضۃ السلام ۱۸۸ ۲۔ محمد ابوالحسن حسنی: تحفۃ السلام ۱۵۔۱۶

۳۔ ابوالحسن حسنی: تحفۃ السلام ۱۶ ۴۔ روضۃ السلام ۱۸۹

Marfat.com

آپ نے ہی کشمیر میں متعارف کروایا تھا، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور اس سلسلہ کے رسائل پہلی بار آپ نے ہی کشمیر میں رائج کئے تھے۔ ۱

اب آپ کے ان مشائخ کے مختصر حالات بیان کئے جا رہے ہیں:

حافظ عبد الغفور پشاوری

حضرت حافظ عبد الغفور پشاوری، اصلاً کشمیر کے تھے، اور محلہ فتح کدال ۲ میں رہتے تھے، ان کے اجداد کا تعلق قوم خٹک سے تھا، اس لئے آپ اہل کشمیر کے ساتھ الفت کلی رکھتے تھے، ۳ فتح شاہ ۸۹۵ھ/ ۱۵۴۶ء کو کشمیر کا حاکم بنا تھا۔ ۴

حافظ عبد الغفور پشاوری بن شیخ محمد صالح، حضرت حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی پشاوری کے خلیفہ تھے، جو شیخ سعدی لاہوری (ف ۱۱۰۸ھ/ ۱۶۹۶ء) کے دست گرفتہ تھے، ان کا تعلق شیخ آدم بنوڑی (۱۰۵۳ھ/ ۱۶۴۳ء) سے تھا، جو حضرت مجدد الف ثانی کے مشہور ترین خلفاء میں سے تھے۔

حافظ عبد الغفور پشاوری نے طویل عمر پائی تھی اور آپ ۱۴ شعبان ۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء کو فوت ہو کر پشاور میں دفن ہوئے۔ ۵

اخون عبد السلام کی والدہ بھی حافظ عبد الغفور پشاوری سے گہری عقیدت رکھتی تھیں، ان کی والدہ نے اپنے دونوں فرزندوں اخون صاحب اور میاں عبد الکریم کو کشمیر سے پشاور طلب کر کے اپنے شیخ کے سپرد کر دیا کہ ان کی تربیت کریں، چنانچہ دونوں بھائی پشاور میں ہی رہے، جہاں حافظ صاحب نے اخون صاحب کی ظاہری و باطنی تعلیم کا اہتمام کیا، موصوف ان کو دن کے وقت درسی کتب پڑھاتے اور رات کو باطنی (سلوک) کی تعلیم دیتے تھے، ۶ حافظ عبد الغفور نے لاہور جا کر شیخ سعدی لاہوری سے بھی طریقہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں فیض پایا تھا، ۷ حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ

۱۔ ایضاً: ۱۸۹ ۲۔ فتح کدال، کشمیر میں ایک پل تھا، جسے وہاں کے حاکم فتح شاہ نے ۹۰۶ھ کو بنوایا تھا، (تاریخ کشمیر از حسن ۱/۳۱۲) ۳۔ ایضاً ۲/۲۱۶ ۴۔ روضۃ السلام ۱۷۸

۵۔ روضۃ السلام ۱۸۰، ۹۴ب ۶۔ ایضاً ۱۸۳ ۷۔ خزینۃ الاصفیاء ۱/۶۵۴

Marfat.com

حافظ عبدالغفور پشاوری ساری رات حبس دم ومراقبہ کرتے رہتے تھے۔ ۱

ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حافظ عبدالغفور کشمیر سے پشاور جا کر دعوت وارشاد میں کیوں مصروف ہوئے تھے، اولیاء عام طور پر روحانی امر کے تحت تبلیغ کے لئے اپنا مقام منتخب کرتے ہیں، آپ کا مزار پشاور چھاؤنی میں تھانہ شرقی کے سامنے واقع ہے ۲ حافظ پشاوری کے مکتوبات بنام اخون صاحب کا خلاصہ ''روضۃ السلام'' میں درج ہے (۱۰۵۔الف)

اخون صاحب نے طریقۂ کبرویہ کی اجازت خواجہ محمد بادشاہ سے لی تھی۔ ۳

اخون صاحب کو سلسلۂ شطاریہ میں شیخ محمد شطاری سے اجازت حاصل تھی۔ ۴

حضرت شاہ فی الحال

شاہ فی الحال بن حضرت خواجہ محمد اشرف (۱۰۴۳۔۱۱۱۸ھ/ ۱۶۳۳۔۱۷۰۷ء) بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی بن حضرت مجدد الف ثانی، اپنے اکابر کی تقلید میں راسخ قدم تھے، آپ نے حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی (ف ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء) بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی سے بھی توجہات وبشارات حاصل کی تھیں اور اپنی آخری عمر میں موصوف نے براہ راست حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کی خدمت میں بھی رجوع کیا تھا۔ ۵

شاہ فی الحال نے ظاہری علم حد کمال تک حاصل کیا، اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا درس بھی دیتے تھے، آپ اپنے وقت کے اکابر مشائخ میں سے تھے، ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء کو وصال ہوا، ۶ آپ کا پورا نام محمد یونس الشہنشاہ فی الحال تھا، جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''مواہب القیوم'' کے آغاز میں لکھا ہے۔

شاہ فی الحال کئی کتابوں کے مولف تھے، معاصر مولف شیخ صفر احمد معصومی کا بیان ہے کہ آپ ''صاحب تصانیف زیبا نکات'' تھے، ۷ دوسرے معاصر شیخ کمال الدین محمد احسان کی روایت ہے

۱۔ایضاً ۶۵۷ ۲۔تذکرہ علماء ومشائخ سرحد ۷۳/۱ ۳۔روضۃ السلام ۹۸۔ب

۴۔ایضاً ۴۹۔الف،ب ۵۔صفر احمد معصومی: مقامات معصومی ۳۳۲/۳۔۳۳۳

۶۔روضۃ القیومیہ (فارسی قلمی ۴۲۴/۲) ۷۔مقاماتِ معصومی ۳۲/۳

Marfat.com

"تصانیف بسیار دریں علم کردہ است"۔[۱]

شاہ فی الحال کشمیر بھی تشریف لے گئے تھے،[۲] شاہ فی الحال کے تین فرزند تھے، شاہ جلال، شیخ محمد اور شیخ عبداللہ، ان میں سے صرف شیخ محمد کے ایک فرزند میاں احمد اور ایک دختر محمدی یا احمدی بیگم تھیں، جن کا نکاح شیخ غلام نقشبند بن غلام یحیٰی سے ہوا تھا۔[۳]

تالیفات

میاں شاہ فی الحال کی ہمیں تا حال حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

(۱) حجۃ الحق فی دفع اعتراضات شیخ عبدالحق

اس کتاب میں مولف نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکشوفات پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں، جو آپ نے ایک مکتوب کی صورت میں تحریر کئے تھے۔

اس رسالہ کی ابتداء خاصی فکر انگیز ہے کہ شیخ محدث کے اس رسالۂ اعتراضات کا کتنا گہرا اثر ہوا، اس رسالہ میں مولف نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کی صاحبزادی ان کی والدہ تھیں، یعنی آپ کی بیٹی فخر النساء کا نکاح خواجہ محمد اشرف سے ہوا تھا،[۴] اس رسالہ کے کئی خطی نسخے ہمارے علم میں ہیں۔

(۲) مواہب القیوم فی تائید الاحمد والمعصوم

اس کے آغاز میں مولف نے اپنے والد گرامی خواجہ محمد اشرف (ف ۱۱۱۸ھ) کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ سبحانہ" لکھا ہے، جس سے واضح ہے کہ انہوں نے یہ رسالہ اپنے والد کے حین حیات تالیف کیا تھا۔

ہمیں اب تک اس رسالہ کے صرف دو خطی نسخوں کا علم ہے۔

یہ رسالہ مولف نے حضرت مجدد الف ثانی اور آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کی تائید اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں لکھا تھا۔

۱۔ روضۃ القیومیہ ۲/۴۲۴ ۲۔ روضۃ السلام ۱۸۸ ۳۔ مقامات معصومی ۴/۲۲۹ (بحوالہ ہدیہ احمدیہ وانساب الانجاب) ۴۔ روضۃ القیومیہ ۱/۲۰۹، ہدیہ احمدیہ ۳۵

Marfat.com

(۴) مقاماتِ حضرت خواجہ محمد معصوم

مقاماتِ معصومی کے معاصر مولف نے وضاحت کی ہے کہ ہماری اس کتاب کی تالیف (۱۱۳۴ھ) سے چند سال پہلے مولف شیخ شاہ فی الحال نے حضرت خواجہ کے احوال و مناقب پر ایک کتاب لکھی تھی، [1] اس کتاب کے کسی خطی نسخے کے وجود کا ہمیں تا حال علم نہیں۔

اخون عبدالسلام نے طریقۂ قادریہ کی اجازت انہی شاہ فی الحال سے لی تھی، جو کشمیر بھی تشریف لائے تھے، [2] آپ کا سلسلۂ قادریہ اس طرح ہے:

اخون صاحب خلیفہ شاہ فی الحال، شیخ محمد اشرف سرہندی (والد خود)، حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ سکندر کیتھلی، حضرت شاہ کمال کیتھلی، شاہ فضل اللہ، سید شاہ گدا...... شیخ شاہ عبدالرزاق، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ [3]

حاجی محمد اسماعیل غوری پشاوری

آپ حضرت شیخ سعدی لاہوری (۱۱۰۸ھ/ ۱۶۹۶ء) کے اکابر خلفاء میں سے تھے، آپ نے یار محمد گل مہاری خلیفۂ حضرت شیخ آدم بنوری سے بھی بہرہ کامل حاصل کیا تھا، اور حضرت شیخ آدم بنوری کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے تھے، آپ نے طویل عمر پائی تھی، جو ایک سو پندرہ سال کے قریب تھی، [4] آپ نے طویل سفر کئے تھے، حرمین الشریفین، بغداد، کربلا، بسطام اور بخارا تک کے مشائخ سے ملاقات و استفاضہ کیا تھا اور سلاسل قادریہ چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے مشائخ سے فیض یاب ہوئے تھے، آخر لاہور آ کر حضرت شیخ سعدی لاہوری مذکور کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی تکمیل کی، آپ کا قیام زیادہ تر مسجد مہابت خان، پشاور میں تھا۔

۱۔ مقاماتِ معصومی ۳۳۲/۴ ۲۔ روضۃ السلام ۱۸۸

۳۔ تحفۃ السلام ۱۸ (یہاں مولف سے شجرہ کے اسماء تحریر کرنے میں غلطی سرزد ہوئی ہے، اہل کیتھل کے بزرگوں نے اپنا ایک طویل شجرہ مرتب کیا ہے۔ (بزرگان کیتھل ۶۶۔۸۳)

۴۔ روضۃ السلام ۷۹۔الف، ۸۱۔الف

Marfat.com

آپ کا وصال ۵ر جمادی الآخر ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء کو ہوا، ۱؎ پشاور شہر میں تھانہ شرقی کے سامنے متصل کچہری آپ کا مزار ہے، ۲؎ آپ کے پہلو میں آپ کے خلیفۂ خاص اخوند عبدالغفور مذکور کا مزار بھی ہے۔

اخون صاحب کا نسب

اخون عبدالسلام نسباً حسنی سادات میں سے تھے، آپ کا خاندان ماژندران کے وزراء میں سے تھا، آپ کے بڑے بھائی مفتی فریدالدین خان نے اپنی کتاب تحفۂ شاہی میں اپنے خانوادہ کو ملنے والی اسناد درج کی ہیں اور لکھا ہے کہ ہمارے اخون صاحب حسنی نقشبندی تھے۔

عبداللہ، جو کہ آپ کے معاصر تھے نے اپنی کتاب حالات الکرام میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میرے استفسار پر فرمایا کہ میرے جد اعلیٰ کا نام سید ابی سعید محمود حسنی تھا، وہ اپنی سیادت کا اظہار پسند نہیں کرتے تھے۔ ۳؎

اخون صاحب کے خلفاء

روضۃ السلام کی معاصر روایت کے مطابق اخون صاحب سے بیعت ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جب کشمیر سے باہر آپ کی روحانیت کی شہرت ہوئی تو دور دراز سے طالب سلوک حاضر ہونے لگے، لیکن یہاں ہم صرف آپ کے چند مخصوص خلفاء کا مختصر ذکر کر رہے ہیں:

شیخ محمد عابد کاوسی

مولف روضۃ السلام شیخ شرف الدین زگیر سے تقریباً ایک سال پہلے اخون صاحب کی خدمت میں آئے اور ۲۶ رسال تک اُن کی آمد و رفت رہی، ۴؎ موصوف ملا یوسف کی اولاد میں سے تھے، مرشد کے وصال کے بعد مسند ارشاد کو رونق بخشی اور سالکین کی تربیت میں مصروف ہوگئے، ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء کو وصال ہوا، اپنے اسلاف کے مقبرہ میں دفن کئے گئے، ۵؎ روضۃ السلام میں شیخ کاوسی کا ایک مکتوب بھی نقل ہوا ہے، ۶؎ اخون صاحب کا ایک مکتوب بھی شیخ کاوسی کے نام نقل کیا گیا ہے۔ ۷؎

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ۱/۶۵۳ ۲۔ تذکرہ علماء ومشائخ سرحد ۱/۴۸ ۳۔ تحفۃ السلام ۵۱

۴۔ روضۃ السلام ۱۹۴ ۵۔ مسکین محی الدین: تحائف الابرار ۲۶۷ ۶۔ روضۃ السلام ۲۷۹۔۲۸۰

۷۔ روضۃ السلام ۴۱۹ نسبت کاوسی یا کاوسو کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں، فوق: تاریخ اقوام کشمیر ۲/۳۵۳

Marfat.com

شیخ شرف الدین محمد زگیر

آپ روضۃ السلام کے مولف ہیں، آپ کے احوال علیحدہ لکھے جاچکے ہیں۔

بابا محمد عثمان ساکن متصل دنکوجی

شیخ عبدالرزاق

آپ قصبہ سوپور۱ میں رہتے تھے، جوانی میں اکتساب طریقت کے لئے ایک ولی کی خدمت میں چھ ماہ تک رہے تھے، اس کے بعد اخون صاحب کی خدمت میں آئے، جہاں آپ نے سلوک کی تکمیل کی اور پھر ساری زندگی عبادت و ریاضت میں گذار دی، ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء کو وصال ہوا اور محلّہ دانا پورہ میں دفن ہوئے، انہوں نے اخون صاحب کے احوال پر ایک کتاب ''دارالسلام'' کے نام سے لکھی تھی، ۲ اس تذکرہ کے کسی خطی نسخہ کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

کتاب ''روضۃ السلام'' میں اخون صاحب کے دیگر خلفاء کے اسماء بھی واقعات کے دوران نظر آتے ہیں۔

اخون صاحب کے دیگر خلفاء میں سے شیخ حمید اللہ بن شیخ محمد نظام، خواجہ امان اللہ بن خواجہ ابوالفتح عرف باہو (متعین شاہ جہان آباد)، حاجی میر تیمور ختنی، خواجہ بقا بن خواجہ فخر الدین، شیخ عبدالرحمٰن، رحمٰن قلی یارکندی، شاہ ابوالبقا کشمیری ۳ ملا رحمت اللہ فرجی ساکن محلّہ علاء الدین ۴ شیخ محمد طاہر کشمیری (سترہ سال کی عمر میں اخون صاحب سے متوسل ہوئے)، ۵ شاہ ابوالبقا کشمیری، ۶ بابا عثمان نے آپ سے اجازت نقشبندیہ لی اور اخون صاحب کو طریقۂ سہروردیہ کی اجازت بھی دی، ۷ بابا محمد یوسف (ازاولاد ملاحسین) ۸

۱۔ قصبہ سوپور، کشمیر کے بڑے قصبات میں سے ہے، اس کا بانی سویا نام کا تھا، نتی ورما (۸۵۵۔۸۸۳ء) کے عہد میں وہ وزارت کے منصب پر فائز تھا۔ (تاریخ کشمیر از حسن کھویہامی ۱/۱۵۱)

۲۔ تحائف الابرار ۲۶۷ ۳۔ روضۃ السلام ۱۰۲۔الف،ب ۴۔ ایضاً ۱۲۴،ب

۵۔ ایضاً ۱۳۵،الف ۶۔ ایضاً ۱۰۲،الف ۷۔ ایضاً ۲۸۸،الف

۸۔ ایضاً ۳۱۶،ب

Marfat.com

تالیفات

اخون صاحب شب وروز درس وتدریس اور دعوت وارشاد میں مصروف رہتے تھے، آپ کے اوقاتِ کار میں تصنیف وتالیف کی گنجائش بہت کم تھی، ''روضۃ السلام'' کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ''شرح الاربعین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ [۱]

اخون صاحب اس عہد کے ادبی ماحول کے مطابق سخن گوئی کا ملکہ بھی رکھتے تھے، آپ نے اپنے شیخ حافظ عبدالغفور پشاوری کے ایک مکتوب کا خلاصہ ایک شعر میں بیان کیا تھا۔ [۲]

اخون عبدالسلام کشمیری کا وصال

شیخ شرف الدین محمد زگیر مولف ''روضۃ السلام'' اخون صاحب کے وصال کے وقت آپ کے پاس موجود تھے، انہوں نے وصال کے واقعات چشم دید گواہ کے طور پر لکھے ہیں، ان کے مطابق ماہ شوال میں آپ کی علالت کا آغاز ہوا اور اسی مہینے میں ۱۸ رشوال ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۸ء کو آپ کا وصال ہوگیا، [۳] آپ کو آپ کے مسکن محلّہ گوجوارہ متصل خانہ خود دفن کر دیا گیا۔ [۴] ۱۸۷۸ء (سال تالیف تاریخ کشمیر از حسن کھویہامی) میں جہاں ملک جلال کی خانقاہ بھی تھی اور اُسے قضا مسجد بھی کہا جاتا تھا، میں آپ کا مزار تھا۔ [۵]

۱۔ روضۃ السلام ۴۷۰۔ب ۲۔ ایضاً ۴۸۔الف

۳۔ ایضاً ۱۹۲، متاخرین نے بھی یہی تاریخ وسالِ وفات لکھا ہے: ملاحظہ ہو:

(i) تحفۃ السلام ۴۸۔۵۰ (ii) تاریخ کشمیر از حسن کھویہامی ۴۷۲/۳ (اسرار الاخیار، تذکرہ اولیائے کشمیر)

(iii) تحائف الابرار ۲۴۸

۴۔ روضۃ السلام ۵۔ تاریخ کشمیر ۳۴۸/۱

Marfat.com

سلسلۂ نقشبندیہ کے کشمیر پر اثرات

روضۃ السلام کے صاحب سوانح اخون عبدالسلام کشمیری خود نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے اس عنوان سے اس سلسلہ کے چند حوالے یہاں دیئے جارہے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ یہ سلسلہ وسطی ایشیاء میں پروان چڑھا، اور اس خطے کی معتدل آب وہوا کشمیر کے موسم سے مطابقت رکھتی تھی، اسی لئے ان علاقوں سے برعظیم پاکستان و ہند میں آنے والے کشمیر میں قیام کرنا زیادہ پسند کرتے تھے، اس موضوع پر ہم نے کوئی خاص جدوجہد نہیں کی بلکہ مختلف اوقات میں جو معلومات اپنی کتابوں میں جمع کی تھیں وہ یہاں یک جا کردی ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے قدیم حوالہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا ہے، جو طلب شیخ میں لاہور سے کشمیر گئے تھے، جہاں آپ شیخ علی باباوالی ثم کشمیری ۱ (۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء) کی خدمت میں نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کے ہمراہ کشمیر گئے اور وہاں اُن کی خدمت میں دوسال تک قیام کیا۔ ۲

خود حضرت خواجہ باقی باللہ کے عزیز و اقارب کا تعلق کشمیر سے تھا، آپ کی زوجۂ ثانیہ کشمیر کی تھیں، جو کلمات الصادقین اور طبقات شاہ جہانی کے مولف خواجہ محمد صادق کشمیری ہمدانی کی بہن تھیں، ان کے جداعلیٰ مولانا حاجی محمد کشمیری (ف ۱۰۰۶ھ) تھے، جن کے تین فرزند ملا الہ داد (ف ۱۰۳۱ھ)، ملا حسن کشمیری (ف ۱۰۵۲ھ) اور ملا ابراہیم دہلوی قابل ذکر ہیں، ان میں ملا حسن کشمیری تو وہی تھے کہ جب حضرت مجدد الف ثانی ۱۰۰۸ھ کو حج پر جاتے ہوئے دہلی میں ٹھہرے تو وہ آپ کو لے کر حضرت خواجہ کی خدمت میں

ا۔ باباعلی والی کا تعلق قصبہ وال سے تھا، جو توابع بدخشاں کے قریہ ختلان میں واقع ہے، موصوف سلسلۂ کبرویہ میں شیخ حسین خوارزمی اور شیخ محمد شریف حسین سے ارادت رکھتے تھے (تاریخ کشمیر اعظمی ۱۰۹۔۱۱۰) وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں بھی مجاز تھے (کلیات خواجہ باقی باللہ، ملفوظات ۲۱)

۲۔ زادالمعاد ا/ ۸۷۔۸۸، ۱۰۷

Marfat.com

حاضر ہوئے تھے، انہی حاجی محمد کشمیری کی نواسی حضرت خواجہ کی زوجۂ ثانیہ تھیں، جن کے بطن سے خواجہ خُرد متولد ہوئے تھے، مشہور شاعر حافظ محمد خیالی کشمیری (ف ۱۰۵۱ھ) بھی انہی حاجی محمد کشمیری کے پوتے تھے، اور خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری مذکور جو حضرت خواجہ کی زوجۂ ثانیہ کے سگے بھائی تھے، جن کے دو فرزند خواجہ محمد یعقوب (مولف تذکرہ مشائخ دیدہ) اور خواجہ محمد صدیق (ف ۱۰۷۱ھ) بھی دہلی سے اکثر کشمیر آتے جاتے رہتے تھے۔ [۱]

حضرت مجدد الف ثانی کے استاد اخوند ملا کمال کشمیری (ف ۱۰۱۷ھ) تھے، جنہوں نے سلوک نقشبندیہ کی تعلیم حضرت خواجہ عبدالشہید نقشبندی احراری [۲] (ف ۹۸۲ھ) بن خواجہ خواجکا بن حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی خدمت میں حاصل کی، [۳] اخوند کمال کشمیری، خواجہ عبدالشہید سے کہاں فیض یاب ہوئے؟ ہمیں کسی تذکرہ میں اس مقام کا علم نہیں ہوسکا، چونکہ حضرت خواجہ سلاطین کے ساتھ لشکر میں مہمان کی حیثیت سے رہتے تھے اس لئے عین ممکن ہے کہ مغل بادشاہ کا لشکر کشمیر گیا ہو اور آپ وہاں حضرت خواجہ سے مستفیض ہوئے ہوں۔

۱۔ زاد المعاد ۲۰۲/۴

۲۔ بابر بادشاہ نے خود لکھا ہے کہ میں نے خواجہ عبدالشہید کو بلایا (توزک بابری ۶۵۳/۲، انگریزی ترجمہ) ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء تک آپ ہندوستان میں موجود تھے (اکبر نامہ ۱۰۹/۳ انگریزی ترجمہ)، موصوف خواجہ احرار کے حین حیات متولد ہوئے اور حضرت خواجہ نے انہیں گود میں اٹھایا تھا، وہ اٹھارہ سال تک ہندوستان میں رہے اور جب ان کا وقت اخیر آیا تو واپس سمرقند چلے گئے، جہاں وہ فوت ہوئے تو اپنے بزرگوں کے گورستان میں دفن کئے گئے، واپس جاتے ہوئے جب آپ کابل پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں میرزا شاہ رخ نے دس ہزار انسانوں کو قید کر رکھا ہے، آپ نے اُن کی رہائی کی سفارش کی تو انہیں رہا کر دیا گیا۔
(بدایونی: منتخب التواریخ ۲۹/۳، محمد صادق ہمدانی: طبقات شاہ جہانی ۶۷/۲۔۶۸)

۳۔ محمد اعظم ددہ مری: تاریخ کشمیر ۱۱۹

Marfat.com

اس کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی نے کشمیر کے علماء ومشائخ سے مراسلت کے ذریعہ رابطہ قائم کئے رکھا۔

مولانا حاجی یوسف کشمیری ۱، حافظ خواجہ مہدی علی کشمیری ۲، مولانا حسن کشمیری دہلوی ۳، مولانا محمد صادق ہمدانی کشمیری ۴ مذکور کے نام آپ کے مکاتیب موجود ہیں، جن میں ''یاران کشمیر'' سے آپ کے ان احباب ومریدین کا ذکر کیا گیا ہے جو کشمیر میں رہتے اور مصروف کار تھے، ان کے علاوہ معروف عالم، صوفی اور شاعر حافظ محمد خیالی (ف ۱۰۷۰ھ) کے بھی ہمارے نقشبندی مشائخ کے ساتھ روابط تھے، انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال (۱۰۱۲ھ) پر کئی قطعات تاریخ بھی لکھے تھے۔ ۵

حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفۂ اول شیخ تاج الدین سنبھلی ثم مکی کے خلیفہ حاجی مصطفیٰ نقشبندی کشمیری بھی کشمیر میں مدتوں دعوت وارشاد میں مصروف رہے۔ ۶ کشمیر میں حضرت خواجہ خاوند محمود کشمیری ثم لاہوری (ف ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲) کی روحانی وعلمی سرگرمیاں قابل ذکر ہیں، ان کی خانقاہ مدتوں کشمیر میں سلسلۂ نقشبندیہ کا روحانی مرکز رہی تھی، آپ حضرت خواجہ فرید الدین عطار کی اولاد میں سے تھے۔ ۷

اخون عبد السلام کشمیری کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد خصوصاً آپ کے کئی پوتے مسلسل کشمیر تشریف لاتے اور مدتوں قیام کرتے رہے تھے، جن کی تفصیلات ہمیں شیخ محمد مراد ننگ کشمیری کی تالیفات کے ذریعہ پہلی بار معلوم ہوئی ہیں، آپ کے پوتے حضرت شیخ عبد الاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) اور آپ کے خلیفۂ خاص شیخ محمد مراد ننگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء) نے شیخ وحدت سرہندی کی مجالس (ملفوظات) تحقیقات کے نام سے کشمیر میں ہی مرتب کی تھی، آپ کے مکتوبات گلشن وحدت اور آپ کے معاصرین کا تذکرہ تحفۃ الفقراء میں حضرات سرہند کے کشمیر میں ورود اور قیام کی

۱۔ مکتوبات امام ربانی ۱/۳۰۳، ۲۹۵ ۲۔ ایضاً ۱/۲۷۹، ۲۸۰، ۲/۵۲، ۳/۲۰

۳۔ ایضاً ۱/۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۲۷۹، ۳/۱۲۲ ۴۔ ایضاً ۱/۱۰۶، ۲/۲۲، ۲۸، ۳/۳۹

۵۔ زاد المعاد جلد سوم وچہارم ۶۔ مسکین: تحائف الابرار ص ۲۰۹

۷۔ ایضاً ۶۱۔۶۲، ۵۹

Marfat.com

تفصیلات سے مملو ہیں، شیخ وحدت کے علاوہ آپ کے بھائی علامہ محمد فرخ مجددی، شیخ علی رضا سرہندی، شاہ فی الحال بن شیخ محمد نقشبند ثانی بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا قیام سرہند اور اخون عبدالسلام کا ان سے سلسلۂ قادریہ کی اجازت لینا قابل توجہ امور ہیں، سمرقند کے مشہور مرکز سلسلۂ نقشبندیہ دھبید کے صوفیہ کا برابر حضرات سرہند سے رابطہ، وہاں کے سب سے مشہور عالم وصوفی شیخ موسیٰ خان دھبیدی (ف ۱۱۹۰ھ) کا حج پر جاتے ہوئے دہلی اور سرہند میں قیام اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے سمرقند سے روحانی برکات لے کر ہندوستان آنا، وہاں اس سلسلہ کا روحانی زوال اور پھر وہی برکات شیخ موسیٰ خان کا دہلی سے واپس دھبید لے جا کر ۱۱۶۰ھ سے ۱۱۹۰ھ یعنی تیس سال تک وہاں دھبید میں بیٹھ کر طالبوں کی رہنمائی کرنا خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

شیخ محمد مراد ننگ کشمیری کے بعد آپ کے خلیفۂ خاص محمد اعظم ددمری (مولف تاریخ کشمیر اعظمی) کے نوشتہ علماء، صوفیہ اور شعرائے کشمیر کے تذکرے ان تفصیلات سے بھرے پڑے ہیں، خواجہ عبدالرحیم ملقب بہ شق کمان کا دھبید سے کشمیر تشریف لانا اور اہل کشمیر کا ان سے فیض یاب ہونا، خود مولف روضۃ السلام کا ان سے بیعت ہونا اور اخون عبدالسلام کا ان سے فیض یاب ہونے کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

دور آخر میں شاہ نیاز احمد نقشبندی کشمیری (ف ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) کا کشمیر میں فیض عام ہونا اور پھر سکھوں کے کشمیر پر قبضہ کے باعث ان کا کابل چلے جانا یہ سب کچھ نقشبندی حضرات کی سرگرمیوں کے کشمیر پر اثرات ثابت کرنے کے لئے کافی شواہد ہیں۔

اس لئے روضۃ السلام کے مولف کا یہ بیان کہ کشمیر میں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کو رائج کرنے کا کام اخون صاحب کے وابستگان نے کیا تھا، ان کی غلط فہمی ہے۔

Marfat.com

حیات اخون عبدالسلام کشمیری کے مآخذ

اخون صاحب کے حالات مفرد اور عمومی تذکروں میں بھی ملتے ہیں، یہاں پہلے تو مفرد تذکروں کا مختصر تعارف کروایا جارہا ہے اور اس کے بعد عمومی تذکروں کا ذکر کیا جائے گا۔

روضۃ السلام

یہ کتاب اخون عبدالسلام کشمیری کے حالات پر سب سے مفصل ہے، اس کے مولف شیخ شرف الدین محمد زبیر کشمیری تھے، انہوں نے اخون صاحب کے انتقال ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۸ء کے اٹھارہ سال بعد ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء کو تالیف کی، اس خاندان کے ایک باشعور فرد مولوی سید ابوالحسن محمد حسنی نے ۱۸۹۷ء کو تحفۃ السلام کے نام سے فارسی میں ایک کتاب شائع کی جس میں اخون صاحب کے حالات بڑی تحقیق و جستجو سے لکھے، ان کا کہنا ہے:

> ''کتاب روضۃ السلام میں اس کے مولف نے جو روایات نقل کی ہیں وہ بغیر تحقیق و تطبیق کے درج کردی ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ مولف محقق نہیں تھے، اگر ان کی روایات کا دیگر مآخذ سے تقابل کیا جائے تو ان میں تفاوت نظر آتا ہے، ضرورت ہے کہ ان کو آپ کے خلفاء کی تحریرات و مکتوبات کی روشنی میں پرکھ کر قبول کیا جائے۔''

لیکن یہ حقیقت ہے کہ روضۃ السلام کے مولف نے جو ۲۶ سال سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے تھے، ان سے زیادہ معتبر راوی ان روایات کا کوئی دوسرا نہیں تھا، یہاں تک کہ اخون صاحب کے وصال کے وقت بھی وہ ان کے ہاں موجود تھے۔[۱]

دارالسلام

یہ بھی اخون عبدالسلام کشمیری کے احوال و مناقب پر معاصر کتاب ہے، اس کے مولف شیخ عبدالرزاق (ف ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء) آپ کے خلفاء میں سے تھے، اپنی زندگی کے ابتدائی چھ ماہ تک کسی شیخ سے وابستہ

۱۔ تحفۃ السلام ص ۱۰۴

Marfat.com

رہے پھر ساری زندگی اخون صاحب کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی، ان کی مدت صحبت بھی کسی طرح شیخ زگھیر سے کم نہیں ہوگی، یہ بھی بہت سی روایات کے امین ہوں گے، جو انہوں نے اپنی اس کتاب میں شامل کی ہیں، اس کے مولف نہ صرف آپ کے خلیفہ تھے بلکہ ہم محلّہ بھی تھے، [1] کتاب دارالسلام کے کسی خطی نسخے کے وجود کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

مآثر السلام فی ترجمۃ مولانا عبدالسلام

یہ بھی اخون عبدالسلام کشمیری کے احوال پر کتاب ہے، اس کا قلمی نسخہ کتابخانہ ندوۃ العلماء، لکھنو میں ہے، جس کا نمبر ۱۴۷ ہے۔ [2]

عمدۃ الانساب

اس کتاب میں اخون عبدالسلام کا شجرۂ نسب، احوال اور آپ کے خانوادہ کے بزرگوں کے مکتوبات اور نسخہ جات درج ہیں، یہ ایک قسم کی بیاض ہے، جس پر ملا عبداللہ بن اخون صاحب دوسری مہر میں ان کا خطاب مفتی فریدالدین خان بھی لکھا ہوا ہے، جس سے اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ یہ بیاض خود مفتی صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، ان سے یہ بیاض ان کے فرزند مفتی معین الدین خان کو ملی، ان سے مفتی مجیدالدین خان کو، جو ان کے بیٹے تھے ملی، ان سے حفیظ الدین خان، پھر ان کے فرزند رفیع الدین خان کے پاس آئی، ان کا بھی انتقال ہو گیا تو یہ بیاض کئی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی مولوی سلیم الدین خان کے ہاں آ گئی، تو وہاں سے تحفۃ السلام کے مولف مولوی ابوالحسن حسنی کو دستیاب ہوئی، جس سے انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں نقل واکتساب کیا، انہوں نے اخون صاحب کی اولاد کے تمام تر حالات اور ان کے والد کے ۱۲/ مکاتیب بھی اسی بیاض میں سے نقل کئے، گویا اخون صاحب اور ان کی اولاد کے احوال، جاگیروں کی دستاویزات کی نقول وغیرہ سب اسی بیاض میں محفوظ ہیں۔ [3]

۱۔ مسکین: تحائف الابرار ۲۶۷ ۲۔ احمد منزوی: فہرستوارہ کتابہای فارسی ۳/ ۲۲۵۹

۳۔ تحفۃ السلام ۵۳، ۱۹۔۲۵ وبہ بعد

Marfat.com

تحفۃ السلام

اخون صاحب کے متعلق یہ آخری کتاب ہے، جو مفرد تذکرہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں اخون صاحب کے یوم ولادت سے لے کر بلوغت، تحصیل علم، سلوک باطنی کی تکمیل، آپ کے مشائخ اور اولاد کی تفصیلات درج کی گئی ہیں، اس کے مولف مولوی ابوالحسن حسنی قادری چشتی بہت باخبر اور ناقدانہ ذہن و قابلیت کے مالک تھے، انہوں نے اخون صاحب کے متعلق شیخ شرف الدین زہگیر کے روضۃ السلام میں غیر محتاط رویہ پر تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ جب تک دوسرے تذکروں اور آپ کے خلفاء کی تحریرات سے ان کی درج کردہ روایات کا تقابل نہ کرلیا جائے، قبول نہ کی جائیں، اس میں تقریباً ۹۴ عنوانات ہیں، اخون صاحب کی اولاد در اولاد کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں، یہ پہلی کتاب ہے جس میں مولف نے روضۃ السلام کے آخری مالک مولوی محمد سلیم الدین بن محمد رشید الدین بن مولوی امین بن خواجہ عمر بن اخون عبدالسلام کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ دہلی میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۲ء کو فوت ہوئے، [۱] یقیناً ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس، برٹش لائبریری، لندن میں روضۃ السلام کا جو قلمی نسخہ ہے اور جس کے ظہریہ پر ان کے دستخط اور مہر ثبت ہے وہ انگریزوں کو دہلی میں ہی جب ۱۸۵۷ء میں ان کا گھر لٹا تو دیگر مخطوطات کے ساتھ روضہ کا یہ بیش بہا خطی نسخہ بھی ہاتھ لگا ہوگا، جسے خوش قسمتی سے انہوں نے مذکورہ ذخیرہ کا حصہ بنا کر لائبریری میں جمع کروادیا۔

صوفیۂ کشمیر کے عمومی تذکرے

صوفیۂ کشمیر کے عمومی تذکروں میں بھی اخون عبدالسلام کشمیری کے حالات خصوصیت سے لکھے ہیں، جن میں سے چند ایک کا مختصر تعارف کروایا جارہا ہے:

اخون صاحب کے معاصر تذکرہ نویس خواجہ محمد اعظم دڈمری (ف ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء) تھے، ان کی معروف ترین کتاب واقعات کشمیر معروف بہ تاریخ کشمیر اعظمی ہے، واقعاتِ کشمیر تاریخی نام ہے، اس سے سال تالیف ۱۱۴۸ھ برآمد ہوتا ہے لیکن مولف ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء تک اس میں اضافات کرتے رہے تھے،

۱۔ تحفۃ السلام ۶۲ عمدۃ الانساب بھی انہیں کے ذریعہ مولف تحفۃ السلام کو ملی تھی، (ایضاً ۵۳) تحفۃ السلام فارسی نثر میں ہے اور مطبع نولکشور لکھنو سے ۱۸۹۷ء کو طبع ہوئی تھی، اس کے کل ۱۰۴ صفحات ہیں۔

Marfat.com

البتہ روضۃ السلام میں مولف نے خواجہ محمد اعظم کا کئی مرتبہ احترام سے ذکر کیا ہے اوران کی تالیفات کے نام بھی لکھے ہیں، مولف کے مرشد شیخ محمد مراد ننگ کشمیری کی تالیفات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

یہ کتاب کشمیر پر مختلف سلاطین کے زمانہ حکومت کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہے، ہر بادشاہ کے زمانہ میں اس کے عہد کے مشاہیر علماء، صوفیہ اور شعراء کا مختصر تذکرہ بھی اس کی خاصیت ہے، یہ کتاب اخون صاحب کے روحانی عروج سے پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی اس لئے اس میں اخون صاحب کے احوال درج نہیں ہیں، یہ کتاب لاہور سے ۱۳۰۳ھ کو طبع ہوئی، پھر ۱۳۵۵ھ کو مفتی محمد شاہ سعادت کشمیری نے اس کو اس نسخہ کی بنیاد پر مرتب کیا جس پر مولف نے خود نظر ثانی کی تھی، آخری ترجمہ شمس الدین مرحوم کا ہے جس پر انہوں نے تعلیقات وتوضیحات بھی لکھی ہیں، لیکن خواہ مخواہ ایسی تعلیقات درج کر دی ہیں، جن کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں تھی، کسی غیر معروف شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، بلکہ مشہور اور متعارف حضرات پر طویل حواشی نے اسے طوالت دے دی ہے۔

دور آخر کے تذکروں میں سے محمد الدین لاہوری نے روضۃ الابرار میں روضۃ السلام کے مولف شرف الدین زہگیر کے حالات لکھے ہیں (ص ۷) حسن کھویہامی نے تاریخ کشمیر حسن کے تیسرے حصے میں اخون صاحب اور زہگیر کے مختصر حالات لکھے ہیں لیکن کوئی قابل توجہ بات نہیں لکھ سکے، البتہ محی الدین مسکین نے تحائف الابرار فی ذکر اولیاء الاخیار کے نام سے فارسی میں کشمری کے علماء، صوفیہ اور شعراء کا ایک قابل قدر تذکرہ ۱۳۲۱ھ کو تالیف کیا، جو انہوں نے امرتسر سے اسی سنہ کو شائع کیا، اس میں انہوں نے اخون صاحب، شیخ زہگیر اور ان سے وابستہ اصحاب کے حالات بڑے اہتمام سے جمع کئے ہیں اور کئی اہم امور اس میں قابل توجہ ہیں، جن کی ہم نے روضۃ السلام کے مقدمہ میں نشاندہی کر دی ہے۔

Marfat.com

شیخ شرف الدین زہگیر کشمیری

شیخ شرف الدین محمد نے اپنا عرف یا ذات زہگیر اور اپنے والد کا نام خواجہ محمد ابراہیم کشمیری لکھا ہے، ۱ آپ کشمیر کے مشہور صوفی، مفتی اور وکیل، قاضی، قاضی القضات اخون ملا عبدالسلام کشمیری نقشبندی کے خلیفہ تھے۔ ۲

شیخ زہگیر جب اخون صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی تو آپ نے استخارہ کرنے کا امر فرمایا، جس پر انہوں نے سات یوم تک استخارہ کیا، ۳ لکھا ہے کہ میں ۷۔ رمضان ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۵ء کو اخون صاحب سے مشرف ہوا، چند روز کے بعد ہی قلب جاری ہوگیا، ۴ آپ نے اپنی وفات سے چھ یا آٹھ ماہ قبل مولف سے فرمایا تھا کہ اپنے روحانی رابطہ پر نگاہ رکھنا، تمام تر ترقی اسی پر موقوف ہے، ۵ مولف کو تقریباً ۲۶/سال اخون صاحب کی صحبت میسر آئی۔ ۶

مولف کے آباؤ اجداد سلسلۂ سہروردیہ سے ارادت رکھتے تھے لیکن مولف کا رجحان سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف تھا۔ ۷

یہاں ہم مولف کا سال ولادت قیاسی طور پر ۱۱۰۰ھ متعین کر سکتے ہیں، جیسا کہ سطور بالا میں ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ ۱۱۴۷ھ کو اخون صاحب سے مشرف ہوئے اور ۲۶/سال تک صحبت رہی یعنی سال حاضری ۱۱۴۷ھ، مدت صحبت ۲۶ = ۱۱۲۱ھ حاضری کے وقت قیاسی عمر مولف ۲۱/سال ہو تو اس اعتبار سے مولف حدود ۱۱۲۱-۲۱ = ۱۱۰۰ھ کو پیدا ہوئے ہوں گے۔

اخون صاحب کے علاوہ مولف سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور شیخ طریقت خواجہ عبدالرحیم مشہور بہ شق کمان

۱۔ روضۃ السلام، خطی ورق ۱۔الف ۲۔ ایضاً ورق ۲۔۳، اخون عبدالسلام کشمیری کے مختصر احوال کتاب حاضر میں ملاحظہ کریں ۳۔ ایضاً ورق ۳۱۴۔ب

۴۔ ایضاً ورق ۳۱۶۔الف ۵۔ ایضاً ۳۲۲۔ب ۶۔ ایضاً ۱۰۱ (ایک مقام پر سہواً اس صحبت کے چودہ سال لکھ دیئے ہیں (ورق ۱۸۲) ۷۔ ایضاً ۱۲۹۔الف

Marfat.com

جب وسطی ایشیاء سے کشمیر میں آئے ۱ تو شیخ زنگیران کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے، ۲ جو شیخ محمد عابد سنامی (ف ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) کے خلیفہ تھے، موصوف شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ و فرزند تھے، حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) اور ماوراء النہر کے مشہور بزرگ خواجہ محمد موسیٰ خان دہ بیدی (ف ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء) انہی شیخ محمد عابد سنامی کے خلیفہ تھے۔ ۳

سلسلۂ نقشبندیہ کے علاوہ شیخ زنگیر کو سلسلۂ قادریہ میں بھی خلافت و اجازت حاصل تھی، ان کو شاہ ضیاء اللہ قادری نے ۷ صفر ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء کو خلافت سے نوازا، شیخ ضیاء اللہ کشمیر میں ۱۹ر جمادی الثانی ۱۱۸۰ھ/ ۱۷۶۶ء کو فوت ہوئے۔ ۴

خواجہ بابا عثمان کشمیری سے مولف کو سلسلۂ قادریہ کی اجازت ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء کو ملی تھی، ۵ خوداخون صاحب نے ۱۴ر ذی قعدہ ۱۱۷۵ھ/ ۱۷۶۱ء میں ان کو سلسلۂ سہروردیہ کی تحریری اجازت دی تھی۔ ۶

ان بزرگوں کے علاوہ موصوف کے کئی دوسرے علماء و مشائخ سے تعلقات بھی تھے، لاہور کے مشہور شیخ طریقت حضرت شیخ سعدی لاہوری (ف ۱۱۰۸ھ/ ۱۶۹۶ء) جو حضرت مجدد الف ثانی کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوری (ف ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) کے مجاز تھے، کی خدمت میں بھی لاہور میں رہے اور اُن کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، لکھتے ہیں:

"فقیر را نیز بلاہور بخدمت شیخ المشائخ حضرت سعدی قدس سرہ رفت و آمد و مدت چندسال خدمت کردہ"

شیخ سعدی لاہوری کے خلیفہ میاں شیخ یحییٰ اٹکی (ف ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء) ملقب بہ سر الاعظم کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر نیازمندی کا اظہار کیا تھا۔ ۷

۱۔ ایضاً ۲۸۴۔ب ۲۔ مسکین، محی الدین، تحائف الابرار ۷۳

۳۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقامات مظہری ۲۳۴۔۲۳۸ ۴۔ روضۃ السلام ۲۸۳۔الف

۵۔ ایضاً ۴۹۹۔الف ۶۔ ایضاً ۲۸۷۔ب ۷۔ روضۃ السلام ۲۸۸ب، شیخ سعدی لاہوری اور میاں شیخ یحییٰ اٹکی کے احوال و مناقب کے لئے ملاحظہ ہو: محمد عمر چمکنی، میاں: ظواہر السرائر، خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی

Marfat.com

شیخ زنگیر کی شیخ محمد اکبر نام کے ایک عزیز کے ساتھ رشتہ داری تھی، انہوں نے ایک عرصہ تک لاہور میں قیام کیا تھا، اس دوران وہ لاہور کے مشہور عالم و مدرس مولانا میاں شہریار نقشبندی کے ساتھ نسبت اور ارادت و بندگی پیدا ہوگئی تھی، مولانا شہریار لاہوری شیخ عبدالنبی شیام چوراسی نقشبندی کے خلیفہ تھے، [۱] موصوف کو شیخ مولانا لاہوری سے بھی ارادت تھی، انہوں نے مولانا لاہوری کا ایک مکتوب بھی نقل کیا ہے، جو ان کے نام ہے، لکھتے ہیں:

''بمطالعہ شریف اشرف الاخوان مہربان صاحب العرفان شیخ شرف الدین سلمہ ربہ زاد کمالہ موصول باد، الحمدللہ والکبریاء والصلوٰۃ علی سید الرسل والانبیاء امابعد ازیں فقیر عاصی قاسی بعد از سلام مسنون ودعوات وافیات مطالعہ فرمایند حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند......'' [۲]

مولانا شہریار لاہوری، لاہور کے اکابر علماء و مدرسین میں سے تھے، حافظ محمد صدیق لاہوری خطیب مسجد وزیر خان، لاہور بھی ان کے شاگرد تھے، احمد شاہ درانی جب سکھوں کو شکست دے کر سرہند سے لاہور آیا تو وہ عید کی نماز کے لئے اس مسجد میں گیا، خطیب نے اپنے خطبہ میں درانی کو اس کی موجودگی میں سلطان عادل کہا تو نماز کے بعد مولانا شہریار مسجد کے محراب کے پاس گئے، جہاں درانی بھی بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے مسجد کے خطیب، جو ان کے شاگرد تھے، سے کہا کہ تم نے اپنے خطبہ میں اس کو سلطانِ عادل کیوں کہا ہے؟ حالانکہ اس کی فوجوں نے تو لاہور کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا ہے؟ درانی کو یہ سن کر غصہ آ گیا، اس نے مولانا سے کہا کہ تم اس کی سزا جانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! قتل یا ملک بدر، میں یہ دونوں سزائیں بھگتنے کے لئے تیار ہوں، درانی نے انہیں لاہور چھوڑنے کا حکم دیا، جس پر موصوف ٹانڈہ، ضلع سیتاپور کی طرف چلے گئے، [۳] روضۃ السلام کی روایت بالکل درست ہے کہ مولانا صاحب افغانوں اور سکھوں کی ''حیض وبیض'' کے دوران فوت ہوئے تھے۔ [۴]

۱۔ایضاً ۸۷۔ب ۲۔ایضاً ۱۱۳ب ۳۔رسائل حافظ محمد صدیق لاہوری، مقدمہ، ص ۳۰

۴۔روضۃ السلام ورق ۸۸۔ب مولف نے جو قطعۂ تاریخ وفات درج کیا ہے اس سے سال وفات برآمد ہوتا ہے، ان تمام تر معلومات سے رسائل حافظ محمد صدیق پر مقدمہ لکھنے کے دوران ہم ناواقف تھے۔

اسی تذکرہ میں ہم نے مولانا شہریار لاہوری کے حالات جداگانہ لکھے ہیں۔

Marfat.com

شیخ زبیر بحیثیت شیخ طریقت

آپ کا پہلا لقاء اخون صاحب سے ۷/رمضان ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء کو ہوا، چند روز کے بعد ہی قلب جاری ہو گیا، ۱؎ اور ۲۶/سال تک مسلسل اخون صاحب کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ۲؎ مولف رمضان شریف میں اخون صاحب کے ساتھ ہی معتکف رہتے تھے، ۳؎ اخون صاحب نے اپنی وفات سے سات آٹھ ماہ پہلے ہی مولف سے فرمایا تھا کہ روحانی ترقی کے لئے لازم ہے کہ ''رابطہ'' پر ہر وقت نگاہ رکھیں۔ ۴؎

اخون صاحب کے وصال ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۸ء کے بعد آپ کے اکثر مریدین نے آپ کی خدمت میں رجوع کیا، جنہیں آپ تاحیات سلوک کی مشق کرواتے رہے، ۵؎ ان کے وصال کے ایک سال بعد ان کی انابت کا ظہور ہوا، ۶؎ نقشبندی سلسلہ میں ہی مولف نے مشہور شیخ طریقت سید عبدالرحیم سے وابستہ رہ کر بھی اجازت حاصل کی۔ ۷؎

آپ کو شاہ ضیاء اللہ قادری سے ۷/صفر ۱۱۷۳ھ کو سلسلۂ قادریہ کی خلافت حاصل ہوئی تھی، ۸؎ سلسلہ قادریہ کی اجازت بابا عثمان سے ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء کو ملی تھی، ۹؎ ان حضرات کے علاوہ آپ کو شیخ سعدی لاہوری اور شیخ یحییٰ اٹکی (سرالاعظم) سے بھی روحانی فیض حاصل ہوا تھا، ۱۰؎ ایک مرتبہ شب قدر کو آپ کے جتنے مرید حاضر تھے سبھی میرے پاس بھیج دیئے کہ میری طرف توجہ کر کے ان کو توجہ دو تو میں نے دیکھا کہ ان پر غیبت طاری ہو گئی۔ ۱۱؎

ایک افغان تاجر جعفر خان اخون صاحب کے پاس آیا تو آپ نے تربیت کے لئے آپ کے حوالہ کر دیا، ۱۲؎ گویا آپ تاحیات دعوت وارشاد میں مصروف رہے۔

۱۔ ایضاً ۳۱۶۔الف ۲۔ ایضاً ۱۰۱ ۳۔ ایضاً ۱۲۶۔الف
۴۔ ایضاً ۳۲۲۔ب ۵۔ ایضاً ۱۹۲۔ب ۳۰۷ ۶۔ ایضاً ۴۸۵۔الف
۷۔ ایضاً ۲۸۴۔ب ۸۔ روضۃ السلام ۲۸۲۔الف ۹۔ ایضاً ۴۹۹۔الف
۱۰۔ ایضاً ۸۳۔الف، ۸۷۔ب ۱۱۔ ایضاً ۱۱۲۔الف ۱۲۔ ایضاً ۳۸۵۔الف

Marfat.com

شیخ زہگیر نے روضۃ السلام کے آخر میں اپنے تمام شجرات نظم کر دیئے ہیں۔ ۱

تالیفات

روضۃ السلام کے علاوہ شیخ شرف الدین محمد زہگیر کشمیری نے اور کون کون سی کتابیں تالیف کیں، اس کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے، موصوف خود لکھتے ہیں کہ ''روضۃ السلام'' سے پہلے انہوں نے ایک رسالہ ''حجۃ الشرف'' کے نام سے لکھا تھا، پھر ایک رسالہ روضۃ الشرف بھی تحریر کیا تھا، پہلے ان دونوں کتابوں کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

حجۃ الشرف

مولف نے اس کتاب میں سالکوں کے لئے ابتدائی نوعیت کے روحانی اسباق مثلاً اسم ذات، نفی و اثبات، ذکر اور تنزیہہ کا بیان کیا ہے، بقول مولف اس کی بنیاد اخون عبدالسلام کشمیری کے اس مکتوب پر ہے، جو آپ نے اپنے مریدین کے لئے بطور سبق تعلیم لکھا تھا، یہ سب کچھ ہمارے درویشوں میں سینہ بہ سینہ رائج تھا لیکن طالبوں نے ان کے بھول جانے کا عذر کیا تو میں نے اسے رسالہ کی صورت میں یکجا کر دیا۔

مولف نے یہ رسالہ اپنے دو دوستوں ملا محمد جمال اور ملا محمد عاصم ۲ کی ''تحریک و تحریص'' پر تالیف کیا تھا، ۳ اس کے کسی خطی نسخہ کے وجود کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

روضۃ الشرف

شیخ زہگیر کی ایک تالیف ''روضۃ الشرف'' کا بھی تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے، ''تحائف الابرار'' کے ایک اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کی یہ کتاب شیخ سید عبدالرحیم ملقب بہ شیخ شق کمان (ف ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) کے احوال و مناقب پر ہے۔ ۴

اس کے بھی کسی خطی نسخہ کا ہمیں تا حال علم نہیں ہو سکا ہے۔

۱۔ روضۃ السلام، خاتمہ ۲۔ ملا محمد عاصم عرف صدر ثانی، فضا و معارف نشان، الحال وی ہم داخل طریقہ انیقہ گشتہ بزیارت جناب ارشاد مرتبت (اخون صاحب) رسیدیم (ورق ۱۳۴۔ الف)

۳۔ روضۃ السلام ورق ۵، الف۔ ب ۴۔ مسکین، محی الدین، تحائف الابرار ۲۶۵

Marfat.com

روضۃ السلام

تذکرہ ''روضۃ السلام'' شیخ اخون عبدالسلام حسنی کشمیری کے حالات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے، جو شیخ شرف الدین محمد زبکیر کشمیری کی تالیف ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ اور پندرہ روضوں (ابواب) میں منقسم ہے، اس کا ایک خاتمہ بھی ہے۔

مولف نے یہ کتاب ۲۳ ربیع الاول ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء کو مکمل کی، تکمیل کے وقت مولف اپنے ایک دوست محمد فاضل جیو کے گھر میں کشمیر شہر میں تھے۔ [۱] گویا مولف نے یہ کتاب صاحب سوانح اخون صاحب کے وصال ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۸ء کے اٹھارہ سال بعد مکمل کی۔

اس کا یہ مخطوطہ ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس کلیکشن، برٹش لائبریری، لندن میں شمارہ ۶۵۰ کے تحت محفوظ ہے۔

اس مخطوطہ میں جس طرح کئی مقامات پر قطع وبرید کی گئی ہے، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ مولف کا خودنوشت نسخہ ہوسکتا ہے، آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

افسوس کہ اس کا پہلا ورق ظہریہ کی عکسی نقل ہمیں نہیں مل سکی، ۱۹۸۶ء کے سفر انگلستان کے دوران احقر نے یہ نسخہ مذکورہ کتب خانہ میں بیٹھ کر دیکھا تھا اور اس کے حصول کی تمنا ۱۹۶۵ء سے تھی، ذخیرۂ دہلی کے مخطوطات کی (فہرست کی) عکسی نقل منگوائی گئی تو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ اس کا نسخہ وہاں موجود ہے، جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، تاہم صرف کثیر سے اس کی مائیکروفلم حاصل کی گئی [۲] جو ۲۰۰۴ء تک جب کہ ہماری کتاب مقامات معصومی معرض تحقیق میں تھی، اس سے استفادہ کرتا رہا، اس کے بعد کسی سال موسم کے اثرات اور میری غفلت سے اس کی مائیکروفلم خراب ہوگئی، بہت افسوس ہوا پھر نہ کبھی لندن جانے کا اتفاق ہوا اور نہ اتنی رقم جمع ہوسکی کہ اس کی فلم منگوا سکتے، اس کی محرومی کا احساس ہوتا رہا۔

۱۔ روضۃ السلام، خاتمہ، مولف نے مقام تکمیل کی سطور قلم زد کردی ہیں اور اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی۔

۲۔ یہ مائیکروفلم لندن سے ہمیں لاہور میں بذریعہ ڈاک ۴/ مارچ ۱۹۷۹ء کو ملی تھی۔

Marfat.com

گذشتہ سال ایک مہربان خاتون ڈاکٹر سیدہ زہرہ شاہ اوکسفورڈ یونیورسٹی، انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کر کے آئیں تو ان سے اس کی عکسی نقل کی درخواست کی، انہوں نے اپنے انگریز شوہر مسٹر مائیکل (اسلام قبول کرنے کے بعد محمد مظہر) سے کہا، جنہوں نے بڑی محنت سے اس کے ہزار صفحات کا عکس اپنے موبائل پر بنایا اور محترمہ نے اس کی عکسی نقل مجھے عنایت کی۔

اس مخطوطہ کے پہلے ورق پر اس کے مالک مولوی سلیم الدین [1] کا نام درج تھا، جو کشمیر، دہلی اور لاہور میں رہتے تھے، مفتی غلام سرور لاہوری نے (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) کو اپنی کتاب ''خزینۃ الاصفیاء'' کی تالیف کے دوران یہ نسخہ غالباً لاہور میں سلیم الدین کشمیری کے پاس دیکھا تھا اور اس نسخہ سے اپنی کتاب میں نقل و اقتباس کیا تھا، مقامات معصومی کی پہلی جلد (ص ۳۱۸) میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن پیش نظر عکسی نقل میں اس کے اس ورق کا عکس نہیں بن سکا۔

راقم محترمہ ڈاکٹر سیدہ زہرہ شاہ کا شکر گذار ہے کہ ان کی کوشش سے یہ منحصر بفرد قلمی نسخہ عکسی صورت میں مجھ تک پہنچا۔

اس کے اس خطی نسخہ میں جس طرح قطع و برید کی گئی ہے وہ مولف کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، عین ممکن ہے کہ یہ نسخہ بخط مولف ہو یا ہر وقت ان کے پیش نظر رہتا ہو اور جہاں کہیں ترمیم کا احساس ہوا وہاں ردو بدل کیا گیا ہو، روضۃ السلام کے اندراج کے سلسلہ میں سید راشدی نے تذکرہ شعرائے کشمیر کے ذیل (۴/۱۹۳۰) میں اس کے آغاز میں سوالیہ نشان لگایا ہے لیکن کوئی وضاحت نہیں کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں نہ تو اس کے مولف کا نام معلوم تھا اور نہ ہی اس کے مندرجات کا علم تھا۔

شیخ زہگیر بحیثیت شاعر

شیخ شرف الدین محمد زہگیر کشمیری (ف ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) کے زمانہ یعنی بارہویں صدی ہجری/ اٹھارہویں صدی عیسوی اگرچہ پاکستان و ہند میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کا دور تھا، لیکن اس کے

۱۔ مولوی سلیم الدین بن محمد رشید الدین بن مولوی محمد امین بن خواجہ محمد عمر بن اخون عبدالسلام کی ملکیت تھا، جس پر اُن کی مہر بھی ثبت ہے، جن کا دہلی میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۲ء کو انتقال ہوا۔ (تحفۃ السلام ۶۲)

Marfat.com

باوجود علمی وادبی سرگرمیاں جاری رہیں، خانقاہ نشین حضرات بھی شعروشاعری سے مناسبت رکھتے تھے، خطۂ کشمیر وسطی ایشیاء سے براہ راست متاثر ہوا تھا یعنی وہاں سے جو علماء، صوفیہ وشعراء ہندوستان آتے تھے وہ کشمیر میں قیام کرنا اس لئے پسند کرتے تھے کہ وہاں کی آب وہوا اور موسم وسطی ایشیاء کی طرح معتدل ہوتا تھا، وہاں کے بہت سے شعراء نے یہاں آکر کشمیر کو جائے سکونت بنایا، جس کے باعث وہاں ہمیشہ علمی وادبی سرگرمیاں جاری رہیں۔

کتاب ''روضۃ السلام'' کے مولف اور صاحبِ سوانح دونوں طبع موزون کے مالک تھے، شیخ عبدالسلام کشمیری نے اپنے شیخ اخوند حافظ عبدالغفور پشاوری کے ایک مکتوب کا مفہوم اپنے ایک شعر میں بیان کیا تھا، [1] گویا موصوف بھی شاعری کی طرف میلان رکھتے تھے۔

''روضۃ السلام'' کے مولف شیخ شرف الدین محمد زگیر خود باقاعدہ شاعر تھے، وہ فارسی میں شعر کہتے تھے اور ان کا تخلص شرف تھا، لیکن شعراء کے تذکروں میں بہ حیثیت شاعر ان کا ذکر نہیں ملتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف کا میلان طبع کلی طور پر شاعری کی طرف نہیں تھا بلکہ وہ تو ایک کامل صوفی بزرگ تھے، جن کے شب و روز وردو وظائف اور سلوک کی مشق میں گذرتے تھے، تاہم انہوں نے اپنی اس کتاب میں جابجا اپنے اشعار موقع کی مناسبت سے نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں۔

نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پادشاہ ہر دو عالم یک گدای نقشبند
آفرین بر ہر کہ باشد آشنای نقشبند
بر فزا جنت الماوا ست جای ایشان او
از محبت ہر کہ افراز و لوای نقشبند
ہستی موہوم تو ہر گز نمی یابد بقا
تا ترا حاصل نمی گردد فنای نقشبند

ا۔ روضۃ السلام ۴۸۰۔الف

Marfat.com

تاشود روشن سواد صفحہ بینش شرف
تو تیای چشم جان کن خاکپای نقشبند
ای شہ نقشبند رحمت کن
مجرم خویش را شفاعت کن خاکپائے نقشبند[1]

ہمارے مولف نظم میں سے غزل، منقبت، مخمس سبھی کچھ کہتے تھے، مولف نے اپنے کئی اشعار اور پوری پوری نظمیں نقل کرتے ہوئے انہیں اپنی تصنیف بتایا ہے۔[2]

شیخ زہگیر کے اقارب

خواجہ محمد زمان زہگیر برادر مولف بھی اخون صاحب کے عقیدت مند تھے، ملا محمد رضا بن ملا عبدالکریم برادر زادۂ اخون صاحب کے ساتھ بھی مولف کے قریبی مراسم تھے، [3] اکبر شاہ، جو اخون صاحب کے نواسہ تھے، کے ساتھ بھی مولف کی راہ ورسم زیادہ تھی۔ [4]

سالِ وفات

شیخ شرف الدین محمد زہگیر کشمیری کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، میاں ابوالحسن محمد معروف بہ محمد الدین لاہوری نے "روضۃ الابرار" میں تاریخ وفات رمضان درج کی ہے، [5] اور میاں محی الدین مسکین نے "تحائف الابرار" میں غرہ جمادی الاول دیا ہے، [6] دونوں تذکرہ نویسوں نے سال وفات ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء لکھا ہے۔

محمد الدین لاہوری نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ فوت ہونے سے پہلے مدتوں علیل رہے، [7] مسکین نے

۱۔ روضۃ السلام ورق ۱۹۔الف ۲۔ روضۃ السلام ۲۰۰۔الف، ۲۱۶۔الف، ۲۴۱۔الف ب، ۱۹۲۔ب، ۲۲۴۔ب، ۳۴۳ب، ۳۷۰ب، ۲۱۸، ۴۲۵، ۴۹۳ وغیرہ

۳۔ روضۃ السلام ۱۱۹۔الف ۴۔ ایضاً ۱۵۸۔ ۵۔ روضۃ الابرار ۷۰

۶۔ تحائف الابرار ۲۶۵ ۷۔ روضۃ الابرار ۷۰

Marfat.com

جائے مدفن محلّہ گوجوارہ حظیرۂ مرشد خود ملا عبدالسلام لکھا ہے، [1] میاں محمد الدین لاہوری نے درج ذیل قطعۂ تاریخ وفات بھی دیا ہے۔

شرف دین متین فانی فی اللہ آمد
عالم علم و ادب باقی باللہ آمد
خبر سالِ وصالش ز خرد دوش بگوش
شرف اہل یقین عارف باللہ آمد [2]

محلّہ گوجوارہ، خانقاہ ملک جلال ٹھاکر، جسے اب قضا مسجد کہا جاتا ہے، اس کے قریب خانقاہِ بابا اسماعیل اور خانقاہِ شمسی بھی تھی۔ [3]

۱۔ تحائف الابرار ۲۶۵، حسن کھوئی ہائی نے بھی یہی تاریخ دی ہے، اولیائے کشمیر ۵۶۶/۲

۲۔ روضۃ الابرار ۷۰، حسن کھویہائی نے یہ شعر مختلف صورت میں نقل کیا ہے۔

۳۔ حسن کھویہائی: تاریخ حسن ۵۴۸/۱

Marfat.com

شیخ محمد موسیٰ خان دھبیدی

شیخ سید محمد موسیٰ خان کا نسب مندرجہ ذیل چھ واسطوں سے مخدوم اعظم سید احمد کاسانی دھبیدی سے واصل ہوتا ہے:

خواجہ موسیٰ خان بن خواجہ عیسیٰ بن بابا خواجہ بن محمد رزاق خواجہ بن موسیٰ خواجہ بن خواجہ محمد ہاشم بن خواجہ کلاں بن مولانا خواجگی دھبیدی ۔[۱]

خواجہ کلاں، مولانا خواجگی کی دوسری زوجہ محترمہ بی بی ملک، جوکہ ملکان کاسان سے تھیں، جن کے بطن سے دو دختر اور دو فرزند تولد ہوئے تھے، اُن میں بڑے محمد خواجہ اور دوسرے سلطان ابراہیم تھے۔ [۲]

خواجہ محمد کا لقب خواجہ کلاں تھا، اپنے والد کے جانشین یہی تھے، ان کا انتقال ۱۰۰۶ھ/ ۱۵۹۷ء کو ہوا، دھبید میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے، [۳] آپ کے والد گرامی مولانا خواجگی شیخ احمد کاسانی ثم دھبیدی ملقب بہ مخدوم اعظم (ف ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء) اپنے عہد کے اکابر علماء ومشائخ میں سے تھے، ان گنت اصحاب نے اُن سے باطنی فیض پایا، ان کے دقیق علمی رسائل کا ایک ضخیم مجموعہ کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد میں ہے، [۴] مخدوم اعظم کے احوال پر کئی تذکرے لکھے گئے تھے، جن میں سے جامع المقامات مولفہ ابوالبقا کاسانی اور سلسلۃ العارفین کے قلمی نسخے پاکستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ [۵]

مخدوم اعظم وسطی ایشیاء کے مشہور شہر فرغانہ کے ایک مضافاتی علاقہ کاسان [۶] (قاسان) کے رہنے والے تھے، مخدوم اپنے شیخ مولانا محمد قاضی (ف ۹۲۱ھ/ ۱۵۱۵ء) خلیفۂ خواجہ احرار کے وصال کے بعد کاسان

۱۔ نسمات القدس ۶۲۔الف ۲۔ دوست محمد آختگی: سلسلۃ الصدیقین، قلمی ورق ۴۳ب

۳۔ نسمات القدس مولفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، خطی نسخہ ذخیرہ عارف حکمت، مکتبۃ الملک عبدالعزیز مدینہ منورہ، ورق ۱۱۹۔ب

۴۔ فہرست مشترک ۳/۱۲۲۲۔۲۱۳ ۵۔ ایضاً ۳/۱۵۵۲

۶۔ کاسان کے محل وقوع کی تفصیل یاقوت حموی: معجم البلدان ۴/ ۲۹۵، مشترک ۱۴۱۔۱۴۲، لی سترنج: جغرافیۂ تاریخی سرزمین خلافت شرقی ۵۱۱ ملاحظہ کریں

Marfat.com

سے سمرقند گئے تھے، جس کے دریا کے کنارے ایک پرفضا مقام میں چلے گئے، جہاں بید کے درخت کثرت سے تھے، اسی مناسبت سے یہ قصبہ دھبید کہلایا تھا۔ ۱؎

اس خانوادے کے اکثر افراد کی قبور (مزارات) مخدوم اعظم کے اسی قبرستانِ کلاں میں ہیں، خواجہ کلاں کے فرزند خواجہ محمد ہاشم کا وصال ۵ ربیع الاول ۱۰۴۶ھ کو ہوا، ان کا مرقد بھی دھبید میں ہے، ۲؎ وہاں کے عوام انہیں اپنا مقتدیٰ تسلیم کرتے تھے، انہیں اپنے والد سے خلافت حاصل تھی، ان کے بھائی مومن خواجہ اور اس کے والد محمد رزاق خواجہ اور اُن کے والد بابا خواجہ بھی ماوراء النہر کے معزز افراد میں شمار ہوتے تھے۔

خواجہ عیسیٰ دھبیدی

آپ خواجہ موسیٰ خان کے والد گرامی تھے، حالات زندگی متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، جب آپ تلاش شیخ میں نکلے تو پہلے حصار شادمان کے قلعہ قرہ طاق پہنچے، جہاں اُن کی اپنے ایک رشتہ دار شیخ محمد رضا سے ملاقات ہوئی، انہوں نے تازہ بشارات کی خوشخبری دیتے ہوئے شیخ موسیٰ سے کہا کہ تمہارا نصیب ہندوستان میں ہے، تم وہاں جاؤ، تو آپ اپنے والد شیخ محمد عیسیٰ کے ساتھ حجاز مقدس جانے کے لئے روانہ ہو گئے، راستہ میں ہندوستان پہنچے، راستہ میں جہاں کہیں کسی بزرگ کے بارے میں سنتے وہاں جا کر اُن سے ملتے اور اُن سے فیض یاب ہوتے رہے، اتفاق سے آپ کا گذر حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کے کوچہ ۳؎ سے ہوا، شیخ موسیٰ اپنے والد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لئے گئے تو وہاں محفلِ سخن گرم تھی، مجلس کے بعد آپ نے شیخ موسیٰ سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ اور کیا ارادہ ہے؟ جس پر شیخ موسیٰ نے جواب دیا کہ صحبتِ مشائخ کا خواہش مند ہوں، جس پر آپ انہیں اپنے مرشد شیخ محمد عابد سنامی کی خدمت میں لے گئے۔ ۴؎

شیخ محمد موسیٰ کے والد شیخ محمد عیسیٰ بھی اُن کے ہمراہ تھے، گویا ان دونوں حضرات نے شیخ محمد عابد سنامی

۱۔ نسمات القدس خواجہ کشمی، قلمی ورق ۱۱۴۔ب ۲۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء ۸۶

۳۔ اس کوچہ کا نام سرور نے کوچہ امام لکھا ہے، سرور، محمد خان: عمدہ منتخبہ ۵۵۲ بحوالہ مقاماتِ مظہری، مقدمہ حاشیہ ۵۴۷، جو جامع مسجد دہلی کے جوار میں تھا۔ ۴۔ نسمات القدس دھبیدی ۵۷۔ب

Marfat.com

سے بیک وقت فیض حاصل کیا، شیخ محمد عیسیٰ کا سالِ وفات اور مقام مدفن واضح طور پر درج نہیں ہے، گمان ہے کہ وہ بھی دھبید میں اپنے بزرگوں کے گورستان میں محوِ خواب ہوں گے۔

خواجہ محمد رضا حصاری قرطاقی

خواجہ موسیٰ خان، جب طلب شیخ کے لئے اپنے والد گرامی شیخ عیسیٰ دھبیدی کے ہمراہ روانہ ہوئے تو ان کا پہلا لقا خواجہ محمد رضا حصاری سے ہوا، جو آپ کے رشتہ دار بھی تھے، انہوں نے ہی شیخ موسیٰ کو یہ خوشخبری دی تھی کہ تمہارا روحانی نصیب ہندوستان میں ہے، شیخ محمد رضا حضرت مخدوم اعظم سید احمد دھبیدی کی اولاد میں سے تھے، انہیں صرف چار واسطوں سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کی سعادت حاصل تھی، مصافحہ کی یہ سند مرزا مقصود دھبیدی نے نسمات القدس میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سند مجھے بخط شیخ محمد ذاکر شیخ الاسلام نمنکانی کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، لکھتے ہیں:

”شیخ محمد رضا خواجہ بطریق مصافحہ مرید خواجہ اولیاء است وایشاں مرید سلطان علی حافظ اوبہی کہ یک صد وہفت سال عمر یافتہ وایشان مرید محمود اسفرازی است کہ یک صد وبیست سال عمر دیدہ اند وایشاں صافح رسول اللہ ﷺ شیخ محمد سعید معمر حبشی بودہ اند یک ہزار ونہ صد ودو سال عمر دیدہ اند“ [۱]

شیخ حبشی کی قبر مبارک قصبہ قرہ طاق حصار شادمان میں ہے۔ [۲]

اس کے بعد خواجہ محمد رضا کی بشارت پر آپ حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں، دہلی (شاہ جہان آباد) حضرت شیخ محمد عابد سنامی کی خدمت میں آئے۔

شیخ محمد عابد سنامی

شیخ محمد عابد، سرہند کے ایک نواحی قصبہ سنام کے رہنے والے تھے، معروف شیخ طریقت اور فارسی شاعر حضرت شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے، شیخ محمد عابد سنامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، خواجہ موسیٰ خان دھبیدی آپ کے خلیفۂ خاص تھے، انہوں نے اپنی کتاب کثیر الفوائد میں شیخ سنامی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے،

۱۔ نسمات القدس ۵۴۔الف ۲۔ ایضاً ۵۵۔ب

Marfat.com

اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے:

"شیخ محمد عابد رمضان المبارک میں جب مسجد مدرسہ نواب غازی الدین خان (دہلی) میں معتکف تھے، تو انہیں الہامی طور پر قاسم خزائن اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا، فرماتے تھے کہ جب میں دہلی کی مسجد فتح پوری میں صبح کے وقت مراقبہ کی حالت میں تھا تو مجھ پر ایک ایسی غیبت طاری ہوئی کہ حضرت ذات حق کا بے کیف وہاں ظہور ہوا، حضرت نبی کریم ﷺ سے خصوصی محبت کی بدولت مجھے آپ کی ضمنیت کبریٰ حاصل ہوئی۔"

شیخ سنامی کا سالِ وصال ۱۱۶۰ھ ہے [۱] اور تاریخ ۱۸ر رمضان [۲] ہے، آپ کی وفات اسہال کی بیماری سے ہوئی، یہ مرض چھ ماہ تک آپ کو رہا، اس حالت میں آپ سے اذکارِ مسنونہ ترک نہیں ہوئے، [۳] ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ سرہند کے حاکم فیروز خان میواتی نے کچھ مویشی ناجائز طریقہ سے حاصل کئے ہیں تو اس وقت سے آپ نے گوشت کھانا ترک کر دیا اور بیس سال تک گوشت نہیں کھایا، جب آپ سنام سے دہلی آ گئے تو آپ کے حلقہ میں ہر روز تقریباً دو سو علماء و صلحاء حاضر رہتے تھے، آپ حدیث اور فقہ کا درس دیتے تھے، اس کے بعد آپ قبلہ رو ہو کر مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور خدمت میں آنے والوں کے باطن میں ذکرِ الٰہی القا کرتے رہتے تھے، آپ حج و زیارت کے لئے حرمین الشریفین پاپیادہ گئے تھے۔

شیخ موسیٰ دھبیدی نے نو سال تک شیخ سنامی کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی تھی۔ [۴]

شیخ محمد عابد سنامی نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں سے چالیس مکاتیب کا انتخاب کیا تھا، جس پر مولانا نعیم اللہ بہڑائچی (خلیفہ و سوانح نگار حضرت میرزا مظہر) نے عربی میں دیباچہ لکھا تھا، اس انتخاب کے کئی خطی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں، ایک نسخہ کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں بھی ہے، شیخ محمد موسیٰ دھبیدی کے ساتھ کئی افراد روحانیت کی طلب کے لئے ہندوستان آئے تھے، ان میں سے بعض کے مختصر حالات کتاب حاضر نسمات القدس میں شامل ہیں، شیخ سنامی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

۱۔ کثیر الفوائد، قلمی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم ۳۴۔۳۶ ملخصاً

۲۔ شاہ غلام علی دہلوی: مقامات مظہری ۲۳۶ ۳۔ ایضاً ۲۳۴ ۴۔ نسمات القدس دھبیدی ورق

Marfat.com

(۱) رسالہ درحالات شیخ محمد عابد سنامی (قلمی)

(۲) نعیم اللہ بہڑایچی: معمولات مظہریہ اور بشارات مظہریہ

(۳) رافت روف احمد: جواہر علویہ ۱۰۸-۱۰۹

(۴) مقاماتِ مظہری ۲۳۴-۲۳۸ و بہ بعد

نقابت

یہ ایک عہدہ ہے، جو علماء کو سادات یا شرفاء کی سربراہی کے لئے دیا جاتا ہے، [۱] حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ شیخ محمد مراد بخاری شامی (ف ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء) کے والد شیخ علی (مرید حضرت مجدد الف ثانی) سمرقند کے نقیب الاشراف تھے۔ [۲]

جب شیخ موسیٰ دہلی سے خلافت یاب ہو کر واپس دھبید آئے تو آپ کے خانوادہ اور دیگر علماء ومشائخ نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو اپنے اجداد کی خانقاہ کا متولی و سجادہ نشین بنایا گیا، تو اس وقت لاتعداد مشائخ میرے آستانہ پر آ کر معتکف ہوئے اور اُن کی روحانیت کی شہرت دور دور تک پھیلی تو بخارا کے والی ابوالفیض خان (۱۱۱۷-۱۱۶۰ھ/۱۷۰۵-۱۷۴۷ء) بن سبحان قلی بن نادر شاہ، [۳] نے شیخ موسیٰ کو دھبید سے بخارا بلا بھیجا، جس پر آپ اپنے والد کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود بخارا چلے گئے، جہاں انہیں ''منصب نقابت'' پر فائز کیا گیا، اور اس بادشاہ کی ایک بیٹی شیخ موسیٰ کے عقد میں تھیں، [۴] اس طرح اب خواجہ سید موسیٰ، خواجہ موسیٰ خان ہو گئے۔

مرزا مقصود دھبیدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب شیخ موسیٰ ہندوستان جانے کے قصد سے دھبید سے روانہ ہوئے تو مذکورہ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہاں بہت مال و دولت ہے، امید ہے کہ تم وہاں سے بہت سی دولت بھی اپنے ساتھ لاؤ گے، جس پر آپ نے جواب دیا کہ

۱۔ فرہنگ فارسی معین ۴/۴۷۸۰ ۲۔ سلک الدرر ۴/۱۲۹، شیخ محمد مراد بخاری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: مقاماتِ معصومی ۳/۴۶۹، ۴/۳۶۸-۳۷۱

۳۔ زمباور: معجم الانساب ۴۶ ۴۔ نسمات القدس دھبیدی ۶۴-الف

Marfat.com

میں دھبید سے چار صوفیہ کو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا، جو روحانیت سے مالا مال ہو کر میرے ساتھ واپس آئے ہیں، اُن کے ہاتھ جو خزانے آئے ہیں وہ بادشاہی خزانوں سے بہتر ہیں۔ ۱

بحیثیت شیخ طریقت

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ شیخ موسیٰ اپنے والد کے ہمراہ شیخ محمد رضا کی خدمت میں حصار شادمان گئے، تو انہوں نے شیخ کو ہندوستان جانے کی بشارت دی تھی، شیخ موسیٰ نے خود لکھا ہے کہ میں ۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۸ء کو شیخ محمد عابد سنامی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوا اور نو سال تک آپ کی خدمت میں رہا، لکھا ہے کہ شیخ کی توجہات سے میرا سینہ پارہ پارہ ہو گیا، یہاں تک کہ میرے دل سے بیت اللہ شریف کا ارادہ محو ہو گیا اور گمان گذرا کہ میرا حج اکبر یہیں ہو گیا ہے، اپنے باطن میں روزانہ نئی لذت کا مشاہدہ کرتا تھا، کمالِ شوق سے مجھ پر گریہ طاری ہو گیا، خواجگانِ نقشبندیہ کے سلوک کے مقامات، مراقبات، ریاضات اور مجاہدات واذکار بھی شروع ہو گئے، آپ کی صحبت کی تاثیر سے میرے سینہ کو انشراح حاصل ہوا، جس سے میرا دل دنیا کے تعلقات سے پھر گیا، آپ نے ان نو سالوں میں مجھ پر انتہائی شفقت فرمائی، مجھے خلعت سے مشرف فرمایا۔

شیخ سنامی کا جب ۱۱۶۰ھ کو وصال ہوا تو میرا دل دہلی سے واپس دھبید جانے پر آمادہ ہو گیا، جب آپ دھبید پہنچے تو وہاں کے علماء ومشائخ اور اعزہ نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو اپنے اجداد کے آستانہ کا سجادہ نشین بنایا۔ ۲

مرزا مقصود دھبید نے لکھا ہے کہ میں نے ماوراء النہر کے اکابر سے سنا ہے کہ جس طرح حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مولانا خواجگی امکنگی سے بشارات لے کر ہندوستان گئے تھے اور وہاں جا کر چاردانگِ عالم کو منور کیا تھا، اسی طرح شیخ موسیٰ اب وہی بشارات ہندوستان سے واپس وسطی ایشیاء لے آئے اور ان سے یہاں کے اصحاب کو منور کیا۔ ۳

۱۔ نسمات القدس دھبیدی ۶۴۔ الف ۲۔ ایضاً ۵۹ب۔ ۶۱ب ملخصاً

۳۔ مرات السالکین، تالیف مرزا مقصود دھبیدی، خطی نسخہ ذخیرۂ عارف حکمت، مخزونہ کتابخانہ ملک عبدالعزیز، مدینہ منورہ ورق ۱۲۱، ب، نسمات القدس ۶۱۔۶۲

Marfat.com

آپ کے ساتھ جو افراد دھبید سے دہلی گئے تھے وہ بھی واپس آ گئے، ان میں خلیفہ محمد صدیق، خلیفہ خدایار، خلیفہ محمود، خلیفہ حاجی محمد یوسف اور ملازم میر جی شامل تھے۔ ۱؎

اب آپ کی روحانیت قوی ہو چکی تھی، ان کی شہرت دور دراز کے بلاد خطا، فتن اور تاتارستان تک پھیل گئی اور اُن علاقوں کے اکابر علماء و مشائخ یہاں دھبید آ کر معتکف ہونے لگے۔

آپ کے مریدین میں بعض کے احوال و مناقب مرات السالکین اور نسمات القدس میں درج ہیں، نسمات کے مطالب میں ہم نے اُن کے مختصر احوال بھی درج کئے ہیں۔ ۲؎

آپ حضرت شیخ محمد عابد سنامی کے وصال ۱۱۶۰ھ کے بعد واپس دھبید جا کر اپنے اجداد کے سجادہ پر رونق افروز ہوئے اور اپنی وفات محرم ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء تک تقریباً ۳۰ ؍سال تشنگانِ طریقت کو سیراب کرتے رہے، وصال کے بعد اپنے جدِ اعلیٰ مخدوم اعظم کے صُفہ پر مدفون ہوئے۔ ۳؎

تالیفات

خواجہ محمد موسیٰ دھبیدی ہمہ وقت درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور نقابت جیسے امور میں مصروف رہتے تھے، وسطی ایشیاء، جہاں آپ کی نشو و نما ہوئی، وہ ماحول روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی بھی تھا، آپ نے اپنی بعض تالیفات میں موقع کی مناسبت سے کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ اشعار اُن کے اپنے ہیں یا دوسرے شعراء کے ہیں۔

اس عاجز کو اب تک آپ کی مندرجہ ذیل چند تالیفات کے وجود کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ زبدۃ الحقائق (فارسی نثر)

آپ کا یہ رسالہ علم سلوک پر ہے، جو تین ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب کی سات فصلیں ہیں، باب اول درذکر ولایا، باب دوم درذکر کمالات، باب سوم درذکر ولایت خاصہ۔

مولف نے اس میں جا بجا لکھا ہے کہ مجھے سلوک کا علم و نعمت حضرت شیخ محمد عابد سنامی (دہلوی) سے حاصل ہوا اور انہی سے اجازت و خلافت بھی ہے۔

۱۔ مرات السالکین، ورق ۱۱۸۔ب ۲۔ نسمات القدس ۶۱۔۶۲ نسمات ہمارے مفصل مقدمہ کے ساتھ پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۲۰ء کو شائع ہوئی۔ ۳۔ ایضاً ۶۲۔۶۳۔الف

Marfat.com

اس رسالہ کے باب سوم کی فصل سوم کا موضوع حقیقت کعبہ ہے، جس میں ایک مقام پر یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے حضرت مجدد الف ثانی کی روح مبارک سے براہ راست تربیت بھی حاصل ہوئی ہے، [1] آپ کا یہ عرفانی رسالہ صوفیہ کے مابین بہت مروج ومقبول رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے قلمی نسخے بکثرت ملتے ہیں، وسطی ایشیاء کے کتب خانوں میں اس رسالہ کے بارہ قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، [2] کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد میں بھی ایک نسخہ ہے، [3] ایک قدیم نسخہ کا روٹو گراف ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) شمارہ R.156 میں بھی ہے۔

۲۔ کثیر الفوائد (فارسی نثر)

آپ کا یہ رسالہ بھی بہت مقبول اور متداول رہا ہے، جو تین فصول پر مشتمل ہے، اس میں مولف نے زیادہ تر اپنے مشائخ کے احوال واقوال جمع کئے ہیں تاکہ اس کے مطالعہ سے اہل سلوک پر اُن کی عظمت واضح ہو سکے، اس کی فصل دوم تو مولف نے اپنے مرشد حضرت شیخ محمد عابد سنامی کے معارف واقوال، جو آپ نے براہِ راست اُن سے حاصل کئے تھے، جمع کئے ہیں، اور اپنا سلسلہ مخدوم اعظم سید احمد کاسانی تک کس طرح واصل ہوتا ہے؟ اس کا بھی مختصر طور پر ذکر کیا ہے، کہ کس طرح آپ سے واصل ہونے کے بعد مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کی ضمنیت کبریٰ نصیب ہوئی، (ورق ۳۵۔الف، ب) اپنے شیخ کا سالِ وصال ۱۱۶۰ھ بھی درج کیا ہے (ورق ۳۶۔الف)، اپنے مصافحہ کی سند بھی نقل کی ہے، جو انہیں حضرت خواجہ محمد رضا حصاری سے ملی تھی (ورق ۳۷۔الف، ب)

فہرست مشترک (۳/۱۷۸۷) میں اس کے اُن تین قلمی نسخوں کے وجود کی نشاندہی کی گئی ہے، جو پاکستان میں پائے جاتے ہیں، کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد کے ایک قلمی نسخے کا روٹو گراف ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔(R.186)

۱۔ زبدۃ الحقائق، قلمی ورق ۱۰۲۔الف۔ ۲۔ نقشبندیہ طریقتیکا عابد قولیازمہ اثرلار فہرستی ص ۸۰۔۸۱
۳۔ فہرست مشترک ۳/۱۵۴۰

Marfat.com

۳۔نوادر المعارف (فارسی نثر)

خواجہ موسیٰ کا یہ رسالہ مندرجہ ذیل سات فصلوں پر مشتمل ہے:

اول درذکر سلسلۂ حضرات خواجگان، دوم درذکر اقوال حضرت مخدوم (محمد عابد سنامی) و مشائخ دیگر و احوال ایشاں، سوم درذکر صلوۃ محققان، چہارم درذکر حقیقتِ پیری و مریدی، پنجم در بیان الفاظ کہ زبان زد حضرات خواجگان، ششم در بیان ذکر، ہفتم درذکر مقامات۔

اس رسالہ کے قلمی نسخے دانشگاہ لینن گراڈ، بنیاد خاورشناسی فرہنگستان، تاجکستان اور کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہیں (فہرست مشترک ۳/۲۰۸۱)، جناب خلیل الرحمٰن داؤدی کے کتب خانہ کے ایک نسخہ کا روٹوگراف ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔(R.155-A)

۴۔اشرف الخائق ۵۔درر الاسرار و سند الابرار ۶۔الدر المکنون

یہ تینوں رسائل، جن کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مولف خواجہ موسیٰ دھبیدی نے تصوف و سلوک کے مختلف مسائل پر تالیف کئے تھے، جن کے خطی نسخے روس کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں،[۱] چونکہ ان کی فہرست روسی زبان میں ہے اور یہ عاجز اس زبان سے واقف نہیں ہے، اس لئے ان کی تفصیلات بیان کرنے سے قاصر ہے۔

تحفۃ الرسول و فرید المکتوبات

مولفہ میر احمد بن مولانا نذر اللہ (ف حدود ۴۶۔۱۲۴۵ھ)

اس کتاب کے مولف خواجہ موسیٰ خان دھبیدی کے مرید تھے، انہوں نے یہ کتاب تالیف تو فقہی مسائل پر کی ہے، لیکن اس میں کئی ابواب میں مولف نے خواجہ دھبیدی کے احوال و ملفوظات و اقوال بھی شامل کئے ہیں، اس کا ایک خطی نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم کے پاس تھا، جسے ڈاکٹر عارف نوشاہی نے دیکھا اور اس کے ابواب و فصول فہرست مشترک کی چودھویں (۱۴) جلد میں شامل کر لئے،[۲]

۱۔نقشبندیہ طریقیکا...... اثر لار فہرستی ۸۰۔۸۲

۲۔فہرست مشترک ۱۴/۴۳۹۔۴۴۲ تالیف احمد منزوی تجدید نظر عارف نوشاہی

Marfat.com

اس کے کسی اور نسخے کی ہمیں تاحال اطلاع نہیں ہے۔

اولاد

خواجہ موسیٰ خان دھبیدی کے کئی فرزند تھے، جن میں سے بعض کے حالات ''نسمات القدس'' میں مرزا مقصود نے بیان کئے ہیں، ان میں سے ایک صاحبزادے اپنے اجداد کے زاویہ دھبید پر سجادہ نشین بھی تھے، ہم نے نسمات کے مطالب کا خلاصہ لکھتے وقت ان کے مختصر حالات بھی درج کر دیئے ہیں۔

Marfat.com

حافظ محمد صدیق لاہوری

خطیب مسجد وزیر خان، لاہور

حافظ محمد صدیق لاہوری بارہویں صدی ہجری/ اٹھارہویں صدی عیسوی کے پنجاب کے اکابر علماء اور مصنفین میں سے تھے۔

اجداد

حافظ محمد صدیق کے اجداد بھی کابل (افغانستان) کے علماء میں سے تھے، آپ کے والد ملا محمد حنیف اور دادا ملا محمد لطیف تھے، ہم آپ کے دادا کے حالات سے تو واقف نہیں ہیں، غالباً وہ لاہور نہیں آئے تھے، البتہ اُن کے نام کے ساتھ لفظ "ملا" لکھا ہوا ہے، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی طبقۂ علماء میں سے ہوں گے۔

حافظ محمد صدیق نے اپنے والد ملا محمد حنیف کے متعلق لکھا ہے:

من ولد محمد حنیف بن ملا محمد لطیف غفر الله لهما، وهو كان رجلاً من اهل كابل ثم صار اماماً بمسجد وزير خان واختار التاهل [1]

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد محمد حنیف کابل کے رہنے والے تھے، جو وہاں سے لاہور چلے آئے اور یہاں آکر مسجد وزیر خان کے امام بنائے گئے، ہمارے ذخیرہ میں بادشاہ فرخ سیر (۱۱۲۵۔۱۱۳۱ھ/۱۷۱۳۔۱۷۱۹ء) دو ایسے فرامین ہیں جن کی رو سے ملا محمد حنیف بن محمد لطیف کو کابل سے بلا کر مسجد وزیر خان (اندرون شہر لاہور) کی امامت وخطابت کے عہدہ پر متعین کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، یہ دونوں فرامین صدر الصدور افضل خان [2] کے ذریعہ بھیجے گئے، ان دونوں فرامین پر اوپر مہر بادشاہ فرخ سیر

۱۔ محمد صدیق لاہوری، حافظ: تحذیر الاخوان، قلمی

۲۔ شاہ نواز خان صمصام الدولہ: جب فرخ سیر کا قتل ہوا (۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء) تو اس کی بجائے امیر خان کو صدارت کا عہدہ دیا گیا (مآثر الامراء ۱/۳۰۲/ اردو ترجمہ) مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

Marfat.com

کی ہے اور نیچے افضل خان کی دونوں مہروں میں ۱۱۲۵ھ واضح ہے، پہلا فرمان ۲؍جمادی الثانی جلوس دوم فرخ سیر (مطابق ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) کا ہے، جس میں انہیں کابل سے لاہور بلایا گیا ہے، اس میں مسجد وزیر خان کی امامت وخطابت کا واضح الفاظ میں ذکر ہے، دوسرا فرمان ۲۵؍شعبان سات جلوس (مطابق ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء) کا محررہ ہے جس میں بشرط امامت وخطابت مسجد کے اوقاف کی آمدنی خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اسی سال فرخ سیر کا قتل ہوا اور ۱۵؍ستمبر کو محمد شاہ (روشن اختر) تخت نشین ہوا۔[۱]

اس طوائف الملوکی کے باوجود مسجد وزیر خان کے امام وخطیب اپنے منصب پر کام کرتے رہے، ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس عہد میں جب کہ لاہور اور پورے ہندوستان میں بڑے بڑے علماء مصروفِ کار تھے، پھر مسجد وزیر خان کی امامت کے لئے کابل سے ملا محمد حنیف کو ہی کیوں بلایا گیا؟

ظاہر ہے کہ وہ ذی علم ہونے کے ساتھ قرأت کے فن کے بھی ماہر ہوں گے، ان کے فرزند حافظ محمد صدیق نے لکھا ہے کہ میرے والد نے علومِ عربیہ کی تحصیل شرح ملا تک کی تھی اور علم فقہ بھی خوب جانتے تھے، ان کی آواز (قرأت) بہت اچھی تھی، لکھتے ہیں:

وکان لابی رحمة الله اطلاع فی العربی الی شرح ملا و مهارة فی العبادات الفقه...... وکان حسن الصوت[۲]

خود حافظ محمد صدیق نے لکھا ہے کہ میرے والد چالیس سال تک لاہور کی مسجد وزیر خان میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے:

لمرادلة الامامة اربعین سنة[۳]

۱۔ فرخ سیر کے قتل کے بعد چندروز کے لئے ابوالبرکات رفیع الدرجات اور پھر اسی طرح چندروز کے لئے رفیع الدولہ ملقب بہ شاہ جہان ثانی کو بھی تخت پر بٹھایا گیا وہ اسہال کے مرض میں اسی سال فوت ہوگیا (منتخب اللباب ۲/۸۱۶۔۸۳۸)

۲۔ تحذیر الاخوان

۳۔ ایضاً

Marfat.com

حافظ محمد صدیق نے لکھا ہے کہ میرے والد (ملا محمد حنیف) کا لاہور میں ۳/ ذی الحج ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء کو انتقال ہوا، لکھتے ہیں:

قد سمّانی والدی سقی ثراہ صدیقاً بعد ما سَھّل اللّٰہ خروجی فی الصبح الصادق من یوم الاثنین التاسع والعزرین من شھر محرم الحرام الواقع فی سنۃ ثمانٍ و ثلثین ومایۃ بعد الالف من الھجرۃ المقدسہ فی بلدۃِ لاھور ۱

جیسا کہ حافظ محمد صدیق نے لکھا ہے کہ میرے والد چالیس سال تک امامت کے فرائض انجام دیتے رہے تو اس اعتبار سے وہ حدود ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء کو لاہور پہنچے، گویا فرخ سیر کی تخت نشینی ۱۱۲۵ھ/ ۱۷۱۳ء سے پہلے ہی کابل سے لاہور آ گئے تھے اور اُن کی قرأت کا یہاں شہرہ ہو گیا، جس کے باعث انہیں مسجد وزیر خان کا امام بنایا گیا، فرخ سیر کے دونوں مذکورہ فرامین میں ان کو کابل سے بلائے جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے فقط ان کی تقرری کا حوالہ ہی ملتا ہے۔

حافظ محمد صدیق نے یہ بھی لکھا ہے کہ میرے والد کثیر العیال تھے اور امراء کے ہاں انہیں اعزاز واحترام کا مرتبہ حاصل تھا، لیکن ہمیں ان کی اولاد کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں کہ اُن کے کتنے فرزند تھے؟ ہمیں صرف حافظ محمد صدیق اور اُن کی ایک بہن مسماۃ بی بی مستوری کا ذکر مل سکا ہے، جن کا نکاح ۱۱۶۷ھ/ ۱۷۵۴ء کو محمد عظیم بیگ بن مرزا عبداللہ بیگ سے ہوا تھا۔ ۲

ملا محمد حنیف کو صوفیہ اور تصوف سے لگاؤ نہیں تھا، اس باب میں اُن کے تجربات بھی تھے ۳ آپ کا تعلق مغل قوم سے تھا۔ ۴

۱۔ ایضاً ورق ۲۳ ب

۲۔ دستاویز نکاح، مشمولہ دستاویزات خانوادۂ حافظ محمد صدیق لاہوری، ورق ۲۸، حق مہر ساٹھ ہزار روپے طے ہوا تھا، گویا یہ نکاح ملا محمد حنیف کے انتقال ۱۱۶۲ھ کے بعد ہوا تھا۔

۳۔ تحذیر الاخوان ورق ۲۳، ا

۴۔ دستاویزات، ورق ۹، ورق ۶۵

Marfat.com

والدہ

حافظ محمد صدیق کی والدہ یعنی ملا محمد حنیف کی زوجہ محترمہ کا تعلق تاشکند سے تھا، ان کے تمام اقربا بھی وہیں رہتے تھے، ۱؎ ان کا نام ساجدہ بی بی بنت ملا نجیب اللہ بن مرزا عوض باقی بیگ تھا، ۲؎ ان کا ایک مکان سکونتی محلّہ گذر راہ شیخ رحمت اللہ قریشی متصل مسجد وزیر خان (لاہور) میں تھا جو انہوں نے حافظ محمد صدیق کے حینِ حیات ۱۵رذی الحج ۱۱۶۸ھ/ ۱۷۵۵ء کو فروخت کر دیا تھا، ۳؎ گویا محترمہ مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھیں۔

یہ بھی قیاس ہے کہ ملا محمد حنیف، جن کو گذشتہ اوراق میں ''کثیر العیال'' لکھا گیا ہے، اُن کی باقی اولاد وہیں کابل میں اپنی املاک پر ہی رہ گئی ہو اور یہ مع زوجہ لاہور آ گئے ہوں، کیوں کہ حافظ محمد صدیق کے دوسرے بھائیوں کا ذکر دستاویزات میں نہیں ملتا، صرف ایک بہن کا ذکر ہوا ہے، ممکن ہے کہ وہ بھی لاہور آ کر تولد ہوئی ہوں، ان کا نکاح بھی لاہور میں ہی ہوا تھا۔ ۴؎

ملا محمد حنیف کی زوجہ ساجدہ بی بی کی ایک بہن بی بی زاہدہ بھی تھیں، جو لاہور میں رہتی تھیں، ان کا نکاح رحمت اللہ خان سے ہوا تھا، ساجدہ بی بی نے اپنا ایک تین منزلہ مکان واقع محلّہ شیخ رحمت اللہ، محمد مرزا بن رحمت اللہ خان مذکور یعنی اپنے بھانجے کو دیا تھا۔ ۵؎

۱۔ دستاویزات، ورق ۹، ورق ۶۵

۲۔ دستاویز بیع نامہ ورق ۲۵

۳۔ دستاویز بیع نامہ ورق ۲۵

۴۔ ایضاً دستاویز نمبر ۳۶

۵۔ ایضاً ورق ۳۵

Marfat.com

حافظ محمد صدیق لاہوری

حافظ محمد صدیق بن ملا محمد حنیف کابلی بن ملا حافظ محمد لطیف نے اپنے حالات خود لکھے ہیں اور اس خانوادہ کی جو دستاویزات میں نے جمع کی ہیں، ان کی روشنی میں ان کے خاندان کے مختصر حالات لکھے جا رہے ہیں:

ولادت:

حافظ محمد صدیق اپنی ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صبح صادق کے وقت ۲۹ رمحرم ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۵ء کو لاہور میں میری ولادت ہوئی، لکھا ہے:

اَنَہٗ قد سمّانی والدی سقی اللّٰہ ثراہ صدیقا بعد ما سھل خروجی فی الصبح الصادق من یوم الاثنین التاسع والعشرین من شھر محرم الحرام الواقع فی سنۃ ثمان و ثلاثین و مایۃ بعد الالف من الھجرۃ المقدسۃ فی بلدہ لاہور......[۱]

ولادت پر قطعۂ تاریخ بھی لکھا گیا تھا، [۲] جس کے وجود کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

تعلیم

جب حافظ محمد صدیق پانچ سال کے ہوئے تو آپ کے والد نے اس عہد کے سب سے بڑے عالم حضرت مولانا محمد عابد لاہوری کی خدمت میں لے جا کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھوائی۔ [۳] پھر قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے لئے ملا اسلام کے پاس بھیجا، اور انہی کے حضور رہ کر حفظ بھی کر لیا۔ [۴]

۱۔ محمد صدیق، حافظ: تحذیر الاخوان، ورق ۲۳۔ا،ب ۲۔ ایضاً ورق ۲۳ب

۳۔ محمد صدیق، حافظ: تحذیر الاخوان، ورق ۲۳۔ا،ب ۴۔ ایضاً ورق ۲۴۔ا مولانا اسلام لاہوری، کے حالات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ لاہور کے کسی مدرسہ میں طلبہ کو قرآن کریم پڑھاتے اور حفظ کرواتے ہوں گے، ان کا اکابر علماء میں شمار نہیں تھا۔

Marfat.com

حفظ کے بعد میرے والد گرامی مجھے دوسری مرتبہ مولانا محمد عابد کی خدمت میں لے گئے، اور پھر اس عہد کے تمام اکابر علمائے لاہور سے اُن کے مدرسوں میں جا کر تحصیل کی۔

اساتذہ

حافظ محمد صدیق کے والد بزرگوار ملا محمد حنیف چونکہ خود صاحب علم اور امام وخطیب تھے، اس لئے انہوں نے اس وقت کے اکابر علماءِ لاہور کی خدمت میں بھیج کر اپنے فرزند کو تعلیم سے آراستہ کروایا، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

مولانا محمد عابد لاہوری

حافظ محمد صدیق کے اساتذۂ لاہور کے حالات تذکروں میں نہ ہونے کے برابر ہیں تاہم آپ نے ان حضرات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسی کی بنیاد پر کچھ لکھا جا رہا ہے:

مولانا محمد عابد لاہوری کے متعلق تذکرہ نویسوں نے خودساختہ امور بیان کئے ہیں، سب سے پہلے مولوی رحمٰن علی ناروی (ف ۱۹۰۷ء) اور پھر مولوی فقیر محمد جہلمی (ف ۱۹۱۶ء) نے مولانا محمد عابد لاہوری کو مقامات مظہری میں مذکور شیخ محمد عابد سنامی مرشد حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کو معلوم نہیں کیوں کہ ایک ہی شخصیت فرض کرلیا، ان دونوں حضرات نے ان کے حالات مقاماتِ مظہری تالیف شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) میں سے نقل کر لئے اور ان کا سالِ وفات ۱۸ ررمضان ۱۱۶۰ھ لکھ دیا، [1] یہ تمام حالات شیخ محمد عابد سنامی کے ہیں۔ [2]

تعجب ہے کہ مذکورہ دونوں مولفین نے شیخ سنامی کی تالیفات کے نام شیخ محمد عابد لاہوری کے حالات میں کیسے لکھ دیئے؟ یقیناً ان کی نظر سے حافظ محمد صدیق کی کوئی تالیف گذری ہوگی جس میں انہوں نے شیخ محمد عابد لاہوری کی تالیفات کے نام تحریر کر دیئے۔

۱۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۲۰۲۔۲۰۱ (فارسی) اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری ص ۴۴۹، (تاریخ وفات ۱۳ ررمضان ترجمہ میں غلط ہے) فقیر محمد جہلمی ص ۴۶۳

۲۔ مقاماتِ مظہری ص ۲۳۴۔۲۳۶ (طبع سوم)

Marfat.com

اس سے بھی زیادہ حیران کن امر یہ ہے کہ "نزہۃ الخواطر" کے مولف فاضل جلیل مولانا عبدالحی حسنی نے عنوان تو واضح طور پر شیخ محمد عابد سنامی لکھ کر بحوالہ مقاماتِ مظہری ان کے حالات صحیح لکھے ہیں، [1] لیکن معلوم نہیں کہ جہلمی کی حدائق الحنفیہ میں شامل محمد عابد لاہوری کو شیخ سنامی کی تصانیف بحوالہ حدائق کیوں کر لکھ دیا۔

یقیناً ان حضرات کو سہو صریح ہوا ہے، رہے لاہور کے مقامی تذکرہ نویس وہ تو محض جہلمی کے ناقل ہیں۔

تاہم شیخ محمد عابد لاہوری، اکابر علماء میں سے تھے، حافظ محمد صدیق نے ان کی حسبِ ذیل تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ان شاندار القاب سے یاد کیا ہے:

جناب الولی الجری، بان یقال فی حقہ وارث النبی الشیخ، العلامہ الجرالفہامۃ صاحبِ التصانیف المفیدہ حضرت مولانا محمد عابد مرحوم [2]

تالیفات

۱۔ تفسیر البیضاوی پر تعلیقات وحواشی (یہ مکمل نہ ہوسکی)

۲۔ شرح خلاصۃ الکیدانی (فارسی)

۳۔ شرح قصیدہ بانت سعاد

۴۔ رسالہ فی وجوہ اعجاز القرآن

۵۔ رسالۃ فی الاربعۃ الاحتیاطیہ بعد صلوۃ الجمعہ

۶۔ العشرۃ المبشرۃ فی فضائل الامۃ المرحومۃ [3]

ان سب میں سے رسالہ نمبر ۵ میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں ہے، [4] رسالہ نمبر ۳ نام کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ عرفانیہ، ٹونک، راجستان میں ہے، جسے بغیر تحقیق کے میں نے اپنی

۱۔ نزہۃ الخواطر ۳۲۶/۶۔۳۲۷ ۲۔ تحذیر الاخوان ۲۳ ب

۳۔ تحذیر الاخوان ۲۳ ب ۴۔ فہرست مخطوطات ذخیرۂ مجددی (شمارہ MS.131)

Marfat.com

مرتبہ فہرست مخطوطات میں انہی مولانا محمد عابد لاہوری سے منسوب کر دیا ہے، حالانکہ اس کی تو کتابت مولف کے حین حیات ۱۱۰۱ھ کو ہوئی ہے، [۱] جس کے آغاز میں مولف نے اپنا نام ونسب اس طرح لکھا ہے:

محمد عابد بن شیخ عبداللہ بن شیخ حامد لاہوری، جو زیر بحث شخصیت سے بالکل مختلف ہیں، میں اپنی اس غلطی سے رجوع کرتا ہوں۔

شیخ محمد عابد لاہوری کی شرح قصیدہ بانت سعاد (رسالہ نمبر ۳) کا قلمی نسخہ پشین، کوئٹہ میں ہے۔ [۲]

مولانا محمد عابد لاہوری کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے، تذکرہ نویسوں سے آپ کا جو سالِ وفات ۱۱۶۰ھ لکھا ہے وہ دراصل شیخ محمد عابد سنامی کا ہے، یقیناً لاہور میں آپ کا بڑا مدرسہ ہوگا۔

حافظ محمد صدیق نے مولانا محمد عابد کی خدمت میں صرف ہوائی بھی پڑھی تھی۔ [۳]

مولانا حبیب اللہ

حافظ محمد صدیق نے لاہور میں اپنے دوسرے استاد مولانا حبیب اللہ کا ذکر کیا ہے، جن سے آپ نے صرف ہوائی، صرف میر کے کچھ ابواب اور زرادی کا کچھ حصہ بھی پڑھا، ان کے حالات بھی مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، ان کے نام کے ساتھ آپ نے ''استاذ أمکرّ أ'' لکھا ہے، ان کی خدمت میں دوبارہ جا کر کتاب عوامل النحو بھی پڑھی، یہ بھی لکھا ہے کہ عوام نے ان پر کیمیا گری کی تہمت لگائی تھی۔ [۴]

ملا عبدالرحمٰن

ان کے حضور بھی آپ نے زرادی کے ہی چند اوراق پڑھے تھے، عوام میں ان کا لقب بلاّ مشہور تھا، [۵] ان کے حالاتِ زندگی سے ہم ناواقف ہیں۔

۱۔ محمد عمران خان: کتب خانہ عرفانیہ کے نادر مخطوطات، مقالہ مشمولہ معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۳۸۲، اسی شارح کی ایک شرح قصیدہ بردہ کا قلمی نسخہ ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں ہے۔ (فہرست مشترک ۸/۱۰۹۱)

۲۔ فہرست مشترک ۸/۱۴۹۲

۳۔ تحذیر الاخوان ورق ۲۴۔ل

۴۔ ایضاً ۲۴۔ل

۵۔ تحذیر الاخوان ۲۴۔ل

Marfat.com

ملا محمد مخدوم

ان سے بھی بعض اسباق کے کچھ اجزاء پڑھے۔ [۱]

ملا فتح محمد

ان سے حافظ محمد صدیق نے درسیات کی مشہور کتاب ''مراح الارواح'' پڑھی، [۲] اخوند ملا فتح محمد لاہوری مولانا تیمور لاہوری، شاگرد جو مولانا محمد اسماعیل عرف میاں وڈا لاہوری (ف ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء) کے تلمیذ تھے۔ [۳]

ملا نور محمد ساکن ڈیرہ جات

حافظ محمد صدیق نے ان کا نام بھی اپنے اساتذہ میں لکھا ہے، [۴] ان سے کون سی کتابیں پڑھیں اس کی تفصیل نہیں دی، ملا نور محمد کون تھے؟ ہمیں معلوم نہیں ہے، یہ لکھ دینا بہت آسان ہے کہ ملا نور محمد سے مراد شیخ نور محمد مدقق لاہوری ہیں، لیکن یہاں تو حافظ صاحب نے ان کے نام کے ساتھ واضح الفاظ میں ساکن ڈیرہ جات لکھا ہے، مولانا مدقق تو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد (۱۰۵۸۔۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) میں اس کے ساتھ ہم سفر رہتے تھے، [۵] ان کا سالِ وفات حتمی طور پر معلوم نہیں ہے، ان کا نام نور محمد بن محمد فیروز بن فتح اللہ لاہوری المشہور مدقق تھا، [۶] ان کی کئی اور کتابیں بھی میری نظر سے گذری ہیں، یقیناً حافظ محمد صدیق جیسے بلند پایہ عالم کو ان کا لقب ''مدقق'' معلوم ہوگا، آپ نے ان کے نام کے ساتھ یہ لقب نہیں لکھا، بلکہ واضح طور پر انہیں ساکن ڈیرہ جات بتایا ہے، یہ مقام مابین انڈس وسلیمان رینج واقع ہے۔ [۷]

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۴۔ ۲۔ ایضاً

۳۔ محمد شفیع: سوانح عمری میاں وڈا لاہوری ۴۔ تحذیر الاخوان ۲۴

۵۔ درویش محمد لاہوری: تحفۃ السالکین، قلمی ۶۔ نزہۃ الخواطر ۳۹۶/۶

۷۔ امپریئل گزیٹر آف انڈیا ج ۲۶۹/۱۱۔۲۷۱

مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے:

Extrachs from District and Stage Gazetters of Punjab. Vol ii

pp, 59,87 337.....

Marfat.com

مولانا محمد بقا، مفتی

حافظ محمد صدیق نے ان سے ہدایۃ النحو پڑھی، ان کے بارے میں آپ نے لکھا ہے:

وانه اجمع العلماء فنونا فی وقتنا [1]

یعنی ہمارے زمانہ میں ان کا شمار ایسے علماء میں تھا، جن میں تمام مورجہ علوم جمع ہو گئے تھے، ان کے نام کے ساتھ دعائیہ جملہ ''سلمہ اللہ مع النعماء'' بھی لکھا ہے، یعنی وہ کتاب تحذیر الاخوان کی تالیف (بعد ۱۱۶۲ھ) کے وقت بقیدِ حیات تھے، اور دس سال کے ''ہرج ومرج'' کے بعد میں نے مولانا محمد بقا سے کتاب شریفی فی علم الفرائض پڑھی [2] یہاں ''ہرج ومرج'' سے مراد جنگ پانی پت ہے، جو ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء کو ہوئی، اس میں دس سال جمع کیے جائیں تو حافظ صاحب نے کتاب شریفی ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۲ء کو پڑھی۔

حاجی مرزا جانی

حافظ صاحب نے اپنے اساتذہ میں ان کا نام لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ میں نے ان سے کافیہ کا درس لیا، وہ تفضیلی تھے، پھر ان کے شاگرد سید میر رافضی سے اس کی تکمیل کی، انہیں سے ''فوائد الضیائیہ'' کے کچھ مبحث کئے، پھر آپ نے مُلا عبدالغفور کے حاشیہ کا ایک جزو بھی حاجی مذکور سے پڑھا۔ [3]

ملا حاتم افغان

حافظ محمد صدیق نے اپنی تحصیل کے دوران حاشیہ ملا عصام کا ایک جز ملا حاتم افغان سے پڑھا، ان کے نام کے ساتھ مرحوم لکھا ہے اور بتایا ہے:

کان له جوع البقر [4]

ہم ملا حاتم افغان کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔

۱۔ تحذیر الاخوان، ورق ۲۴ ۲۔ ایضاً ۲۵ ب

۳۔ ایضاً ۲۴ ب ۴۔ ایضاً ۲۴

Marfat.com

ملا ظہور اللہ

حافظ صاحب نے کتاب شافیہ کا جزء ان کی خدمت میں پڑھا تھا، ۱ تا حال ہمیں ان کے احوال مروجہ تذکروں میں نہیں مل سکے۔

مولانا محمد شہر یار

حافظ صاحب نے ان سے تکملہ علی شرح ملا اور نصف جزء بدیع الزمان کی سماعت کی تھی، ۲ لکھا ہے:

وهو استاذی مِن وجهٍ و استعرفه

مولانا مفتی عبداللہ

حافظ محمد صدیق نے مفتی عبداللہ لاہوری کی خدمت میں شرح الشمسیه الی التصدیقات، شرح العقائد النسفی (للتفتازانی)، حاشیه الخیالی، شرح هدایهٔ حکمة (للمبیذی)، بعضاً من مختصر المعانی مع حاشیة الخطائی علیه و اربعة ابواب من المطول مع حاشیة السید السند۔

حافظ صاحب نے اپنے اس استاد کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے:

الفاضل البارع العلامة الفرید فی وقتی و الوحید فی فنّه الشیخ الرئیس فی العلوم المتداولة النقلیة و العلم الثانی فی المعارف العقلیه، الکامل المشهور مولانا عبدالله المفتی المرحوم المغفور ۳

۱۔ایضاً ۲۴ ب

۲۔تحذیر الاخوان، ورق ۲۴ ب،مولانا شہر یار بن شیخ محمد اشرف، لاہور میں گذر چابک سواراں محلہ قاضی صدر الدین متصل مسجد چینی، فیل خانہ شاہ نواز خان، حویلی آدینہ بیگ خان کے قریب رہتے تھے، ان کے فرزند محمد بہریات تھے (فوق، تذکرہ علمائے لاہور، ۴۵) مولانا شہر یار کو چونکہ درانی نے شہر بدر کر دیا تھا، اس لئے وہ ٹانڈہ، ضلع ہوشیار پور چلے گئے تھے، وہیں انتقال ہوا۔ (ایضاً ۴۵)
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند، جلد چہارم

۳۔ایضاً ۲۴ ب

Marfat.com

مفتی عبداللہ لاہوری بن سید اسماعیل بن سید قاسم بن سید صوفی بن سید بدرالدین بن سید اسماعیل ابن سید عبداللہ ربانی، جب تک حیات رہے بادشاہ اور امراء کے دروازہ پر نہیں گئے اور شب و روز درس و تدریس اور تلقین میں مصروف رہے، لاہور کا ناظم نواب زکریا خان اپنے اُمراء سمیت ان کا معتقد تھا، موصوف لاہور کے مشہور ترین علماء ومشائخ میں سے تھے، ۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۸ء (۱۱ ربیع الثانی) کو فوت ہو کر سید اسماعیل محدث لاہوری کے مزار کے روبرو دفن ہوئے، [۱] گویا ان کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے تھا۔

مولانا مرزا مہر اللہ

اسی دوران حافظ محمد صدیق نے مشکوۃ المصابیح اور شرح نخبہ کے بعض حصے اور شرح الوقایہ کے اوائل شروط الصلوۃ تک مولانا مہر اللہ لاہوری سے سماعت کی، ان کے بارے میں خود لکھا ہے:

مولانا مرزا مَهر الله مرحوم...... كان مهذب الاخلاق يشبه السلف [۲]

حالاتِ زندگی سے متعارف تذکرے خالی ہیں۔

مولانا حفیظ اللہ

حافظ محمد صدیق نے شرح الوقایہ شروط الصلوۃ سے کتاب البیع تک مولانا حفیظ اللہ سے پڑھی، ان کے بارے میں لکھا ہے:

كان بزازا قانعاً غير متكلف ولا متصلف ومتهلل الوجه رحيماً حليما مولفاً باسماع [۳]

ملا ساجد

حافظ صاحب نے شرح ملا عبداللہ یزدی علی تہذیب المنطق کے تین اسباق امتحان کے طور پر ملا ساجد کو سنائے، اس وقت تک میری عمر نو سال ہو چکی تھی، [۴] گویا یہ ابتداء تحصیل کا زمانہ تھا۔

۱۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، ۱/۱۹۹، عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۶/۱۶۳

۲۔ تحذیر الاخوان، ۲۴ ب ۳۔ ایضاً ۲۴ ب

۴۔ ایضاً، ہمارا قیاس ہے کہ یہاں ملا ساجد سے مراد مفتی غلام ساجد بن شیخ مفتی محمد حفیظ (ف ۱۱۵۵ھ) بن مفتی محمد باقر لاہوری ہیں (رک بیاضِ مفتیانِ لاہور (دستاویز نمبر ۷۹ ب)

Marfat.com

ملا رضا

آپ نے ان سے انشاءِ خلیفہ کے چند اوراق پڑھے، یہ ہندو لڑکوں کے معلم تھے۔ ۱

ملا محمد سعید لاہوری

حافظ صاحب نے حاجی محمد سعید لاہوری سے شرح تہذیب، ملا جلال دوانی، بعض مواضع شرح المطالع بھی پڑھے، حاجی صاحب کے متعلق لکھا ہے:

ملا محمد سعید الفاضل الصالح اهل الصفأ الوفآء ذوالصدق ۲

یہاں ملا محمد سعید سے مراد لاہور کے مشہور قادری شطاری ونقشبندی بزرگ حاجی محمد سعید لاہوری مراد ہیں جن کی ولادت ۱۰۲۵ھ اور وفات ۱۱۴۵ھ/ ۱۶۱۶۔۳۲۔۱۷۳۲ء کو ہوئی، ایک سو بیس سال کی عمر پائی تھی، عمر کے یہ تمام شواہد معاصر بیانات پر مبنی ہیں، ہم نے آپ کے احوال پر دو معاصر کتب ''قران السعدین'' اور ''تذکرۃ الارشاد'' کے اصل خطی نسخوں کے عکس شائع کر دیئے ہیں، ۳ جن پر اپنے مفصل مقدمہ میں حاجی صاحب کے اقوال و دیگر ضروری معلومات جمع کر دی ہیں۔

ملا محمد بہریاب (خلف مولانا شہریار)

حافظ صاحب نے اپنے استاد مذکور مولانا شہریار کے فرزند مولانا بہریاب سے بھی مذکورہ دونوں کتابیں پڑھیں، ۴ مولانا بہریاب کا انتقال حج پر جاتے ہوئے راستہ میں ہوا تھا، ان کے ایک بیٹے محمد قطب الدین تھے، جن کے فرزند فیض یاب تھے، ان کا ایک بیٹا محمد فتح یاب مولوی احمد بخش یک دل لاہوری (والد مولوی نور احمد چشتی) کے زمانہ میں زندہ تھے۔ ۵

۱۔ا۔تحذیر الاخوان، ۲۴ ب ۲۔ایضاً ۲۵ ب

۳۔مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۸ء۔ ۴۔تحذیر الاخوان ۲۵ ب

۵۔فوق: تذکرہ علمائے لاہور، بحوالہ ڈائری یک دل لاہوری ص ۴۵

Marfat.com

اپنے ان اساتذہ کی شفقتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ بہت اہم اطلاع دیتے ہیں کہ ان میں سے اکثر اساتذہ بلا اُجرت پڑھاتے تھے لیکن بعض پڑھانے کا معاوضہ (فیس) بھی لیتے تھے، لکھا ہے:

الاشیاخ المذکورون سوی حضرت مولانا عابد و الحاجی (مرزا جانی) و مرزا مهرالله و ملا حفیظ الله والمولوی عبدالله و ملا ظهورالله المرحومین یعلمونی بالاجرة واما مولانا شهریار فله علی حق لاسمعت ولی علیه حق طالحویت [1]

ہمیں آج لاہور جیسے علمی مرکز کی علمی حیثیت و کیفیت کا بہت ہی کم علم ہے، ہم نے ان اساتذہ کے حالات متعارف تذکروں میں تلاش کرنے کی کوشش بھی کی اور مکرر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کے احوال سے ہم ناواقف ہیں، اس میں مذکورہ معلومات کہ یہ اساتذہ بلا اُجرت پڑھاتے تھے، خاص اہمیت رکھتی ہے۔

حافظ محمد صدیق نے وضاحت کی ہے کہ میں نے اپنی جوانی کے ۲۳ رسال تحصیل علم میں صَرف کیے، اس عمر میں جب میرے والد ملا محمد حنیف کا لاہور میں ۳ ر ذی الحج ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء کو انتقال ہوا تو میری تحصیل کا سلسلہ منقطع ہو گیا، [2] لیکن اس ''ہرج و مرج'' کے بعد میں نے پھر علم حاصل کرنے کی ٹھانی اور اس طلبِ علم میں میری عمر تیس سال ہوگئی۔ [3]

سفرِ حج و تحصیلِ علم

حافظ محمد صدیق نے حج کا پہلا سفر ۱۱۷۰ھ/ ۱۷۵۷ء کو کیا یقیناً آپ نے اپنے اس سفر مبارک کی تفصیلات پر کوئی پوری کتاب یا اپنی کسی دوسری تالیف میں درج کی ہوں گی، جس کے وجود سے ہم تا حال واقف نہیں ہیں۔

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۵ ب ۲۔ تحذیر الاخوان ۲۵۔ا

۳۔ ایضاً ۲۵۔ا،ب، حافظ محمد صدیق نے اپنے دیوان میں بھی اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے (ایضاً ورق ۲۵ ب)

Marfat.com

مولانا یحییٰ بن محمد صالح حنفی مکی

حافظ صاحب ۳۲ سال کی عمر میں ۱۱۷۰ھ کو پہلی مرتبہ حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے، [۱] حج کے بعد مکہ مکرمہ میں حرم مکی کے شیخ القراء اور مدرس مولانا یحییٰ بن محمد صالح مکی حنفی [۲] (زندہ ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۴ء) کی خدمت میں گئے، جو شیخ تاج الدین ابوالفضل بن عبدالمحسن قلعی حنفی (ف ۱۱۴۹ھ/ ۱۷۳۶ء) کے شاگرد خاص تھے، شیخ قلعی مکہ کے قاضی و مفتی اور مسجد حرم کے امام وخطیب اور کئی کتابوں کے مولف تھے، ان کے اجداد ترکی سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ آگئے تھے، آپ مشہور محدث شیخ حسن بن علی عجیمی کے شاگرد تھے، ان دنوں حرمین الشریفین پر ترکوں کی حکومت تھی، آپ انہی کی طرف سے مکہ مکرمہ میں مفتی احناف، قاضی شہر اور مسجد حرام کے امام وخطیب تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ان کے درسِ بخاری میں شریک ہوئے اور ان سے صحاح ستہ وغیرہ کی اجازت لی، [۳] حافظ محمد صدیق نے ان سے حدیث شریف کی سند لی تھی۔ [۴]

۱۔ ۱۱۷۰۔۱۱۳۸ھ ولادت ۳۲ سال عمر بوقت حج

۲. ولد بمكة ونشأ بها و طلب العلم على مشائخ الوقت...... وانتفع به اعيان اهل مكة العظام كالشيخ طاهر سنبل والمفتي عبدالملك القلعي ...... و روى عن المحدث الكبير الشيخ حسن عجيمي واشتهر...... خصوصاً في الفقه و علم القرأت و ولى شيخًا على القراء بمكه، بعد وفاة اخيه، الشيخ محمد (ف ۱۱۷۰ھ) و الف حاشية بديعة على شرح منسلك اللباب للملا على القارى) انه كان موجودا فى سنه ۱۱۷۸ه (المختصر نشر النور والزهر ۵۰۸.۵۰۷)

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث کے عرب مشائخ، مرتبہ شیخ عبدالحق انصاری ۲۸۔۲۹، معجم المعاجم ۲/ ۸۷

۴۔ اس سند کا عکس کتاب تحذیر الاخوان میں ملاحظہ کریں، جو ۱۹/ ربیع الاول ۱۱۷۰ھ کا مکتوبہ ہے۔

Marfat.com

شیخ ابوالحسن صغیر سندھی

مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، روضۂ مطہرہ کی زیارت کے بعد اس عہد کے مشہور محدث حضرت شیخ ابوالحسن سندھی صغیر [۱] (۱۱۲۵ـ۱۱۸۷ھ/۱۷۱۳ـ۱۷۷۲ء) کی خدمت میں جا کر تحصیل کی اور حدیث شریف کی سند لی، جس میں صحیح بخاری اور ان کی فہرست [۲] (معجم المشائخ) میں مذکور تمام کتب کی تدریس کی اجازت دی اور اجازت نامہ لکھ کر دیا۔[۳] شیخ صغیر سندھی علامہ محمد حیات سندھی مدنی (ف ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۴۹ء) کے شاگرد تھے، بہت سے مشائخ سے تحصیل کے بعد مدینہ منورہ میں ہی مقیم ہو گئے تھے، کئی کتابوں خصوصاً شرح جامع الاصول لابن الاثیر، شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کے مولف تھے، عالمِ اسلام کے علماء نے اُن سے پڑھا اور سندیں لیں۔ [۴]

حافظ محمد صدیق کو شیخ صغیر سندھی نے دلائل الخریات کی بھی اجازت دی تھی، جو انہوں نے شیخ محمد حیات سندھی مذکور سے لی تھی، جس پر تاریخ تحریر ۱۹ر صفر ۱۱۷۰ھ ہے۔[۵]

شیخ صدرالدین ہندی

حافظ محمد صدیق نے تبرکاً یہی سند شیخ ابوالحسن صغیر مذکور کے ایک شاگرد شیخ صدرالدین ہندی مدنی سے بھی لی تھی، [۶] جن کے حالات متعارف عربی تذکروں میں نہیں ملتے۔

۱۔ شیخ ابوالحسن سندھی کو صغیر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے پہلے ان کے ہم نام شیخ ابوالحسن موجود تھے، جنہیں کبیر (ف ۱۱۳۹ھ/ ۱۷۲۷ء) اور انہیں ابوالحسن صغیر کہا گیا۔

۲۔ فہرست الندی الصغیر یعنی شفاء العلیل بالسند الجلیل جامع امیر عبداللہ بن محمد سنعانی (۱۱۶۰ـ۱۲۴۲ھ/ ۱۷۴۷ـ۱۸۲۶ء) مراد ہے (معجم المعاجم ۲/ ۱۴۹)

۳۔ تحذیر الاخوان ۲۷ ب

۴۔ معجم المعاجم ۲/ ۱۴۸ـ۱۴۹، مگریو، رفیق احمد: شیخ محمد حیات سندھی، حیدر آباد ۲۰۰۹ء

۵۔ تحذیر الاخوان ۲۸۔ا ۶۔ ایضاً

Marfat.com

مکتوب شیخ ابوالحسن سندھی بنام حافظ محمد صدیق لاہوری

رسالہ تحذیر الاخوان کے خاتمہ پر حافظ محمد صدیق نے اپنے استادِ حدیث مولانا شیخ ابوالحسن صغیر سندھی کا ایک مکتوب بھی نقل کر کے محفوظ کر دیا ہے، جو ان کے استاد حضرت شیخ محمد حیات سندھی مدنی کے وصال کے بارے میں ہے، ان کا انتقال ان کے مدینہ منورہ حاضر ہونے سے پہلے ہی ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۴۹ء کو ہو چکا تھا، یہ مکتوب شریف بھی بہت ہی ذی قیمت ہے، جس کی عکسی نقل آپ تحذیر الاخوان میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

دوسرا سفر حجاز و حج

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ہم نے لکھا ہے کہ حافظ محمد صدیق نے ۳۲ رسال کی عمر میں پہلا حج ۱۱۷۰ھ کو کیا، مدینہ موزرہ سے ملنے والی سندِ حدیث کے نیچے آپ نے یہ سنہ ہندسوں اور الفاظ میں بھی لکھا ہے: حادی عشر من صفر ۱۱۷۰ سنہ سبعین و مایة بعد الالف [1]

اس پہلے سفر کی کوئی دستاویز محفوظ نہیں ہے۔

حافظ محمد صدیق نے دوسرا سفر حج و زیارت کے لئے ۲ رمحرم ۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۵ء کو کیا، اس دوسرے سفر کی یاداشتیں بھی ہم تک نہیں پہنچ سکیں کہ وہاں حج و زیارت کے بعد آپ نے کن علماء و محدثین سے مزید تحصیل کی اور سندیں حاصل کیں۔

خوش نصیبی سے ہمارے ذخیرہ میں اس دوسرے حج کی ایک دستاویز (ورق ۴۹) محفوظ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد وزیر خان، لاہور جس کی امامت و خطابت مجھے موروثی طور پر اپنے والد مُلا محمد حنیف سے ملی ہے، اب میں ۲ رمحرم ۱۱۷۹ھ کو حج و زیارت کے لئے حرمین الشریفین جاتے ہوئے اپنا یہ موروثی عہدہ امامت و خطابت اپنے فرزند "غلام محمد" کو دے کر جا رہا ہوں، جو بالغ، صالح، طالع اور حافظ قرآن بھی ہے، کوئی دوسرا شخص اس میں مداخلت نہیں کر سکتا، یہ دستاویز قاضی محمد اسلام، قاضی عطاء اللہ، خواجہ فدای خان اور مرزا محمد فاضل نبیرۂ وزیر خان اس کے گواہ ہیں اور اس دستاویز پر شہادت کے طور پر ۱۷ رمواہیر اعیان و گواہان ثبت ہیں، جس میں دو مہریں عام اور خاص خود حافظ محمد صدیق کی ہیں اور قاضی محمد اسلام کی بھی بڑی مہر اس پر ثبت ہے، [2] اقرار نامہ کا متن اس طرح ہے:

۱۔ تحذیر الاخوان ورق ۲۸۔ل

۲۔ اس اقرار نامہ کا متن اور عکس بھی دستاویزات کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

سفر حج کے لئے جانشینی کا معاہدہ

اضعف عباد رب العالمین محمد صدیق بن محمد حنیف بن محمد لطیف اصلح اللہ شانہم......بعزم حج وزیارت حرمین الشریفین......از بلدۂ لاہوری رود وعہدۂ امامت وخطابت مسجد شریفہ مبینہ خان خلد مکان نواب وزیر خان مرحوم ومغفور کہ تلیغ ورثہ پدری بایں فقیر رسیدہ است وکس دیگری را بجز ایں فقیر دران اختیار نیست، اکنون عہدۂ مذکور را بہ جمیع الاستحقاق بہ فرزند سعید الرشید خود امیدوار رحمت اللہ الاحد غلام محدم کہ بالغ وصالح و طالع وطائع وحافظ القرآن بالربیع بطریق نیابت تفویض می نماید ومقرری گرداند کہ آیندہ انصرام واہتمام فرائض امامت وخطابت مسجد مذکور باختیار فرزند مذکور است ودیگری را دعویٰ ودخل نیست، چنانچہ دریں باب جملہ ارباب الفضل والکمال خصوصاً قاضی جی صاحب قاضی محمد اسلام وقاضی عطاء اللہ وخواجہ فدای خان و مرزا محمد فاضل نبیرۂ نواب مرحوم وہریک از متولی وداروغہ ومتعلقین مسجد کہ مواہیر شان شہادتا بر حاشیہ این مرقومہ ثبت است، واقف ومتفق علیہ اند، پس اگر کسی از فرزندانِ من خلاف ایں کند وترک اقتضا (کذا) می غاید آں نزدیک من ناروا است وپیش حاکم وقت باطل وعند الشاہدان مذکور لا طائل است، پس ایں دستاویز فرزند مذکور رادادم کہ عند الحاجت بکار آید ومواہیر خاص وعام خود راہو دوثبت کرم، فقط۱

دستخط محمد صدیق
دوم محرم ۱۱۷۹ھ

مہر العام

حافظ
محمد
صدیق

خادم شرع رسول اللہ
الامام قاضی محمد اسلام

دستخط: احقر الانام محمد اسلام

مہر الخاص

اضعف العباد محمد صدیق، مقر، دستخط

مزین بہ ۱۷ مواہیر

۱۔ دستاویزات (شمارہ ۴۹/۲)

Marfat.com

تالیفات حافظ محمد صدیق لاہوری

حافظ محمد صدیق لاہوری جیسے عالم اجل نے کتنی کتابیں تالیف وتصنیف کیں؟ ہمارے پاس اس کی کوئی حتمی تعداد یا معاصر شہادت موجود نہیں ہے۔

حافظ محمد صدیق نے اپنی تالیفات کو شیوخ حرمین الشریفین کی برکت کی بدولت منصۂ شہود پر آنے یعنی ان کی دعا کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے ان کے اسماء ''تحذیر الاخوان'' میں اس طرح درج ہیں اور اسی مخطوطہ کے حاشیہ پر اپنے قلم سے بھی ان کے نام مع سنین لکھ دیئے ہیں جو ۱۱۸۹ھ تک ہیں، اس کے بعد آپ چار سال مزید بقیدِ حیات رہ کر دینی خدمات انجام دیتے رہے، معلوم نہیں کہ اس دوران آپ نے کیا لکھا؟

ہم یہاں آپ کی تالیفات کو آپ کی اپنی ترتیب کے مطابق متعارف کروا رہے ہیں:

۱۔ سلک الدرر لاکمل رسل اطہر فی سیر للرسول الانور [۱] (عربی نثر، غیر منقوط)

یہ سیرت طیبہ کے موضوع پر عربی نثر میں ہے، اس کی خوبی یہ ہے کہ تمام الفاظ بے نقطہ استعمال کئے ہیں، لیکن اس کا خاتمہ بانقطہ ہے، یہ ابوالفیض فیضی (ف ۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵ء) کی عربی ادب واخلاقیات کے موضوع پر عربی زبان کی بے نقطہ کتاب ''موارد الکلم'' کی طرز پر لکھی گئی ہے، خود وضاحت فرماتے ہیں:

فجمع حروفه عواطل فی مقابلة موارد الکلم للفیضی......

ہمارے ذخیرہ میں سلک الدرر کا ایک ایسا قلمی نسخہ ہے، جس میں چند اوراق پر یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اس کے حواشی ہیں، ایک ورق پر مندرجہ ذیل عربی عبارت قابل توجہ ہے:

...... اعلم ان الباعث علی التصنیف امتحان الطبیعة بافشاء کلام حروفه کلهما عواطل لما رأیت خطبة المقامات الحریری کذالک ولما سهل الله

۱۔ مولف نے تحذیر الاخوان میں اسے دوسرے نمبر پر لکھا ہے اور پہلے نمبر پر اپنی کتاب مدار الاسلام فی علم الکلام درج کی ہے، ہم نے سیرۃ طیبہ کی مناسبت سے اسے پہلے نمبر پر رکھا ہے۔

Marfat.com

سبحانه على هذه الصنعة الصبعة جملة بضاعة مزجاة الى جناب اكرم العاشقين مشتمل على نبذه من احوال شفيع المذنبين رجاء و طمعان ان بعقوعتى ما احاطه به علمه و لما عاد سلطان احمد شاه عن فتح كفار مرهته و ضرب خيامه حوالى لاهور و صار ملاقات لازما بحكم الوقت زدت فى كتابى هذه العبارت و التحفة و الله سُبحانه عليم بذات الصدور...... و انى بمعزل عن مصاحبتهم و دادهم و هى هذه ولما حصل السلك وسط لاهور عصمه الله و اهله الحور و ادامه دار السرور عصر ملك هو راس ملوك الاسلام ماج كما داع موكد بصراط الله اسلام مصوع موارهه اعدم سواد الالحاد و الا هواء و طلوع مكارمه احكم مرصاد المهاد و روح اهل السماء، اورد اسمه المعطر احمد، اول الدرر واحمد اللهم سلمه، راحم العلماء والصلحاء وابه واولاده الكرام ملوكا ماحام العلوحول السعداء......

خان اتفقت الضرورة فالحقها و ان انتفت...... ۱۲ منه عفى عنه [۱]

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ سلک الدرر کی بے نقط تالیف کے دوران ''مقاماتِ حریری'' کا خطبہ پڑھنے سے آسانی ہوگئی۔

۲۔ یہ کتاب حروف عواطل میں لکھی گئی ہے جو صنعت مزجاہ ہے۔

۳۔ اس کتاب میں ایک ورق کا اس وقت اضافہ کیا جب سلطان احمد شاہ (درانی) کفار مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد مضافاتِ لاہور میں آ کر خیمہ زن ہوا۔

۴۔ پنجاب کی حکومت کے حکم پر میری درانی سے ملاقات لازم قرار دی گئی۔

۵۔ اس کتاب کو اس اضافہ کے ساتھ اس کے لئے تحفہ بنایا گیا۔

۱۔ اس اہم یادداشت کے مخطوطہ کا عکس مجموعۂ حاضر میں شامل ہے، اسے ہم نے خاتمۂ جدید سمجھ کر آخر میں لگا دیا ہے، جو رسائل حافظ محمد صدیق لاہوری مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۹ء میں شامل ہے۔

Marfat.com

۶۔ میں نے خود کو اس کی مصاحبت (بعد از ملاقات) سے علیحدہ کر لیا۔

۷۔ احمد شاہ درانی راس ملوک اسلام ہے۔

۸۔ اس کا نام احمد معطر ہے۔

۹۔ وہ علماء و صلحاء پر رحم کرنے والا ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ اُسے تا دیر سلامت رکھے، اور اس کی اولاد بھی حکام میں سے ہو۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ اس کو الحاد اور اہوا کو مٹانے کی توفیق دے۔

احمد شاہ درانی اپنے پندرہویں سال جلوس (۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء) کو پانی پت کے میدان میں پہنچا، جہاں مرہٹوں، ہندوؤں اور سکھوں کی مشترکہ فوج کے ساتھ جنگ ہوئی، دوسری طرف درانی کی فوج اور روہیلہ (افغان) فوج نے مشترکہ طور پر مقابلہ کیا، درانی کو فتح نصیب ہوئی، درانی اُسی سال ۲۶/اپریل/۱۷۶۱ء کو لاہور آ کر خیمہ زن ہوا۔[۱]

سلک الدرر کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں ہے اور اس کے تین خطی نسخے میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

گویا سلک الدرر ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء سے پہلے تصنیف ہو چکی تھی، مولف نے اس کے مقدمہ کے حاشیہ پر لکھا ہے اور ہر عنوان کو ''درہ'' قرار دیا ہے، سیرت مبارک کے واقعات ماہ و سال کے مطابق درج کیے ہیں، مقدمہ میں بے نقطہ الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے، اپنا نام صدیق الحنفی لکھا ہے، اس وقت ہمارے سامنے اس کا ایک ایسا خطی نسخہ ہے جس کے ہر صفحہ پر حواشی ہیں، جن کے الفاظ با نقطہ ہیں، ہجرت کے بعد سال اول سے واقعات کا آغاز ہوا ہے۔

مدار الاسلام فی علم الکلام (عربی نثر، صنعت توشیح......)

یہ کتاب مولف نے اپنی تالیفات کی فہرست میں سب سے پہلے درج کی ہے، لکھتے ہیں:

۱۔ جامی، محمود حسین: تاریخ احمد شاہی مرتبہ محمود سرور مولائی، تہران ۱۳۸۶ھ، ص ۴۹۳، ۵۰۱،

Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani pp.249-267,273 .

Marfat.com

مدار الاسلام ففیه صنعة التوشیح [۱]

ہمارے ذخیرہ میں اس مختصر مخطوطہ کے دو خطی نسخے ہیں، پہلا مولف کا خودنوشت ہے اور دوسرا اس کی نقل ہے، اول الذکر نسخہ کے پہلے ورق پر مولف کے ہاتھ کی یہ تحریر قابل توجہ ہے:

"ایں رسالہ بصنعت توشیح احادیث اربعہ مکرمہ و تعریف علم و سورۂ اخلاص و بیان سبب تالیف و بیان مدۃ تصنیف و بعبارت فارسی اعتراض برفلاسفہ ظاهر می شود

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

قال العبد الراجی الضعیف المنقطع الی الله اللطیف محمد صدیق بن محمد حنیف مخلص النبی الامی العربی الهاشمی وهو مرجو شفاعته للكل امام الانبياء والرسل......

اس کا یہ نسخہ جو بخط مولف ہے، جس پر مولف کی دو مہریں ثبت ہیں، ایک مہر عام اور دوسری مہر خاص، [۲] اس میں ہر سطر کے نیچے اتنی جگہ خالی ہے کہ ان پر ان سطور کا فارسی ترجمہ وتوضیح کی جاسکتی ہے، لیکن ابھی تک اس کا کوئی ایسا مخطوطہ ہماری نظر سے نہیں گذرا جس میں یہ ترجمہ شامل ہو، معلوم ہوتا ہے کہ مولف کو اس کا موقع ہی نہیں مل سکا، اس مختصر رسالہ کے کل پانچ اوراق یعنی دس صفحات ہیں۔

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔ل

توشیح، علم بدیع کی اصطلاح میں ایک صنعت کا نام ہے، جس میں کسی قطعہ کے اشعار یا مصرعوں کے ابتدائی حروف جمع کرنے سے کسی شخص یا چیز کا نام نکل آتا ہے، ایسے اشعار کو موشح کہا جاتا ہے۔

(لغت جامع جی سی یو ۲/۲۹۰)

۲۔ یہ دونوں مہریں ہمارے ذخیرۂ دستاویزات کی کئی دستاویزوں پر ثبت ہیں، دیکھئے عکسی ایڈیشن دستاویزات، شمارہ ۴۹ وبہ بعد

Marfat.com

ہدیہ امام للخطباء، (عربی نثر)

مولف نے تحذیر الاخوان میں وضاحت کی ہے:

فی خطبات الجمعة والاعیاد لان الله سُبحانه جعلنی اماماً فی مسجد کلاں لابی مقاماً[1]

مولف نے یہ کتاب ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۱ء کو تالیف کی، اس کے آغاز میں لکھا ہے کہ یہ اس کا تاریخی نام ہے، اس کے اعداد جمع کئے جائیں تو مذکورہ سنہ برآمد ہوتا ہے، یہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے، اس کے آغاز میں مقصد تالیف اس طرح بیان کیا گیا ہے:

الحمد لله الذی رفع الخطبآء علی منابر الکرامة للمحامد و نصب العلماء الصلحاء بمنصب النیابة لاشرف الاماجد...... الذی یده علی الجماعة و خص اهل السنة من الجماعات بالهدایة و البراعة...... وبعد فقد طالما اختلج فی خلدی ان اجمع خطباً للجمع والاعیاد لما فی العاریة من عارٍ لاهل الجدة والاجتهاد...... من هذا الامام لان الزمان حینئذ کان سنة اربع و سبعین و مائة بعد الالف من الهجرة المحمدیة علی صاحبها الف من الصلوة والتحیة...... کل خطبة عن آخرها علی حرفٍ واحدٍ من حروف التهجی ثم اخریٰ علی اخریٰ الی الیاء آخر الحروف علی الترتیب...... بان یسمی هدّیة امام للخطباء...... ویظهر من اسمهٖ تاریخ التالیف قاله العباد الفقیر المسکین الضعیف محمد صدیق بن محمد حنیف جعله الله مقتدیاً و اسلافه واخلافه......

خطبات کا یہی مجموعہ تاحیات حافظ محمد صدیق اور آپ کے جانشینوں اور پوتے تک جمعہ اور عیدوں کے خطبوں کے لئے استعمال ہوتا رہا۔

۱۔ تحذیر الاخوان ورق ۲۶۔ ا

Marfat.com

اس کا جو خطی نسخہ میرے ذخیرہ میں ہے وہ دو قسم کے رسم الخط میں ہے، ابتدائی اوراق حافظ محمد صدیق کے قلم سے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، پھر یہ کہیں ناقص ہوگیا تو بعد میں غالباً آپ کے کسی پوتے نے اسے حرف الحاء سے حرف الہا تک کسی دوسرے نسخہ سے نقل کر کے اس میں شامل کیا، آخری اوراق حرف ی تک ابتدائی رسم الخط سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کے تقریباً ایک سو اوراق ہیں، تقطیع درمیانی ہے۔

حافظ صاحب نے تحذیر الاخوان ورق ۲۶ (حاشیہ) پر اس موضوع پر اپنی ایک اور کتاب "یقظۃ الخطب" کا بھی ذکر کیا ہے جو ۱۱۷۹ھ کو مرتب ہوئی تھی، ہمیں اس کے کسی قلمی نسخے کے وجود کا تاحال علم نہیں ہے۔ ؎

فقر محمدی (فارسی ترجمہ)

رسالہ فقر محمدی شیخ امام عماد الدین احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن عارف واسطی (ف ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء) کی تالیف ہے، حاجی خلیفہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

نزیک دمشق، المتوفی بها فی شهر ربیع الآخر سنه احدی عشرة و سبع مائة عن اثنین و خمسین سنه تفقه و تادب...... ولقی المشائخ فتزهد، له شرح منازل السائرین، الاقناع فی حل مشبهة مسالة السماع، مختصر سیرة ابن هشام، مختصر دلائل النبوة، مختصر الکافی للنابلة فی مجلد سماه البلغة و کان ابن تیمیه یعظمه و یقول: هو جنید عصره ؎

حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے استفسار پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی رسالہ فقر محمدی کا ملخص فارسی ترجمہ اور اس کے مولف کے متعلق ایک مفصل مکتوب تحریر کیا۔ ؎

رسالہ فقر محمدی جیسی بنیادی عقائد کی کتاب کا فارسی زبان میں حافظ محمد صدیق لاہوری نے بھی ترجمہ کیا، ؎ لیکن ہم تاحال اس کے کسی خطی نسخہ کے وجود سے واقف نہیں ہیں۔

۱۔ راقم احقر نے اپنی فہرست مخطوطات میں مخطوطہ نمبر MS.151 کو "لقطۃ الخطب" سمجھ لیا، اب دونوں مخطوطات کے تقابل سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک ہی کتاب ہے۔

۲۔ حاجی خلیفہ: سلم الوصول الی طبقات الفحول ۱/۱۱۴

۳۔ کتاب المکاتیب والرسائل ۵/۳۶۔۵۱ (برحاشیہ اخبار الاخیار)

۴۔ تحذیر الاخوان ۴۶

Marfat.com

جامع احمدی (فی الطب)، فارسی نثر

اس کے بارے میں مولف نے خودلکھا ہے:

هو كتاب ضخيم و كل من هذه التصانيف فريد فى بابه...... فعبارة فارسيه و رضحة لعموم النفع بكل مرض مع بيان الاسباب و العلامات، عشر علامات مفرده مع مركبات و فوائد اُخرى فهو بالاتحاف الى جناب امير المومنين بامره اليق [1]

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمد صدیق نے طب کی یہ کتاب ''جامع احمدی'' کسی امیر المومنین کے امر پر تالیف کی اور اُسے تحفۃً ارسال کی، بلاشک وشبہ یہاں امیر المومنین بامرہ الیق سے مراد احمد شاہ درانی ہے، اس سے پہلے جب وہ جنگ پانی پت میں ۱۱۷۵ھ/ ۱۷۶۱ء کو فاتح کی حیثیت سے لاہور میں داخل ہوا تو درانی سے آپ کی ملاقات اور اپنی کتاب ''الدرر'' پر ایک خاتمہ کا اضافہ کر کے اُسے تحفہ کے طور پر پیش کرنے کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس سے پہلے درانی ۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۱ء کو ہندوستان پر تیسری بار حملہ آور ہوا تو مختلف علاقوں پر قبضہ کرتا ہوا ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء کو لاہور پر قابض ہو گیا تھا، [2] عین ممکن ہے حافظ محمد صدیق نے اس کے ایما پر کتاب ''جامع احمدی'' اس دوران لکھ کر پیش کی ہو، بہر حال ہمیں تا حال اس کتاب کے کسی نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

زبدۃ الفرح فی معالجات ضعف الباہ

یہ کتاب بھی علم طب پر ہے، اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے کہ قوت باہ کے بارے میں ہے، خود مولف کے تصریح کے مطابق مذکورہ کتابوں کی تالیف کے بعد ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۴ء کو تالیف ہونے والی کتاب ہے، [3] اس کے کسی نسخہ کا علم تا حال نہیں ہے۔

۱۔ تحذیر الاخوان ۴۶

۲۔ تفصیل کے لئے ''قران السعدین'' پر ہمارا مقدمہ ملاحظہ کریں۔

۳۔ تحذیر الاخوان ۲۶ حاشیہ مولف

Marfat.com

توضیح السنۃ فی تفضیح البدعۃ (فارسی نثر)

حافظ محمد صدیق نے اس رسالہ کا آغاز اس طرح کیا ہے:

الحمد لله الذی هدنا لهٰذا وما کنا لنهتدی......امابعد پس می گوید عباد الله القوی بالتحقیق ولد محمد جنیف صدیق که چون ملا هاشم بن عبدالغفور سندی در رساله که جواز گفتن لفظ پنج تن پاك برآن نفوس خمسه کریمه معروفه و لفظ دوازده امام برنفوس کریمه اثنا عشر معروفه تالیف کرده بود، طریقهٔ انصاف و تحقیق را برگراں گذاشت و بعضی طلبه از قصور بدست آویز همیں بر رساله علم شود و شغف برمانعین برافراشت و ایں انتعال را موجب مثوبة انگاشت، هفواتی که در آں رساله انداخته اند برنگاشت...... و عبارت رسالهٔ مردوده بعینها تمامها ایراد نمود تا محصور بود از و تار و پود و جمله ماند و بود

مولف نے مخدوم سندھی کی عبارت نقل کرنے سے پہلے ''قال'' لکھا ہے اور اس کا جواب دینے کے لئے ''اقول'' کا لفظ لکھ کر فرق واضح کر دیا ہے، دراصل یہ رسالہ حافظ محمد صدیق نے سندھ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (ف ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء) کے رسالہ ''النفحات الباہرہ فی جواز القول بالخمسۃ الطاہرہ'' کے جواب میں لکھا ہے، جس کا قلمی نسخہ کتابخانہ گڑھی یاسین میں ہے، دیگر نسخے بھی پائے جاتے ہیں۔[1]

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ ائمہ اہل بیت اور پنج تن پاک کہنا درست نہیں ہے، حافظ صاحب کا رسالہ توضیح السنۃ کا خطی نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے، جو کرم خوردہ ہے لیکن اس نسخہ کا خط مولف کے خودنوشت رسائل و دستاویزات سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے ہم اسے مولف کا خودنوشت خطی نسخہ قرار دے سکتے ہیں، جس کے کل ۱۳ اوراق یعنی ۲۶ صفحات ہیں، یہ رسالہ بھی ہمارے ذخیرہ کی زینت ہے۔

۱۔ عبدالرسول قادری: مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ۴۲۲۔۴۲۳

Marfat.com

مولف نے رسالہ کے آخر میں لکھا ہے کہ میرا یہ رسالہ حضرت مرشدی مولانا حیات سندھی کے رسالہ کی شرح پر منطبق ہے:

سبحان اللہ شرح ایں رسالہ مارا برطبق شرح حضرت مرشدی مولانا حیات سندھی المدنی رضی اللہ عنه در رد رسالہ قرۃ العین فی اعتراض البکاء علی الحسین اتفاق افتاد

اس اقتباس میں جس رسالہ ''قرۃ العین'' کے حضرت شیخ محمد حیات سندھی کے رد میں لکھنے کا ذکر کیا ہے وہ دراصل مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (ف ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) کے رسالہ ''قرۃ العین فی البکاء علی الحسین'' ہے، جس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ ملک عبدالعزیز، مدینہ منورہ میں ہے، ۱؎ شیخ محمد حیات سندھی کا رسالہ اظہار ''غین قرۃ العین فی البکاء علی الحسین'' کا قلمی نسخہ کتب خانہ ٹمیاری (سندھ) میں ہے۔ ۲؎

اس اقتباس میں حافظ صاحب نے شیخ محمد حیات سندھی کو ''مرشدی'' اس لئے لکھا ہے کہ وہ آپ کے استاد حدیث مولانا ابوالحسن سندھی مدنی کے شیخ حدیث تھے۔ ۳؎

بیان شروط الایمان وارکان الایقان (فارسی نثر)

اس رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

فاتحة کل امر حکیم و خطبة کل کتاب مبین، الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله محمد سید المرسلین و آله واصحابه اجمعین بعد...... میگوید صدیق ملت بیضا و صدیق حنیف از آراء فاسده و اهوا و خیرخواه حافظان شریعت غرا که ایں کلمات تامات دو اند...... می گوید بندۂ ضعیف محمد صدیق بن محمد حنیف که گمان کرده نه شود......

۱۔ راجپر، محمد انس: مخدوم محمد معین ٹھٹھوی، حیدرآباد (سندھ) ۲۰۱۳ء، ص ۳۱۱۔۳۱۲

۲۔ مگریو، رفیق احمد: شیخ محمد حیات سندھی، حیدرآباد، سندھ ۲۰۰۹ء ۵۰۰۔۵۰۵

۳۔ تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

Marfat.com

بنیادی طور پر یہ رسالہ اسلامی عقائد کے متعلق ہے، اور مسلم معاشرے میں جو بدعات رواج پا گئی تھیں ان سے ان کو آگاہ کرنے کے لئے تالیف کیا گیا ہے...... یہ بھی لکھا ہے کہ صوفیہ کے مکاشفات علماء مجتہدین کے مقابلہ میں شریعت پر عمل کی صورت میں قابل قبول نہیں ہیں، یہی بات اکابر صوفیہ خصوصاً حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے بھی متعدد مرتبہ لکھی ہے۔

ان بدعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل ہند اس قسم کے امور میں مبتلا ہیں:

دریں مرض مهلك گرفتارند اهل هندوستان و كاتب حروف تنها قایل نیست بآں بلكه شیخ عبدالحق دهلوی در رساله ما ثبت من السنه فی ایام الستة نیرنموده بیان و عبارته هذه...... (ورق ۸۔ل)

حضرت مجدد الف ثانی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت شیخ احمد كابلی سهرندی معروف به مجدد الف ثانی از مقوله هم خرفی آورده اند بمیان رساله اثبات نبوة و نصه هذا انی عارایت فتور اعتقاد الناس فی هذالزمان فی اصل النبوة...... ومنع ذبح البقر مما هو من اجل شعائر الاسلام فی الهند......

یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جو اس قسم کی بدعات پھیلی ہیں وہ غیر مسلموں کے ساتھ اختلاط کے باعث ہیں:

وآلت سلاطین وامراء بسبب نفوذ ایں کُلاب در طبع اهل سلطان چه كثرت طرق غصب ازینها است و...... (ورق ۸ ب)

ایک مقام پر حضرت مجدد الف ثانی کے رسالہ رد روافض کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

در رساله رد روافض فرموده اند که دیارِهندوستان هر چند از سائر ممالك دراسلام متاخر است و از اصحاب كرام هیچ یكی بایں اقلیم تشریف نیاورده...... (ورق ۹۔ل)

Marfat.com

ایک اور مقام پر حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

”حضرت مجدد کہ تمام شریعت اند و از بقیہ طینت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اند و مجتہد در علم کلام بحکم نبی کریم در منام و مجدد الف ثانی الی یوم القیام مدعیا ان کل من وصل الیہ الفیض کاینا من کان...... و بہ بعضی رقعات علم ظاہری در آں ایام و باظہار مسودات سیاہ فام مکتوبات معجز نظام کہ حاصل عمر تمام شریف اند“...... (۱۱۔ل)“

اہل سنت کے ائمہ مجتہدین کے متعلق لکھا ہے:

”حضرات ائمہ مجتہدین بعد از صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیم اجمعین بدرجۂ قصویٰ و رتبہ علیا آں متصف بودند“...... (ورق ۱۲۔ل)

شیخ اکبر ابن عربی کے کئی اقوال کی تشریح بھی اس رسالہ میں ملتی ہے، مجتہد کے قول کو کشف پر ترجیح دینے کے بارے میں لکھا ہے:

قلت فلای شی لم یوجب العلماء باللّٰہ تعالیٰ العمل بما اخذہ العالم العمل بعلوم الکشف من حیث ضعفھا و نقصھا عما اخذہ العالم طریق النقل الظاہر وانما ذٰلک الاستفتاء عن عمدہ فی الموجبات بصرایح ادلۃ الکتاب والسنۃ

(ورق۱۴۔ا)

کثیر التصانیف علماء کا بھی بڑے عمدہ انداز میں تذکرہ کیا ہے (ورق ۱۵۔ا،ب)

مولف نے اس رسالہ کے آخر میں ایک مسکۃ الختام کے تحت بعض آیات کی تشریح بھی شامل کی ہے، یہ کرم خوردہ رسالہ بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے، جو مولف کے قلم کا نوشتہ ہے۔[۱] اس کا خط بھی توضیح السنۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔

۱۔ اس رسالہ کا ایک اور خطی نسخہ بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے (شمارہ MS.150) ہماری مرتبہ فہرست میں اسے غلط طور پر ”کلمات تامات“ لکھ دیا گیا ہے، اب اپنی غلطی سے رجوع کرتا ہوں۔

Marfat.com

آخر میں لکھا ہے کہ اس کا نام تاریخی ہے:

"تسمیہ نمودم ایں رسالہ را بہ "بیان شروط الایمان و ارکان الایقان" در سمانیکہ حاصل آید از اسم آں"

تحذیر الاخوان (عربی نثر)

اس بیش قیمت رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدللّٰہ الذی اصحک الحدائق ببکاء سحائب افضالہ...... وبعدُ فھذا تحذیر الاخوان والخلان عمّا شرع المدعون للعرفان فی ھذہ الازمان رقمہ الصدیق الصدّیق لارباب التحقیق والتوفیق

دراصل یہ مولف کی مجمع الشیوخ ہے، اس کی بنیاد پر ہم نے ان کے احوال وآثار مرتب کئے ہیں۔

اس میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے:

قال الفقیر الضعیف صدیق بن محمد حنیف و...... (ورق ۳ب)

چونکہ مولف لاہور یعنی پنجاب کے مرکز میں رہتے تھے اس لئے اس میں کئی جملے مقامی زبان اُردو کے بھی لکھے ہیں مثلاً عوام میں یہ غلط فہمی کہ رام رحیم ایک ہے، [۱] (۵۔ا) کا رد کیا ہے، ایک مقام پر اتحاد وحلول کا رد کرتے ہوئے شیخ اکبر ابن عربی کا دفاع کیا ہے کہ ان پر اتحاد وحلول کا الزام غلط ہے۔ (ورق ۸۔ا، ب)

ایک مقام پر اپنے تبصرہ کا تتمہ لکھتے ہوئے لکھا ہے:

فاعلم ان المراد بالعلم الباطنی علم ما یتعلق اغلبہ باصلاح القلب و المعاد وبالعلم الظاھر...... (۱۰، ب)

مشائخ کی عصمت کے عقیدہ کو خلافِ عقل قرار دیا ہے (۱۹۔ا)

۱۔ دیگر کئی جملے اس طرح کے ہیں مثلاً تعجب ہے کہ مناسبت...... محض خدائے تعالیٰ کی قدرت سن آ کی (۱۶۔ا)، وھو یجادلہ وکہتا ہے او کے اے حضرت میاں اسلام کے جہر (۱۶ ب)، پس میں تو کذت نمی گویم کہ کلمہ پھر اپنے اور خدا بھی جانتا ہے کیوں یارو (۱۶۔ب)

Marfat.com

مشائخ کی کرامات بھی تامل کے ساتھ قبول کرنے کی ہدایت کی ہے، (ورق: ۲۱۔ا) اس کے بعد تحدیث نعمت کے طور پر اپنے احوال بیان کئے ہیں، اپنے والد گرامی ملا محمد حنیف بن ملا محمد لطیف کابلی خطیب مسجد وزیر خان، اپنی والدہ (از بنات تاشکند) کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس مقدمہ میں متعلقہ مقامات پر نقل و اقتباس کے طور پر بیان کیا جا چکا ہے، اپنا سالِ ولادت بمقامِ لاہور ۲۹ محرم ۱۱۳۸ھ بتایا ہے۔ (ورق ۲۳۔ا)

اس کتاب میں جو مولف کی ثبت ہے، اپنے ۲۰ استادوں کے اسماء اور ان کی خدمت میں کون کون سی کتب پڑھیں، سب کچھ لکھ دیا ہے۔

اپنی ۲۳ رسالہ زندگی کے حوادث بھی بیان کئے ہیں، انہیں ''ہرج و مرج'' کہا ہے، جن کی تفصیلات ہم نے اس مقدمہ کے آغاز میں کتب تاریخ کے حوالے سے بیان کر دی ہیں، اپنے والد کا سال و تاریخِ وفات ۳ رذی الحج ۱۱۶۲ھ درج کی ہے، یہ بھی بتایا کہ میرے والد مسجد وزیر خان میں چالیس سال تک خدمات انجام دیتے رہے۔

اسی رسالہ میں مولف نے اپنی ۱۹ رتالیفات کے نام لکھے ہیں، جن کی تالیف میں وہ ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء تک مصروف رہے۔

آخر میں اپنے پہلے سفر حج ۱۱۷۰ھ/ ۱۷۵۶ء اور حرمین الشریفین میں وہاں کے علماء و محدثین کی خدمت میں حاضری اور ان سے ملنے والی اسناد بھی نقل کر دی ہیں، جن کا تذکرہ ہم عصری شواہد کی بنیاد پر متعلقہ مقامات پر کر چکے ہیں۔

تحذیر الاخوان جیسا بیش بہا رسالہ بھی ہمارے ذخیرہ کی زینت ہے، جو مولف کا خود نوشت نسخہ ہے، اس کی ایک اور نقل بھی ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ (MS.144)

مزیل الاحزان (دیوان)

یہ حافظ محمد صدیق لاہوری کا مجموعۂ کلام ہے، جو آپ نے خود ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۴ء سے پہلے مرتب کر لیا تھا، تحذیر الاخوان میں اس کا خود ذکر کیا ہے۔[۱] اسی کتاب میں اپنے اساتذہ کے ذکر کے ذیل میں مولانا

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔ الف (حاشیہ)

Marfat.com

شہریار لاہوری کے حالات میں بین السطور اپنے دیوان میں ان کے کمالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد اتفق لی غزل مطلعه

در اخذ واجر است ان یار الله الی آخره وهو فی دیوانی موجود یشیر الی بعض کمالاته [۲]

ہمارے ذخیرۂ مخطوطات میں ایک مخطوطہ کا صرف پہلا ورق ہے، [۳] وہ آپ کی کتابوں کے ساتھ ہی مجلد تھا، غالب گمان ہے کہ وہ آپ کے اسی دیوان کا ہی ورق ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

زبان تازه کردن عندلیب رعنا نوای خامه بچهچه تحمید بحید و غلغل توحید حمید......

اس کا پہلا شعر یہ ہے:

نحمد الله الكريم المستعان   نحمدا حمداً محيطاً بالبيان

اس کے پہلے خالی ورق پر مخطوطہ کا نام ''گل شکر'' لکھا ہوا ہے، اس نام کی کوئی کتاب ہمیں فہارس مخطوطات ومطبوعات میں نہیں مل سکی، قیاس ہے کہ دیوان کا یہی پہلا ورق ہوگا۔ [۴]

مسجد وزیر خان نہ صرف ایک مذہبی تعلیم کا مرکز تھا بلکہ علم وادب کی محافل بھی اس کے صحن میں منعقد ہوتی تھیں، یہ دور وسطیٰ کے ہندوستان کے معروف علمی مرکز، لاہور میں تھی، جہاں ادبا، شعراء وعلماء بکثرت موجود تھے۔

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔ا (حاشیہ)   ۲۔ ایضاً ۲۵ ب

۳۔ اس ورق کا عکس ہم نے رسائل کے آخر میں دے دیا ہے، مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور

۴۔ حافظ محمد صدیق لاہوری عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے، اپنا مجموعۂ کلام ''مزیل الاحزان'' کے نام سے جمع کیا تھا، آپ نے حضرت سید اسحٰق گارزونی (میران بادشاہ) مدفون صحن مسجد وزیر خان کی مدح میں ایک قصیدہ عربی میں لکھا تھا، حافظ محمد صدیق تارک تخلص کرتے تھے، محمد الدین فوق نے آپ کے عربی و فارسی اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ (تذکرۃ العلماء والمشائخ ۵۸)

Marfat.com

معروف شاعر وتذکرہ نویس غلام علی آزاد بلگرامی، سندھ سے لاہور پہنچے تو وہ بارہ ماہ تک یہاں مقیم رہے اور یہاں کے مجالس شعر وسخن کا انہوں نے اپنی کتاب ''خزانۂ عامرہ'' میں تذکرہ کرتے ہوئے خود لکھا ہے:

حاکم (شاہ عبدالحکیم حاکم لاہوری مولف تذکرہ مردم دیدہ) بافقیر گفت زبانی شاہ آفرین (لاہوری ف ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء)زبانی شاہ آفرین یاد دارم کہ سابق در صحن مسجد وزیر خان واقع لاہور جمعی از موزونان مجلس سخن می آراستند و مشاعرہ را گرم می ساختند، روزی ملا محمد سعید اعجاز اکبرآبادی کہ درآں وقت تازہ وارد لاہور شدہ بود دریں بیت ناصر علی سرہندی) کہ:

صریر خامہ دانم کہ با طبعت نمی سازد
دریدی نامۂ دل صد پارہ شد قاصد رسید ایں جا

اعتراض کرد کہ ہر گاہ صریر خامہ کہ عاشق از راہ زود و دراز مکتوب می نویسد...... ۱؎

یہ تو عین حافظ محمد صدیق کے والد کی امامت کا زمانہ ہے، اس وقت حافظ صاحب کی عمر سولہ سال کی تھی، یقیناً خود حافظ صاحب اور ان کے خانوادہ کے تمام افراد ادبا، شعراء اور علماء میں سے تھے، حافظ صاحب کی ولادت پر قطعۂ تاریخ بھی لکھا گیا تھا، ۲؎ جو یقیناً آپ کے والد جو اس وقت اس مسجد کے خطیب تھے، نے کہا ہوگا۔

۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: خزانۂ عامرہ، طبع ناصر نیکو بخت وشکیل اسلم بیگ، ص ۱۴۱، اس سے پہلے مشہور ہندو شاعر وادیب چندر بھان برہمن (ف ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۴ء) بھی لاہور آیا تو مسجد وزیر خان گیا تھا اور وہاں کی ادبی محافل کا اس نے بھی ''چہار چمن'' میں ذکر کیا ہے، اس کا ایک رقعہ بھی نواب وزیر خان کے نام ہے۔ (منشآت برہمن ۴۹، ۱۲۴)

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''خانوادہ حافظ محمد صدیق''

Marfat.com

دیوانِ کے مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں آپ اپنا ہر قسم کا کلام جمع کر دیا ہوگا، جس میں آپ نے اپنے اساتذہ کے کمالات اور ان کی شان میں مدحیہ اشعار بھی بکثرت کہے ہوں گے۔

بہر حال ہم آپ کے اس دیوان کے قلمی نسخے کے وجود سے تا حال بے خبر ہیں، آپ کا سارا خانوادہ وعظ کے علاوہ شعروادب سے گہرا لگاؤ رکھتا تھا کیوں کہ یہ اس عہد کی معاشرت کا اہم ترین جز تھا۔

آپ کے کے فرزند اکبر اور جانشین حافظ غلام محمد معروف بہ امام گاموں باقاعدہ شاعر تھے، ان کی منظوم کتب میں سے ایک عرفانی مجموعہ گنج خوبی (ہجو المقلدین) موجود ہے، ان کے عاشقانہ ابیات زمان زد خلق تھے، [1] اس خاندان کے ایک اور فرد مرزا اکرم بیگ بھی باقاعدہ شاعر تھے۔ [2]

اس خانوادہ کے آخری عالم مولانا فرزند علی نے امام غلام محمد کی کتاب ''شمس التوحید'' کتابت کرتے ہوئے حافظ محمد صدیق کا یہ ایک شعر حاشیہ پر نقل کیا ہے۔

بیا ای مومن سنی به بیت الله اندر شو

طهارة ساز از خون دل و یاقوتِ احمر شو [3]

القول الحق فی بیان ترک الشعر والحلق

حافظ صاحب کے اس رسالہ کے کسی قلمی نسخہ کے وجود کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے، آپ نے اسے ۱۱۸۱ھ/ ۱۷۶۷ء کی تالیف بتایا ہے۔ [4]

۱۔ تحقیقاتِ چشتی ۶۷۶۔۶۷۷

۲۔ مرزا بیگ کی ایک فارسی مثنوی کے دستیاب اوراق کا عکس بھی شمس التوحید کے آخر میں شامل ہے۔

۳۔ اس شعر پر فرزند علی صاحب نے ایک عمدہ حاشیہ لکھا ہے، یعنی:

باید که جمیع آلودگیهای دنیاوی و خواهش نفسانی را مطلقاً و اصلاً ترك نموده پاکئ دل حاصل بکنید و باز به بیت الله که مسجد ست داخل شد، بحضور دل متوجه و راغب شود و ذکر الهی بدل و جان بکند و تجلیات نورِ ربانی را مشاهده نماید، از کاتب فرزند علی (شمس التوحید تالیف امام غلام محمد)

۴۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔ا، حاشیہ

Marfat.com

درءالتعسف عن ساحۃ عصمۃ یوسف (عربی نثر)

اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے، یہ رسالہ حافظ صاحب ۱۱۷۹ھ اور ۱۱۸۱ھ کے مابین تالیف کر چکے تھے، [1] اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

الحمد لله الذی کرم الانسان بالایمان و خص من نبیهم الانبیاء المرسلین بالعصمة و مقام الاحسان...... وبعد فیقول العبد الراجی شفاعة لهذا النبیه النبی صدیق بن محمد حنیف الحنفی ادرکه الله بلطفه الجلی و الخفی انی قد کنت ایوم الفاضل البارع السامی نورالدین عبدالرحمن الجامی فیٔ بیانه قصة...... فشرعتُ فی التالیف مسمیا له درء التعسف عن ساحة عصمة یوسف و مفصلاً له علی اربعة فصول کلها......

الفصل الاول فی عصمة الانبیاء الملائکة

الفصل الثانی فی تفسیر قوله تعالیٰ......

الفصل الثالث فی دفع الظن و سوء عن جناب الشیخ

الفصل الرابع فی بعض فضائل المنادبین......

بنیادی طور پر یہ رسالہ مولانا جامی کی مشہور کتاب ''یوسف زلیخا'' کے جواب میں لکھا گیا ہے، جہاں مولانا سے اس قصہ کے بیان میں جو تساہل ہوا ہے، اس سلسلہ میں تالیف کیا گیا ہے۔

اس کا ایک خطی نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ (شمارہ MS.147-C)

منتخب جامع فی الوظائف

یہ روزمرہ کے وظائف کا مجموعہ ہے، جو حافظ صاحب نے ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء سے پہلے مرتب کر لیا تھا، [2] اس کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں ہے۔

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔۱، حاشیہ

۲۔ ایضاً

Marfat.com

ہدم الطاغوت فی قصۃ ہاروت و ماروت

یہ رسالہ بھی حافظ صاحب ۱۱۸۶ھ/۷۷۲اء سے پہلے تالیف کر چکے تھے، ۱ اس کے بھی کسی نسخہ کے وجود کا علم نہیں ہے۔

نورحدقۃ الیقین فی مثال النعلین الثقلین

یہ رسالہ بھی مذکورہ سنہ سے پہلے تالیف ہو چکا تھا، ۲ ہم تا حال اس کے کسی قلمی نسخہ سے واقف نہیں ہیں۔

ازالۃ الفسادات فی شرح مناقب السادات

حافظ صاحب نے یہ شرح ۱۱۸۸ھ/۷۷۴اء کو لکھی تھی، ۳ ''مناقب السادات'' قاضی شہاب الدین دولت آبادی (ف ۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء) کی تالیف ہے، ۴ علامہ دولت آبادی نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھی تھیں، اول رسالہ افضلیت عالم برسید، جس پر اس عہد کے علماء و سادات کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے، آپ کے ایک استاد بھی اس رسالہ پر آپ سے ناراض ہوئے، ۵ تو آپ نے اسے دریابُرد کر دیا۔ ۶

تاہم اس مسئلہ پر علماء کے مابین اختلاف رہا، حافظ محمد صدیق لاہوری نے بھی اسے فساد قرار دیتے ہوئے قاضی صاحب کی کتاب ''مناقب السادات'' کی یہ شرح لکھی، اس شرح کے کسی قلمی نسخے کا ہمیں علم نہیں ہے۔

۱۔ ا۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔ ا، (حاشیہ) ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

۴۔ قاضی دولت آبادی کی مناقب السادات (فارسی) کے بہت سے خطی نسخے پاکستان و ہند کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، ہمارے ذخیرہ میں اس کا ایک روٹو گراف (شمارہ R.338/A) موجود ہے۔

۵۔ اخبار الاخیار ۳۶۱

۶۔ خزینۃ الاصفیاء ۱/۳۹۱، دیار پورب میں علم وعلماء ۲۰۳۔۲۰۴

Marfat.com

تبیض الرق فی تبین الحق فی ردّ ما تساہل فیہ شیخ عبدالحق

حافظ صاحب نے یہ رسالہ ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ کو تالیف کیا، [1] جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کے کسی رسالہ کا رد ہے، چونکہ حافظ صاحب کے اس رسالہ کے ہمیں کسی خطی نسخہ تک رسائی نہیں ہوئی ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے شیخ محدث کے کس رسالہ کا رد لکھتے ہوئے کس مسئلہ میں شیخ کا ''تساہل'' ثابت کیا ہے؟

یہ تو صرف ان کتابوں کا مختصر سا تعارف ہے، جن کا آپ نے خود ۱۱۸۹ھ تک ذکر کیا ہے، اس کے بعد آپ چار سال ۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء بقید حیات رہے، یقیناً آپ ان چار سالوں میں تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور تذکیر میں مصروف رہے ہوں گے لیکن ان آخری چار سالوں میں آپ نے کون کون سی کتابیں لکھیں، ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔

سالِ وصال

خاندانی دستاویز میں حافظ محمد صدیق لاہوری کا سالِ وفات ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء درج ہے، [2] یہی سنہ حدائق الحنفیہ [3] اور نزہۃ الخواطر [4] میں بھی ہے، لیکن تاریخ وفات کسی نے نہیں لکھی، دستاویز مذکورہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

> تاریخ واقع شدن حضرت امام صاحب مسجد وزیر خان امام حافظ صدیق
> ۱۱۹۳ بود کویان امام اعظم آں

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۶۔ (حاشیہ)

۲۔ دستاویزات (دستاویز ۲) ورق ۵۲

۳۔ حدائق الحنفیہ ۴۷۰

۴۔ نزہۃ الخواطر ۶/۳۲۴

رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند ۱۹۴ (فارسی) اردو ترجمہ ۴۳۹ میں سال وفات ۱۱۹۲ھ درج کیا ہے، گویا ایک سال کا فرق ہے، دیگر تذکرے محض ناقل ہیں۔

Marfat.com

ان کے اعداد وشمار کرنے سے کسی بھی مادہ سے ۱۱۹۳ھ برآمد نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم خود حافظ صاحب کا قول اپنی تاریخ ولادت کے متعلق ۱۱۳۸ھ درج کر چکے ہیں جس کے مطابق آپ کی عمر کل پچپن سال بنتی ہے۔

خانوادۂ حافظ محمد صدیق لاہوری

حافظ محمد صدیق کے والد ملا حافظ محمد حنیف کابلی اور دادا ملا محمد لطیف اور والدہ ساجدہ بی بی کا ذکر کیا جا چکا ہے، حافظ محمد صدیق کے کسی بھائی کا ہمیں نام معلوم نہیں ہوسکا، یا تو آپ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے، یا ان کے بھائی کابل واپس چلے گئے، وہاں کی شخصیات کے بارے مین ہمارے پاس اتنے مآخذ نہیں ہیں کہ ہم ان سے آگاہ ہوسکیں۔

حافظ محمد صدیق کے چار فرزند حافظ غلام محمد معروف بہ امام گاموں، میاں محمد، حافظ عبدالرحیم اور محمد عوض[۱] تھے اور آپ کی تین صاحبزادیوں کے نام ملتے یں، یعنی: حمیدہ (بنت اول)، زینت النساء (دوم)، صالحہ (بنت ثالث تھیں، جن کے نام ایک تقسیم نامۂ املاک میں ملتے ہیں۔[۲]

حافظ محمد صدیق کی ایک ہی بہن کا ذکر ملتا ہے کہ ان کا نکاح مرزا محمد عظیم بیگ بن مرزا عبداللہ بیگ کے ساتھ ۲۶ر محرم ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء کو ہوا، گویا انکا نکاح ان کے والد حافظ محمد حنیف کی وفات ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء کے بعد ہوا، حق مہر کی رقم ساٹھ ہزار روپے طے کی گئی، جس کے وکیل سیادت ونجابت پناہ خواجہ نعیم اللہ (مدرس مسجد بادشاہی، لاہور)، امام الائمہ خوجہ امان اللہ (امام مسجد بادشاہی مذکور) وغیرہ تھے۔[۳]

حمیدہ بیگم بنت حافظ محمد صدیق کا نکاح مرزا عبدالرحمٰن بیگ مشہور بہ مرزا مہتر بیگ بن مرزا محمد عظیم بیگ کے ساتھ ہوا تھا، جس کے بطن سے رحیمۃ النساء خانم، سیدہ خانم اور صابرہ خانم تولد ہوئیں۔[۴]

۱۔ حافظ محمد عوض، غالباً حافظ غلام محمد کی وفات ۱۲۴۲ھ کے بعد مسجد وزیر خان کے امام بنے تھے، انہوں نے اس مسجد کے تمام اوقاف اپنے بیٹے حافظ محمد بخش کو عطا کر دیئے تھے، بتاریخ رجب ۱۲۴۶ھ (دستاویز ۱/۵۷)

۲۔ دستاویزات (ورق ۱۰)

۳۔ دستاویزات (ورق ۲۸)

۴۔ ایضاً ورق ۴۴

Marfat.com

اور زینت النساء بنت حافظ محمد صدیق کا نکاح مولوی رحیم بخش بن مولوی محمد یحییٰ قریشی امام مسجد بادشاہی، لاہور کے ساتھ ہوا تھا، جن کے بطن سے عائشہ بیگم، سکینہ بیگم اور فہمیدۃ النساء بیگم کی ولادت ہوئی۔ [۱] انہی رحیم بخش نے ایک قطعۂ زمین مرزا اکرم بیگ چغتائی کو ۱۲۵۷ھ کو فروخت کیا تھا۔ [۲]

حافظ غلام محمد معروف بہ امام گاموں

حافظ محمد صدیق کے فرزند کلاں تھے، حافظ صاحب جب دوسری مرتبہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ۱۲۷۹ھ/ ۶۵-۱۷ء کو لاہور سے روانہ ہوئے تو ایک تولیت نامہ لکھا، جس میں آپ نے اس فرزند بزرگ حافظ غلام محمد کو اپنا جانشین نامزد کر کے تمام جائیداد بھی ان کے نام کر دی، مذکورہ سنہ میں اپنے اس بیٹے کے متعلق لکھا ہے:

> عهدهٔ امامت و خطابت مسجد شریفه مبینه خلد مکان نواب وزیر خان مرحوم و مغفور که تبلیغ ورثهٔ پدری بایں فقیر رسیده است و کسی دیگری را بجز ایں فقیر درآں اختیار نیست، اکنون عهدهٔ مذکور را به جمیع الاستحقاق به فرزند سعید الرشید خود امیدوار رحمت الله الاحد غلام محمد که بالغ و صالح و طالع و حافظ القرآن بالربیع است بطریق نیابت تفویض می نماید و مقرر می گرداند که آینده انصرام و اهتمام فرائض امامت و خطابت مسجد مذکور باختیار فرزند مذکور است، و دیگری را دعویٰ و دخل نیست، و دریں باب جمله ارباب فضل و کمال خصوصاً قاضی صاحب قاضی محمد اسلام و قاضی عطاء الله و خواجه فدای خان و رمرزا محمد فاضل نبیرهٔ نواب مرحوم و هر یك متولی و داروغه و متعلقین مسجد که مواهیر شان شهادتاً برحاشیه ایں مرقومه ثبت است...... دوم محرم ۱۱۷۹ھ [۳]

۱۔ دستاویزات (ورق ۲۸) ۲۔ ایضاً

۳۔ دستاویزات ورق ۴۹، اس اہم دستاویز کا عکس رسائل حافظ محمد صدیق کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے

Marfat.com

حافظ غلام محمد نے کن علماء سے تحصلیل کی؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی، غالب گمان ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار، جو ایک اجل عالم تھے کی خدمت میں ہی تکمیل کی ہوگی، ان کا نام چونکہ غلام محمد تھا اور پنجابی مزاج کے مطابق غلام کو گاما یا گاموں کہا جاتا ہے، آپ اسی کے عرف سے معروف تھے۔[1]

تالیفات

اپنے والد محمد صدیق کی طرح حافظ غلام محمد نے بھی کئی اہم کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے بعض دستیاب کتابوں کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

ہجو المقلدین (فارسی، نظم)

یہ کتاب فارسی نظم میں ہے اور صوفیانہ طرز کی ہے، مولف نے اس کا آغاز اس طرح کیا ہے۔

گنج مخفی است در تو ای دلدار　　بی خبر زان نشستہ چون مار

آخری ورق پر اپنا تخلص غریب استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں سنی، قادری اور حنفی اور روافض سے بیزار ہوں۔

ایں غریب ابن حافظ صدیق　　از دل و جان غلام ایں ہر چار
سنی و قادری و حنفی ام　　از روافض خوارجم بیزار
گر تو پرسی کہ اسم جسم چیست؟　　تو غلام محمد پندار
در تخلص غریب پنداری　　گر بخوانی تو نظم من ای یار
بحقیقت اگر نظر بکنی　　نہ تخلص نہ اسم و جسم شار

ہمارے ذخیرہ کا یہ مخطوطہ مصنف کے نبیرہ فرزند علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس کی کتابت انہوں نے ۱۲۹۳ھ کو کی ہے۔

کتاب کے نام سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ تقلید کے رد کے موضوع پر ہے لیکن اس کے آخر میں مصنف نے واضح طور پر خود کو سنی، قادری اور حنفی لکھ کر وضاحت کردی ہے کہ یہ رسالہ تقلید کے رد میں نہیں ہے

ا۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء ۲۶۳

Marfat.com

بلکہ عمومی پند ونصائح پر ہے، بعض نسخوں میں اس کتاب کو گنج مخفی کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے

شمس التوحید (فارسی نثر)

یہ بھی حافظ امام غلام محمد معروف بہ امام گاموں کی تالیف ہے، جو اخلاقیات اور اولیائے کرام سے منقول حکایات پر مشتمل ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدللّٰہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن له شریك فی الملك ولم یکن له...... اما بعد می گوید بنده بالتصدیق غلام محمد بن امام حافظ محمد صدیق ولد امام حافظ محمد حنیف کابلی ثم لاهوری...... سنی حنفی المذهب امام مسجد وزیر خان مرحوم...... باعث بر جمع کردن و تالیف ایں کتاب که مسمی است به شمس التوحید آں بود که سالها شوق ایمان و ذوق جان مرا برآں میداشت که کتابی در سیرت عارفان و درحقیقت کاملان سازد و بتکمیل آں پردازد والتماس شاگرد و عزیز و عارف باتمیز عبدالرحمن دانندۂ رمزهای عارفان و بینده تجلیات عاشقان...... موید و موکد می شد ولیکن امری نمی شد یعنی توفیق نه یافت که جلوۂ جمال شاید مقصود در توقف بود، ابیات......

اس میں درج اشعار خود مولف کے ہیں، جن کا تخلص غریب تھا، ایک شعر میں اپنا تخلص اس طرح لکھا ہے:

روی آں گلرخ چو دیده بس عجیب   مثل بلبل گشت شیدا ایں غریب

وهفت باب معین کرده شد که هفت کوچۂ عشق و......

باب اول در فضیلت چار یار کبار رضی الله تعالیٰ عنهم......

باب دوم در فضیلت مجتهدان دین و امامان بالیقین

باب سوم در طلب پیر کامل و یافتن شیخ اکمل و در فرمان برداری او بودن

باب چهارم در فکر مراقبه که بنا سلوك راه حق است

باب پنجم در ذکر دل که کلید خزانۂ غیبی است

Marfat.com

باب شم در ذکر سِر که خلاصهٔ اذکار......

باب هفتم در اسم ذات که برای یافتن و دانستن......

مخطوطہ پر حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف اس کا نسخہ مکمل نہیں کر سکے تھے، ان کے نبیرہ فرزند علی نے اسے مکمل کیا لیکن خلا پھر بھی رہ گئے، ایک ابتدائی ورق کے حاشیہ پر لکھا ہے:

ایں عبارت از نسخه صححه که مسوده جناب مصنف علیه الرحمه بود یافته نشد...... و غلط هم معلوم می شود......

ایک اور ورق کے حاشیہ پر تحریر ہے:

ایں هم عبارت مطابق نسخه اصلی نیست اما بنظر درست می آید...... [1]

اس مخطوطہ میں بکثرت اشعار درج ہوئے ہیں جو مولف کے اپنے اشعار ہیں، یہ فارسی میں ہیں۔

بعض مقامات پر اس مخطوطہ کے مرتب و کاتب فرزند علی (نبیرۂ مولف) نے اپنے فارسی اشعار بھی حاشیہ پر موقع کی مناسبت سے درج کر دیئے ہیں۔

مولف نے اس کتاب میں اپنے مرشد حضرت عبداللہ شاہ بلوچ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں، اسم ذات پر ان کا قول اس طرح لکھا ہے:

حضرت پیرو مرشد حقیقت آگاه فقیر عبدالله شاه پیشوای سالکان بعضی از یاران را می فرمودند که اسم اللّٰه را که اسم ذاتی ست و دیگر اسمای صفاتی است و معنی ایں اسم آں ست که او منم و هم اوست صاحبِ صفت ست......

اس کتاب کے خاتمہ میں مولف نے بہت سے عاشقانہ اشعار بھی نقل کیے ہیں، مثنوی مولانا روم کے اشعار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

---

[1] ایک دوسرے حاشیہ پر تحریر ہے: گمان...... ازیں جا کاتب نسخہ اول چیزی غلطی نبوده است و هم گمان...... که جناب مصنف...... ایں مجموعه را بذاته خود جمع نکرده اند......

ورق ۸۰ ب پر بھی اسی قسم کا حاشیہ ہے۔

Marfat.com

اس کے کاتب فرزند علی مذکور نے ترقیمہ اس طرح لکھا ہے:

تمام شد کتاب "شمس التوحید" من تصنیف قدوۃ السالکین عمدۃ العارفین امام مسجد وزیر خان حضرت میاں غلام محمد بتاریخ بیست و پنجم روز عرس حضرت جیو یعنی روز سہ شنبہ مبارک تحریر یافت ۱۲۶۷ ھجری

یہ پورا خطی نسخہ بہت خراب حالت میں ہمیں ملا تھا اور اسی طرح ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے، اوراق کے نمبر نہیں لگے ہوئے، قیاس ہے کہ ۳۰۰ر اوراق ہوں گے۔

واقعاتِ معراج (فارسی نثر)

ہمارے ذخیرہ میں ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے مسجد وزیر خان کے ائمہ کے لکھے ہوئے جو مخطوطات محفوظ ہیں ان میں دو مخطوطات ایسے ہیں جن کے آغاز میں مولفین نے اپنے نام نہیں لکھے، ان میں ایک تو عنوان بالا کا مخطوطہ ہے، اس کا اندازِ بیان بالکل حافظ غلام محمد کی دیگر تالیفات سے مشابہت رکھتا ہے، اور دوسرا مخطوطہ شرح فصوص الحکم ہے، اس کا پہلا ورق نہیں ہے۔

ضخیم کتاب واقعاتِ معراج میں مولف نے بکثرت فارسی اشعار موقع کی مناسبت سے درج کیے ہیں، پہلا منظومہ کے ایک شعر میں "معین" تخلص کے طور پر آیا ہے، جو یقیناً مولانا معین واعظ کاشفی کا ہے، دیگر بہت سے اشعار میں کوئی تخلص درج نہیں ہے۔

اس کے تیسرے زاید ورق پر ایک مہر ثبت ہے جس کا سجع ہے

حافظ محمد
امام مسجد وزیر خان

یہ حافظ محمد، مولف کتاب کے فرزند تھے، یعنی حافظ محمد بن حافظ غلام محمد، یہ صاحب مخطوطہ کے کاتب مولانا فرزند علی کے والد تھے۔

مخطوطہ کے حواشی پر موضوع کی مناسبت سے بہت سی احادیث بھی نقل کر کے ان کی تخریج کی گئی ہے، یہ کام غالباً مولف کا نہیں ہے، ممکن ہے مولف کے فرزند حافظ محمد یا ان کے پوتے مولانا فرزند علی کا ہو۔

آخر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں اور ان کے آخر میں بہت سے فارسی

Marfat.com

اشعار ہیں جو ممکن ہے کہ حافظ غلام محمد کے ہوں، چونکہ مخطوطہ بھی خاصا خراب حالت میں ہے اور جگہ جگہ افتادگی کے باعث بالاستیعاب مطالعہ ممکن نہیں ہے۔

شرح فصوص الحکم (فارسی نثر)

اس مخطوطہ کا پہلا ورق نہیں ہے، اس لئے شارح کا نام معلوم نہیں ہو سکا لیکن شرح کے اسلوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے شارح امام غلام محمد ہی ہیں، عین ممکن ہے کہ یہ شرح حافظ محمد صدیق کی ہو، کیوں کہ انہوں نے بھی متن کے مولف شیخ ابن عربی کے ساتھ اپنے رسائل میں بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے، لیکن آپ کا رجحان تصوف کی طرف نہیں تھا، آپ نے کسی شیخ سے بیعت ہونے کا اپنے خودنوشت حالات میں ذکر نہیں کیا۔

اس لئے قیاس قوی یہی ہے کہ یہ شرح حافظ غلام محمد ہی کی ہے، ہم نے اس میں فصوص کے متن کے اقتباسات جو اس کی شرح میں درج ہیں سے مقابلہ کر کے دیکھا ہے، یہ واقعی فصوص ہی کی شرح ہے، اس کا موجود نسخہ صرف فص ادریسیہ تک ہے، باقی حصہ دست برد زمانہ کی نذر ہو چکا ہے، شرح بہت ہی عالمانہ ہے، اپنے والد کے مقابلے میں حافظ غلام محمد یعنی شارح کا تصوف کی طرف کامل رجحان تھا، اس لئے یہ شرح انہی کی ہو سکتی ہے۔

حافظ غلام محمد فارسی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے، فارسی میں ان کی منظوم کتاب ''گنج مخفی'' (ہجو المقلدین) کا تعارف کروایا جا چکا ہے، مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ ان کے اشعار زبان زد خلق ہیں (حدیقۃ الاولیاء ۲۶۴) تحقیقاتِ چشتی، ۶۷۶

عبداللہ شاہ بلوچ کی خدمت میں

حافظ غلام محمد اس خانوادہ کے پہلے فرد ہیں جو کسی صوفی سے بیعت ہوئے، ورنہ آپ کے دادا حافظ محمد حنیف کے بارے میں تو خود حافظ محمد صدیق کا قول ہے:

کان بریئاً من التکلف والتصلف ولا یعتقد لھو لآ ارباب التصوف اذ قد جرّ بھم مراراً...... شیخا او شیخزادہ لکل قبیحۃ......[1]

---

[1] تحذیر الاخوان ۲۳۔ا

Marfat.com

یعنی میرے والد صوفیہ سے عقیدت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک شیخ اور شیخ زادے بُرے تھے۔

اسی طرح حافظ محمد صدیق بھی کسی سے بیعت نہیں تھے، اگر ان کا کوئی صوفی شیخ ہوتا تو اپنے علوم ظاہری کے شیوخ (اساتذہ) کے ساتھ اپنی خودنوشت سوانح میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔

بہر حال آپ کے فرزند کلاں حافظ غلام محمد اپنے عہد کے ایک قادری بزرگ شیخ عبداللہ شاہ بلوچ (ف ۸ر جمادی الاول ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء) سے نہ صرف بیعت تھے بلکہ ان سے ان کو خلافت بھی حاصل تھی۔[۱] جو شیخ شرف الدین قادری پانی پتی کے خلیفہ تھے، جن کا سلسلہ چار واسطوں سے میاں میر قادری لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ/ ۱۶۳۵ء) سے ملتا ہے۔

حافظ غلام محمد نے اپنی کتاب ''شمس التوحید'' میں ان کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، حافظ صاحب نے اپنے شیخ کے احوال، ملفوظات اور مکتوبات کا کوئی مجموعہ ضرور مرتب کیا ہوگا جس کے وجود سے آج ہم ناواقف ہیں۔

وفات

حافظ غلام محمد معروف بہ امام گاموں کا انتقال ایک وبا[۲] کے دوران ۲۵ر ذی الحج ۱۲۴۲ھ کو لاہور میں ہوا، کئی قطعاتِ تاریخِ وفات لکھے گئے، میاں فیض اللہ لاہوری کا قطعۂ تاریخ ہماری مرتبہ دستاویزات (شمارہ ۵۲) میں ہے:

خرد گفت سالش که هر سه الف۔ بکش از غلام محمد امام

ایک اور قطعۂ تاریخ کے آخری الفاظ ہیں:

یك غریب بمرد در غلبۂ وباء دیگر تاریخ مغرب[۳]

مسجد وزیر خان کے قریب ہی ۱۲۶۰ھ کو آپ کا روضہ بنایا گیا (ایضاً)

۱۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۱۲۔۲۱۵، شیخ عبداللہ شاہ بلوچ شیخ شرف الدین قادری پانی پتی کے خلیفہ تھے، بہت سے افراد ان سے بیعت تھے۔ (حدیقۃ الاولیاء، ۷۰۔۷۱)

۲۔ مورخ کشمیر حسن کھویہامی نے تاریخ کشمیر (۱/ ۳۴۸) میں لکھا ہے کہ لاہور میں سکھوں کے عہد میں قحط اور وبا سے مخلوق پریشان ہوئی تھی۔

۳۔ ان قطعات کے اعداد جمع کرنے سے صحیح سال وفات برآمد نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اولاد

ہمارے ذخیرہ کی دستاویزات کے مطابق حافظ غلام محمد کی چار بیٹیاں تھیں:

حلیمہ بی بی، زینب بی بی، سکینہ بی بی اور عائشہ بی بی (دستاویز ورق ۴۴)

اوران کے فرزند حافظ الٰہ بخش، شرف الدین، ۱؎ امام بخش تھے۔ (دستاویزات ۴۷۔۴۸) ان میں سے حافظ الٰہ بخش، حافظ غلام محمد کے جانشین ہوئے تھے، انہوں نے اپنی وفات سے ۲ رسال قبل ۱۲۴۰ھ کو اپنی تمام املاک، کتب اور حضرت میراں محمد اسحٰق گازرونی کے مزار کی نذورات وصول کرنے کا ایک عہد نامہ انہیں لکھ کر دیا تھا، (دستاویز ورق ۲/۶۲) حافظ الٰہ بخش کے ایک فرزند حافظ محمد شریف بھی تھے، جن کا نکاح ستارا بیگم بنت فرخندہ بیگم بنت مرزا اکرم بیگ کے ساتھ ہوا تھا۔ (دستاویز. ورق ۲/۴۳)

حافظ الٰہ بخش کا انتقال ۱۱ر رمضان ۱۲۷۸ھ کو ہوا (دستاویز ورق ۳/۵۲) حافظ الٰہ بخش کے نانا کا نام حاجی محمد اسحٰق تھا (دستاویز ۲/۶۱) ان کے بعد ان کے فرزند حافظ امام محمد مسجد وزیر خان کے امام وخطیب مقرر ہوئے، ۲؎ انہی امام محمد کی مہر حافظ غلام محمد کی کتاب ''واقعاتِ معراج'' کے تیسرے ورق پر ثبت ہے۔ ۳؎

انہی امام محمد کے فرزند حافظ امام فرزند علی تھے، جن پر بوجہ مقدمات مسجد وزیر خان کی تولیت کا سلسلہ ختم ہوگیا، ۴؎ پھر محکمہ اوقاف پنجاب نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔

حافظ محمد صدیق کے دوسرے تین فرزندوں کے حالات زندگی تذکروں میں نہیں ملتے، البتہ مختلف دستاویزات میں جہاں کہیں ان کا ذکر آتا ہے، ان کی طرف اشارات کئے جارہے ہیں:

۱۔ انہی شرف الدین نے ایک مکان محمد بخش بن رحمت اللہ صحاف سے چوہٹہ مفتی محمد باقر، لاہور میں رہن پر لیا تھا (دستاویز ۴۷) بتاریخ ۱۴ر رمضان ۱۲۴۵ھ

۲۔ تحقیقاتِ چشتی ۶۷۶، تاریخ لاہور مولفہ کنھیا لال ۱۶۶

۳۔ مخطوطہ واقعاتِ معراج کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

۴۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء والمشائخ (تذکرہ علمائے لاہور) ۵۷

Marfat.com

۱۔ ایک صاحبزادے حافظ عبدالرحیم تھے، جنہوں نے اپنا سکونتی مکان واقع اندرون دارالسلطنت لاہور گذران محلہ شیخ رحمت اللہ قریشی ومتصل حویلی میر مومن خان مرحوم ۱۷ رشعبان ۱۲۵۵ھ کو فروخت کیا تھا، گویا موصوف مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھے۔ (دستاویز ورق ۲۴،۲۱)

۲۔ حافظ محمد بن حافظ محمد صدیق نے ایک قطعۂ زمین ۱۲۴۷ھ کو فروخت کیا، یہ بھی مذکورہ سنہ تک زندہ تھے۔ (دستاویز ورق ۴۳)

۳۔ حافظ محمد عوض بن امام محمد صدیق کو دو روپیہ ماہانہ از اوقاف بانی مسجد وزیر خان سے بلا تفاوت ملا کرتا تھا (دستاویز ورق ۶۰) بتاریخ ۱۱۹۶ھ۔

حافظ محمد عوض کے ایک فرزند حافظ محمد بخش بھی مصروف خدمت تھے۔ (دستاویز ورق ۵۷)

ان کے ایک فرزند کریم بخش ۱۸۷۰ء تک قبید حیات تھے۔ (دستاویز ۴۵)

ہمیں ایک ایسی دستاویز (ورق ۱۰) ملی ہے، جس کے مطابق حافظ محمد صدیق کو نواب وزیر خان کی املاک میں سے ایک قطعۂ زمین بھی ملا تھا، جو مسجد وزیر خان کی جنوبی دیوار کے ساتھ تھا، جو اس خانوادہ کے لئے گورستان (قبرستان) کے لئے وقف تھا۔ (رک املاک نواب......) گویا حافظ محمد حنیف، حافظ محمد صدیق، حافظ غلام محمد وغیرہ اسی قطعۂ زمین پر واقع قبرستان میں دفن کئے گئے، ۱۱۶۰ھ/۱۶۵۰ء کو نواب وزیر خان کی اولاد نے گورستان کے لئے مخصوص اس زمین پر اپنا حق ملکیت کا دعویٰ کیا تھا، جسے محکمہ نے باطل قرار دیتے ہوئے، اقرار نامہ میں لکھا تھا کہ یہ قطعۂ زمین حافظ محمد صدیق کی ملک ہے، جو میرے والد حافظ محمد حنیف کے زمانہ سے نواب کی رضامندی سے ہمارے پاس ہے، جس کا مقصد گورستان ہے۔ (دستاویز ۲/۵۸)

نواب کی املاک

حافظ محمد صدیق اور آپ کے والد مولانا حافظ محمد حنیف کو مسجد وزیر خان کے اوقاف میں سے جو کچھ بھی ملا وہ نواب وزیر خان بانی مسجد وزیر خان کی وقف شدہ جائیداد میں سے ملا تھا۔

اس مسجد کا بانی حکیم علم الدین (علیم الدین) تھا، شاہ جہان بادشاہ نے اپنے پانچویں سال جلوس

Marfat.com

۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء کو اُسے پنجاب کا صوبہ دار بنایا، جہاں وہ سات سال تک اس خدمت پر مامور رہا۔

ہمارے ذخیرہ کی دستاویزات میں سے ایک دستاویز (۲/۵۷) مرقومہ ۱۰۸۷ھ کی ایک قدیم نقل محفوظ ہے، جس میں ملیحہ بانو بنت مرزا محمد مراد بن میر مقصود کو نواب وزیر خان کی زوجہ لکھا گیا ہے، اسی میں نواب کی ایک بیٹی خانزادہ خانم کا ذکر بھی ملتا ہے۔

اس کے بعد اکبر آباد کی صوبہ داری اُسے ملی، ایک روز وہاں سے قلعہ میں داخل ہو رہا تھا کہ گھوڑے سے گرا، جس سے اس کی طبیعت خراب ہوئی تو اس نے اپنی املاک کی ایک فہرست بنائی (حدود ۱۰۵۰ھ) جو اس نے بادشاہ کو بھیج دی، وہیں اس سنہ کو اس کا انتقال ہو گیا۔[۱]

اس نے ۱۰۴۴۔۱۰۴۵ھ کو لاہور میں ایک شاندار اور وسیع مسجد بنوائی، گمان ہے کہ اس مسجد کے اخراجات جو اس کی املاک میں سے پورے کئے جا رہے تھے، اس نے اس املاک کا وہ حصہ جو لاہور سے متعلق تھا، اس کے مصارف کے لئے وقف کر دیا، ہمارے ذخیرہ میں اس وقف نامہ کی ۱۰۵۱ھ کی ایک نقل ہے، جس پر اس وقت کے علمائے لاہور کے دستخط بھی ہیں، وہ وقف نامہ اس طرح ہے:

وقف نامہ املاک نواب وزیر خان بانی مسجد وزیر خان، لاہور

(نقل مطابق اصل) (دستاویز ۱۶)

مہر مولوی رحیم بخش امام وخطیب مسجد بادشاہی ومسجد نواب وزیر خان مرحوم ۱۲۳۰ھ	خادم شرع رسول الصمد یا قاضی الحاجات قاضی سعد اللہ بن شیخ محمد ۱۲۳۸ھ	میرزا ایزد بخش نبیرۂ نواب وزیر خان انصاری

......اما بعد ایں ذکریست در بیان آنکه وقف کرد و تصدیق نمود نیازمند درگاه صمدی مسمیٰ حکیم علم الدین المخاطب به وزیر خان بن شیخ عبداللطیف بن شیخ حسام الدین انصاری از خاص املاک و اطیبِ اموال خود فی الحال

۱۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان: مآثر الامراء ۳/۶۳۷۔۶۴۷

الصحیح...... العقل ونقاد جمیع تصرفاته طائعاً همگی مسجد جامع بجمیع توابع ز مرافق شرعیه آن و برای دوام این بقعه شریفه وقف کرد بر مصالح مسجد مذکور کود، تمام دکاکین و ورسته مع بالاخانها و کڑها و سرای کلاں و حمام و دو چاه چرخ و چند قطعهٔ زمین متفرقه که هر یك ازیں امکنه مذکوره معلومة الحدود و ظاهر العلامات است، واقع اندرون حصار دارالسلطنت لاهور وقفاً صحیحًا لازما...... جعل آخرالوقف علی الفقراء المسلمین و شرط کرد این واقف مذکور که دارغگی و تصرف در اوقاف مذکور در عزل و نصب خدمة مسجد مذکور وغیره تقسیم و تعین مصارف وازیاد آن و اعطا و حرمان ازان و نشست و برخواست اهل کرایهٔ دکاکین بدستِ خود واقف مذکور بالا استقلال مادام حیواته باشد و بعد ازو بدست ولد صلبی او محمد سعید خاں وبعد او بمرزا محمد انور و بعد او بارشد ذکور اولاد او و اولادِ اولاد او نسلاً بعد نسل و بطنها بعد بطن الی ماتوالد وتناسلوا واگر احدی از اولاد او نباشد بیکی از ذکور اقارب او کذالك و شرط کرد، نیز امام و خطیب مسجد مذکور یك کس باشد اقرء واعلم احکام الصلوة جمهوری الصوت و مؤذن عالم الاوقات و نیز شرط کرد که بیست قطعه دکاکین بیرون دروازه شرقی مسجد و بالا خانهاءِ آنها مخصوص برای نشستن صحافان کتب اسلامیه بی کرایه باشد علی سبیل الدوام و نیز شرط کرد که مسجد مذکور برای تعلیم علوم دینیه و دروس باشند سبیل اهل خدمات از محصول غلبهٔ اوقاف مذکوره امام و خطیب که یومیه از یك روپیه تا دو روپیه و موذن را چهار آنه یومیه و هر یك مدرس ایك روپیه یومیه و هر که از اولاد واقف مذکور متصرف وقف مذکور باشد و هرماه شش حصه از محصول کرایهٔ اوقاف گیرد هر کسی که از اقربا باشد نهم حصه

Marfat.com

گیرد و بقیه از خرج عمارت و اهل خدمت و مصالح ضروریه دیگر کالمشرف والوقاد والفراش یصرف علی المسحقین فی المسجد...... فقط کما هو الحکم فی المذهب الحنفی علی کل ذالك قد شرط الواقف...... هذه الوثیقه بختمه المبارك تحریراً فی رمضان المبارك الواقع فی ۱۰۵۱ھ

چنانچہ اس کی وفات (۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء) کے بعد اسی املاک سے اس کی اس مسجد کے اخراجات و مصارف پورے کیے جاتے رہے، ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب عالمگیر داراشکوہ کے تعاقب میں لاہور آیا تو مسجد وزیر خان میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کی۔ [۱]

مسجد کی تعمیر ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء سے لے کر حافظ محمد حنیف کابلی کی امامت وخطابت تک جس کے آغاز کا سنہ ہم نے قیاسی طور پر ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء متعین کیا ہے، [۲] کون کون سے علماء اس مسجد کی امامت، خطابت اور تولیت پر مامور رہے؟ اس سلسلہ میں لاہور کی مقامی کتبِ تاریخ اور تذکرے یکسر خاموش ہیں۔

اس وقت ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء) لاہور میں اکابر علماء درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے، ہمارا گمان ہے کہ حضرات سرہند سے وابستہ ایک خانوادہ مفتی محمد باقر لاہری (متوفی حدود ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء) اور ان کے والد مفتی شرف الدین عباسی لاہوری بھی لاہور کے قاضی تھے، [۳] یہ دونوں حضرات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے حلقہ کے خاص افراد تھے اور اورنگ زیب عالمگیر سے وابستہ تھے، ان کا مسکن مسجد وزیر خان کے قریب ہی ایک محلّہ میں تھا، جو مفتی محمد باقر کی شہرت کی بنا پر چوہٹہ مفتی باقر کے نام سے اب تک موجود اور آباد ہے، ممکن ہے شاہ جہاں کے زمانہ میں ان کے والد مفتی شرف الدین اس مسجد کے امام وخطیب رہے ہوں اور ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند مفتی باقر لاہوری اس مسجد کے متولی رہے ہوں گے۔

۱۔ بختاور خان: مراۃ العالم ۸۸/۱ ۲۔ تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

۳۔ محمد اسلم پسروری: فرحت الناظرین ۲۰۵، مفتی شرف الدین اور مفتی باقر لاہوری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: مقاماتِ معصومی مولفہ میر صفر احمد معصومی ۱/ ۱۶۷۔۱۷۰، ۳/۴۵۲۔۴۵۵، ۴/ ۳۳۵۔۳۴۹

Marfat.com

ان کی وفات کے تیرہ سال بعد حافظ محمد حنیف کابل سے لاہور آئے اور اس مسجد کی امامت وخطابت پر مامور ہوئے، ان تیرہ سالوں میں اس مسجد شریف کی خدمات پر کن علماء کو مقرر کیا گیا؟ ہمارے پاس اس کی قیاس آرائی کے لئے بھی کوئی شواہد نہیں ہیں۔

ڈاکٹر چغتائی نے نواب کی وفات کے بعد مسجد وزیر خان کے متولیوں کی جو فہرست دی ہے، [1] وہ بہت متاخر زمانہ کی ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

نواب وزیر خان نے یہ مسجد وہاں تعمیر کروائی جہاں آٹھویں صدی ہجری کے ایک بزرگ حضرت شیخ اسحٰق گازرونی مشہور بہ میراں بادشاہ (ف ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) کا مزار شریف ہے، یقیناً یہ بزرگ صرف سلوک وتصوف کے شیخ نہیں ہوں گے بلکہ اس عہد کے رواج کے مطابق ان کا شمار علماء میں بھی ہوگا، مفتی غلام سرور لاہوری نے ان کا سالِ وفات ۷۸۶ھ تحفۃ الواصلین کے حوالہ سے لکھا ہے، [2] جواب مفقود ہو چکی ہے، لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں بھی شیخ گازرونی کا ذکر کیا ہے لیکن کوئی قابل توجہ بات نہیں لکھی، [3] موصوف ایک غیبی اشارے پر گازرون [4] سے لاہور آکر دعوت وارشاد میں مصروف ہوئے تھے۔

یقیناً اس مقام پر ان کا ایک بڑا مدرسہ بھی ہوگا اور یہ مقام درس وتدریس کے لئے بھی شہرت رکھتا تھا لیکن امتدادِ زمانہ سے وہاں یہ سلسلہ منقطع ہوگیا، ان کی وفات کے تقریباً اڑھائی سو سال بعد یہ مسجد تعمیر ہوئی، تو یہ مزار ان کے وسیع صحن میں آگیا، اور مسجد کی کرسی اونچی ہونے کی وجہ سے یہ اب تہہ خانہ کی طرح ہے، اس مزار کی تولیت بھی نواب کی وصیت کے مطابق جب اس کا ترکہ ان حضرات کے پاس آیا تو یہ مزار بھی اس میں شامل تھا، حافظ محمد حنیف کابلی اور ان کے فرزند حافظ محمد صدیق کو ملی تھی۔

۱۔ مسجد وزیر خان ص ۶۳

۲۔ خزینۃ الاصفیاء ۲/۲۹۲۔۲۹۳

۳۔ ثمرات القدس مرتبہ سید کمال حاج جوادی ۱۰۶۔۱۰۸

۴۔ گازرون، فارس میں دریا اور شیراز کے مابین واقع ہے، معجم البلدان ۴/۴۲۹، ظرائف وطرائف 529

Marfat.com

مغل دور میں یہ مسجد علم وادب کا مرکز تھی، عہد شاہ جہاں میں لاہور میں علماء ومشائخ کی کثرت تھی، اس عہد کا شاید ہی کوئی عالم ایسا ہو جس کا رابطہ اس مسجد سے نہ ہو، ایک غیر مسلم اور آزاد خیال ہندو شاعر وادیب چندر بھان برہمن (ف حدود ۱۰۷۵ھ/ ۱۶۶۵ء) بھی اپنے ادبی ذوق کے تحت مسجد وزیر خان میں آیا تھا، اس کا ایک رقعہ بھی نواب وزیر خان کے نام ہے، ۱ وہ مسجد اور اس کے ماحول کے بارے میں لکھتا ہے:

روز جمعه ارباب فضل و کمال و فصحای خوش بیان و شعرای شیریں زبان و طبقه مردم سخندان از اهل ایران و توران و هندوستان در بقعه خیر اساس یعنی مسجد وزیرخان که ضرب المثل بقاع روزگار است، مجتمع گشته، هنگامۀ سخن و سخندانی گرم می دارند، و کتاب بے شمار از عربی و فارسی و دیگر نسخه های معتبر از تواریخ و مثنوی و دواوین متقدمین و متاخرین و منشأت و فقرات و رقعات و قطعات نونوشتجات خوش نویسان روزگار و سائر آلات و ادوات مشق از هر قسم و هر جنس دریں بقعة الخیر بمعرض خرید و فروخت می آید، چوں آزادی مکتب نشینان مخصوص ایں روز است، از هر کوچه و هرگوشه و هرکوی جوانان نورسیده بیاض در دست و گل برسربمقتضای عهد شباب خراماں بسیر بازار کتاب می آیند، وتا انقضای نصف النهار گرمی ایں هنگامۀ رونق افزای دیدۀ ارباب بصیرت می باشد ۲

گویا وہ حافظ محمد حنیف کی لاہور آمد سے پہلے یہاں آیا تھا۔

۱۔ منشآت برہمن مرتبہ شریف حسین قاسمی ۲۹، ۱۲۳

۲۔ چہار چمن از چند بھان برہمن، ترتیب وتصحیح محمد رفیق، مقالہ ایم اے فارسی، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۷۰ء غیر مطبوعہ مقالہ، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، ص ۸۹

اور ڈاکٹر انجم رحمانی کی عہد مغلیہ کے آثار پر کتاب:

Lahore, History and Architecture of Mughal Monumants

Marfat.com

لاہور مغلوں کے دورِ زوال میں بھی ایک بڑا علمی مرکز تھا، یہاں بڑے بڑے مدارس کے علاوہ علماء و صوفیہ اور شعراء وادبا کی علمی محفلیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔

مسجد وزیر خان، لاہور کی تعمیر کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے اُردو میں مستقل کتاب اس مسجد کی تاریخ پر لکھی، جو انہوں نے لاہور سے ۱۹۷۴ء کو طبع کروائی تھی، اس سے قبل ''تحقیقاتِ چشتی'' (۱۸۶۴ء) کنہیا لال کی تاریخ لاہور (۱۸۸۲ء) ان سے بھی پہلے مفتی علی الدین لاہوری نے عبرت نامہ میں اور کئی دیگر مورخین نے مسجد وزیر خان کی تعمیر کی تفصیلات دی ہیں، سید محمد لطیف نے اپنی کتاب ''تاریخِ لاہور'' (انگریزی) میں بھی مسجد کے عکسیات شامل کر کے اس کے وقف نامہ کی نقل دی ہے جو غالباً ''تحقیقاتِ چشتی'' سے منقول ہے۔

(رسالہ) نقوش (لاہور، فروری ۱۹۶۲ء) کے لاہور نمبر، آرناتھ کی کتاب:

History of Mughal Architecture

کی جلد چہارم (حصہ اول)، عارف چغتائی کی کتاب:

Legacy of Nawab Wazeer Kahan

میں مسجد وزیر خان کی تاریخ اور وزیر خان کے متعلق اہم معلومات ملتی ہیں، لیکن مسجد سے وابستہ ائمہ کے بارے میں ان کے ہاں مواد کا فقدان ہے اور حال ہی میں مسجد وزیر خان پر انگریزی میں شائع ہونے والے کتب میں تو صرف مسجد کی خوبصورت تصاویر قابل دید ہیں۔[۱] تاریخی اور سوانحی نقطۂ نظر سے یہ کتب بہت ہی سطحی ہیں۔

ان مساجد کے علاوہ نواب کی تعمیر کردہ ایک مسجد قلعہ لاہور کے اندر بھی تھی، جس کے اخراجات نواب کی املاک سے ہی ادا ہوتے تھے، اس وقف نامچہ کی تجدید رجب ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء کو مرزا محمد فاضل خان نے احمد شاہ درانی سے کروائی تھی، جب وہ سکھوں کے خلاف صف آراء ہونے کے لئے لاہور سے روانہ ہو رہا تھا۔

۱۔ میاں عبدالواحد کی کتاب کا تو نام ہی ''عکسِ بہشت'' ہے۔

Marfat.com

اس کی رو سے مسجد کی امامت وخطابت حافظ محمد صدیق کے پاس اور اس کے مہتمم تدریس مولوی محمد یحییٰ اور مولوی محمد یوسف ہی رہے، یہ دستاویز داروغہ محمد عظیم از اولاد نواب کی مہر سے مزین تھی۔ (دستاویز ۶۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل فرمان کے ناقل سے سہواً مسجد وزیر خان (کلاں) کی بجائے اسے مسجد وزیر خان واقع در قلعہ لاہور لکھا گیا، کیوں کہ مورخینِ لاہور نے نواب کی لاہور کے قلعہ کے اندر کسی مسجد کا ذکر نہیں کیا، یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ اتنی بڑی غلطی کیوں کر ہوئی؟

اس سے اس حقیقت کا بھی علم ہوتا ہے کہ درس وتدریس کا کام بھی مسجد کلاں کے اندر ہی ہوتا تھا، کوئی الگ مدرسہ نہیں تھا۔

لاہور، علم وادب کا مرکز

لاہور نہ صرف پنجاب بلکہ سارے ہندوستان میں علمی مرکز کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، یہاں سلاطین دہلی اور شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں اکابر علماء، صوفیہ، شعراء اور اہل فنون مصروف کار رہتے تھے۔

شاہ جہان اور اورنگ زیب کے عہد میں تو لاہور علم وادب کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس سے پہلے یہاں کے اکابر کی علمی سرگرمیوں کی تفصیلات سے تو کتب تاریخ وتذکرہ بھری پڑی ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء)، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (ف ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کی لاہور میں متعدد مرتبہ تشریف آوری اور یہاں ان کے خلفاء وشاگردوں کی موجودگی [۱] نے تو اسے نہ صرف علمی شہرت کے بام عروج پر پہنچا دیا بلکہ ان کے وجودِ مسعود سے یہاں بہت سی کتابیں بھی تصنیف ہوئیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے بعد مغلوں کے دورِ زوال میں بھی یہاں علماء، ادبا، شعراء اور صوفیہ کی کمی نہیں ہوئی، مسلم دشمن قوتوں اور اقوام جنہیں مرکزی مسلم حکومت سے نقصان پہنچا تھا کی دشمنانہ کاروائیوں سے بھی اس عظیم شہر میں علمی سرگرمیاں ختم نہ ہوئیں بلکہ ان حضرات کی ذاتی سعی سے مسلم معاشرہ سیاسی زوال کے بعد ذہنی وفکری زوال سے محفوظ رہا۔

۱۔ زاد المعاد، جلد اول، تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند ۲/۷۲۹۔۷۳۵

Marfat.com

ہمارا موضوع لاہور کے متاخر سلاطین مغلیہ کے عہد سے ہے، اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین بہادر شاہ عالم شیعہ امراء کے زیر اثر رافضی ہوگیا تو اس نے ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۹ء کو سارے ہندوستان کے علماء کو حکم دیا کہ جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کے ساتھ ''وصی'' کا اضافہ کریں، تو اس سے پورے ملک میں بے چینی پھیل گئی، اس کا سب سے زیادہ انتشار لاہور میں پھیلا، معاصر مورخ خافی خان نے اس کی تفصیل دی ہے کہ بہادر شاہ خود لاہور آیا اور یہاں کے علماء کے ساتھ مناظرے کیئے، لاہور میں اس وقت واقعی جو علماء موجود تھے وہ اتنے مقتدر تھے کہ اُسے اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا، لاہور کے ان اکابر علماء میں مولانا حاجی یار محمد، مولانا جان محمد اور مفتی مراد لاہوری نے بڑی بے باکی سے بادشاہ کے ساتھ بحث کی، گویا اورنگ زیب کی وفات کے بعد بھی جب کہ مغل سلطنت کو تیزی سے زوال آنا شروع ہوگیا تھا، لاہور جیسے خطے میں اکابر علماء کی کمی نہیں تھی۔ [1]

اس واقعہ کے دو سال بعد ہمارے متعین کردہ قیاس سنہ کے مطابق حافظ محمد صدیق کے والد حافظ محمد حنیف، کابل سے لاہور آئے اور مسجد وزیر خان کی امامت وخطابت کے منصب پر فائز ہوئے، جیسا کہ ہم ان کا اپنا قول درج کر چکے ہیں کہ حافظ محمد صدیق کی لاہور میں ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۶ء کو ولادت ہوئی تو ان کے والد گرامی نے ان کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا، یہاں اتنے اکابر علماء موجود تھے کہ انہیں تحصیل کے لئے لاہور سے باہر جانا ہی نہ پڑا۔ [2]

یہاں اکابر سلاطین مغلیہ کے عہد میں بڑے بڑے مدرسے تھے، حضرت میاں شیخ محمد اسماعیل معروف بہ میاں کلاں (میاں وڈا) لاہوری (ف ۱۰۸۵ھ) کے شاگردوں کا بڑا وسیع حلقہ تھا، جنہوں نے اپنے طور پر مدرسے بنالئے تھے اور ان کے ہاں تعلیم وتربیت کا بہترین نظام تھا، ان کے تلامذہ میں سے شیخ محمد صالح، میاں جان محمد، میاں جان محمد ثانی، مولوی تیمور لاہوری درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ [3]

۱۔ مقاماتِ معصومی ۱/ ۱۷۷۔۱۸۱

۲۔ باب ہذا کا عنوان حافظ محمد صدیق کے اساتذہ ملاحظہ کریں۔

۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۱۰۹

Marfat.com

ان اساتذہ کے علاوہ اس حوزۂ علمیہ سے وابستہ بعض اصحا جیسے میاں حامد قادری، حاجی یار بیگ، مولانا نور محمد مدقق لاہوری، میاں محمد عاقل لاہوری [۱] (شارح سنن ترمذی) شاگرد میاں حامد قادری۔

لاہور کے مضافات میں مشہور علاقہ قصور ہے، جہاں علماء بکثرت موجود تھے اور ان کا شغل بھی درس و تدریس ہی تھا، حافظ محمد اسماعیل میاں وڈا لاہوری کے شاگردوں میں سے میاں عبدالکریم قصوری [۲] اور اخوند فتح محمد قصوری (شاگرد مولانا تیمور لاہوری) بھی قابل ذکر ہیں، قصور کے کوٹ خام میں ایک مرگ کے موقع پر تعزیت پر آنے والے علماء قصور کثیر تعداد میں تھے۔ [۳]

اسی طرح قصور میں حاجی محمد شریف قصوری (ف ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء) اور شاہ عنایت قادری قصوری ثم لاہوری (حدود ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء) بھی ہمہ وقت درس و تدریس اور دعوت و ارشاد میں مصروف رہتے تھے، [۴] موخرالذکر نے لاہور آ کر ساری زندگی درس و تدریس میں گذار دی۔ (رسائل شاہ عنایت قادری، مقدمہ)

شیخ محمد اشرف قادری لاہوری (ف ۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۳ء) کے خلیفہ حاجی محمد سعید لاہوری (۱۰۲۵۔۱۱۴۵ھ/ ۱۶۱۶۔۱۱۳۲ھ) لاہور میں درس و تدریس میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ انہیں اپنے شیخ کے ہاں جا کر سلوک کی مشق کرنے کا بھی زیادہ وقت نہیں ملتا تھا۔ [۵]

شیخ محمد فاضل بن اسد اللہ لاہوری نے تو ساری زندگی ہی فتویٰ نویسی میں صرف کر دی، [۶] یعنی وہ لاہور کے مفتی کے منصب پر فائز تھے، اسی طرح شیخ شرف الدین اور ان کے فرزند مفتی محمد باقر لاہوری جو باقاعدہ لاہور کے منصبِ افتاء پر فائز تھے، کا ذکر مسجد وزیر خان کے ابتدائی ائمہ کے تحت کیا جا چکا ہے۔

۱۔ تحفۃ المسلمین تالیف میاں محمد عاقل لاہوری، قلمی ورق ۲۸۔۲۹ب، ۴۳ ۲۔ خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۱۰۹

۳۔ تحفۃ المسلمین ورق ۱۸ ب، مخدوم غلام مرتضیٰ قصوری کے درس کا شہرہ سارے ہندوستان میں تھا۔

۴۔ رسائل شاہ عنایت قادری قصوری، مقدمہ

۵۔ حاجی محمد سعید لاہوری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ''قران السعدین'' مولفہ اخوند محمد رفیع عباسی، مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۸ء

۶۔ نزہۃ الخواطر ۶/ ۳۰۵ بحوالہ رسائل شاہ عنایت قادری، مقدمہ

Marfat.com

اسی طرح مشہور عالم، محدث اور شیخ طریقت شاہ محمد غوث لاہوری (ف ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء) حصولِ علم کے لئے لاہور آئے تو میاں جان محمد کلاں سے حدیث کی سند لی۔ [1]

ان کے علاوہ مولانا ابوالخیر بغدادی اورنگ زیب کے حکم پر لاہور آئے اور حکومت کی اعانت سے یہاں ایک بڑا مدرسہ بنایا، جس کے درس کی شہرت سارے ہندوستان میں ہوگئی، ایک سو پانچ برس کی عمر میں بعہد حاکم لاہور نواب زکریا خان بن عبدالصمد خان انتقال ہوا۔ [2]

لاہور کے مشہور مدرس مولانا شہریار خان جو حافظ محمد صدیق کے استاد بھی تھے، نے مسجد وزیر خان میں جب احمد شاہ درانی پانی پت کی جنگ میں فتح یاب ہو کر لاہور آیا اور مسجد وزیر خان میں عید کی نماز کے لئے گیا تو حافظ صاحب نے نماز کے خطبہ میں اُسے "سلطان عادل" کہا تو درانی کی موجودگی میں انہیں اس پر تنبیہ کی تھی۔ [3]

یہاں لاہور کے چند علماء کی علمی سرگرمیوں کا حال بس یونہی بر سبیل تذکرہ کیا گیا ہے، اگر اس موضوع پر تحقیقی کام کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

نواب وزیر خان کی دیگر تعمیرات

نواب نے بڑی مسجد کے بعد دو اور چھوٹی مسجدیں بھی تعمیر کروائی تھیں، ایک محل، باغ اور بارہ دری بھی بنوائی تھی۔

بڑی مسجد سے شمال کی طرف ٹیکسالی دروازہ سے ذرا آگے بازار سمیاں میں ایک چھوٹی مسجد نواب نے بنوائی تھی، جسے مسجد وزیر خان خورد کے نام سے دستاویزات میں لکھا گیا ہے، یہ مسجد دراصل نواب کے زنانہ محل کے ساتھ تھی، اس کا راستہ محل کے اندر سے تھا، [3] محل کے گرنے کے بعد اس کا دروازہ باہر کی طرف کر دیا

۱۔ شاہ محمد غوث لاہوری: رسالہ در کسب سلوک (فارسی) مطبوعہ پشاور ۱۲۸۲ھ،
ام سلمیٰ گیلانی: محدث کبیر شاہ محمد غوث لاہوری، پشاور ۱۹۹۰ء ۸۱

۲۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء والمشائخ (تذکرہ علمائے لاہور) ۴۴۔۴۵

۳۔ کنھیا لال: تاریخ لاہور ۱۴۶

Marfat.com

گیا، نواب کے زمانہ میں لاہور کی خواتین اس مسجد میں جا کر نماز ادا کرتی تھیں، اب یہ مسجد مذکورہ بازار میں آباد ہے۔ ۱

نواب کی تیسری مسجد اس کے محل یعنی پری محل میں تھی، یہ اس کا مردانہ محل تھا، نواب خود اس میں نماز ادا کرتا تھا، ۲ اس کا یہ محل تو امتدادِ زمانہ سے گر چکا ہے لیکن اس کی یہ مسجد ۱۸۹۹ء کو دوبارہ بنائی گئی تھی۔ ۳

ان مساجد کے علاوہ نواب نے اپنی صوبہ داری کے زمانہ میں لاہور میں ایک باغ اور بارہ دری بھی بنوائی تھی، جہاں اب پنجاب پبلک لائبریری ہے ۴، جو عجائب گھر سے ملحق ہے۔

لاہور کے علاوہ اس نے اس کے مضافات میں ایک قصبہ وزیر آباد کے نام سے آباد کیا تھا، اس نے اپنے آبائی قصبہ چنیوٹ کے گرد پختہ دیوار بنوائی، وہاں سنگیں عمارتیں بھی تعمیر کروائی تھیں، جن میں بازار، دکانیں، مسجدیں، مدرسے، شفاخانے، کنویں اور تالاب بھی شامل ہیں۔ ۵

مسجد وزیر خان کے باہر شمال اور جنوب کی طرف بہت سی دکانیں تھیں، جن کا کرایہ مسجد کے اخراجات کے لئے وقف تھا، تحقیقاتِ چشتی کی تالیف ۶ (۱۸۶۴ء) اور کنھیا لال کی تاریخِ لاہور (۱۸۸۲ء) تک یہ دکانیں موجود اور یہاں کتب فروش، جلد ساز اور کاتب حضرات کتابیں نقل کر کے فروخت کرنے کے لئے تیار کرتے رہتے تھے۔ ۷

خانوادۂ حافظ محمد صدیق کی املاک

حافظ محمد حنیف کابلی کو فرخ سیر بادشاہ کی طرف سے مسجد وزیر خان کی امامت و خطابت کا جو فرمان اس نے اپنے دوسرے سال جلوس (۱۱۲۶ھ/۱۷۳۲ء) کو جاری کیا اس میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ بدستور سابق اس پر عمل ہو، اس طرح اسی بادشاہ کے ساتویں جلوس (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) میں دوسرا فرمان جاری ہوا

۱۔ چغتائی، عبداللہ: مسجد وزیر خان، لاہور ۲۱ ۲۔ کنھیا لال ۱۵۴

۳۔ چغتائی ۲۰ ۴۔ چغتائی ۲۱۔۲۲

۵۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خان: مآثر الامراء ۳/۷۶۴ ۶۔ تحقیقاتِ چشتی ۶۷۲

۷۔ تاریخِ لاہور ۱۶۱

Marfat.com

کہ انہیں مسجد کے اوقاف کی آمدنی سے یومیہ (تنخواہ) ملتا رہے گا، اس سے پہلے تیسرے جلوس (۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء) کے موقع پر بھی ایسا ہی فرمان صادر ہوا تھا۔ [۱]

جس کا مطلب بہت واضح ہے کہ ملا حافظ محمد حنیف یا حافظ محمد صدیق پہلے امام نہیں تھے کہ جن کو مسجد کے اوقاف سے یومیہ ادا کیا جاتا تھا بلکہ یہ نواب وزیر کی املاک میں سے دیئے جانے کے احکام مرکزی حکومت کی طرف سے برابر آتے رہتے تھے، نواب وزیر خان کا ایک فرزند صلاح خان مخاطب بہ انور خان (ف ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۲ء) اورنگ زیب کے عہد میں توزک کے عہدہ پر فائز تھا، [۲] جو ایک ہزاری منصب رکھتا تھا، [۳] معلوم ہوتا ہے کہ اُسے وزیر خان کی اس وقف شدہ جاگیر سے کوئی مناسبت نہیں تھی، فاضل خان نام کے جس شخص کا مسجد سے متعلق دستاویزات میں ذکر آتا ہے کہ وہ نواب کا نبیرہ تھا ممکن ہے اسی صلاح خان کا فرزند ہو اور وہی اس کی نگرانی پر حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو، ایک مہر میں محمد فاضل بن محمد نعیم نبیرہ نواب وزیر خان کندہ ہے۔

ہمارے ذخیرہ کی دستاویزات میں محمد فاضل نبیرۂ نواب کی داروغگی کا برابر ذکر ملتا ہے، [۴] ۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء کو اس نے نواب کی املاک کی آمدنی میں کچھ بے قاعدگی واقع ہوئی [۵] تو حافظ محمد صدیق نے اس پر گرفت کی جس پر اس نے معافی نامہ لکھا، جس پر حافظ نے اُسے معاف کردیا۔ [۶] اس پر بھی مذکورہ مہر ثبت ہے۔

اسی طرح ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۶۸ھ کو حافظ محمد صدیق کی والدہ ساجدہ بی بی بنت ملا غیب اللہ بن مرزا عوض باقی بیگ نے ایک قطعۂ زمین بمقدار یک منزل و بیت گذر واقعہ محلہ شیخ رحمت اللہ خان بن باقی بیگ مغفور کے

۱۔ ان تینوں فرامین کی عکسی نقل رسائل حافظ محمد صدیق لاہوری میں شامل ہے۔

۲۔ مآثر الامراء ۳/۶۵ ے، اس کی اولاد کے بعض افراد کے نام اس طرح ہیں: مرزا محمد اعظم بن اسلم محمد خان بن اسلام خان بن انور خان بن وزیر خان، اس مرزا محمد عظیم نے مسجد کی داروغگی کا دعویٰ کیا تھا۔ (دستاویز ۱۹)

3- Mughal Nability Under Aurangzeb. p.268

۴۔ دستاویز (ورق ۶۶) ۵۔ دستاویز (ورق ۳۱) ۶۔ ایضاً ورق ۶۶

Marfat.com

ہاتھ فروخت کر دیا، (دستاویز ۲۵) جو آپ کے زوجہ ساجدہ کے بھانجے تھے۔

نواب وزیر خان کی تعمیر کردہ ایک سرائے بھی تھی، جس کا کرایہ مسجد کے امام و خطیب کو ۱۸۷۳ بکرمی تک ملتا رہا تھا۔ (دستاویز ورق ۲/۳۰)

محلہ شیخ رحمت اللہ قریشی میں ایک مکان حافظ محمد بن حافظ محمد صدیق کا تھا، جسے مرزا اکرم بیگ بن مرزا کریم بیگ بن مرزا نیاز بیگ نے حافظ محمد سے عاریتاً لیا تھا، بتاریخ ۲۷ رشعبان ۱۲۴۲ھ (دستاویز ۴۰)

حافظ محمد صدیق کی ایک زرعی زمین سیالکوٹ کے ایک گاؤں اکبر آباد میں تھی، جسے آپ نے ۱۱۶۸ھ/۱۷۵۴ء کو اپنے دو فرزندوں میاں محمد اور حافظ عبدالرحیم میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔ (دستاویز ۲/۵۸)

حافظ محمد صدیق اور ان کے فرزندوں نے جو بھی املاک فروخت کی وہ ان کی اپنی خریدی ہوئی تھی، نواب وزیر خان کی املاک جو وقف تھی اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے مسجد وزیر خان کی تعمیر اور نواب کی وفات (۱۰۵۰ھ) کے بعد اس کی اس مسجد کے متولیوں کی ایک فہرست بغیر کسی حوالہ کے دی ہے کہ پہلے متولی سید غلام محمد شاہ جہان کے عہد میں تھے، پھر فرخ سیر کے زمانہ میں سید میر محمد اور پھر محمد شاہ کے دور میں سید محمد یوسف کو متولی بنائے جانے کا ذکر کیا ہے۔[1]

جب کہ ہمارے ذخیرہ کی دستاویزات کے مطابق فرخ سیر کے دوسرے سال جلوس میں کابل سے ملا حافظ محمد حنیف کو بلا کر اس کی امامت و خطابت پر متعین کرنے کے فرامین موجود ہیں، پھر فرخ سیر سے محمد شاہ کے زمانہ تک ان کے فرزند حافظ محمد صادق کی جانشینی کے واضح شواہد کی دستاویزات کے عکس اسی مجموعہ میں ملاحظہ فرمایئے، چغتائی مرحوم کی یہ معلومات جیسا کہ انہوں نے خود اعتراف کیا ہے بہت متاخر زمانہ کی ہیں، جو درست نہیں ہیں۔

مسجد وزیر خان کے دروازہ سے باہر مسجد کے نیچے کچھ دکانیں بھی نواب نے بنوائی تھیں، جن کا کرایہ فی

ا۔ چغتائی: مسجد وزیر خان، ص ۶۳

Marfat.com

دکان ایک روپیہ ماہوار آتا تھا، اس میں کتابوں اور جلد سازوں کی دکانیں بھی تھیں، نواب نے ان سے کرایہ نہ لینے کی ہدایت کی تھی، (وصیت نامہ مذکور) اور جن دکانوں کا کرایہ آتا تھا وہ مسجد کے امام وخطیب کی تنخواہ کے علاوہ دیگر ملازمین اور مسجد کی مرمت پر خرچ ہوتا تھا۔

حافظ محمد صدیق کی کچھ زمین گذر رڑہ محلہ شیخ رحمت اللہ قریشی (حدود اربعہ بطرف شرقی متصل بدیوار خانہ محمد عظیم بن محمد سعید، غربی متصل بکوچہ نافذہ...... بطرف جنوب متصل بدیوار خانہ محمد عظیم) میں تھی جسے حافظ محمد صدیق نے اپنی وفات (۱۱۹۳ھ) سے ایک سال قبل محمد عوض بن محمد حیات بن محمدی کے ہاتھ فروخت کیا۔ [۱]

اس مقام پر حافظ صاحب کے دو مکان بھی تھے جو پختہ تعمیر شدہ تھے، وہ آپ نے اپنے فرزند حافظ غلام محمد کو دے دیئے۔ [۲]

اسی طرح حافظ عبدالرحیم بن حافظ محمد صدیق کا ایک اور مکان اسی مقام محلہ رحمت اللہ قریشی میں واقع ہے، [۳] ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء تک حافظ محمد عوض بن حافظ محمد صدیق کو دو روپیہ ماہانہ اوقاف مسجد سے باقاعدہ ملتا تھا۔ [۴]

حافظ فرزند علی (فضل الٰہی) مسجد وزیر خان کے آخری خطیب

حافظ فضل الٰہی عرف فرزند علی بن امام محمد [۵] بن حافظ الٰہ بخش (ف ۱۲۷۸ھ) بن حافظ غلام محمد عرف امام گاموں بن حافظ محمد صدیق لاہوری، اس خانوادہ کے آخری عالم اور مسجد وزیر خان کے خطیب تھے۔

۱۔ دستاویز (ورق ۱۳)

۲۔ دستاویز (ورق ۱۰)

۳۔ ایضاً (ورق ۲۱) (یہ ایک بہت بڑا مکان تھا)

۴۔ ایضاً (ورق ۶۰)

۵۔ امام محمد کتاب تحقیقاتِ چشتی کی تالیف (۱۸۶۴ء) کے دوران مسجد کے امام تھے (تحقیقات، ص ۶۷۶)

Marfat.com

ان کے حینِ حیات مسجد وزیر خان کے ائمہ کے مابین وقف شدہ جائیداد کی تولیت کے لئے تنازعات شروع ہوئے، ایک متولی جج ظفر علی مرزا کے ساتھ حافظ فرزند علی کے مقدمات کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا، آخر محکمہ اوقاف، پنجاب نے جب مسجد وزیر خان اپنی تحویل میں لی تو یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

حافظ فرزند علی ذی علم بزرگ تھے، انہوں نے حافظ محمد صدیق اور حافظ غلام محمد (عرف امام گاموں) کی تصانیف بڑی مہارت سے نقل کی تھیں، امام گاموں کی کتاب شمس التوحید، جو ناتمام حالت میں ان کو ملی تھی حواشی کے ساتھ مکمل کر کے ۱۲۶۷ھ کو کتابت کیا تھا، انہی کا ایک رسالہ ''ہجو المقلدین'' (گنج مخفی) پر بھی کچھ حواشی لکھے تھے، جس کی کتابت انہوں نے ۱۲۹۳ھ کو کی، حافظ محمد صدیق کی بے نقط کتاب ''سلک الدرر'' کی بھی کتابت کی تھی، حافظ فرزند علی کا ایک رقعہ اُردو میں اسی مخطوطہ کے ساتھ مجلد ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

Marfat.com

حافظ غلام محمد معروف بہ امام گاموں ☆

حافظ محمد صدیق کے فرزند کلاں تھے، حافظ صاحب جب دوسری مرتبہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۵ء کو لاہور سے روانہ ہوئے تو ایک تولیت نامہ لکھا، جس میں آپ نے اس فرزند بزرگ حافظ غلام محمد کو اپنا جانشین نامزد کر کے تمام جائیداد بھی ان کے نام کر دی، مذکورہ سنہ میں اپنے اس بیٹے کے متعلق لکھا ہے:

عہدۂ امامت و خطابت مسجد شریفہ مبینہ خلد مکان نواب وزیر خان مرحوم و مغفور کہ تبلیغ ورثۂ پدری بایں فقیر رسیدہ است و کسی دیگری را بجز ایں فقیر در آں اختیار نیست، اکنون عہدۂ مذکور را بہ جمیع الاستحقاق بہ فرزند سعید الرشید خود امیدوار رحمت اللہ الاحد غلام محمد کہ بالغ و صالح و طالع و حافظ القرآن بالربیع است بطریق نیابت تفویض می نماید و مقرر می گرداند کہ آیندہ انصرام و اہتمام فرائض امامت و خطابت مسجد مذکور باختیار فرزند مذکور است، و دیگری را دعویٰ و دخل نیست، و دریں باب جملہ ارباب فضل و کمال خصوصاً قاضی صاحب قاضی محمد اسلام و قاضی عطاء اللہ و خواجہ فدای خان و مرزا محمد فاضل نبیرۂ نواب مرحوم و بر یک متولی و داروغہ و متعلقین مسجد کہ مواہیر شان شہادتاً بر حاشیہ ایں مرقومہ ثبت است... دوم محرم ۱۱۷۹ھ [1]

حافظ غلام محمد نے کن علماء سے تحصیل کی؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی، غالب گمان ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار، جو ایک اجل عالم تھے کی خدمت میں ہی تکمیل کی ہوگی، ان کا نام چونکہ غلام محمد تھا اور پنجابی مزاج کے مطابق غلام کو گاما یا گاموں کہا جاتا ہے، آپ اسی کے عرف سے معروف تھے۔ [2]

تالیفات

اپنے والد حافظ محمد صدیق کی طرح حافظ غلام محمد نے بھی کئی اہم کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے بعض دستیاب کتابوں کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

۱۔ دستاویزات ورق ۴۹، اس اہم دستاویز کا عکس اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء ۲۶۳

☆ حافظ امام غلام محمد کے کچھ احوال آپ کے والد حافظ محمد صدیق کے ضمن میں بھی بیان ہوئے ہیں۔

Marfat.com

ہجو المقلدین (فارسی، نظم)

یہ کتاب فارسی نظم میں ہے اور صوفیانہ طرز کی ہے، مولف نے اس کا آغاز اس طرح کیا ہے ؎

گنج مخفی است در تو ای دلدار بی خبر زاں نشسته چوں مار

آخری ورق پر اپنا تخلص غریب استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں سنی، قادری، حنفی اور روافض سے بیزار ہوں ؎

ایں غریب ابن حافظ صدیق از دل و جان غلام ایں ہر چار
سنی و قادری و حنفی ام از روافض خوارجم بیزار
گر تو پرسی که اسم جسم چیست؟ تو غلام محمد پندار
در تخلص غریب پنداری گر بخوانی تو نظم من ای یار
بحقیقت اگر نظر بکنی نه تخلص نه اسم و جسم شمار

ہمارے ذخیرہ کا یہ مخطوطہ مصنف کے نبیرہ حافظ فرزند علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس کی کتابت انہوں نے ۱۲۹۳ھ کو کی ہے۔

کتاب کے نام سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ تقلید کے رد کے موضوع پر ہے لیکن اس کے آخر میں مصنف نے واضح طور پر خود کو سنی، قادری اور حنفی لکھ کر وضاحت کر دی ہے کہ یہ رسالہ تقلید کے رد میں نہیں ہے بلکہ عمومی پند و نصائح پر ہے، بعض نسخوں میں اس کتاب کو گنج مخفی کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے

شمس التوحید (فارسی نثر)

یہ بھی حافظ امام غلام محمد معروف بہ امام گاموں کی تالیف ہے، جو اخلاقیات اور اولیائے کرام سے منقول حکایات پر مشتمل ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدللہ الذی لم یتخذ ولداً و لم یکن لہ شریک فی الملک و لم یکن لہ . . . امابعد می گوید بندہ بالتصدیق غلام محمد بن امام حافظ محمد صدیق ولد امام حافظ محمد حنیف کابلی ثم لاہوری . . . سنی حنفی المذہب امام مسجد وزیر خان مرحوم . . . باعث بر جمع کردن و تالیف ایں کتاب کہ مسمی است بہ شمس التوحید آں بود کہ سالہا شوق ایمان و ذوق جان مرا

Marfat.com

بر آن میداشت که کتابی در سیرت عارفان و درحقیقت کاملان سازد و بتکمیل آن پردازد والتماس شاگرد و عزیز و عارف باتمیز عبدالرحمن دانندۂ رمزہای عارفان و بینده تجلیات عاشقان... موید و موکد می شد و لیکن امری نمی شد یعنی توفیق نه یافت که جلوۂ جمال شاہد مقصود در توقف بود، ابیات...

یہ اشعار خود اماگاموں کے ہیں، جن کا تخلص غریب تھا، ایک شعر میں اپنا تخلص اس طرح لکھا ہے:

روی آن گلرخ چو دیده بس عجیب مثل بلبل گشت شیدا این غریب

وہفت باب معین کرده شد که ہفت کوچۂ عشق و...

باب اول در فضیلت چار یار کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم...

باب دوم در فضیلت مجتہدان دین و امامان بالیقین

باب سوم در طلب پیر کامل و یافتن شیخ اکمل و در فرمان برداری او بودن

باب چہارم در فکر مراقبه که بنا سلوک راه حق است

باب پنجم در ذکر دل که کلید خزانۂ غیبی است

باب ششم در ذکر سِر که خلاصۂ اذکار...

باب ہفتم در اسم ذات که برای یافت و دانستن...

مخطوطہ پر حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف اس کا نسخہ مکمل نہیں کر سکے تھے، ان کے نبیرہ حافظ فرزند علی نے اسے مکمل کیا لیکن خلا پھر بھی رہ گئے، ایک ابتدائی ورق کے حاشیہ پر لکھا ہے:

این عبارت از نسخه صححه که مسوده جناب مصنف علیه الرحمة بود یافته نشد... و غلط ہم معلوم می شود...

ایک اور ورق کے حاشیہ پر تحریر ہے:

این ہم عبارت مطابق نسخه اصلی نیست اما بنظر درست می آید...۱؎

اس مخطوطہ میں بکثرت اشعار درج ہوئے ہیں جو مولف کے اپنے اشعار ہیں، یہ فارسی میں ہیں۔

۱۔ ایک دوسرے حاشیہ پر تحریر ہے: گمان...... ازیں جا کاتب نسخہ اول چیزی غلطی نبوده است وہم گمان...... که جناب مصنف...... این مجموعه را ابتدائه خود جمع نکرده اند......

Marfat.com

بعض مقامات پر اس مخطوطہ کے مرتب و کاتب حافظ فرزند علی (نبیرۂ مولف) نے اپنے فارسی اشعار بھی حاشیہ پر موقع کی مناسبت سے درج کر دیئے ہیں۔

مولف نے اس کتاب میں اپنے مرشد حضرت عبداللہ شاہ بلوچ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، اسم ذات پر ان کا قول اس طرح لکھا ہے:

حضرت پیر و مرشد حقیقت آگاہ فقیر عبداللہ شاہ پیشوای سالکان بعضی از یاران را می فرمودند کہ اسم اللہ را کہ اسم ذاتی ست و دیگر اسمای

ورق ۸۰ ب پر بھی اسی قسم کا حاشیہ ہے۔

صفاتی است و معنی ایں اسم آن ست کہ او منم و ہم اوست صاحبِ صفت ست . . .

اس کتاب کے خاتمہ میں مولف نے بہت سے عاشقانہ اشعار بھی نقل کئے ہیں، مثنوی مولانا روم کے اشعار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اس کے کاتب حافظ فرزند علی مذکور نے ترقیمہ اس طرح لکھا ہے:

تمام شد کتاب "شمس التوحید" من تصنیف قدوۃ السالکین عمدۃ العارفین امام مسجد وزیر خان حضرت میاں غلام محمد بتاریخ بیست و پنجم روز عرس حضرت جیو یعنی روز سہ شنبہ مبارک تحریر یافت ۱۲۶۷ ہجری

یہ پورا خطی نسخہ بہت خراب حالت میں ہمیں ملا تھا اور اسی طرح ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے، اوراق کے نمبر نہیں لگے ہوئے، قیاس ہے کہ ۳۰۰/ اوراق ہوں گے۔

واقعاتِ معراج (فارسی نثر)

ہمارے ذخیرہ میں ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے مسجد وزیر خان کے ائمہ کے لکھے ہوئے جو مخطوطات محفوظ ہیں ان میں دو مخطوطات ایسے ہیں جن کے آغاز میں مولفین نے اپنے نام نہیں لکھے، ان میں ایک تو عنوان بالا کا مخطوطہ ہے، اس کا انداز بیان بالکل حافظ غلام محمد کی دیگر تالیفات سے مشابہت رکھتا ہے، اور دوسرا مخطوطہ شرح فصوص الحکم ہے، اس کا پہلا ورق نہیں ہے۔

ضخیم کتاب واقعاتِ معراج میں مولف نے بکثرت فارسی اشعار موقع کی مناسبت سے درج کئے ہیں، پہلے منظومہ کے ایک شعر میں "معین" تخلص کے طور پر آیا ہے، جو یقیناً مولانا معین واعظ کاشفی کا ہے، دیگر بہت سے

Marfat.com

اشعار میں کوئی تخلص درج نہیں ہے۔

اس کے تیسرے زاید ورق پر ایک مہر ثبت ہے جس کا سجع ہے:

حافظ محمد
امام مسجد وزیر خان

یہ حافظ محمد، مولف کتاب کے فرزند تھے، یعنی حافظ محمد بن حافظ غلام محمد، یہ صاحب مخطوطہ کے کاتب مولانا فرزند علی کے والد تھے۔

مخطوطہ کے حواشی پر موضوع کی مناسبت سے بہت سی احادیث بھی نقل کر کے ان کی تخریج کی گئی ہے، یہ کام غالباً مولف کا نہیں ہے، ممکن ہے مولف کے فرزند حافظ محمد یا ان کے پوتے مولانا فرزند علی کا ہو۔

آخر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فضائل بھی بیان کئے گئے ہیں اور ان کے آخر میں بہت سے فارسی اشعار ہیں جو ممکن ہے کہ حافظ غلام محمد کے ہوں، چونکہ مخطوطہ بھی خاصا خراب حالت میں ہے اور جگہ جگہ افتادگی کے باعث بالاستیعاب مطالعہ ممکن نہیں ہے۔

شرح فصوص الحکم (فارسی نثر)

اس مخطوطہ کا پہلا ورق نہیں ہے، اس لئے شارح کا نام معلوم نہیں ہو سکا لیکن شرح کے اسلوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے شارح امام غلام محمد ہی ہیں، عین ممکن ہے کہ یہ شرح حافظ محمد صدیق کی ہو، کیوں کہ انہوں نے بھی متن کے مولف شیخ ابن عربی کے ساتھ اپنے رسائل میں بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے، لیکن آپ کا رجحان تصوف کی طرف نہیں تھا، آپ نے کسی شیخ سے بیعت ہونے کا اپنے خود نوشت حالات میں ذکر نہیں کیا۔

اس لئے قیاس قوی یہی ہے کہ یہ شرح حافظ غلام محمد ہی کی ہے، ہم نے اس میں فصوص کے متن کے اقتباسات، جو اس کی شرح میں درج ہیں سے مقابلہ کر کے دیکھا ہے، یہ واقعی فصوص ہی کی شرح ہے، اس کا موجود نسخہ صرف فص ادریسیہ تک ہے، باقی حصہ دست برد زمانہ کی نذر ہو چکا ہے، شرح بہت ہی عالمانہ ہے، اپنے والد کے مقابلے میں حافظ غلام محمد یعنی شارح کا تصوف کی طرف کامل رجحان تھا، اس لئے یہ شرح انہی کی ہو سکتی ہے۔

حافظ غلام محمد فارسی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے، فارسی میں ان کی منظوم کتاب ''گنج مخفی'' (ہجو المقلدین) کا تعارف کروایا جا چکا ہے، مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ ان کے اشعار زبان زد خلق ہیں (حدیقۃ الاولیاء ۲۶۴) تحقیقاتِ چشتی، ۶۷۶

Marfat.com

عبداللہ شاہ بلوچ کی خدمت میں

حافظ غلام محمد اس خانوادہ کے پہلے فرد ہیں جو کسی صوفی سے بیعت ہوئے، ورنہ آپ کے دادا حافظ محمد حنیف کے بارے میں تو خود حافظ محمد صدیق کا قول ہے:

کان بریئاً من التکلف والتصلف ولا یعتقد لھو لا ارباب التصوف اذ قد جرّ بھم مراراً... شیخا او شیخزادہ لکل قبیحۃ... ۱؎

یعنی میرے والد صوفیہ سے عقیدت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک شیخ اور شیخ زادے بُرے تھے۔

اسی طرح حافظ محمد صدیق بھی کسی سے بیعت نہیں تھے، اگر ان کا کوئی صوفی شیخ ہوتا تو اپنے علوم ظاہری کے شیوخ (اساتذہ) کے ساتھ اپنی خودنوشت سوانح میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔

بہر حال آپ کے فرزند کلاں حافظ غلام محمد اپنے عہد کے ایک قادری بزرگ شیخ عبداللہ شاہ بلوچ (ف ۸/ جمادی الاول ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء) سے نہ صرف بیعت تھے بلکہ ان سے ان کو خلافت بھی حاصل تھی، ۲؎ جو شیخ شرف الدین قادری پانی پتی کے خلیفہ تھے، جن کا سلسلہ چار واسطوں سے میاں میر قادری لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ/ ۱۶۳۵ء) سے ملتا ہے۔

حافظ غلام محمد نے اپنی کتاب "شمس التوحید" میں ان کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، حافظ صاحب نے اپنے شیخ کے احوال، ملفوظات اور مکتوبات کا کوئی مجموعہ ضرور مرتب کیا ہوگا جس کے وجود سے آج ہم ناواقف ہیں۔

وفات

حافظ غلام محمد معروف بہ امام گاموں کا انتقال ایک وبا ۳؎ کے دوران ۲۵/ ذی الحج ۱۲۴۲ھ کو لاہور میں ہوا، کئی قطعاتِ تاریخِ وفات لکھے گئے، میاں فیض اللہ لاہوری کا قطعۂ تاریخ ہماری مرتبہ دستاویزات (شمارہ ۵۲) میں ہے:

خرد گفت سالش کہ ہر سہ الف۔ بکش از غلام محمد امام

۱۔ تحذیر الاخوان ۲۳۔ل

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۱۲۔ ۲۱۵، شیخ عبداللہ شاہ بلوچ شیخ شرف الدین قادری پانی پتی کے خلیفہ تھے، بہت سے افراد ان سے بیعت تھے۔ (حدیقۃ الاولیاء، ۷۰۔ ۷۱)

۳۔ لاہور پر سکھوں کے قبضہ اور عمل دخل کے باعث یہاں وبا اور مسلمانوں کے لئے پریشانیاں پیدا ہوئی تھیں (تاریخ کشمیر مولفہ حسن کھویہامی ۱/ ۳۴۸)

Marfat.com

ایک اور قطعۂ تاریخ کے آخری الفاظ ہیں:

یک غریب بمرد در غلبۂ وباء دیگر تاریخ مغرب ا ؎

مسجد وزیر خان کے عقب میں ۱۲۶۰ھ کو آپ کا روضہ بنایا گیا تھا جو اب آبادی کے اندر آ گیا ہے۔

اولاد

ہمارے ذخیرہ کی دستاویزات کے مطابق حافظ غلام محمد کی چار بیٹیاں تھیں:

حلیمہ بی بی، زینب بی بی، سکینہ بی بی اور عائشہ بی بی (دستاویز ورق ۴۴)

اور ان کے فرزند حافظ الٰہ بخش، شرف الدین، 2؎ امام بخش تھے۔ (دستاویزات ۴۷-۴۸) ان میں سے حافظ الٰہ بخش، حافظ غلام محمد کے جانشین ہوئے تھے، انہوں نے اپنی وفات سے ۲ رسال قبل ۱۲۴۰ھ کو اپنی تمام املاک، کتب اور حضرت میراں محمد اسحٰق گازرونی کے مزار کی نذورات وصول کرنے کا ایک عہد نامہ انہیں لکھ کر دیا تھا، (دستاویز ورق ۶۲/۲) حافظ الٰہ بخش کے ایک فرزند حافظ محمد شریف بھی تھے، جن کا نکاح ستارا بیگم بنت فرخندہ بیگم بنت مرزا اکرم بیگ کے ساتھ ہوا تھا۔ (دستاویز ورق ۴۳/۲)

حافظ الٰہ بخش کا انتقال ۱۱ ر رمضان ۱۲۷۸ھ کو ہوا (دستاویز ورق ۵۲/۳) حافظ الٰہ بخش کے نانا کا نام حاجی محمد اسحٰق (دستاویز ۶۱/۲) ان کے بعد ان کے فرزند حافظ امام محمد مسجد وزیر خان کے امام وخطیب مقرر ہوئے، 3؎ انہی امام محمد کی مہر حافظ غلام محمد کی کتاب ''واقعاتِ معراج'' کے تیسرے ورق پر ثبت ہے۔ 4؎ انہی امام محمد کے فرزند حافظ امام فرزند علی تھے، جن پر بوجہ مقدمات مسجد وزیر خان کی تولیت کا سلسلہ ختم ہو گیا، 5؎ پھر محکمہ اوقاف پنجاب نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔

۱۔ ان قطعات کے اعداد جمع کرنے سے صحیح سالِ وفات بر آمد نہیں ہوتا۔

۲۔ انہی شرف الدین نے ایک مکان محمد بخش بن رحمت اللہ صحاف سے چوہٹہ مفتی محمد باقر، لاہور میں ایک مکان رہن پر لیا تھا (دستاویز ۴۷) بتاریخ ۱۴ ر رمضان ۱۲۴۵ھ

۳۔ تحقیقاتِ چشتی ۶۷۶، تاریخ لاہور مولفہ کنھیا لال ۱۶۶

۴۔ مخطوطہ واقعاتِ معراج کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

۵۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء والمشائخ (تذکرہ علمائے لاہور) ۵۷

Marfat.com

حافظ محمد صدیق کے دوسرے تین فرزندوں کے حالات زندگی تذکروں میں نہیں ملتے، البتہ مختلف دستاویزات میں جہاں کہیں ان کا ذکر آتا ہے، ان کی طرف اشارات کئے جا رہے ہیں:

۱۔ ایک صاحبزادے حافظ عبدالرحیم تھے، جنہوں نے اپنا سکونتی مکان واقع اندرون دارالسلطنت لاہور گذران محلہ شیخ رحمت اللہ قریشی و متصل حویلی میر مومن خان مرحوم ۱۷ شعبان ۱۲۵۵ھ کو فروخت کیا تھا، گویا موصوف مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھے۔ (دستاویز ورق ۲۴،۲۱)

۲۔ حافظ محمد بن حافظ محمد صدیق نے ایک قطعۂ زمین ۱۲۴۷ھ کو فروخت کیا، یہ بھی مذکورہ سنہ تک زندہ تھے۔ (دستاویز ورق ۴۳)

۳۔ حافظ محمد عوض بن امام محمد صدیق کو دو روپیہ ماہانہ از اوقاف بانی مسجد وزیر خان سے بلا تفاوت ملا کرتا تھا (دستاویز ورق ۶۰) بتاریخ ۱۱۹۶ھ۔

حافظ محمد عوض کے ایک فرزند حافظ محمد بخش بھی مصروف خدمت تھے۔ (دستاویز ورق ۵۷)

ان کے ایک فرزند کریم بخش ۱۸۷۰ء تک بقید حیات تھے۔ (دستاویز ۳۵)

ہمیں ایک ایسی دستاویز (ورق ۱۰) ملی ہے، جس کے مطابق حافظ محمد صدیق کو نواب وزیر خان کی املاک میں سے ایک قطعۂ زمین بھی ملا تھا، جو مسجد وزیر خان کی جنوبی دیوار کے ساتھ تھا، جو اس خانوادہ کے لئے گورستان (قبرستان) کے لئے وقف تھا۔ (رک املاک نواب......) گویا حافظ محمد حنیف، حافظ محمد صدیق، حافظ غلام محمد وغیرہ اسی قطعۂ زمین پر واقع قبرستان میں دفن کئے گئے، ۱۱۶۰ھ/ ۱۶۵۰ء کو نواب وزیر خان کی اولاد نے گورستان کے لئے مخصوص اس زمین پر اپنا حق ملکیت کا دعویٰ کیا تھا، جسے محکمہ نے باطل قرار دیتے ہوئے، اقرار نامہ میں لکھا تھا کہ یہ قطعۂ زمین حافظ محمد صدیق کی ملک ہے، جو میرے والد حافظ محمد حنیف کے زمانہ سے نواب کی رضامندی سے ہمارے پاس ہے، جس کا مقصد گورستان ہے (دستاویز ۵۸/ ۲) آج اس قطعۂ زمین پر بڑے بڑے مکانات بن چکے ہیں، صرف حافظ غلام محمد عرف گاموں کا مزار گنبد دار باقی ہے اس کے گرد بھی بہت آبادی ہو چکی ہے۔

Marfat.com

شیخ عبدالوہاب جیلانی

شیخ عبدالوہاب گیلانی معروف بہ اخون پنجو پشاوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی، عالم اور مدرس تھے۔

مقامی روایات کے مطابق شیخ عبدالوہاب کی ولادت ۹۴۵ھ/ ۱۵۴۸ء کو علاقہ یوسف زئی، پشاور میں ہوئی، آپ سید غازی بابائے نوسلجامی کے صاحبزادے اور حسینی سادات سے تعلق رکھتے تھے، جن کے اسلاف عرب سے ہندوستان آکر آباد ہو گئے۔ (تحفۃ الاولیاء، ۴، ۱۰)، شیخ عبدالوہاب مع متعلقین وہاں سے پشاور کی ایک مضافاتی بستی، اکبر پورہ میں آکر آباد ہو گئے، یہ حدود ۹۱۰ھ/ ۱۵۸۲ء کا واقعہ ہے، ان ایام میں بایزید انصاری مشہور بہ پیر تاریک کا ایک خلیفہ سرمست رہتا تھا اور ہر وقت نشہ آور چیزیں استعمال کرتا تھا اور اباحتی افکار کا پرچار کرتا رہتا تھا، اخوند عبدالوہاب نے وہاں مسجد تعمیر کروائی اور پانچ وقت نماز پر زور دیا، جس کے باعث آپ کو تحقیر کے طور پر ''اخون پنجو'' کہا جانے لگا، لیکن جب آپ نے یہ طعنہ سنا تو اسے اپنے لیے احکامِ اسلام کی پابندی کے سلسلہ میں افتخار جانتے ہوئے اپنا لیا۔ (ایضاً ۱۶)

اخوند پنجو پشاوری، اخوند درویزہ کے افکار اور بایزید انصاری کے مقابلہ میں ان کی تحریک احیاء دین سے متاثر تھے، انہی ایام میں شیخ جلال الدین تھانیسری (ف ۹۸۹ھ/ ۱۵۸۱ء) کے خلیفہ شیخ ابوالفتح کماچی (مولف سبع سماء) اکبر پورہ تشریف لائے تو خود اخوند پنجو عبدالوہاب جیلانی ان کے مرید ہو گئے، شیخ جلال الدین تھانیسری چشتی سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ف ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء) کے خلیفہ تھے، گویا اب اخوند پنجو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں منسلک ہو کر شیخ طریقت بن چکے تھے۔

(ایضاً ۸، ۱۶، ۱۷، تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ۱۹)

شیخ عبدالوہاب جیلانی اخوند پنجو پشاوری درس و تدریس کا شغل بھی فرماتے تھے، تقریباً تین سو علماء نے آپ سے تحصیل کی۔ (تحفۃ الاولیاء ۱۶)

Marfat.com

شیخ عبدالوہاب پنجو پشاوری کے مریدین وخلفاء کثیر تعداد میں تھے، جن میں سے شیخ میاں علی خان، شیخ عبدالغفور عباسی، شیخ رحمکار معروف بہ کاکا صاحب، اخوند سالک کابلی، چنبل بیگ خیر آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (ایضاً ۲۸۔۳۴)

اکبر بادشاہ (حکو ۹۶۳۔۱۰۱۴ھ/ ۱۵۵۶۔۱۶۰۵ء) بھی اخوند شیخ عبدالواہاب سے عقیدت رکھتا تھا۔ (ایضاً ۳۴۔۳۶)

شیخ عبدالوہاب اخوند پنجو پشاوری کا ۲۷ر رمضان ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۱ء کو وصال ہوا اور اکبر پورہ (من مضافات پشاور) میں دفن کئے گئے، جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ (تحفۃ الاولیاء ۳۹۔۴۰)، سال وفات میں اختلاف ہے، صاحب خزینۃ الاصفیاء (۱/۴۸۰) نے ۱۰۷۳ھ درج کیا ہے۔

مآخذ

۱۔ابوالفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۸۶۹ء

۲۔امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، پشاور، ۱۹۶۴ء

۳۔رضوانی، احمد شاہ: تحفۃ الاولیاء (مناقب شیخ عبدالوہاب اخوند پنجو)، لاہور، ۱۳۳۰ھ

۴۔عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۵ء

۵۔غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۶۔قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیۂ سرحد، لاہور، ۱۹۶۶ء

Marfat.com

ملا سعید خان لاہوری

گیارہویں صدی ہجری میں ملا سعید خان، لاہور کے اکابر علماء میں سے تھے، بعض درسی کتب پر ان کے حواشی کے حوالے ملتے ہیں، نیز حضرت میاں میر لاہوری سے بڑے قریبی روابط تھے۔

داراشکوہ نے کئی اہم واقعات کے سلسلہ میں ملا سعید خان کے اقوال بطور سند پیش کیے ہیں، نیز لکھا ہے کہ ملا سعید پچاس سے زیادہ برس سے حضرت میاں میر لاہوری سے آشنائی اور آمدورفت رکھتے تھے۔

ملاسعید خان کہ پنجاہ و چند سال بخدمت حضرت میاں جیو آشنائی وآمدورفت داشت می گفت روزی ا...... الخ

ایک مرتبہ ملا سعید خان اکبرآباد گئے، وہاں بیماریٔ صعب میں مبتلا ہو گئے تو لاہور میں مشہور ہو گیا کہ ملا سعید انتقال کر گئے ہیں، حضرت میاں میر نے کسی سے ان کی خیریت معلوم کی تو لوگوں نے افواہ کے مطابق ان کی وفات کی خبر دی لیکن حضرت میاں میرؒ عالم کشف میں یہ دیکھ کر کہ ملا سعید بقید حیات ہیں اُن کے زندہ ہونے کی لوگوں کو خوشخبری سنائی۔ ۲

ملا سعید خان کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی، ایک روز حضرت میاں میرؒ سے نرینہ اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ کی دعا سے ان کے ہاں دو لڑکے توام پیدا ہوئے، جو سکینۃ الاولیاء کی تالیف ۱۰۵۲۔۱۰۵۹ھ تک بقید حیات تھے۔ ۳

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ سے بھی ان کے اچھے تعلقات تھے، داراشکوہ نے حضرت میاں میرؒ کے بارے میں کئی اہم روایات انہیں کی زبانی نقل کی ہیں۔ ۴

۱۔ داراشکوہ: سکینۃ الاولیاء، تہران ۱۳ ش ص ۱۱۸

۲۔ ایضاً ۱۲۱ ۳۔ ایضاً ۱۱۸

۴۔ ایضاً رجوع کنند بہ صفحات ۳۲، ۳۸، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۵۸

Marfat.com

حضرت خواجہ مولانا محمد امین بدخشی ۱؎ خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوڑی رحمۃ اللہ علیہا جب ہندوستان آئے تو اپنے قیام لاہور کے دوران (۱۰۴۷ھ) جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں ملا سعید خان کا نام بھی انہوں نے لیا۔ ۲؎

ملا سعید خان کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے، داراشکوہ کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سکینۃ الاولیاء کی تالیف (۱۰۵۲۔۱۰۵۹ھ) کے دوران بقید حیات تھے۔

حضرت شاہ عنایت قادری قصوریؒ (حدود ۱۱۵۰ھ) نے غایۃ الحواشی میں حاشیہ ملا سعید خان کے کئی جگہ حوالے دیئے ہیں، ۳؎ نیز انہوں نے اپنی دوسری تالیف عرفانی شرح مجموعہ سلگانی میں بھی متعدد مسائل کی توضیح کے لیے حواشی ملا سعید خان کے حوالے دیئے ہیں۔ ۴؎

یہ حواشی تا حال مولف کو دستیاب نہیں ہو سکے۔

۱۔ مولانا محمد امین بدخشی، حضرت شیخ آدم بنوڑی کے نامور خلیفہ تھے، اپنے شیخ کے حالات پر ایک نہایت اہم کتاب ''نتائج الحرمین'' کے نام سے لکھی ہے، جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ محمد امین بدخشی: نتائج الحرمین قلمی ورق ۲۴۷ ب نسخہ الف

۳۔ شاہ عنایت: غایۃ الحواشی، قلمی، مخزونہ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب ورق ۲

۴۔ شاہ عنایت: عرفانی شرح مجموعہ سلطانی، قلمی، مخزونہ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب

Marfat.com

مولانا محمد شہریار لاہوری

مولانا محمد شہریار بن شیخ محمد اشرف، لاہور کے بارہویں صدی/ اٹھارہویں صدی کے اکابر علماء میں سے تھے، بڑے بڑے نامی گرامی علماء ان کے شاگرد تھے، جن میں مسجد وزیر خان، لاہور کے خطیب حافظ محمد صدیق لاہوری بھی شامل ہیں۔

مولانا شہریار کے بزرگ حدادی اور نجاری کا کام کرتے تھے، آپ کا قیام گذر چابک سوار ای محلہ قاضی صدرالدین متصل مسجد چینیاں والی، فیل خانہ شاہ نواز خان اور حویلی آدینہ بیگ خان کے قریب تھا، آپ مسجد چینیاں والی[1] کے خطیب بھی تھے۔

حافظ محمد صدیق لاہوری (۱۱۳۸۔۱۱۹۳ھ/ ۱۷۲۵۔۱۷۷۹ء) خطیب مسجد وزیر خان، لاہور نے اپنی ثبت میں خود لکھا ہے:

"وھو استاذی من وجه واستعرفه"[2]

حافظ صاحب نے ان سے تکملہ علی شرح ملا اور نصف جزء بدیع الزمان کی سماعت کی تھی،[3] نہ صرف لاہور (پنجاب) بلکہ سارے پاکستان و ہند کے طلبہ آپ کے درس کی شہرت کے باعث اس میں شریک ہوتے تھے، مولانا شہریار کے تلامذہ کی کوئی فہرست آج ہمارے پاس نہیں ہے۔

۱۔ مسجد چینیاں والی، ایک صاحب سرفراز خان یا افراز خان نے ۱۰۸۰ھ کو تعمیر لاہور میں کروائی، جو اندرون حصار واقع ہے۔ (تاریخی مساجد لاہور، مولفہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۸۸۔۹۲)

۲۔ تحذیر الاخوان ۱۴۲ ۲۴ب، (مشمولہ رسائل حافظ محمد صدیق لاہوری) مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۹ء ۳۔ ایضا

Marfat.com

شیخ عبدالنبی شیام چوراسی کی خدمت میں

شیخ عبدالنبی قوم کے کھتری اور مذہباً ہندو تھے، لڑکپن میں ہی اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوکر اس کی طرف راغب ہوئے، شاہ عبدالوہاب قادری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اوران سے سلسلۂ قادریہ کے فوائد حاصل کئے، اتنے میں شاہ عبداللہ سلطانپوری سفر کرتے ہوئے ان کے علاقہ میں گئے، جو حاجی شریف شاہ آبادی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے خلیفہ تھے، جو حضرت شیخ آدم بنوڑی (ف ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) کے خلیفہ خاص تھے، جب وہ سفر حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو تمام روحانی نعمتیں اپنے خلیفہ شیخ محمد طاہر عالم پوری کے سپرد کردیں، انہوں نے شیخ عبدالنبی کی بطریق احسن تربیت کر کے مرتبہ تکمیل پر فائز کیا، [1] آپ کے بے شمار مریدین وخلفاء تھے، آپ کے مکتوبات مجموعۃ الاسرار کے نام سے لاہور سے شائع ہوچکے ہیں، آپ کا مزار اس وقت قصبہ شام چوراسی [2] میں ہے، جس پر سکھ متصرف ہیں، وہی آپ کا ہر سال عرس کرتے ہیں۔

مولانا شہریار لاہوری بھی انہی شیخ عبدالنبی کے خلیفہ تھے، [3] گویا اب آپ سلسلہ نقشبندیہ کے فعال شیخ طریقت بھی تھے، گویا درس وتدریس کے ساتھ طریقت کی تعلیم بھی آپ کے نصیب میں ہوئی۔

مولانا شہریار لاہوری اور احمد شاہ درانی

افغانستان کے حاکم احمد شاہ درانی نے مختلف اوقات میں ہندوستان پر نو حملے کیے، پانی پت کے میدان میں ہندوؤں اور مرہٹوں کو شکست فاش دی، سکھوں کی قوت کو پاش پاش کیا، سکھوں نے مسلمانوں کے مرکز اور حضرات مجددیہ کے مسکن سرہند کو تباہ وبرباد کردیا، درانی نے سرہند پر حملہ کر کے انہیں شکست دی اور ہزارہا سکھوں کے سر کاٹ کر لاہور لایا اور عبرت کے طور پر ان کا لاہور میں مینار بنایا جسے سکھ مورخین اپنی

ا۔ وجیہہ الدین اشرف: بحرزخار ۲/۶۰۴۔۶۰۶ (پاکستان کے شامی حضرات انہی کی اولاد میں سے ہیں وہ شیامی کہلوانے کی بجائے شامی لکھتے ہیں، جو درست نہیں ہے)

۲۔ ایضاً ۲/۶۰۵ بحرزخار میں شیخ عبدالنبی کی ایک دقیق شرح فصوص الحکم کا ذکر بھی ملتا ہے ۲/۶۰۴

۳۔ ایضاً ۲/۶۰۵

Marfat.com

زبان میں گھلوگھارا (ظلم عظیم) کہتے ہیں، یہ واقعہ رجب ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء کا ہے۔ ؎۱

اس کے بعد لاہور پر اس کا قبضہ ہوگیا، درانی عید کی نماز کے لئے مسجد وزیر خان، لاہور گیا، تو وہاں کے خطیب حافظ محمد صدیق لاہوری، جو مولانا شہریار کے شاگرد بھی تھے، اپنے خطبہ میں درانی کو ''سلطان عادل'' کہا، نماز کے بعد مولانا مسجد کے منبر کے قریب گئے اور درانی کی موجودگی میں خطیب کو ڈانٹا کہ تم نے درانی کو اپنے خطبہ میں سلطان عادل غلط طور پر کہا ہے، اس کی افواج نے تو لاہور کو لوٹ کر برباد کر دیا ہے، درانی کو یہ سن کر غصہ آگیا، اس نے کہا کہ مولانا! آپ اس کا انجام جانتے ہیں؟ آپ نے جرأت سے فرمایا: کہ ہاں! قتل یا ملک بدر، میں یہ دونوں سزائیں بھگتنے کے لئے تیار ہوں، جس پر درانی نے انہیں لاہور سے چلے جانے کا حکم دیا۔

درانی کے حکم پر آپ نے لاہور چھوڑ دیا اور دوابہ، جالندھر چلے گئے، قریب العہد ماخذ بحر زخار میں ہے کہ وہاں آپ کے ایک مرید شاہ غلام رسول بیکوالی رہتے تھے، ؎۲ یقیناً مولانا انہیں کے پاس گئے ہوں گے، ٹانڈہ، اُمر دو قصبات ہیں، جو ایک میل کے فاصلہ پر دوسیہ، تحصیل ہوشیار پور، مشرقی پنجاب (ہندوستان) میں ہے، ؎۳ یقیناً آپ نے باقی زندگی وہیں درس و تدریس اور دعوت و ارشاد میں گذار کر وفات پائی ہوگی اور وہیں دفن بھی ہوئے ہوں گے۔ ؎۴

شیخ شرف الدین محمد زہیر کشمیری (ف ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) خلیفہ اخون عبدالسلام کشمیری (ف ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۸ء) بھی کشمیر سے لاہور آ کر مولانا شہریار اور شیخ سعدی لاہوری (ف ۱۷۹۶ء) سے فیض یاب ہوئے تھے، شیخ زہیر نے مولانا شہریار کا یہ مکتوب بھی نقل کیا ہے:

1- Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani p.273,409

۲۔ بحر زخار ۲/۶۰۵

3- Imperial gazetter of India, Vol.xxiii, p.221-222

۴۔ فوق نے تذکرہ علمائے لاہور ص ۴۵ میں آپ کا مدفن ٹانڈہ ہی لکھا ہے۔

Marfat.com

بمطالعه شریف اشرف الاخوان مهربان صاحب العرفان شیخ شرف الدین سلمه ربه زاد کماله موصول باد، الحمد لله والکبریاء والصلوة علی سیدالرسل والانبیاء امابعد ازیں فقیر عاصی قاسی بعد از سلام مسنون و دعوات وافیات مطالعه فرمایند حضرت خواجه بهاء الدین نقشبند......[1]

مولانا شہریار اور والیانِ لاہور

مولانا کا احمد شاہ درانی کے ساتھ مکالمہ کا ذکر تو کیا جا چکا ہے کہ اس نے غصہ میں آ کر آپ کو لاہور سے چلے جانے کا حکم دے دیا تھا، لیکن لاہور کے حکام نواب عبدالصمد خان (۱۷۱۳۔۱۷۲۶ء) اور نواب زکریا خان (۱۷۲۶۔۱۷۴۵ء) وغیرہ آپ کے باقاعدہ مرید تھے، [2] ان کے ساتھ مزید راہ ورسم کے واقعات نہیں ملتے۔

درس وتدریس

مولانا شہریار نے، لاہور میں درس وتدریس میں اپنی مبارک زندگی صرف کی، آپ کے تلامذہ میں سے حافظ محمد صدیق لاہوری خطیب مسجد وزیر خان، لاہور خاص شہرت رکھتے ہیں، آپ نے خود اپنی ثبت میں آپ سے پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔

آپ کے فرزند شیخ بہرہ یاب اپنے والد کے قدم بقدم درس وتدریس میں مصروف رہے، حج پر جاتے ہوئے شکار پور (سندھ) بھی گئے، جہاں آپ مشہور عالم وصوفی شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری (ف ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء) کی خدمت میں بھی گئے، آپ شیخ بہرہ یاب کی علمیت سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ میرے

۱۔ روضۃ السلام، ورق ۱۴۳ب، قلمی نسخہ ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس، برٹش لائبریری، لندن (شمارہ ۶۵۰) یہ خطی نسخہ ہمارے مقدمہ کے ساتھ پروگریسو بکس، لاہور سے عکسی صورت میں شائع ہو گیا ہے، جہاں یہ پورا مکتوب موجود ہے۔

۲۔ بحر زخار ۶۰۵، اس کتاب کے مولف نے ان حاکمانِ لاہور کے ناموں کے ساتھ نواب حالی خان کا بھی ذکر کیا ہے، جن سے ہم تا حال ناواقف ہیں۔

Marfat.com

پاس اس وقت ایک ہزار جلد کتب تصوف موجود ہیں، اگر میرے پاس بیس ہزار جلدیں بھی ہوتیں تو میں ان پر نثار کر دیتا، شیخ بہرہ یاب مکہ مکرمہ سے واپس سندھ آئے تو وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ [1]

اولاد

مولانا شہریار کے ایک فرزند مولانا محمد بہریاب تھے، جو اپنے والد کی طرح لاہور میں درس وتدریس کا شغل فرماتے تھے، حافظ محمد صدیق لاہوری خطیب مسجد وزیر خان نے ان سے وہی کتب یعنی تکملہ علی شرح ملا اور بدیع الزمان پڑھی تھیں۔ [2]

حج پر جاتے ہوئے مولانا بہریاب کا انتقال ہو گیا تھا، ان کے ایک فرزند محمد قطب الدین تھے، جن کے بیٹے فیض یاب تھے، ان کا ایک بیٹا محمد فتح یاب تھا، جو مولوی احمد بخش یک دل لاہوری [3] (ف ۱۸۶۷ء) کے حین حیات زندہ تھا، یک دل نے ان کی علمیت کی اپنی ڈائری میں بہت تعریف کی ہے، ایک افغان عورت کے بطن سے مولانا شہریار کے فرزند نجم الدین اور صدر الدین بھی تھے۔ [4]

مولانا شہریار لاہوری

مولانا بہریاب لاہوری — نجم الدین — صدر الدین

محمد قطب الدین

فیض یاب

محمد فتح یاب

۱۔ بحر زخار ۶۰۵۔۶۰۶ ۲۔ تحذیر الاخوان ۲۵ ب

۳۔ احمد بخش یک دل لاہوری، تحقیقات چشتی کے مولوف مولوی نور احمد چشتی کے والد تھے، درس وتدریس کا شغل تھا۔ (فوق: تذکرہ علمائے لاہور ۶۴) ۴۔ ایضاً ۴۵

Marfat.com

سالِ وفات

جب احمد شاہ درانی، مولانا شہریار کی صاف گوئی پر ان سے ناراض ہوا اور انہیں لاہور سے چلے جانے کا حکم دیا تو اس وقت وہ سکھوں کو سرہند میں شکست دے کر ۱۱۷۵ھ/۶۲-۱۷ء کو لاہور آیا تھا اور مسجد وزیر خان، لاہور میں عید کی نماز ادا کی تھی، جس کے دوران آپ کی جرأت مندی کی مثال سامنے آئی تھی۔

روضۃ السلام جیسے معاصر ماخذ میں درج ہے کہ مولانا سکھوں اور افغانوں کی حیض بیض کے دوران فوت ہوئے، اس کتاب کے مولف لاہور میں مولانا کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے تھے، انہوں نے ان کی وفات کا قطعہ بھی نقل کیا ہے، یہ قطعہ غالباً ان کی اپنی تصنیف معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری

شاہ فقیر اللہ علوی، بارہویں/ اٹھارہویں صدی کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے، آپ متعدد دقیق علمی کتابوں کے مولف کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

آپ نے اپنا مقامِ ولادت روتاس اور مستقر جلال آباد (افغانستان) کی حدود میں واقع علاقہ حصارک بتایا ہے، [۱] جہاں آپ نے اپنے والد کا نام عبدالرحمٰن لکھا ہے اور اپنا مسلک حنفی بھی تحریر کیا ہے، آپ کے والد گرامی شیخ عبدالرحمٰن کا شمار بھی علماء و مشائخ میں تھا، جن کا مزار فلاس آباد ترتاسی، جلال آباد میں ہے، جن کا نسب حضرت محمد بن حنفیہ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے واصل ہوتا ہے۔ [۲]

شاہ فقیر اللہ کا سالِ ولادت حتمی طور پر معلوم نہیں ہے لیکن متاخر تذکرہ نویسوں نے حدود (۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء قیاس کیا ہے، [۳] ایک مکتوب میں آپ نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:

خادم الفقراء فقیر اللہ بن عبدالرحمٰن الحنفی القرشی الہاشمی الرتاسی الجلال آبادی [۴] ''وثیقۃ الاکابر'' میں نسبت ''الحنفی''، لکھی ہے اور اس کے حاشیہ پر محشی نے اس نسبت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد امام محمد بن حنفیہ از اولاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہے، [۵] مکتوبات میں حنفی سہو کتابت ہے۔

۱۔ فقیر اللہ علوی: مکتوبات ۲/ ۲۷

۲۔ بیاض علوی بحوالہ مقالہ شاہ امین اللہ علوی، مقالہ شاہ فقیر اللہ علوی، مشمولہ (رسالہ) الرحیم سندھی ستمبر ۱۹۷۱ء ص ۱۴

۳۔ ایضاً ۴۔ مکتوبات ۳/ ۳۳

۲۔ وثیقۃ الاکابر ورق اول، مکتوبات کے مطبوعہ نسخہ میں یہ نسبت غلط فہمی کی بنیاد پر الحنفی لکھی گئی ہے (ص ۳۳) اگرچہ آپ مسلکاً حنفی تھے۔

Marfat.com

آپ کی ابتدائی تعلیم کے متعلق واضح معلومات نہیں ملتیں، آپ نے اپنے مکتوبات اور ''وثیقۃ الاکابر'' میں لکھا ہے:

جری علی ھذہ الحال فی الحصارک حین کنت مشغولاً فی طلب العلم فی خدمت مولانا الفاضل العلامۃ حاوی المنقول محمد صادق بن دیندار النیگنھاری الحصارکی وکان فی خدمتہ الفقیہ عبدالشکور النیکھاری الکند باغی یقرہ علیہ المطول فی المعانی [1]

وثیقۃ الاکابر میں اپنے اس استاد کے القاب اس طرح لکھتے ہیں:

الحبر التحریر فی التقریر والتحریر مولانا المحقق محمدصادق بن دیندار النیکھناری الحصار کی غفرھما اللہ تعالٰی وقد اجاز لی فی المشکوۃ [2]

قیاس ہے کہ اس سے پہلے کے ابتدائی علوم آپ نے اپنے والدگرامی مولانا عبدالرحمٰن کی خدمت میں پڑھے ہوں گے، جوخود ایک عالم وعارف تھے، جن کا مزار علاقہ روتاس قلاس آباد ترتاسی، جلال آباد میں ہے۔ [3]

ان اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ شاہ فقیراللہ علوی اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اپنے مولد حصارک میں جب کہ وہ وہاں متعلم تھے، مولانا محمد صادق بن دیندار ننگرہاری حصارکی کی خدمت میں تحصیل علم کرتے رہے۔

۲۔ پھر وہاں کے فقیہ مولانا عبدالشکور نیگرہاری کند باغی کے پاس جا کر بھی پڑھا اور ان سے مطول فی المعانی پڑھی۔

۳۔ کتاب وثیقۃ الاکابر کے حاشیہ پر آپ نے لکھا ہے کہ مولانا محمد صادق کے ہاں مشکوۃ شریف نصف اول تک پڑھی۔

۱۔مکتوبات ۴۲/۱۵۰۔۱۵۱ ۲۔وثیقۃ الاکابر ورق ۱

۳۔بیاضِ علوی بحوالہ الرحیم سندھی ستمبر ۱۹۷۱ء ص ۱۴

Marfat.com

مولانا شاہ شکارپوری کے دونوں ابتدائی اساتذہ مولانا محمد صادق اور مولانا عبدالشکور ننگرہاری کندباغی کے حالات سے میں تاحال ناواقف ہوں۔

شاہ فقیراللہ اس ابتدائی تعلیم کی تحصیل کے بعد علاقہ سرحد کے ایک ذی علم بزرگ اخوند شیخ محمد مسعود دوابی ثم خرقی کی خدمت میں سلوک کے لئے حاضر ہوئے، جو لاہور کے مشہور عالم وصوفی حاجی محمد سعید لاہوری (۱۰۲۵۔۱۱۴۵ھ/۱۶۱۶۔۳۲۔۱۷ء) سے بیعت ہوئے، جو پہلے شیخ اسداللہ وزیرآبادی خلیفہ شیخ آدم بنوری (ف ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے، پھر شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری (ف ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۳ء) سے سلسلہ شطاریہ میں خلافت یاب ہوئے، اس دوران شیخ محمد اشرف سرہندی (۱۰۴۳۔۱۱۱۸ھ/۱۶۳۳۔۱۷۰۷ء) سے بھی سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔

حاجی محمد سعید لاہوری ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۳ء کے بعد حج کے لئے بھی حرمین الشریفین حاضر ہوئے، اور وہاں کے مشائخ میں سے سید محمود کردی (خادم روضہ شریفہ نبی کریم ﷺ) سے بھی سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی، مدینہ منورہ میں ہی وہاں کے بڑے عالم شیخ ابوطاہر محمد کردی (۱۰۸۱۔۱۱۴۵ھ/۱۶۷۰۔۳۳۔۱۷ء) بن شیخ ابراہیم کردی کورانی (ف ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء) سے سلسلہ قادریہ میں نعمت خلافت سے بہرہ ور ہوئے۔

حاجی محمد سعید لاہوری کی عمر ایک سوبیس سال تذکرہ نویسوں کی مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ آپ کی دونوں معاصر سوانح عمریوں ''تذکرۃ الارشاد'' اور ''قران السعدین'' میں آپ کی یہی عمر درج ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ/۶۲۔۱۷ء) حج کے ارادہ سے اواخر ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۱ء کو حرمین الشریفین جاتے ہوئے حاجی محمد سعید سے لاہور میں ملے تھے اور ان سے ایک اجازت بھی لی تھی، یہ ان کی عمر کا آخری زمانہ تھا، شاہ صاحب نے ان کا اجازت نامہ نقل کرتے ہوئے انہیں ''شیخ المعمر'' بھی لکھا ہے۔[1]

ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ فقیراللہ علوی بیعت تو حاجی محمد سعید لاہوری سے تھے اور آپ ہی کے

۱۔ الانتباہ ص ۲۸

Marfat.com

ایما پر آپ کے خلیفہ اخوند محمد مسعود مذکور سے سلوک کی مشق کرتے رہے تھے۔ا کیونکہ شاہ فقیر اللہ کے حاجی صاحب سے براہ راست روابط تھے، انہوں نے وحدت الوجود اور شہود کے موضوع پر حاجی صاحب سے مراسلت کی تو انہوں نے اس موضوع کی تحقیق پر ان کے لئے کلمات تحسین تحریر کئے تھے۔ ۲

ایک مقام پر اپنے ان مشائخ کا ذکر کیا ہے، جن کے ساتھ صحبت رہی:

قد صحبت بفضل الله وعونه كثيرا من خيار عبادالله تعالىٰ كالشيخ العارف بالله قطب الاقطاب محمد معصوم الثانى السرهندى وكالشيخ العارف بالله الحاج محمد يوسف الشافعى السواتى الغافينى بالفاء الفارسيه وكالشيخ محمدحيات السندى المحدث المدنى الى غير ذٰلك ومع افردت اسانيد سلاسل الصحبة...... السند الاول المصحبة المتصلة الى سر الله الاعظم عليه الصلوة والسلام بالطريقة النقشبندية فالعبد الضعيف المفتقر الى الله خادم الفقراء فقير الله عفى عنه...... صحب الشيخ الاجل قطب الاقطاب مرشد الشيخ والشاب الفاضل العلامة محمد مسعود الپشاورى قدس سره......بالسند الصحيح المستفيض المتصل ومن هذا الطريق حصل لنا نسبة تلقين اسم الذات والنفى والاثبات وهو صحب الغوث الاكمل الحاج محمد سعيد اللاهورى قدس سره صحب الشيخ سعدالله الوزير آبادى......۳

اس اقتباس میں مذکور شخصیات میں سے خواجہ غلام محمد معصوم ثانی (ف ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) بن شاہ محمد اسماعیل بن شیخ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی مراد ہیں اور شیخ محمد یوسف شافعی سواتی غافینی کے حالات سے ہم واقف نہیں ہیں، شیخ محمد حیات سندھی مدنی تو مشہور محدث تھے، جن کے ساتھ اتصال کا شاہ فقیر اللہ کے حالات میں خصوصی ذکر کیا جائے گا۔

ا۔ اخوند محمد مسعود پشاوری، دوابی ثم خرقی کے یہ تمام حالات ''قران السعدین'' کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں، جو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۸ء شائع ہوئی تھی۔

۲۔ مکتوبات ۲/ ۳۲ ۳۔ ایضاً ۷۴/ ۳۱۹۔۳۲۰

Marfat.com

شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے فرزند شاہ صفی اللہ معصومی (۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۸ء) تو تین مرتبہ سندھ تشریف لائے اور قیام کیا، شکار پور بھی گئے تھے۔ ۱؎

شاہ فقیر اللہ علوی نے اپنی پہلی خانقاہ کی بنیاد اپنے مستقر جلال آباد (افغانستان) میں رکھی تھی، چونکہ وہاں کے حکمران اُن کے بہت عقیدت مند تھے، احمد شاہ درانی اور اس کے فرزندوں کے ساتھ ان کے مراسم بہت اچھے تھے، درانی نے شاہ صاحب کو بہت سی زمین بطور مدد و معاش کے دی تھی، پھر درانی کی فتح پنجاب و سندھ کے بعد حاکمان سندھ کی شاہ صاحب سے عقیدت اتنی بڑھی کہ آپ جلال آباد چھوڑ کر شکار پور، سندھ ہجرت کر آئے۔

سندھ میں وہاں کے سب سے بڑے عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (ف ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء) اور مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (ف ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) کے ساتھ شاہ صاحب کے صرف متعلمانہ مراسم نہیں تھے بلکہ علمی اعتبار سے یہ حضرات نہ صرف سندھ بلکہ عالم اسلام میں اپنے علمی تبحر کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے، ان کے استاد مخدوم محمد ہاشم خود حج کے ارادہ سے حرمین الشریفین حاضر ہوئے تو وہاں کے بڑے عالم مفتی عبدالقادر صدیقی حنفی مکی (ف ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۵ء) سے بھی حدیث شریف اور دیگر علوم کی سندیں لیں، گویا شاہ فقیر اللہ علوی کا یہ سفر حج مفتی صاحب کے حینِ حیات ہوا، مولانا دین محمد وفائی نے بغیر کسی سند کے یہ لکھ دیا ہے کہ شاہ فقیر اللہ نے سات مرتبہ حج کیا اور ہر مرتبہ علمی فوائد حاصل کیے، ۲؎ اپنے ایک حج کے بعد ۱۲/ جمادی الاول ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء کو مدینہ منورہ حاضر ہونے کا خود ذکر کیا ہے۔ ۳؎

۱۔ مناقب مخدومین، مقدمہ ۲۱۔۲۲

۲۔ وفائی: تذکرہ مشاہیر سندھ ۳/ ۳۴۸ شاہ فقیر اللہ نے جلال آباد سے ہجرت کر کے جب سندھ میں قیام کیا تو وہاں جن سندھی علماء سے تحصیل کی ان کے اسماء پروفیسر علوی نے اپنے مقالہ مشمولہ الرحیم سندھی ستمبر ۱۹۷۱ء میں دے دیئے ہیں، نیز انہوں نے اپنی خاندانی بیاضوں کے حوالہ سے شاہ صاحب کے اسفار حرمین کے سنین بھی درج کئے ہیں۔

۳۔ مکتوبات ۲۶/ ۹

Marfat.com

شاہ فقیر اللہ نے اپنی کتاب قطب الارشاد میں مفتی عبدالقادر مکی سے ۳۶ سلاسل میں اجازت لینے کا ذکر کیا ہے۔[۱]

شاہ فقیر اللہ علوی یقیناً مذکورہ سفر حرمین الشریفین کے دوران ہی مدینہ منورہ کے مشہور محدث علامہ شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی (ف ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء) سے فیض یاب ہوئے ہوں گے، آپ نے ان سے صحاح ستہ کی اجازت لینے کا ذکر کیا ہے،[۲] اور اپنی ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء میں تالیف ہونے والی کتاب قطب الارشاد میں تحریر کیا ہے کہ شیخ محمد حیات نے اپنی ثبت میں منقول تمام اسناد کی مجھے اجازت دی تھی۔[۳]

شاہ فقیر اللہ علوی کا تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں ۳ رصفر ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء کو وصال ہوا، اپنے آخری مستقر شکار پور (سندھ) میں دفن ہیں۔

رب کریم نے انہیں کثیر اولاد سے نوازا تھا، ان کے سترہ فرزند تھے، ان میں سے بعض نوعمری میں فوت ہو گئے اور کچھ بڑے ہو کر وقت کے علماء میں شمار ہوئے۔[۴]

شاہ فقیر اللہ علوی عربی، فارسی اور سندھی میں بہت سی دقیق کتابوں کے مولف تھے، جن میں سے قطب الارشاد، مکتوبات، فتوحات الغیبیہ، طریق الارشاد، وثیقۃ الاکابر وغیرہ زیادہ مشہور ہیں، پشاور یونیورسٹی کے ایک استاد سید سعید اللہ نے آپ کی دقیق ترین تالیف فتوحات الغیبیہ کے صرف مقدمہ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا، جس پر سندھ یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی سند دی تھی، جس میں شاہ صاحب کی تالیفات کی تفصیل بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۱۔ مقالہ پروفیسر علوی، الرحیم، اکتوبر ۱۹۷۱ء

۲۔ وثیقۃ الاکابر ورق الف

۳۔ قطب الارشاد ۶۴۴

۴۔ پروفیسر امین اللہ علوی نے آپ کے فرزندوں کے انساب پر ایک مفصل مقالہ رسالہ الرحیم (سندھی) اپریل، مئی ۱۹۷۳ء میں لکھا ہے۔

Marfat.com

شاہ صاحب کے ایک خلیفہ مظہر بن نعمان جلال آبادی نے آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ''ہدایت السالکین'' کے نام سے جمع کیا تھا، جس کے قلمی نسخے کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہیں اور آپ کے مکتوبات کے جامع محمد فاضل بن پیر محمد بن الیاس انصاری بھی آپ کے خلیفہ تھے۔

شاہ فقیر اللہ سے ان گنت افراد بیعت ہوئے اور بہت سے اصحاب آپ سے خلافت یاب ہوکر مرتبہ علیہ پر پہنچے۔

شاہ فقیر اللہ علوی کتابوں کے بہت شائق تھے چونکہ درجہ اول کے عالم تھے، ہر جگہ سے کتابیں خرید کر جمع کرتے رہتے تھے، یہ عظیم الشان کتب خانہ شکار پور، (سندھ) میں تھا، جو امتداد زمانہ سے تباہ ہوگیا۔ ۱

وثیقۃ الاکابر

یہ شاہ فقیر اللہ علوی کی معجم الشیوخ (ثبت) ہے، جس میں آپ نے اپنی تمام سندیں جمع کردی ہیں، یہ کتاب تاحال شائع نہیں ہوئی ہے، اس کے مندرجہ ذیل نسخوں کا ہمیں تاحال علم ہے:

۱۔ اسلامیہ کالج، پشاور یونیورسٹی لائبریری (شمارہ ۳۷۵)

اس کے خاتمہ پر کاتب نے سالِ کتابت نہیں لکھا، فہرست کے مرتب ومولانا عبدالرحیم نے اس کا سال کتابت ۱۱۶۰ھ لکھا ہے، ۲ جو غلط فہمی ہے کیونکہ یہ کتاب تو تالیف ہی ۱۱۶۵ھ کو ہوئی تھی، اس کی کتابت ۱۱۶۰ھ کو کیسے ہوسکتی ہے؟ دراصل ناقل نے مولف کا خاتمہ بھی اس مین نقل کردیا ہے، جس سے فہرست ساز نے سہواً سال کتابت سمجھ لیا، سید سعید اللہ نے اس کا سال کتابت ۱۱۸۸ھ معلوم نہیں کیسے فرض کرلیا۔ ۳

۲۔ اس کا دوسرا قلمی نسخہ جو شاہ فقیر اللہ کے خاندانی کتب خانہ میں موجود تھا، جو علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان کے پاس دیکھا تھا۔ ۴

۱۔ قاسمی: مقالاتِ قاسمی ۳۴۵ ۲۔ لباب المعارف العلمیہ ۶۹

۳۔ سید سعید اللہ: وثیقۃ الاکابر، مقالہ مشمولہ الرحیم سندھی، جنوری۔ فروری ۱۹۷۹ء

۴۔ مقالاتِ قاسمی ۳۴۴

Marfat.com

۳۔ تیسرا نسخہ حافظ محمد کاکڑ، کوئٹہ، بلوچستان میں ہے،[۱] جو شفیع احمد علوی لے آئے تھے جو غالباً یہی نسخہ نمبر ۲ ہی ہے۔

۴۔ اس کا چوتھا نسخہ اس وقت پروفیسر نثار احمد سرہندی صاحب کے پاس ہے جو آبائی طور پر ان کے کتب خانہ کی زینت ہے، پیش نظر عکسی اشاعت اس پر مبنی ہے، جس کے کاتب کا نام فرید الدین محمد ہے، سال کتابت درج نہیں ہے، ایک ملکیتی تحریر ۱۲۱۰ھ کی ہے گویا یہ نسخہ اس سنہ سے پہلے کا مکتوبہ ہے۔

قلمی نسخہ کتب خانہ اسلامیہ کالج، پشاور اور نسخہ مملوکہ پروفیسر نثار احمد خان سرہندی کے پہلے زاید ورق پر لکھا ہوا ہے: "قد الفها فی الشکارپور من مداین السند سنة خمسین و ستین و مایة والف" یعنی یہ کتاب شکارپور (سندھ) میں ۱۱۶۵ھ کو تالیف ہوئی۔

۱۔ سید سعید اللہ، مقالہ مذکورہ ۱۶

Marfat.com

شیخ نظام الدین شکار پوری

شیخ نظام الدین سرہندی شکار پوری حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے، یعنی شیخ نظام الدین بن شیخ غلام محی الدین بن شیخ غلام صادق بن خواجہ غلام محمد معصوم ثانی بن شیخ محمد اسماعیل عاشق بن شیخ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی۔ [1]

ان کا خانوادہ سرہند پر سکھوں کے حملوں اور قبضہ کے بعد سرہند سے ہجرت پر مجبور ہوا اور افغانستان کے مختلف علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے، شیخ نظام الدین کے والد شیخ غلام محی الدین، پشاور سے شکار پور (سندھ) آئے تھے، غالب گمان ہے کہ شیخ نظام الدین کی وہیں پشاور میں ولادت ہوئی ہوگی۔

مخدوم محمد صالح وزیر آبادی نے اپنے دیوان میں شیخ نظام الدین شکار پوری کا سال ولادت ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۹۰ء دیا ہے۔

"چراغ" از سال تولیدش شمردم
بلی روشن چراغ باصفا بود [2]

یعنی لفظ "چراغ" کے اعداد جمع کرنے سے ان کا سالِ ولادت ۱۲۰۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

شیخ نظام الدین کا ۶۹ رسال کی عمر میں ۱۷ ررجب صبح شنبہ ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء کو شکار پور میں انتقال ہو گیا، [3] وہیں دفن ہیں، جہاں ملی دروازہ کے باہر جداگانہ احاطہ میں ان کا مزار ہے۔ [4]

اسی مذکورہ شاعر صالح نے یہ قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے:

۱۔ ہدیۂ احمدیہ ۵۱۔۵۲، انساب الانجاب ۵۵

سید حسام الدین راشدی سے یہ شجرہ نقل کرتے ہوئے ایک نام یعنی مخدوم محمد اسماعیل عاشق بن شیخ صبغۃ اللہ سہواً رہ گیا ہے۔ (تکملہ مقالات الشعراء تعلیقات راشدی ۶۱۸)

۲۔ ایضاً تکملہ ۶۰۸

۳۔ ایضاً ۶۱۴

۴۔ محمد حسن جان مجددی: انساب الانجاب ۵۵

Marfat.com

صبح شنبہ ہفدہم شہر رجب

خوش نوید وصل مولیٰ یافتہ

بہر تاریخ وصالش صالحا

گو ''بہشت پاک ماویٰ یافتہ'' ۱۲۷۳ھ

چونکہ ماضی میں مغل حکومت کی طرف سے سکھوں کو نقصان پہنچا تھا اور پھر درانی نے پنجاب پر کئی حملے کر کے سکھوں کی قوت کو پاش پاش کر دیا تھا، لیکن چونکہ مغل مرکزی حکومت عسکری اور سیاسی اعتبار سے کمزور ہو چکی تھی، جونہی درانی واپس افغانستان جاتا سکھ پھر متحد ہو کر مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے آجاتے تھے۔

۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء کو درانی کا سرہند پر قبضہ ہو گیا تو اس نے عبرت کے طور پر ہزار ہا سکھوں کے سر کاٹ کر لاہور میں لاکر ان کا مینار بنایا تھا، جسے سکھ مورخین گھلوگھارا (ظلم عظیم) کہتے ہیں، اس سے پہلے بندہ سنگھ کا ۱۷۱۰ء کو سرہند پر قبضہ ہو گیا تھا، اس نے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کئے، جس پر لاہور کے گورنر سید اسلم خان نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا، درانی نے اپنے خلیف میر نصیر خان کو لکھا کہ اس وقت سکھوں کے خلاف جہاد، حج سے افضل ہے۔[۱]

صاحبزادگان سرہند نے بھی سکھوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا، شیخ محمد جعفر بن خواجہ محمد اشرف بن خواجہ محمد معصوم سہرندی تو سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے، اسی طرح شاہ عزت اللہ بن شاہ غلام محمد معصوم ثانی نے بھی شاہ عالم ثانی کے عہد (۱۲۰۳۔۱۲۲۱ھ/ ۱۷۸۸۔۱۸۰۶ء) میں لودھیانہ میں سکھوں کے خلاف جو زبردست معرکہ ہوا تھا میں شرکت کی تھی، انہی شاہ عزت اللہ کو حافظ الملک رحمت خان نے چھ ہزار روپے سفر خرچ بھیج کر بریلی بلا لیا تھا۔

شیخ نظام الدین شکارپوری کے اپنے قول کے مطابق ان کے دادا شیخ محمد صادق پشاور میں رہتے تھے، موصوف غالباً افغانستان سے آکر وہاں مقیم ہوئے ہوں گے، ان کے فرزند شیخ غلام محی الدین

۱۔ ان امور کی تفصیل کے لئے مقامات مظہری پر ہمارا مقدمہ ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

۱۲۰۴ھ/۹۰-۱۷۸۹ء کو شکار پور پہنچے تو وہاں (تالپور) کے حاکموں نے اُن کی تعظیم وتوقیر کر کے انہیں جاگیریں دیں تو وہ وہیں ٹھہر گئے، ۱؎ ان کے فرزند شیخ نظام الدین اس وقت صرف ایک سال کے تھے، (ولادت ۱۲۰۵ھ/۹۱-۱۷۹۰ء) عین ممکن ہے کہ ان کی ولادت پشاور میں ہوئی ہو، ان کے دادا افغانستان اور وسطی ایشیاء میں جایا کرتے تھے، گویا موصوف براہِ راست سرہند کی تباہی سے متاثر ہو کر سندھ نہیں آئے تھے بلکہ درانی جن اصحاب کو اپنے ساتھ قندھار لے گیا تھا، آپ اُن کی اولاد میں سے تھے اور وہیں سے آ کر پہلے پشاور میں اور پھر ان کے بیٹے غلام محی الدین شکار پور منتقل ہوئے۔

اولاد

شیخ نظام الدین شکار پوری کے نو فرزند تھے، امام الدین، غیاث الدین، نصیر الدین، علی اکبر، فضل معصوم، فضل قیوم، معین الدین، رفیع الدین اور مظہر الدین، ۲؎ شیخ نظام الدین کے بھائی فدائے محی الدین کے چھ بیٹے تھے، محمد اشرف، محمد شریف، محمد شاہ پیر، ظہور الدین، علاء الدین، (ایک نام دو بار لکھا گیا ہے)

خلفاء

شیخ نظام الدین کے مریدین وخلفاء کے اسماء ہمیں تا حال معلوم نہیں ہیں، تاہم ان کا سارے سندھ، شکار پور، سکھر اور جیکب آباد تک اثر ورسوخ تھا۔ ۳؎

بحیثیت شاعر

شیخ نظام الدین شکار پوری، خود صاحب علم وعمل بزرگ تھے، آپ کے اجداد میں سے اکثر حضرات شعر وسخن کا ذوق رکھتے تھے، آپ کے عزیز شاہ صفی اللہ معصومی (ف ۱۲۱۲ھ/۹۷-۱۷۹۶ء) کئی کتابوں کے مولف تھے اور صفی تخلص کرتے تھے، ان کی تالیفات میں سے آداب الارشاد، مخزن الانوار، چہار جوی اور دیوان صفی کے قلمی نسخے ملتے ہیں، دیوان کے علاوہ ان کی فارسی منظوم کتاب چہار جوی بھی قابل ذکر ہے،

۱۔ تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔ ۲۔ انساب الانجاب ۵۵-۵۶ (مولف نے ان کی اولاد در اولاد کے اسماء بھی تحریر کیے ہیں) ۳۔ ایضاً ۵۷

۴۔ تکملہ مقالات الشعراء، تعلیقات راشدی ۶۰۰

Marfat.com

موصوف تین مرتبہ قندھار سے سندھ آئے تھے۔ ۱

شیخ نظام الدین شکارپوری، فارسی اور ہندی (اردو) میں شعر کہتے تھے، خواجہ محمد حسن جان مجددی نے لکھا ہے:

اشعارِ عشقیہ در مدح حضرت خیر البریہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بکمال موزونی فارسی و ہندی بسیار فرمودہ اند و زبان زدِ اہل آں دیار (شکارپور) است ۲

آپ کبھی تو اپنے نام ''نظام الدین'' کو ہی تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے اور بعض منظومات میں ''نظامی'' بھی تخلص کی حیثیت سے لکھا ہے، آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کی مدح میں ایک مخمس بھی لکھی تھی، اس میں اپنا تخلص نظامی ہی اختیار کیا ہے۔ ۳ آپ نے مخدوم عبدالخالق کھہڑوی (ف ۱۲۶۸ھ) کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ بھی لکھا تھا، جس میں اپنے نام کو بطور تخلص لکھا ہے۔ ۴

آپ کی ایک مخمس کریما سعدی شیرازی بھی یادگار ہے، جسے تکملہ مقالات الشعراء میں نقل کیا گیا ہے۔ ۵

آپ کے ایک خلیفہ مخدوم محمد صالح متخلص بہ صالح وزیر آبادی ۶ بھی صاحب دیوان شاعر تھے، ان کے دیوان کے دو قلمی نسخے آغا بدر الدین خان درانی کے گھر گڑھی یٰسین خان، سندھ میں موجود ہیں، جس میں شاعر نے شیخ نظام الدین کی ولادت اور وفات پر بہت سے قطعاتِ تاریخ بھی لکھے ہیں۔ ۷

شیخ نظام الدین نے اپنی کتاب ''اوج مورد اسرار نقشبند'' میں اپنے فارسی کے بہت سے اشعار بھی موقع کی مناسبت سے نقل کئے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید آپ نے اپنا کوئی شعری مجموعہ خود بھی ترتیب دیا ہوگا، ان کی ایک مسدس در مناجات بھی ہے۔ ۸

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مناقب مخدومین پر ہمارا مقدمہ ۲۔ انساب الانجاب ۵۵

۳۔ پروفیسر امین اللہ علوی مرحوم نے یہ مخمس کسی مخطوطہ سے نقل کر کے مجھے بھیجی تھی۔

۴۔ وفائی، دین محمد: تذکرہ مشاہیر سندھ ۱۴۶/۲ (اردو ترجمہ) ۵۔ تکملہ ۶۰۰

۶۔ وزیر آباد، لکھی کے قریب تعلقہ شکارپور میں مہروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، (وفائی: تذکرہ مشاہیر سندھ ۷۷/۲) ۷۔ تکملہ، تعلیقات راشدی ۶۰۱۔۶۱۵ ۸۔ تکملہ ۶۱۵۔۶۱۷

Marfat.com

تالیفات

عاجز کو اب تک شیخ نظام الدین شکارپوری کی منظومات کے علاوہ صرف ان دو تالیفات کا علم ہوسکا ہے، یعنی ''اوج مورد اسرار نقشبند'' (۱۲۲۸ھ) اور ''ردشبہات پلید نابکار'' (۱۲۳۲ھ)، پہلے موخر الذکر کا مختصر تعارف کروایا جارہا ہے:

ردشبہات پلید نابکار (فارسی نثر)

مولف نے یہ کتاب میاں سعد الدین احمد انصاری کابلی [۱] (ف ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء) کے رسالہ معیار الکشوف کے رد میں لکھی ہے، انہوں نے ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۶ء کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بعض مکاشفات کے رد میں یہ رسالہ لکھا تھا، اس کے کئی قلمی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں، صوبائی عجائب گھر، حیدرآباد (سندھ) کے نسخہ کی عکسی نقل (R.222)، اور شیخ ابوالخیر عبداللہ جان، پشاور کے کتب خانہ کا روٹوگراف (R.223) ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں ہے۔

اس رسالہ کا جو رد شیخ نظام الدین شکارپوری نے ردشبہات پلید نابکار کے نام سے لکھا تھا، اس کا خطی نسخہ بخط مولف مولانا محمد ہاشم جان مجددی کے کتب خانہ کراچی و کوئٹہ میں موجود تھا، جس کی عکسی نقل روٹوگراف بھی ہمارے ذخیرہ (R.224) میں محفوظ ہے، جس کے کل ۱۵۲/ اوراق ہیں۔

جس طرح معیار الکشوف تاریخی نام ہے یعنی اس کے عدد جمع کریں تو ۱۲۳۲ھ برآمد ہوتے ہیں، اسی طرح شیخ شکارپوری کا رد (جواب) ''ردشبہات پلید نابکار'' کے اعداد جمع کریں تو ۱۲۳۲ھ ہی برآمد ہوتے ہیں، گویا اس کا رد بھی اسی سال لکھا گیا۔

شیخ شکارپوری نے اس کے دیباچہ میں وضاحت کی ہے:

۱۔ میاں سعد الدین احمد انصاری کابلی (ف ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء) کابل کے صوفیہ میں سے تھے، ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

(۱) مصطفیٰ ہروی: نشاط القدس (سوانح سعد الدین کابلی) مطبوعہ پشاور ۱۳۷۳ ش

(۲) خلیل، محمد ابراہیم جامی: یک مرد بزرگ (احوال سعد الدین کابلی) کابل ۱۳۳۵ ش

Marfat.com

مجھے مذکورہ سنہ کو کابل جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ وہاں کے ایک صوفی سعد الدین انصاری نے حضرت مجدد الف ثانی کے رد میں کوئی کتاب لکھی ہے، جب میں اس سے ملنے کے لئے گیا اور کتاب طلب کی تو صاف انکار کر دیا کہ میں نے ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی، میں نے شاہِ افغانستان سے اس کا ذکر کیا تو اس نے انصاری کو دربار میں طلب کیا تو وہاں انہوں نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ میں نے تو ایسی کوئی کتاب تالیف ہی نہیں کی، پھر میں ۱۲۳۲ھ کو کشمیر گیا تو وہاں معلوم ہوا کہ انصاری کا ایک مرید وہاں رہتا ہے، میں اس سے ملا اور اپنا تعارف کروائے بغیر اس سے ان کی کتاب مانگی تو اس نے مجھے وہ کتاب دکھائی، جسے پڑھ کر میں نے اس کا یہ جواب لکھا۔

اس وقت (۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۶ء) افغانستان کا حاکم محمد شاہ درانی (۱۸۰۹ـ۱۸۲۹ء) تھا، چونکہ سارے درانی، خانوادۂ مجددیہ کے عقیدت مند تھے، اس لئے شیخ شکارپوری بآسانی اس کے دربار تک پہنچ گئے ہوں گے اور انصاری کو بادشاہ نے دربار میں طلب کرلیا ہوگا۔

ہمیں اب تک اس کے صرف اسی خطی نسخہ کا علم ہے، معلوم نہیں کہ اصل قلمی نسخہ مولانا محمد ہاشم جان کی وفات کے بعد کس کے پاس ہے؟ ہمارے ذخیرہ میں تو اس کا روٹوگراف ہی غنیمت ہے۔

Marfat.com

اورج مورد اسرار نقشبند

اس کتاب کے مولف شیخ نظام الدین شکارپوری نے اس میں اپنے شجرۂ نسب کے مطابق اپنے خانوادہ کے حالات وکمالات روحانی کا تذکرہ کیا ہے، اس میں بعض ایسے امور بھی زیر بحث آئے ہیں، جن سے دیگر سوانحی کتب خالی ہیں، ان میں سے چند ضروری نکات بیان کیے جا رہے ہیں:

مولف نے حضرت مجدد الف ثانی تک اپنا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے:

نظام الدین بن شیخ غلام محی الدین بن شیخ غلام محمد صادق بن خواجہ غلام محمد معصوم ثانی بن شیخ محمد اسماعیل سرہندی بن شیخ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی......

مولف نے اپنے دادا شیخ محمد صادق کا سالِ ولادت ۱۱۴۴ھ اور سال وصال ۱۲۰۷ھ تحریر کر کے لکھا ہے کہ ان کا مدفن پشاور ہے، ص ۱۱، اس قسم کی معلومات، وہاں کے مقامی تذکروں میں نہیں ملتیں۔

اپنے پردادا شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے متعلق بتایا کہ ان کا نام عالم مکاشفہ میں خواجہ محمد معصوم سرہندی نے خود غلام محمد معصوم تجویز کیا تھا۔ (ص ۱۵)

اپنے اجداد میں شیخ محمد اسماعیل کا تخلص ''عاشق'' لکھا ہے اور ان کے اپنے والد شیخ صبغۃ اللہ کی مدح میں ایک منقبت بھی نقل کی ہے، جس میں ان کا تخلص عاشق ہی بتایا ہے۔ (ص ۱۹)

مولف نے شیخ صبغۃ اللہ بن خواجہ محمد معصوم سرہندی کے احوال پر ایک کتاب ''معدن الجواہر'' کے اقتباسات دیئے ہیں، یہ کتاب بہت ہی نادر الوجود ہے، ہمیں اس کے کچھ ابتدائی اوراق مولانا محمد ہاشم جان مجددی کے کتب خانہ میں ملے تھے، جو ہم نے ارمغان امام ربانی کی نویں جلد میں عکسی طور پر شائع کر دیئے ہیں، یہ کتاب دراصل حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے نواسے میر صفر احمد معصومی کی تالیف ہے، جو انہوں نے اپنے مرشد وخسر شیخ صبغۃ اللہ مذکور کے احوال پر آپ کے حین حیات تالیف کی تھی، اس کے کسی مکمل قلمی نسخے کے وجود سے ہم اب تک بے خبر ہیں، اس کے مولف کی ایک اور معرکۃ الاراء کتاب ''مقاماتِ معصومی''

Marfat.com

ہے، جو ہمیں مرتب کر کے چار جلدوں میں شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

ہمارے مولف شیخ شکار پوری اس موخر الذکر کتاب سے واقف نہیں تھے، مولف سے کئی مقامات پر سہو بھی ہوئے ہیں، مثلاً انہوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا سالِ ولادت ۱۰۰۹ھ لکھا ہے اور خود ہی یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کی عمر ۷۲ سال ہوئی، اس اعتبار سے سالِ ولادت ۱۰۰۷ھ ہونا چاہیے، (۱۰۷۹-۷۲=۱۰۰۷ھ)۔

دراصل صاحبِ حضرات القدس نے حضرت خواجہ کا یہ سال، ولادت سہواً درج کر دیا ہے، جو مولف نے بغیر حوالہ کے بلا تامل نقل کر دیا ہے، (ص ۲۶۔۲۷) مولف نے آپ کے سالِ وفات کا قطعۂ تاریخ بھی نقل کیا ہے، جو ان کی تصنیف ہے (ص ۲۷، ۱۳۰)

مولف نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے وصال کے قریب ایام میں خواجہ محمد ہاشم کشمی کو اپنے دونوں فرزندان بزرگ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں بھیجا کہ ان سے دریافت کریں کہ میرے بعد میری مسند پر کون بیٹھے گا؟ تو دونوں صاحبزادگان نے انکسار کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے کے لئے کلمات تحسین فرمائے، جس پر خواجہ کشمی واپس حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں گئے اور سارا ماجرا سنایا، حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ ان دونوں کے مابین اتحاد روحانی میں دیکھ رہا ہوں لیکن میرے بعد میری مسند کے لائق خواجہ محمد معصوم ہوں گے۔ (ص ۳۰)

مولف نے حضرات صاحبزادگان کے سفر حرمین الشریفین کی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے رسالہ ''یاقوتیہ'' کے فارسی ترجمہ از شیخ محمد شاکر بن ملا بدرالدین سرہندی کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس سفر کی واردات اس رسالہ میں ملاحظہ کریں (ص ۳۰۔۳۱) مولف نے اس کے فارسی ترجمہ کا نام ''حسنات الحرمین'' نہیں لکھا۔

مولف نے حضرت مجدد الف ثانی کے وصال پر اپنا لکھا ہوا قطعۂ تاریخ بھی نقل کیا ہے (ص ۴۱۔۴۲)

مولف نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرشد مولانا خواجگی امکنگی کا سالِ وفات ۱۰۰۹ھ لکھا ہے (۴۲) لیکن حضرات القدس اور نسمات القدس کشمی میں سالِ وصال ۱۰۰۸ھ درج ہے۔

مولف نے اس کتاب کی فصل دوم طریقۂ نقشبندیہ کی فضیلت کے بیان کے لئے مختص کی ہے (۵۳)،

Marfat.com

اس کتاب کی فصل سوم کا موضوع طریقہ نقشبندیہ کی نسبت کا بیان ہے (۶۹)، فصل چہارم طریقۂ بیعت کے متعلق ہے (۷۱)، فصل پنجم، سالک را کثرت نوافل (۷۷)، فصل ششم در اثبات مجددیت حضرت مجدد الف ثانی (۸۳)، اس فصل میں مولف نے بہت سے دلائل جمع کر کے لکھا ہے:

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از مضی الف مذبور با کمال تبعیت و وراثت او علیہ الصلوٰۃ والسلام بہماں نسبت مذبور بایقان بتجدید دین ایں امت بطراوت و تازگی درمیانِ متاخران جلوہ گرگشت (۸۸)

فصل ہفتم ...... نسبت واردات در طریقہ حضرات قادریہ...... بحضرت مجدد الف ثانی می رسد و شجرہ ایشاں بدیں موجب است ...... یہ شجرہ حضرت شاہ کمال کیتھلی، شاہ سکندر کیتھلی سے حضرت مجدد الف ثانی کو واصل ہوا۔ (۹۴)

آپ کا شجرہ چشتیہ ...... شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ رکن الدین، شیخ عبدالاحد ...... حضرت مجدد الف ثانی (۹۸)

فصل ہشتم در بیان نسب نامہ (۱۰۴)

اس فصل میں مولف نے ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' ۱؎ میں مذکور اسماء ہی نقل کئے ہیں۔ (۱۰۴۔۱۰۵)، البتہ اس کے کاتب وناقل حضرت شیخ محمد حسن جان مجددی نے اس پر ایک حاشیہ لکھا ہے، جو حضرت عبداللہ بن حضرت عمر فاروق پر ہے، یہ قابل توجہ ہے:

ابن شیخ عمر ابن شیخ حفص ابن شیخ عاصم بن شیخ عبداللہ ابن امیر المومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہم اجمعین، ایں است نسب نامہ صحیحہ، محمد حسن (۱۰۵)

شیخ محمد حسن مجددی سرہندی مقیم ٹنڈو سائیں داد، سندھ نے یہ مخطوطہ پیر محمد اشرف سرہندی مکتوبہ ۱۲۵۶ھ در حیدرآباد، سندھ سے ۱۳۴۱ھ کو نقل کیا۔

خواجہ شیخ محمد حسن جان مجددی نے یہ نسخہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں نقل کیا اور اس پر جو حاشیۂ نسب صحیح خود لکھا ہے وہ حقیقت اور جدید تحقیقات کے عین مطابق ہے، حضرت ابوالحسن زید فاروقی مرحوم نے

۱۔ ان دونوں کتب میں مندرج شجرہ میں تفاوت کے لئے ملاحظہ ہو: مقاماتِ خیر ۲۸۔۲۹

Marfat.com

میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب [۱] کی بنیاد پر جو شجرۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی کا مرتب فرمایا ہے وہ وہ بالکل یہی ہے، [۲] حضرت خواجہ محمد حسن جان مجددی (ف ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء) کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: عبداللہ جان معروف بہ شاہ آغا: مونس المخلصین، مطبوعہ کراچی ۱۳۶۸ھ

فصل دہم (اولاد مبارک) حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (۱۱۰)

فصل یازدہم (اولاد) حضرت مجدد الف ثانی (۱۲۵)

مولف نے حضرت خواجہ محمد صادق بن حضرت مجدد الف ثانی کا سالِ وفات ۱۰۲۴ھ لکھا ہے (۱۲۶)، جب کہ مشہور سال وصال ۱۰۲۵ھ ہے، جو معاصر مآخذ کے مطابق درست ہے۔

علامہ محمد فرخ بن خواجہ محمد سعید کا سالِ وفات ۱۱۲۰ھ لکھا ہے (۱۲۹)

اولاد حضرت خواجہ محمد سعید...... فرزند ہفتم شرف التقی حضرت شیخ محمد تقی کہ یک پسر داشتند شیخ نجیب کہ پسر ایشاں حضرت معصوم اللہ اند نام پسر او میاں میرن است از اوشان اولاد نماندہ واز ایشاں دو صبیہ ویک پسر بودند، صبیہ اول حضرت میر سلام اللہ جدہ ایں فقیر کہ والدہ ماجدہ جناب پیر مرشد دارین حضرت قبلہ گاہی ایں فقیر اند (۱۲۹)

شیخ عبدالاحد وحدت...... مزار...... در دار الارشاد حضرت سرہند شریف است کہ سلطان وقت گنبد ساختہ تا حال ایستادہ است (۱۳۱)

حضرت خواجہ محمد معصوم کی وفات کا قطعۂ تاریخ شاہ جہان بادشاہ نے کہا تھا۔ (۱۳۲)

یہ بھی سہو ہے، یہ قطعہ تو اورنگزیب عالمگیر نے لکھا تھا۔

میر غیاث الدین بدخشانی کہ از مستفیدان آنجناب (شاہ غلام محمد معصوم ثانی) (۱۳۴)

یہ بدخشانی، صاحبِ دیوان شاعر تھے، انہوں نے تحفۃ المعصوم کے نام سے بھی ایک تذکرہ لکھا تھا، جس کا ناقص الآخر نسخہ جناب ڈاکٹر ظفر اقبال (کراچی) کے پاس ہے، معلوم نہیں کہ یہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی پر جا کر ختم ہوتی ہے یا حضرت غلام محمد معصوم ثانی کے احوال پر؟ [۳]

۱۔ تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی ۱/ ۵۱۶ (شمارہ ۳۵۰۰) ۲۔ مقاماتِ خیر ۳۰، ۳۳

۳۔ مقاماتِ معصومی (۱/ ۲۸۶۔ ۲۸۷) میں تحفۃ المعصوم کے متعلق اس عاجز نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب غلط ہے، کیوں کہ میں نے یہ مخطوطہ اس وقت خود نہیں دیکھا تھا بلکہ اس کے سابقہ مالک قاری احسان اللہ صاحب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

شاہ غلام محمد (پشاوری) بن خواجہ غلام محمد معصوم ثانی...... در علم ظاہری نیز تبحر، چند ہزار احادیث ایشاں رابا سناد یاد بودہ...... سن یک ہزار و یک صد و ہفتاد ہفت و مزار پر انوار حضرت در پشاور است (۱۳۵)

نوٹ: یہ سالِ وفات صحیح معلوم نہیں ہوتا، دیگر ذرائع سے تصدیق کی جائے۔[۱] ان کے آٹھ فرزند تھے، اول شاہ غلام حسین (مدفون قندھار)...... پسر سوم شیخ محمد ادریس مشتہر بہ قاضی کہ در علم ظاہر و باطن باکمال بودند (۱۳۶)

یہی بزرگ درانی کے لشکر میں قاضی تھے اور درانی کے ہندوستان پر حملوں کو جہاد قرار دیا تھا اور کئی بار اس کے ساتھ ہندوستان بھی آئے تھے۔

فرزند چہارم شاہ معصوم ولی...... شاہ عزت اللہ...... کہ در سنہ ۱۲۰۷ھ رحلت فرمودند و مزار پر انوار آنحضرت در کابل بر تپہ مرنجان است و تیمور شاہ بادشاہ درانی بجہت خرچ خانقاہ آنحضرت باغ زیر تپہ مذکور گذاشتہ وسردار احمد خان نورزئی کہ از مریدان آنجناب است مزار را ترتیب بوجہ احسن نمودہ و مسجدی بنا کردہ (۱۴۲)

فرزند پنجم شاہ غلام معصوم ثانی شاہ محمد صادق (جد مولف) (۱۴۴)

انہوں نے اپنے والد سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی...... ان کے پانچ فرزند تھے، اول شاہ غلام ابراہیم (کم سنی میں فوت ہو گئے) دوم شاہ محمد صدیق (کم سنی میں وفات) سوم شاہ محمد اسحٰق در علم ظاہر و باطن باکمال بودند عمر مبارک پنجاہ و چہار سال است ۱۲۱۸ھ میں انتقال کیا، ان کا مزار پشاور (۱۴۷) میں ہے، بہت سے قطعاتِ تاریخ وفات (۱۴۷)

ان کے چار فرزند تھے، شاہ عبدالرسول، میاں عبدالنبی، میاں یوسف، محمد الیاس، غلام محی الدین (والد مولف) جو حاجی الحرمین الشریفین اور حافظ تھے، ان کے دو فرزند تھے: اول مولف (نظام الدین)، دوم فدائے محی الدین۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) نے جو کچھ مجھے بتایا وہ میں نے بلا تحقیق لکھ دیا، اب جب کہ ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے پاس اس کا وہی نسخہ دیکھا تو اپنی غلطی معلوم ہوگئی، جس سے رجوع کیا جاتا ہے۔

۱۔ شیخ غلام محمد پشاوری کا سال وصال عمدۃ المقامات ص ۴۳۶ میں یہی درج ہے۔

Marfat.com

فرزند پنجم شاہ غلام صادق، شاہ محمد یعقوب (۱۵۳)

شاہ غلام محمد معصوم کے دسویں فرزند شاہ صفی اللہ تھے۔ (۱۵۴)

فرزند دوم......شاہ عبدالرزاق (لاولد) در ملک بنیر مدفون ہیں۔ (۱۵۹)

حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت تصانیف بسیار کردہ چنانچہ حاشیہ بعض اقوال تفسیر بیضاوی، سلسلۃ الجواہر، شرح چہل حدیث وغیرہ۔ (۱۶۳)

اسماءِ خلفاء حضرت مجدد الف ثانی (۱۶۵)

تالیف وتصنیف ایں رسالہ در ماہ رجب در ملک ہند در سال یک ہزار و دو صد و بیست و ہشت کہ اتمام یافتہ (۱۷۰۔۱۷۱)

وتاریخ ایں رسالہ نیز از فقرہ ''اوج مورد اسرار نقشبند'' ظاہر می گردد (۱۷۱) قطعۂ تاریخ۔[1]

ا۔ یہ قطعہ متن کی عکسی اشاعت میں ملاحظہ کریں، جو پروگریسو بکس، لاہور نے ۲۰۲۰ء کو شائع کیا۔

Marfat.com

شیخ نظام الدین شکار پوری کے اجداد

مولف نے کتاب کے آغاز میں اپنا شجرہ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ساتھ واصل کرتے ہوئے اپنے والد گرامی کا نام شیخ شاہ غلام محی الدین لکھا ہے، آپ کے اجداد کے مختصر حالات لکھے جارہے ہیں:

شیخ شاہ غلام محی الدین شکار پوری

مولف نے شاہ غلام محی الدین کے مناقب خود تحریر کیے ہیں لیکن آپ نے اُن کے حالات لکھنے کی بجائے ان کی شان میں ایک طویل منقبت نقل کردی ہے، تاہم ان کے نام کے ساتھ ایسا دعائیہ جملہ لکھا ہے، جو زندہ اصحاب کے لئے استعمال ہوتا ہے، یعنی "افاض اللّٰه علینا من فیوضاته و برکاته" لکھا ہے، گویا موصوف آپ کی کتاب "اوج مورد اسرار نقشبند" کی تالیف ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء تک بقیدِ حیات تھے، راقم عاجز ۱۳ر جولائی ۱۹۷۸ء کو حیدرآباد (سندھ) میں کمبائنڈ ملٹری ہسپتال (C.M.H) کے عقب میں اُن کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا، ۱ لیکن وہاں کوئی کتب خانہ یا مخطوطات موجود نہیں تھے۔

شاہ غلام محی الدین ۱۷۹۰ء کو پشاور سے پہلی بار شکار پور پہنچے تو اس وقت سندھ پر تالپوروں کی حکومت تھی، حاکموں نے ان کی بہت توقیر کی اور انہیں وظائف وجاگیرات دیں، تو وہ شکار پور میں ہی رہ پڑے، یہ جاگیریں سندھ پر برطانوی قبضہ کے بعد بھی اُن کے نام بحال رہیں۔ ۲

شاہ غلام محی الدین کے دو فرزند تھے، شیخ نظام الدین اور شیخ فدائے محی الدین۔ ۳

۱۔ راقم نے اپنے سفرناموں کے مجموعہ "وہ کتابیں اپنے آباء کی" ص ۱۹۰ر میں اس کی تفصیل دی ہے۔
مونس المخلصین ص ۵۳ر میں اُن کے حیدرآباد میں مدفن کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ راشدی، حسام الدین: تکملہ مقالات الشعراء، تعلیقات ۶۰۰

۳۔ احمد ابوالخیر مکی: ہدیۂ احمدیہ ۵۲ محمد حسن جان مجددی: انساب الانجاب ۵۵

Marfat.com

شاہ محمد صادق

آپ حضرت شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے فرزند ششم تھے، ۱ شیخ نظام الدین ان کی زندگی میں بہت کم سن تھے، لیکن ان کی روحانی توجہات کے اثرات وہ اپنی زندگی میں محسوس کرتے رہتے تھے، شاہ محمد صادق کی ولادت ۱۱۴۴ھ/ ۱۷۳۱ء کو ہوئی اور اُن کا وصال پشاور میں ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء کو ہوا، وہیں پشاور میں دفن ہیں، ان کی عمر مسنون ہوئی تھی یعنی ۶۳ رسال۔ ۲

شاہ محمد صادق پشاوری کے تین فرزند محمد اسحٰق، محمد یعقوب اور غلام محی الدین تھے، ایک بیٹی امۃ الرضا تھیں، جن کا نکاح کن سے ہو؟ معلوم نہیں ہے۔ ۳

شاہ محمد صادق ہمہ وقت اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں رہتے تھے، ان کا کوئی سانس بھی ذکر کے بغیر نہیں ہوتا تھا، آپ نے سلوک کے تمام مدارج اپنے والد گرامی کے حضور ہی رہ کر طے کیے۔ ۴

شیخ غلام محمد معصوم ثانی سرہندی

آپ حضرت خواجہ محمد اسماعیل عاشق بن شیخ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند دوم تھے۔

شیخ محمد اسماعیل کے فرزندوں میں سے جو شہرت و مقبولیت شیخ غلام محمد معصوم ثانی (ف ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) کو ہوئی دوسرے صاحبزادگان کو کم نصیب ہوئی۔

آپ کے زمانہ میں آپ کے مرکز سرہند پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا تھا، شاہ افغانستان احمد شاہ درانی (۱۱۶۰۔۱۱۸۶ھ/ ۱۷۴۷۔۱۷۷۲ء) حضرات سرہند کا بہت عقیدت مند تھا، اس نے شاہ غلام محمد معصوم ثانی سے کہا تھا کہ اس وقت سرہند سکھوں کے نشانہ پر ہے، آپ افغانستان آجائیں، لیکن آپ نے یہ منظور نہ فرمایا، اگلے ہی سال درانی کا سرہند پر قبضہ ہو گیا تو اس وقت تک آپ کا وصال ہو چکا تھا، وہ آپ کی اولاد

۱۔ فضل اللہ قندھاری: عمدۃ المقامات ۴۴۳

۲۔ نظام الدین شکارپوری: اوج مورد اسرار نقشبند ۱۱ صوبہ سرحد کے مقامی تذکروں میں ان کا اوران کے مدفن کا ذکر تک نہیں ہے۔ ۳۔ ہدیۂ احمدیہ ۵۱ ۴۔ اوج مورد ۱۴

Marfat.com

میں سے تین صاحبزادگان حضرت غلام محمد پشاوری، حضرت شاہ عزت اللہ اور حضرت شاہ صفی اللہ معصومی کو احتراماً قندھار لے آیا، چنانچہ افغانستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں جس قدر اصحاب ہیں وہ انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

اس سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے کئی صاحبزادگان افغانستان جایا کرتے تھے۔ ۱ شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے نو فرزند تھے، جن میں سے تین مذکورہ صاحبزادگان کو درانی احتراماً اپنے ساتھ لے گیا۔

شیخ محمد اسماعیل عاشق

آپ شیخ صبغۃ اللہ مذکور کے فرزند ثانی تھے، آپ نے پہلے تو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تعلیم حاصل کی، پھر آپ کے وصال (۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے بعد اپنے والد گرامی کے حضور تکمیل کی اور اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے، آپ کا علمی مرتبہ بھی درجۂ مولویت کو پہنچ چکا تھا، آپ بھی اس عہد کے ماحول کے مطابق شاعری سے شغف رکھتے تھے، آپ کے برادر بزرگ شیخ ابوالقاسم متخلص بہ فائق تھے، آپ نے اپنا تخلص عاشق رکھا، آپ صاحبِ دیوان بھی تھے، ۲ دیوان کے کسی نسخے کے وجود کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے، صاحب عمدۃ المقامات نے ان کے بزرگوں کی مدح میں چار مناقب اور دو اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ۳

شیخ محمد اسماعیل کا سالِ وصال ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۰ء ہے، ۴ آپ کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے، آپ کے چار فرزند تھے یعنی شیخ صبغۃ اللہ، شیخ غلام محمد معصوم ثانی، شیخ محمد اسحٰق اور شیخ عبدالرزاق، ۵ موخر الذکر لاہور میں چوک نخاس محلہ شاہ کاکو چشتی کے متصل حویلی میں رہتے تھے۔ ۶

ان میں سب سے زیادہ شہرت شاہ غلام محمد معصوم ثانی کو ہوئی۔

۱۔ عاجز نے ان میں سے بعض امور کی تفصیلات ''مناقب مخدومین'' کے مقدمہ میں بیان کی ہیں۔

۲۔ مقاماتِ معصومی ۳/ ۲۸۶، ۴/ ۱۸۰ ۳۔ عمدۃ المقامات ۳۸۳ و بہ بعد

۴۔ مقاماتِ معصومی ۴/ ۱۸۰ ۵۔ ہدیۂ احمدیہ ۳۷ ۶۔ بیاض مفتیانِ لاہور، قلمی ورق ۶۶

Marfat.com

شیخ صبغۃ اللہ سرہندی

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند اکبر تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے ایک سال پہلے ۱۰۳۳ھ کو آپ کی ولادت ہوئی، آپ جہانگیر کے لشکر کے ساتھ رہنے کی پابندی سے آزاد ہو کر واپس سرہند آئے تو آپ کو پوتے کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی، آپ نے خود اس فرزند جلیل القدر کا نام صبغۃ اللہ رکھا اور بشارات سے نوازا۔

شیخ صبغۃ اللہ دعوت وارشاد کے لئے کابل تک سفر کرتے تھے، آپ کے بہت سے خلفاء ملک اور افغانستان کے طول وعرض میں مصروف کار تھے۔ [1]

آپ کے چار فرزند تھے، شیخ ابوالقاسم فائق، شیخ محمد اسماعیل عاشق، شیخ اہل اللہ اور شیخ میر۔ [2]

یہ چاروں فرزند باکمال اور صاحبِ ارشاد ہوئے ہیں، ان میں شیخ محمد اسماعیل عاشق کو زیادہ شہرت ملی تھی۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (۱۰۰۷-۱۰۷۹ھ/۱۵۹۹-۱۶۶۸ء)

آپ صحیح معنی میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے جانشین تھے، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ حضرت مجدد الف ثانی کی شروع کردہ تحریک احیاءِ دین کو جاری رکھنا تھا، اگر آپ کے والد گرامی کو اکبر کے الحاد سے واسطہ پڑا تھا، تو حضرت خواجہ نے اکبر کے پڑپوتے داراشکوہ کے ملحدانہ نظریات کے خلاف صف آراء ہو کر اپنے دونوں بھائیوں حضرت خواجہ محمد سعید اور شاہ محمد یحییٰ اور خلفاء کے ہمراہ جہاد میں اتر کر دارا کے حوزہ سے وابستہ علماءِ سوء اور صوفیۂ خام کا اُسی طرح فکری مقابلہ کیا، جس طرح آپ کے والد عزیز نے کیا تھا اور پھر اس سے ایک ایسا فکری و دینی انقلاب برپا ہوا کہ شاہ جہان کے بعد اورنگزیب عالمگیر

۱۔ صفر احمد معصومی: معدن الجواہر، مشمولہ (ارمغان امام ربانی، جلد نہم)، اسی مولف نے اپنی دوسری تالیف ''مقاماتِ معصومی'' میں ایک باب شیخ صبغۃ اللہ کے احوال کے لئے مختص کیا ہے، جس پر ہم نے اپنی تعلیقات میں تمام ممکن ذرائع سے ان پر اضافات کئے ہیں۔

۲۔ ہدیۂ احمدیہ ۳۶ (جہاں ان کی اولاد در اولاد کے انساب بھی درج ہیں)

Marfat.com

جیسا بادشاہ تخت نشین ہوا، جو آپ کی حمایت اور تعلیمات کے اثرات سے ''محی الدین'' بنا اور ملک میں رواداری کے ساتھ دین کا احیاء ہوا۔

آپ کے چھ فرزندان گرامی تھے، جو اورنگزیب کی خواہش پر باری باری اُس کے پاس جا کر اُسے دینی وروحانی تعلیم سے آراستہ کرتے رہے، عاجز نے آپ کے نواسے کی کتاب ''مقامات معصومی'' چار جلدوں میں مرتب کی ہے، جس کی پہلی جلد میں مقدمہ ہے اور اس کا موضوع ہی آپ کی تحریک احیاءِ دین اور اس کے اثرات کا جائزہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ/۱۵۶۳۔۱۶۲۴ء)

آپ کی سب سے بڑی کرامت اور کارنامہ احیاءِ دین کی تحریک کی کمان ہے، آپ نے حوزۂ اکبری سے وابستہ علماء سو اور صوفیۂ خام کا اس وقت ڈٹ کر فکری مقابلہ کیا اور اللہ پاک نے آپ کو استقامت عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں اس کا دین ناکام ہوا۔

آپ کی یہ تحریک آپ کے وصال کے بعد بھی جاری رہی اور آپ کے فرزندان ذی وقار حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم اور شاہ یحیٰ اور اُن حضرات سے وابستہ علماء وصوفیہ نے وہی کام کیا، جو حضرت مجدد الف ثانی نے راسخ العقیدہ علماء، صوفیہ اور امراء کو اپنا ہم خیال بنا کر کیا تھا۔ ۱

حضرت مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی (ف ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے اجازت یافتہ تھے، جو مولانا خواجگی املنگی سے امکنہ (مضافات سمرقند) سے خلافت یاب ہو کر آئے تھے اور سلسلۂ نقشبندیہ کا تخم ہندوستان میں بویا تھا، ان کے وصال (۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء) کے بعد وسطی ایشیاء میں اس سلسلہ کو روحانی طور پر زوال آیا تو خانوادۂ دھبیدیہ کے ایک فرد شیخ موسیٰ خان دھبیدی وہاں سے روحانی تربیت کیلئے دہلی آئے اور خواجہ محمد عابد سنامی سے وہی فیوض وبرکات لے کر واپس گئے اور وہاں اس سلسلہ کو پھر سے روحانی عروج نصیب ہوا۔ ۲

۱۔اس سلسلہ میں عاجز کی زیرِ تکمیل کتاب ''مجددی تحریک'' ملاحظہ کریں، اور زاد المعاد، مقاماتِ معصومی، حسنات الحرمین وغیرہ پر مسکین کے مفصل مقدمات کا یہی موضوع ہے۔

۲۔ان امور کی تفصیلات کے لئے ''نسمات القدس'' پر ہمارا مفصل مقدمہ ملاحظہ کیجئے۔

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

شاہ عبدالعزیز محدث (۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ۔ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ/ ۱۲/ اکتوبر ۱۷۴۶ء۔ ۵ جون ۱۸۲۴ء) اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہ محدث کے بڑے فرزند اور جانشین تھے، ۱۷ سال کی عمر میں مسند درس وتدریس کو رونق بخشی اور اپنے دادا شاہ عبدالرحیم کے قائم کردہ مدرسۂ رحیمیہ (دہلی) میں تاحیات مصروف کار رہے، نہ صرف ظاہری علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے بلکہ روحانی علم میں بھی اپنے والد کے صحیح قائم مقام تھے، انہیں تمام مروجہ سلاسلِ سلوک میں اجازت وخلافت حاصل تھی، برعظیم پاکستان وہند کے علاوہ عالمِ اسلام کے علماء واصفیاء آپ سے فیض یاب ہوئے۔

آپ کی بلند پایہ تصانیف اہل علم کی رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ [۱]

شاہ عبدالعزیز کی نرینہ اولاد نہیں تھی صرف تین صاحبزادیاں تھیں، جن کا انتقال آپ کے حین حیات ہوگیا تھا، [۲] آپ کے تینوں بھائیوں شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کا انتقال بھی آپ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث کے وصال (۱۸۲۴ء) کے بعد آپ کے نواسے شاہ محمد اسحٰق نے اس مدرسہ کا انتظام سنبھالا، ان کے ہجرت حرمین ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کے بعد ان کے دو فرزندوں مولوی مخصوص اللہ (ف ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء) اور مولوی محمد موسیٰ (ف ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء) سے مدرسہ رحیمیہ جاری رہا، ان کے بعد یہ بند ہوگیا اور پھر سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اسے نقصان پہنچا۔

اس خانوادہ کے آخری صاحب علم فرد مولوی سید ظہیرالدین احمد ولی اللہی [۳] تھے، جنہوں نے اس

۱۔ شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ اور تصانیف کی مختصر فہرستیں آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ حیات شاہ ولی اللہ ۶۱۵

۳۔ سید ظہیرالدین احمد بن سید معزالدین بن سید ناصرالدین بن سید نجم الدین سونی پتی (داماد شاہ اسحاق دہلوی) مکتوبات شاہ ولی اللہ، تعلیقات مرتب، شاہ ولی اللہ اور اس کے اصحاب مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی ۱۶۲، دہلی اور اس کے اطراف، مولفہ عبدالحی حسنی صفحہ ۱۶۰

Marfat.com

مدرسہ کا احیاء کیا، اس خاندان کی کتابوں کی اشاعت کے لئے دہلی میں مطبع احمدی کے نام سے ایک پریس قائم کیا، جس سے بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔

شاہ عبدالعزیز کا زمانہ اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل اور انیسویں صدی کا ربع اوّل ہے، اس عہد کی تمام سیاسی اور فکری تحریکیں کسی نہ کسی طرح اپنا تعلق شاہ عبدالعزیز سے ثابت کرتی ہیں، دوسرے اُس دور کی تمام اہم علمی شخصیات اور ادارے براہِ راست شاہ صاحب کے زیر اثر تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اٹھارہویں صدی ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک زوال کا زمانہ تھا، جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے بھی ''شکست و ریخت'' سے دوچار تھا۔

شاہ صاحب کی عمر ابھی ۵۷ سال کی تھی کہ دہلی پر ۱۸۰۳ء کو انگریزوں کا قبضہ ہو گیا لیکن وہاں کے تمام طبقات میں شاہ صاحب کی قدر و عظمت مسلمہ تھی اور دہلی میں آپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

آپ کے ملفوظات میں آپ کا یہ قول درج ہے:

''اہل اسلام پر ظلم نہایت درجہ شائع ہو گیا ہے اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم سے ساتھ نہیں۔'' ۱

آپ کے اس حکیمانہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی نظام کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے، صرف مذہب کو اپنی حکومت کے قیام کے لئے ڈھال بنانا درست نہیں ہے۔

سر سید احمد خان کا یہ مشاہدہ ہے کہ اس عہد کے متبحر علماء اپنی تحقیقات کے نتائج کے سلسلہ میں جب تک شاہ عبدالعزیز سے تبادلہ خیال نہیں کر لیتے تھے، لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ ۲

شاہ عبدالعزیز، مفسر، محدث، فقیہ، متکلم اور متصوف سبھی کچھ تھے، آپ نے اپنے زمانہ میں معاشرتی احوال کی اصلاح کے لئے جو قدم اٹھایا، اس کے مثبت اثرات نمایاں ہوئے، شاہ عبدالعزیز کا اپنے عہد کی تمام اہم علمی و فکری شخصیات اور اداروں سے براہِ راست روابط تھے، اس زمانہ کی تمام تحریکیں اپنا تعلق شاہ صاحب سے قائم کئے ہوئے تھیں۔

۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۸۸ ۲۔ آثار الصنادید ۵۶/۲

Marfat.com

یہ امر مسلمہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث اٹھارہویں صدی کو زوال کا زمانہ خیال کرتے تھے، جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ کے حین حیات ہی دہلی پر ۱۸۰۳ء کو انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا، معاشرتی حالات میں تیزی سے تبدیلی ہو رہی تھی، شاہ صاحب یہ کہتے تھے کہ مدرسہ کی صرف دینی تعلیم اس وقت ناکافی ہے، آپ نے نیک مقاصد کے لئے انگریزوں کے ہاں ملازمت کی غرض سے انگریزی سیکھنے کی تلقین فرمائی، خود اپنے داماد مولانا عبدالحی بڈھانوی کو، جو بڑے عالم بھی تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی کی درخواست پر مفتی کے عہدہ پر متعین کروایا تھا۔ ۱؎

شاہ عبدالعزیز یہ باور کر چکے تھے کہ اب مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے شاندار ماضی کے خوابوں میں رہنے کی بجائے اپنی طرز معاشرت میں ایسی تبدیلی لائیں جوان کو باعزت روزگار فراہم کر سکے، آپ کے ملفوظات کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں مذہب کے متعلق بہت سے شکوک نے جنم لے لیا تھا، آپ نے جس طرح ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی وہ آپ کے تبحر علمی سے ہی ممکن ہو سکتا تھا، شاہ صاحب کی مساعی کے یہ چار پہلو قابل توجہ تھے:

۱۔ دینی علوم، قرآن وحدیث کی تبلیغ کر کے ان کا صحیح معیار قائم کرنا۔

۲۔ اس زمانہ کے مختلف غلط مذہبی نظریات کی تصحیح اور شبہات کا رفع کرنا اور مسلمانوں میں مذہبی حیثیت سے ذہنی انتشار پیدا نہ ہونے دینا۔

۳۔ پاکستان وہند کے عرب سے زیادہ قریبی تعلقات قائم کرنا۔

۴۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کی روح پھونکنا۔ ۲؎

شاہ عبدالعزیز اور مسئلہ دارالحرب

ان حالات میں پاکستان وہند کے علماء وصوفیہ نے حکومت اور معاشرہ میں امن کے قیام کے ذمہ دار افراد کو ہوش دلانے کی بار بار سعی کی، شاہ ولی اللہ محدث کے معاصر عالم شاہ عنایت قادری قصوری (ف حدود ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء) نے پنجاب کے بعض علاقوں کو غلبہ ہنود کے باعث دارالحرب قرار دیا اور اس موضوع پر

۱۔ فتاویٰ عزیزی ۱/ ۸۵۔۸۶ ۲۔ خلیق احمد نظامی: تاریخی مقالات ۲۴۵ (وبعد)

Marfat.com

ایک مستقل رسالہ لکھا۔ ۱

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کے خلیفۂ اجل اور شاہ ولی اللہ کے شاگرد قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ف ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام ضعیف ہو چکا ہے، کفر کے ظہور اور مغلوبی اسلام کا دور دورہ ہے، بادشاہ میں جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی سکت نہیں رہی۔ ۲

گویا اس وقت ہندوستان کی مسلم حکومت کے لئے سب سے بڑا مسئلہ ان دشمن طاقتوں سے نپٹنا تھا لیکن شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے بعد حالات تیزی سے بدلنے شروع ہو گئے، انگریزوں کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا کہ ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۴ء کو مغل حکومت نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی بالاشرکت غیرے انہیں دے دی، اور بادشاہ کو انگریزوں کی طرف سے ان کی آمدنی کا کچھ حصہ ملنے لگا لیکن آہستہ آہستہ انگریز سارے ملک پر قابض ہوتے چلے گئے جنگ پلاسی، جنگ بکسر کی فتح اور ٹیپو سلطان کو شہید کرنے کے بعد تو وہ ہندوستان کے حاکم بن گئے تھے۔

ہندوستان کے عوام کو مذکورہ مخالف طاقتوں سے نجات تو مل گئی تھی لیکن اب یہی فاتحین (انگریز) دن رات یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ یہاں کے عوام کی زندگی میں ایسے مسائل پیدا کرنے لگے کہ عوام ان سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر میں رہنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث، جو دہلی میں درس وتدریس میں مصروف تھے، کی حقیقت بین نگاہیں سارے ہندوستان کے حالات کا جائزہ لے رہی تھیں، آپ نے اپنے ایک عربی شعر میں کہا تھا:

وانی أری الافرنج اصحاب ثروۃ

لقد أفسدوا ما بین دهلی و کابل

یعنی فرنگیوں کو جو صاحب ثروت ہیں، دیکھتا ہوں کہ انہوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے۔

۱۔ رسالہ درمسئلہ حربی ودارالحرب، قلمی

۲۔ لوائح خانقاہ مظہریہ ۱۵۷/۲۳۹، اس قسم کے دیگر معاصر بیانات کے لئے مقامات مظہری پر ہمارا مقدمہ ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

اس وقت عجیب عالم ہے کہ بلادِ مسلمین پر غلبۂ سکھ ومرہٹہ وجٹ کے باعث اوران کے اموال مسلمین اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے کی وجہ سے دل وجان نے آسائش وآرام کو فراموش کر دیا ہے، چنانچہ فقیر بھی مع قبائل ومتعلقین مراد آباد آگیا ہے، دوآبے کی تمام زمین مذکورہ بالا قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیروزبر ہوگئی ہے۔[۱]

ان حالات میں شاہ عبدالعزیز محدث نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اوراس صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے فقہ کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا، آپ کی خدمت میں ایک سوال آیا کہ کیا دارالاسلام، دارالحرب ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں درالمختار کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''ہمارے شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے، نصرانی حکام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے، فقہاء جس کو اجرائے احکام کفر کہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ ملک داری کے معاملہ، رعایا کے بندوبست، خراج و باج اور اموالِ تجارت کے عشور کے وصول کرنے، ڈاکوؤں اور چوروں کو سزا دینے، فصل خصومات اور جرائم کی تعزیر میں کفار بطور خود حاکم ومختار ہوں اور بعض اسلامی احکام جیسے جمعہ اور عیدین، اذان اور ذبح بقر سے وہ تعرض نہ کرتے ہوں لیکن اصل الاصول یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے رحم وکرم پر ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مساجد کو بلا تکلف منہدم کر دیتے ہیں، کوئی مسلمان یا ذمی ان کی اجازت کے بغیر اس شہر (دہلی) اوراس کے گردونواح میں داخل نہیں ہوسکتا، اپنی منفعت کے لئے وہ باہر سے آنے والوں، مسافروں اور سوداگروں کو منع نہیں کرتے لیکن دوسرے صاحب وجاہت لوگ مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر ان شہرون میں داخل نہیں ہوسکتے، دہلی سے کلکتہ تک نصاریٰ کی عملداری پھیلی ہوئی ہے، ہاں دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں انہوں نے اپنے احکام جاری نہیں کیے ہیں، کچھ تو اپنی مصلحت کی بناء پر اور کچھ ان ریاستوں کے حکام کے ان کی

۱۔ فریدی، نسیم احمد امروہوی: حضرت شاہ ابوسعید حسنی اور سلسلۂ ولی اللّٰہی کا ایک گمنام درویش، لکھنؤ ۱۹۸۹ء ص ۵۹

Marfat.com

اطاعت قبول کر لینے کی وجہ سے۔ ۱

آپ کے ملفوظات میں ہے:

آخری زمانہ میں نصاریٰ کا تسلط ہو گیا...... اہل اسلام پر ظلم غایت درجہ شائع ہو گیا اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں، ۲ پھر فرمایا کہ کلکتہ سے لاہور تک کا پورا علاقہ دارالحرب ہے۔ ۳

شاہ عبدالعزیز کے دہلی کے انگریز حاکموں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے، رزیڈنٹ کئی بار ملاقات کے لئے بھی آیا تھا، شاہ صاحب کی جاگیر کی ضبطی اور پھر اس کے واگزار ہونے میں انگریز رزیڈنٹ کا اہم کردار تھا، ۴ ایک سوال کے جواب میں کہ انگریزی زبان سیکھنا کیا جائز ہے؟ آپ نے مفید مقاصد کے لئے انگریزی کی تحصیل کو جائز قرار دیا تھا، ۵ اس طرح نیک مقاصد کے لئے انگریزوں کے ہاں نوکری کو بھی درست قدم کہا تھا۔ ۶

انگریزوں نے دہلی میں ایک مدرسہ (کالج) بنانے کا منصوبہ بنایا تو ۱۸۲۳ء کو مسٹر جے ایچ ٹیلر کی نگرانی میں ایک کمیٹی بنائی کہ وہ جائزہ لیں کہ ایسا کالج کہاں بن سکتا ہے؟ انہوں نے جستجو کے بعد مدرسہ غازی الدین خان (دہلی) کا انتخاب کیا کہ ہم اسی مدرسہ کو کالج بنا سکتے ہیں، یہ وفد مذکورہ سنہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں مشورہ کے لئے حاضر ہوا اور کالج کی سربراہی قبول کرنے کی درخواست کی، شاہ

۱۔ فتاویٰ عزیزی، کوئٹہ (ازروی طبع عکسی از مطبع مجتبائی، دہلی) ۱/ ۱۶۔۱۷

۲۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز اُردو ترجمہ از عضدالدین خان ص ۸۸

۳۔ ایضاً ۱۱۲ شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کے موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو:

مشیرالحق: انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیئت شرعی، شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب پر ایک علمی تجزیہ، مقالہ مشمولہ برہان، دہلی اکتوبر ۱۹۶۹ء، ۲۲۱۔۲۴۳، انہی محقق کی دوسری انگریزی کتاب:

Shah Abdul Aziz (His life and time) Lahore, 1995

۴۔ مقالاتِ طریقت، تعلیقات ۵۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص ۱۹۴۔۱۹۵

۶۔ فتاویٰ عزیزی ۱/ ۱۸۶

Marfat.com

صاحب نے انکار کر دیا تو آپ کے شاگرد مولانا رشید الدین خان کو اسی کالج کا پرنسپل بنا دیا گیا لیکن اس دوران شاہ عبدالعزیز بہت علیل ہو گئے اور اگلے ہی سال ۱۸۲۴ء کو آپ کا انتقال ہو گیا، تاہم انگریزوں نے اس کے اگلے سال ۱۸۲۵ء کو یہ کالج شروع کر دیا، مسٹر ٹیلر نے جو رپورٹ پیش کی تھی وہ ہمارے ملک کے نامور محقق ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی نے دریافت کر لی ہے اور اسے حواشی کے ساتھ مرتب کر کے رسالہ بنیاد (شعبہ اردو) لمز یونیورسٹی (LUMS) میں شائع کر دی ہے۔

یہ سب کچھ کیسے جائز ہو گیا؟ ظاہر ہے انگریزوں کے ہندوستان کے بڑے حصہ پر قبضہ سے مسلم دشمن قوتوں کے حملوں سے محفوظ ہونے اور رعایا کو امان ملنے کے بعد کے حالات میں یہ جائز قرار دیا گیا، بلکہ بعد کے علماء نے انگریزوں کے خلاف جہاد کی فرضیت ختم کرنے کے فتوے بھی دیئے تھے، مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۱۵۔۱۲۹۰ھ/۱۸۰۰۔۱۸۷۳ء) نے برطانوی دورِ حکومت میں جہاد کو مسلمانوں کے لئے ساقط قرار دیا تھا، [۱] خانوادۂ شاہ عبدالعزیز کے ایک عقیدت مند شیخ محی الدین قادری کو جہاد کا وعظ کرنے کے شبہ میں انگریزوں نے چالیس دن تک قید میں رکھا تھا، [۲] اسی طرح مشہور مجاہد شاہ اسماعیل دہلوی (ف ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) بھی انگریزوں کے خلاف جہاد سے منع کرتے تھے، [۳] خود ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان بھی انگریزوں سے جہاد کے خلاف تھے، [۴] مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی نے تو اس موضوع پر پورا رسالہ لکھ کر انگریزوں کے خلاف جہاد کو ساقط قرار دیا، [۵] بعد میں ترک موالات کی تحریک میں علماء کے فرقہ ورانہ اختلافات بھی شدت سے عوام کے سامنے آئے۔

۱۔ رسالہ حکمت ومسائل حاضرہ، کلکتہ ۱۸۶۴ء ۲۔ مقالاتِ طریقت، خاتمہ

۳۔ علی حسن خان: مآثر صدیقی ۳/ ۱۵۷ ۴۔ ایضاً، مولوی غلام اللہ قصوری نے بھی اپنی کتاب تائید الاسلام، مطبوعہ لاہور ۱۲۹۹ھ میں جہاد کے ساقط ہونے کے دلائل دیئے تھے۔

۵۔ الاقتصاد فی مسائل الجہاد، لاہور وکٹوریہ پریس

مسئلہ دار الحرب اور جہاد کے موضوع پر علماء میں بہت اختلاف رہا ہے، بعض تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: محمد ایوب قادری: سرسید احمد خان اور وہابی تحریک، مقالہ مشمولہ برگ گل (سرسید نمبر ۷۵۔۷۴ ۱۹۷ء) وفاقی اُردو کالج، کراچی

Marfat.com

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء کو انگریزوں کے ہندوستان پر غلبہ کے باعث ان علاقوں کو دارالحرب قرار دیا تھا، آپ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ "اس صورت میں مملکتِ اسلام کے مالک حربی ہیں، ملک کے تمام معاملات، انتظام اور ملک کی ترتیب ان کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمانوں کے ذرائع آمدنی جیسے ملکیت زمین اور روزانہ کی آمدنی......وغیرہ کے لئے قسم کھائیں......تو کیا ایسی صورت میں کہ دارالحرب کے مال کو ذرائع معاش کے ناپید ہونے کی صورت میں قسم کھا کر لے لینا اور شرعی کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قاضی صاحب نے جواب دیا:

> کافر، جو اس ملک پر مسلط ہو گئے ہیں (اس کی وجہ سے) اس علاقہ کے مسلمان، مستامنان دارالحرب کا حکم رکھتے ہیں اور وہ مسلمان جو مستامنان دارالحرب میں سے ہوں، ان کو حربیوں کا مال کسی بہانہ سے لینا جائز نہیں۔ [۱]

مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (ف ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) نے بھی اپنے ایک فتویٰ میں غلبۂ مرہٹہ سکھ اور فرنگ کے باعث ان علاقوں کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ [۲]

اسی طرح شاہ رفیع الدین محدث بن شاہ ولی اللہ نے بھی ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا، [۳] جن کا انتقال شاہ عبدالعزیز کے حین حیات ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء کو ہی ہو گیا تھا۔

تالیفات شاہ عبدالعزیز محدث

یوں تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی تمام تالیفات کسی نہ کسی طرح اہمیت رکھتی ہیں لیکن خصوصیت سے آپ کی تفسیر یعنی تفسیر فتح العزیز اور تحفہ اثناءِ عشریہ کی خاص اہمیت ہے۔

۱۔ اس قسم کے دو فتوے شاہ عبدالعزیز محدث کے نامور شاگرد مولانا مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی کے کتب خانہ واقع کاندھلہ، مظفر نگر یوپی، ہندوستان میں محفوظ ہیں، جن کے متون جناب نورالحسن راشد کاندھلوی نے (رسالہ) احوال و آثار، شمارہ ۲۲ (۲۰۱۵ء) میں نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۷۔۲۸ ۳۔ ایضاً صفحہ ۲۸۔۳۶

Marfat.com

۱۔تفسیر فتح العزیز (فارسی نثر)

شاہ عبدالعزیز محدث نے یہ تفسیر ۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳ء میں املاء کروائی، آغاز میں فرماتے ہیں کہ شیخ مصدق الدین عبداللہ کی خواہش پر اس کارِ خیر کا آغاز کیا، اس کے مخطوطات ومطبوعات صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ۱۸۴ آیات جو سوا پاروں سے کچھ زائد ہے، اس کے بعد آخر کے دو پاروں کی تفسیر ملتی ہے، جو متعدد مرتبہ طبع ہو چکی ہے، مقالاتِ طریقت کی قریب العہد روایت کے مطابق شاہ صاحب یہ تفسیر مکمل نہیں کر سکے تھے، اس لئے آپ کے شاگرد مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) نے سکندر بیگم والیۂ بھوپال کی خواہش پر اس کو ستائیں جلدوں میں مکمل کیا، ۱ اس تکملہ کے چند اجزاء آصفیہ لائبریری، حیدر آباد، دکن میں پائے جاتے ہیں، تفسیر عزیزی کی آخری جلد کا اُردو ترجمہ مولوی محمد حسن خان شیدا رام پوری نے ۱۲۶۴ھ کو کیا، جو کئی مرتبہ چھپ چکا ہے، اس کا عربی ترجمہ تفسیر العزیزی کے نام سے حافظ عبدالقادر آتوی (ف ۱۲۵۱ھ) نے کیا ہے، جو کتب خانہ جامعہ باقیات صالحات، ویلور میں موجود ہے۔ ۲

۲۔عجالۂ نافعہ (فارسی نثر)

یہ رسالہ دراصل حضرت مولف کا مختصر ثبت (فہرست شیوخ) ہے، جس میں صحاح ستہ، مشکوۃ شریف اور حصن حصین کی اسناد بیان کی گئی ہیں، نیز فنِ حدیث واصول حدیث پر بھی معلومات جمع کی گئی ہیں، پاکستان وہند میں متعدد بار چھپ چکا ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نے اس کی اُردو میں ایک مبسوط شرح فوائد جامعہ کے نام سے لکھی ہے، جو کراچی سے دو مرتبہ چھپ چکی ہے، شاہ صاحب نے یہ رسالہ اپنے شاگرد اور معروف شاعر قمر الدین منت (ف ۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۲ء) کی درخواست پر تالیف کیا تھا۔

۱۔ مقالاتِ طریقت، طبع اول صفحہ ۳۳، عضد الدین خان: تفسیر فتح العزیز، چند حقائق کی روشنی میں، مقالہ مشمولہ معارف، ستمبر ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲۱۹، اس مقالہ کے فاضل مؤلف نے مختلف معاصر شہادتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر مکمل کر لی تھی۔

۲۔ راہی فدائی: خانوادۂ شاہ ولی اللہ اور علمائے جنوب کے علمی روابط (مقالہ مشمولہ معارف فروری ۲۰۱۷ء، ص ۱۰۵)

Marfat.com

۳۔ بستان المحد ثین (فارسی نثر)

کتب حدیث اور محدثین کے مختصر حالات پر مشتمل ہے، اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالسمیع دیوبندی (ف ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۶ء) اور عربی ترجمہ مولانا محمد اکرم ندوی نے کیا، جو طبع ہو چکے ہیں، جو عکسی صورت میں دارالکتب، پشاور سے بھی چھپ گیا ہے۔

۴۔ رسالہ در دفاع حضرت مجدد الف ثانی (فارسی نثر)

آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا، جو آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں شامل ہے، نیز آپ نے شیخ عبدالحق محدث کے رسالۂ اعتراضات بر حضرت مجدد الف ثانی کے ایک خطی نسخہ پر حواشی بھی لکھے تھے، جنہیں شاہ غلام علی دہلوی نے اپنے رسالہ رد اعتراضات کی فصل چہارم میں شامل کر لیا تھا۔ ۱

۵۔ حواشی المقدمۃ السنیہ (عربی)

شاہ ولی اللہ محدث نے حضرت مجدد الف ثانی کے فارسی رسالہ رد روافض کو علماء عرب کی فرمائش پر عربی میں مذکورہ نام سے ایک شرح لکھی تھی، اس کا قلمی نسخہ جب آپ کے فرزند گرامی شاہ عبدالعزیز نے پڑھا تو آپ نے اپنے حضرت والد سے علمی اختلاف کرتے ہوئے رسالہ کے ماتن یعنی حضرت مجدد الف ثانی کا دفاع کیا، کیوں کہ شاہ ولی اللہ نے روافض کے معاملہ میں نرم رویہ اختیار کیا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی سے اختلاف بھی کیا تھا، ان حواشی کے قلمی نسخہ پر شاہ عبدالعزیز نے اختلافی حواشی لکھتے تھے۔ ۲

۶۔ میرزاہد ہروی کی شرح مواقف پر حاشیہ ۳

۱۔ رسالۂ شاہ عبدالعزیز اور رسالۂ شاہ غلام علی دہلوی ہمارے مرتبہ مجموعہ دفاع حضرت مجدد الف ثانی میں شامل ہیں۔

2- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, pp:115-116

المقدمۃ السنیہ کا عربی متن مولانا ابوالحسن زید فاروقی کی تصحیح سے دہلی سے چھپ چکا ہے۔

۳۔ عبدالحی حسنی: اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند) ص ۳۵۲

Marfat.com

۷۔ شرح شمسیہ پر حاشیہ [۱]

۸۔ شرح تہذیب مؤلفہ ملا جلال الدین دوانی پر حاشیہ [۲]

۹۔ حاشیہ صدرا [۳]

۱۰۔ رسالہ فی الانساب [۴]

۱۱۔ رسالہ فی الرویا، مطبوعہ روزنامہ اخبار، دہلی ۱۸۹۹ء، [۵] اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی

۱۲۔ رسالہ سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل

مشمولہ فتاویٰ عزیزیہ (جلد دوم)

اس رسالہ کا اردو ترجمہ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے کیا، جو شائع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار انفاس

(مجموعۂ احادیث در فضائل خلفاء اربعہ واہل بیت، اس رسالہ کا فارسی ترجمہ مرزا حسن علی لکھنوی نے کیا، اردو ترجمہ از مولوی نظام الدین کیرانوی، مطبوعہ دہلی

۱۴۔ وسیلۃ النجات

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فرقۂ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے، یہ رسالہ فتاویٰ عزیزیہ (جلد اول) میں شامل ہے، الگ بھی چھپ چکا ہے، [۶] جس کا اردو ترجمہ ''احسن الحسنات'' کے نام سے دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔

۱۔ عبد الحی حسنی: اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند) ص ۳۸۷

۲۔ ایضاً ۳۸۱ ۳۔ ایضاً ۴۸۶

۴۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ، تعلیقات مرتب ۴۸۶، کتابخانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں اس کے دو نسخوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ ۵۔ ایضاً

۶۔ شمارہ ۱۳ تا ۱۵ کے مذکورہ اُردو تراجم ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ فضائل صحابہ واہل بیت کے نام سے قومی کتب خانہ، لاہور نے ۱۹۶۷ء کو شائع کر دیے تھے۔

Marfat.com

۱۵۔ سر الشہادتین (عربی)

اس رسالہ میں شاہ صاحب نے حضرت حسن وحضرت امام حسین ؓ کی شہادت کے واقعات وحقائق بیان کئے ہیں، آپ کے شاگرد مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی نے اس کی فارسی میں "تحریر الشہادتین" کے نام سے شرح لکھی تھی، جو کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے اور اس کے اردو تراجم مرزا حسن علی اور مولوی خرم علی بلہوری نے کئے۔

۱۶۔ فیصلہ شاہ صاحب

آپ کا یہ رسالہ مسئلہ وحدت الوجود پر ہے، نظامی پریس، بدایوں سے اس کا متن شائع ہوا تھا اور بامر مولانا انوار اللہ خان مع اردو ترجمہ از مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی، حیدر آباد، دکن سے شائع ہوا۔

۱۷۔ افاداتِ عزیزیہ (فارسی نثر)

مولانا رفیع الدین مرادآبادی کے سوالات کے جوابات، اس کے خطی نسخے ندوۃ العلماء، لکھنو، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ اور مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں موجود ہیں۔[1]

۱۸۔ میزان البلاغت (فارسی نثر)

مفتی عزیز الرحمٰن کے حواشی کے ساتھ مطبع مجتبائی، میرٹھ سے شائع ہوا تھا، جس کے متن کی تصحیح مولانا قاضی محمد بشیر الدین میرٹھی نے کی تھی۔

۱۹۔ میزان العقائد (عربی نثر)

مع شرح مؤلف، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی

۲۰۔ میزان الکلام

علم کلام پر آپ کا مستقل رسالہ ہے۔[2]

۱۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ محدث، تعلیقات مرتب ۴۸۸

۲۔ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۲۳۹

Marfat.com

۲۱۔ دیوان عربی:

شاہ عبدالعزیز محدث کا عربی میں ایک دیوان بھی ہے، جو مولوی رحیم بخش دہلوی نے دہلی کے بعض اصحاب کے پاس دیکھا تھا، [۱] لیکن انہوں نے اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔

۲۲۔ سانگیت شاستر

رسالۂ درفنِ موسیقی (فارسی) قلمی مخزونہ رضا لائبریری، رامپور۔ [۲]

۲۳۔ رسالہ فی تفسیر ما احل بہ لغیر اللہ، مطبوعہ

۲۴۔ عملیات مجربہ خاندانہ عزیزیہ

مرتبہ ظہیر الدین سید احمد ولی اللٰہی

اس رسالہ میں آپ کے خاندان حضرت شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ اہل اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے مجربات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ رسالہ متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے، اس مجموعہ میں کمالات عزیزی مؤلفہ نواب مبارک علی خان، ارشاداتِ عزیزی اور مجربات عزیزی مع ضمیمۂ جدیدہ بھی شامل ہیں۔

۲۵۔ رسالہ فیض عام (فارسی نثر)

آپ کے ایک عقیدت مند نعیم الدین ساکن موضع بردوان پرگنہ حویلی ڈھاکہ، جلال پور سے ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۳ء کو مرزا پور متعلق بنارس سے دہلی آئے اور آپ سے چند سوالات کئے، آپ نے ان کے جوابات دیئے، [۳] وہ انہوں نے لکھ لئے اور پھر ایک رسالہ کی صورت میں مطبع مصطفائی، کانپور سے ۱۲۶۶ھ کو شائع کروایا، اس فہرست کا رسالہ نمبر ۱۱، غالباً یہی رسالہ ہے۔

۱۔ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی ۶۲۳

۲۔ عضد الدین خان: شاہ عبدالعزیز محدث کی ایک نایاب تصنیف، مقالہ مشمولہ معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۶۴ء

۳۔ ان جوابات کے چند اقتباسات، مقالات طریقت میں بھی پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

۲۶۔ فتاویٰ عزیزیہ (فارسی نثر)

یہ شاہ عبدالعزیز محدث کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو دو جلدوں میں مرتب ہو کر طبع ہو چکا ہے، اس کا اردو ترجمہ مولانا نواب علی اور مولانا عبدالجلیل نعمانی نے کیا تھا، جو مطبع کنز العلوم، حیدر آباد (دکن) سے ۱۳۱۲ھ کو شائع ہوا، جس کی صرف جلد اول ہمارے پیش نظر ہے، فتاویٰ عزیزی کا جدید اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

۲۷۔ مکتوبات شاہ عبدالعزیز (فارسی نثر و عربی)

شاہ عبدالعزیز محدث کے مکتوبات کا کوئی باقاعدہ مجموعہ مرتب صورت میں نہیں ملتا، چند مکاتیب مآثر الابرار میں شامل ہیں، جس میں شاہ اہل اللہ، مولانا نوراللہ، مولانا محمد عاشق کے مکاتیب بھی ہیں، جن میں سے بعض کے جوابات شاہ عبدالعزیز نے تحریر کیے تھے، اس مجموعہ کے مکاتیب مع اردو ترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے حضرت شاہ ابوالسعید حسنی کے نام سے کتابی صورت میں مکتبہ الفرقان، لکھنؤ سے ۱۹۸۹ء کو شائع کر دیئے تھے، نیز ان کی کتاب تذکرہ شاہ عبدالعزیز میں مولانا رشیدالدین دہلوی کی بیاض سے بھی مکتوبات نقل کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے اپنے مجموعۂ رسائل شاہ عبدالعزیز یعنی فضائل صحابہ و اہل بیت میں بھی شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کے چند اہم مکاتیب بطور ضمیمہ شامل کر دیئے تھے، جن کا اردو ترجمہ از مولوی محمد سلیمان بدایونی بھی شامل کیا گیا ہے، ہمارے ذخیرۂ مخطوطات (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں بھی چند ایسے رسائل ہیں، جو دراصل شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں بطور مکتوب (سوال) ارسال کیے گئے اور جن کے جوابات آپ نے تحریر فرمائے۔ (R.No:404)

مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں آپ کا ایک ادبی مکتوب ''لب لعل'' کے نام سے بھی ہے[۱]
اسی طرح ڈاکٹر معین الدین عقیل نے کوالالمپور (ملائشیا) کے انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کے کتب خانہ میں ذخیرۂ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بارکر کے ایک خطی مجموعہ میں سے شاہ عبدالعزیز محدث کا ایک ادبی مکتوب بنام سائل بریلوی بھی شائع کر دیا ہے،[۲] یہ بھی وہی مکتوب ہے جو لب لعل کی ترکیب پر تحقیق کے سلسلہ میں ہے اور جس کا نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں بھی ہے، ایک مجموعہ ۲۰۱۰ء کو رضا لائبریری، رام پور سے مکتوبات الشیخ ولی اللہ الدہلوی و اولادہ و معاصریہ تحقیق و ترجمہ شاہ عبدالسلام شائع ہوا ہے، جس میں قلمی نسخہ کا عکس بھی شامل ہے۔

۱۔ ادب فارسی، شمارہ: ۸۸ ۲۔ مشمولہ (رسالہ) بازیافت شمارہ ۱۱، صفحہ ۹۔۱۶

Marfat.com

۲۸۔ملفوظات شاہ عبدالعزیز

یہ ملفوظات صرف تین ماہ کے فرمودات پر مشتمل ہیں، یعنی ۱۷ر رجب تا شوال ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء، اس کے جامع کا نام معلوم نہیں ہے، قاضی بشیرالدین میرٹھی نے اس کا فارسی متن کسی غیر مصحح نسخہ کی بنیاد پر مطبع مجتبائی، میرٹھ سے ۱۳۱۴ھ کو شائع کر دیا تھا، اسی متن کا اردو ترجمہ محمد علی لطفی اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے کیا، جو ۱۹۶۰ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی سے شائع ہوا تھا، اس سے پہلے مذکورہ مطبع سے ۱۸۹۷ء کو اس کا ترجمہ از مولوی عظمت الٰہی بھی شائع ہوا تھا۔

پھر ۲۰۱۲ء کو پروفیسر عضدالدین خان مرحوم (استاد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے اس کا ازسرنو اردو ترجمہ کیا لیکن بنیاد وہی مذکورہ ایڈیشن تھا، اس لئے اس میں بھی وہی اغلاط موجود ہیں جو متن میں تھے، ۲۰۱۶ء کو یہی ترجمہ کتاب محل، لاہور نے دوبارہ طبع کر دیا ہے، پروفیسر عضدالدین نے انگریزی مقدمہ کے ساتھ مذکورہ فارسی متن کا عکس ۱۹۸۷ء کو کراچی سے طبع کر دیا تھا، تاہم ضرورت ہے کہ نو دریافت خطی نسخوں کی بنیاد پر اس کا فارسی متن مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

۲۹۔عزۃ الراشدین

شاہ عبدالعزیز محدث نے تحفہ اثناء عشریہ کے رد میں مولانا دلدار علی کے رسالہ نزہۃ اثناء عشریہ کے جواب میں ایک رسالہ عزۃ الراشدین کے نام سے لکھا تھا۔[۱]

۳۰۔مجموعہ خطب خاندان عزیزیہ

یہ کتاب مولانا عاشق حسین سیماب اکبرآبادی کے اردو ترجمہ کے ساتھ فخر المطابع، لکھنؤ سے ۱۹۱۶ء کو طبع ہوئی۔

۳۱۔النفائس الارتضائیہ

شرح رسالۃ العزیزیہ فی علوم المعانی، شارح مولانا ارتضا علی خان گوپاموی، مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد (دکن) ۱۳۲۸ھ (عربی)

۱۔محمد علی، مرزا: نجوم السماء، لکھنؤ، ۳۵۹

Marfat.com

۳۲۔حدیث الثقلین

اس رسالہ کی علامہ محمود شکری آلوسی (ف ۱۳۴۲ھ) نے سعادۃ الدارین کے نام سے عربی میں شرح لکھی تھی، جو پہلے بیروت سے اور پھر دارالکتب، پشاور سے طبع ہو چکی ہے۔

رسائل شاہ عبدالعزیز مشمولہ فتاویٰ عزیزی[1]

۱۔ رسالہ دربیان استحباب رفع سبابہ در تشہد

۲۔ رسالہ نماز زنان

۳۔ رسالہ معاد جسمانی

۴۔ رسالہ اصول مذہب ابی حنیفہ

۵۔ رسالہ غنا

۶۔ رسالہ بیع کنیزان

۷۔ (رسالہ در) بیان مآخذ مذاہب ائمہ اربعہ

۸۔ (رسالہ در) شرح رویای مولانا شاہ عبدالعزیز

۹۔ بیان محو واثبات تقدیرات (بر بنیاد سوال مرزا حسن علی)

۱۰۔ رسالہ فیض عام (سوالات نعیم الدین ساکن بردوان......) رک شمارہ ۲۵

۱۱۔ رسالہ خمر نزد امام ابوحنیفہ......

۱۲۔ (رسالہ در) سوالات عشرہ کہ شاہ بخارا از عمدۃ المفسرین......کردہ بود و جوابات

۱۳۔ (رسالہ در) جواب ہادر شبہ کہ فرقہ امامیہ منکر خلافت حضرت صدیق اکبر اند

۱۴۔ تتمہ دلائل شیعہ و بیان حدیث ثقلین......

۱۵۔ رسالہ وسیلۃ النجات

۱۔ان میں سے بعض الگ بھی شائع ہوئے تھے،جن کا ذکر متعلقہ مقامات پر کیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

۱۶۔ رسالہ دردفع اعتراضات بر بعض عبارات حضرت مجدد الف ثانی

۱۷۔ رسالۂ احکام حج

۱۸۔ (رسالہ) سرالجلیل درفضیلت شیخین (رک شمارہ ۱۲)

۱۹۔ ردرسالۂ مولوی عبدالرحمٰن لکھنوی (در وحدت الوجود)

تحفہ اثناءِ عشریہ (فارسی نثر)

تفسیر عزیزی کے بعد شاہ عبدالعزیز کی سب مشہور اور معرکہ آراء کتاب تحفہ اثناعشریہ ہے، یہ کتاب ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۹ء کو تالیف ہوئی، اس وقت ہندوستان میں اہل تشیع کا سیاسی، فکری اور معاشرتی طور پر اتنا غلبہ ہو چکا تھا کہ اس کے آغاز میں اپنا تاریخی نام غلام حلیم اور اپنے والد گرامی کا عرفی نام قطب الدین احمد لکھا تا کہ ان کی براہ راست ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کا فارسی متن کئی بار طبع ہو چکا ہے، اس کی پہلی طباعت مؤلف کے حین حیات ۱۸۰۰ء کو کلکتہ سے ہوئی تھی، [۱] اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء کو کلکتہ سے ہی طبع ہوا، جس کے خاتمۃ الطبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ میں درج عربی عبارات کا فارسی ترجمہ شاہ عبدالقادر (ف ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء) بن شاہ ولی اللہ محدث سے کروایا گیا تھا، [۲] ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر سے ان کی وفات سے پہلے اہل مطبع نے کروالیا تھا لیکن طباعت کا عمل ان کے وصال کے بعد مذکورہ سنہ میں ہوا، تحفہ کا ایک اور ایڈیشن ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء کا ہے، جس پر بکثرت حواشی بھی طبع ہوئے ہیں لیکن اس طباعت کے آغاز وانجام میں اس کے محشی کا نام درج نہیں ہے۔ [۳]

۱۔ مقالاتِ طریقت (اس طبع اول کی تعداد تین سو تھی)، عضدالدین خان، مقالات طریقت، مقالہ مشمولہ معارف، ستمبر ۱۹۶۵ء (ص ۱۹۵ حاشیہ)

۲۔ تحفہ اثناعشریہ کا یہ دوسرا ایڈیشن ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں تحت شمارہ ۸۵۱۹ محفوظ ہے۔

۳۔ یہ طباعت بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے (شمارہ ۸۵۲۰) بعض دیگر طباعتوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ ۱/ ۴۲۷۔۴۲۸ مرتبہ عارف نوشاہی

Marfat.com

تحفہ اثناءِ عشریہ کا پہلا اُردو ترجمہ سر سید احمد خان نے ۱۸۴۴ء/ ۱۲۶۹ھ کو کیا، جو طبع ہوا تھا، اس میں تحفہ کے صرف دو ابواب (۱۰۔۱۱) کا ترجمہ ہے، ۱؎ دوسرا اُردو ترجمہ، جو مکمل ہے مولوی عبد المجید خان پیلی بھیتی نے کیا جو ہدیۂ مجیدیہ کے نام سے شائع ہوا تھا، ایک اور ترجمہ از مولوی سعد حسن خان یوسفی، کارخانہ تجارت کتب، کراچی سے طبع کروایا۔

تحفہ اثناء عشریہ کا عربی ترجمہ مولوی محمد سعید اسلمی مدراسی (ف ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء) نے کیا، جو مؤلف کے حین حیات ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کو مکمل ہوا، یہ ترجمہ حسین حلمی ایشیق نے استنبول سے عکسی صورت میں دوبارہ شائع کر دیا تھا، مولانا اسلمی کے اس ترجمہ کا ذکر خود شاہ صاحب نے بھی کیا ہے، ۲؎ مولانا اسلمی کئی اہم کتابوں کے مولف تھے، مولانا اسلمی کے مولوی محمد علی رامپوری کے ساتھ ''تقویت الایمان'' کے سلسلہ میں تلخ مباحث بھی ہوئے تھے۔ ۳؎

مولانا اسلمی نے شاہ عبد العزیز کے ایک رسالہ در شیعہ وسنی اختلاف کا بھی عربی میں ''الترجمة العبقرية والصلوة الحيدرية'' کے نام سے کیا تھا اور اسی موضوع پر ایک اور رسالہ ''سفينة النجات'' کی فارسی میں تعلیقات ''زينه فى شرح السفينه'' کے نام سے شرح لکھی تھی، جن کے قلمی نسخے مدراس کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، ۴؎ انہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب فارسی میں ''سفينة النجات فى طوفان المهلكات'' کے نام سے بھی لکھی تھی۔ ۵؎

شیعہ علماء نے تحفہ اثناء عشریہ کے جواب لکھنے میں بہت کوششیں کیں، بعض نے تو ساری عمر اسی کا ردّ لکھنے میں صرف کر دی، یہاں مؤلف کے معاصر اور چند قریب العہد علماء کی کوششوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ حیاتِ جاوید (طبع نامی پریس، کانپور، ۱۹۰۱ء) صفحہ ۵۱

۲۔ ملفوظات شاہ عبد العزیز ۶۶

3- Kokan Umari: Arabic and Persian in Carnatic, pp:477-83

۴۔ ایضاً: ۴۷۹۔۴۸۱ ۵۔ ایضاً: ۴۸۱

Marfat.com

خود شاہ عبدالعزیز کے حین حیات شیعہ علماء نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ کی کتاب ''تحفہ اثناء عشریہ'' تو ملا نصراللہ کابلی کی ''صواعق موبقہ'' کا سرکہ ہے، جس پر آپ کے ایک شاگردِ خاص مرزا حسن علی محدث لکھنوی نے آپ سے بذریعہ خط اس کا جواب چاہا تو آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ نصراللہ کابلی کی مذکورہ تالیف تو بہت ناقص ہے اور یہ اہل تشیع کے تمام اعتراضات کے جواب پر مشتمل نہیں ہے۔[1]

شاہ صاحب کے ملفوظات سے بھی شیعہ علماء کے تحفہ پر اعتراضات کا ذکر ملتا ہے۔[2]

تحفۂ اثناءِ عشریہ کا قدیم ترین جواب مولانا ابواحمد محمد بن عبدالنبی اخباری نیشاپوری اکبرآبادی نے ''السیف المسلول علی مخربی دین الرسول الملقب بہ صارم البتار لقد الفجار وقطّ الاشرار'' کے طویل نام سے فارسی میں لکھا، ان کا انتقال شاہ عبدالعزیز کے حین حیات ہی ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء کو ہو گیا تھا۔[3]

دوسرے بڑے معاصر شیعہ عالم مولانا دلدار علی نصیرآبادی (ف ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) تھے، جنہوں نے تحفہ کے ردّ میں کئی رسائل لکھے، تحفہ کی اشاعت اوّل (۱۸۰۰ء) کے صرف تین سال بعد ہی ان کے دو رسائل کلکتہ سے ۱۸۰۳ء کو شائع ہوئے، یعنی حسام الاسلام و سہام الملام (جواب باب ہشتم تحفہ مبحث معاد و رجعت) دوسرا رسالہ صوام الالٰہیات ہے، جو تحفہ کے باب پنجم (الٰہیات) کے ردّ میں شائع ہوا۔[4]

انہوں نے تحفہ کے دیگر ابواب کے ردّ میں رسالہ ذوالفقار، ردّ غیبت میں لکھے، جو شائع ہوئے تھے،[5] ان کے فرزند محمد بن دلدار علی نے تحفہ کے ردّ میں نزہۃ اثنائے عشریہ بھی لکھی تھی، مؤلف نجوم السماء نے اس کا اقتباس نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کا ردّ خود شاہ عبدالعزیز نے عزۃ الراشدین کے نام سے لکھا تھا، جس کا جواب مولانا دلدار علی نہیں لکھ سکے تو ایک اور شیعہ عالم حکیم باقر علی خان نے اس کا ردّ معین الصادقین کے نام سے لکھا تھا،[6] ان کے شاگرد مفتی سید محمد قلی خان کنتوری نے بھی تحفہ کے رد میں کئی رسائل لکھے تھے،

۱۔ فتاویٰ عزیزی ۱/۱۲۹۔۱۳۱ ۲۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۱۹۶

۳۔ کتاب الحجب والاستار مولفہ اعجاز حسین کنتوری ۳۱۴

۴۔ کتاب شناسی آثار فارسی ۱/۴۴۴، ۴۶۳ ۵۔ ایضاً ۱/۴۵۱۔۴۵۴

۶۔ ایضاً ۱/۴۲۶۔۴۶۵

Marfat.com

جن میں تشید المطاعن، تقلیب المکائد اور نفاق الشیخین طبع ہو چکے ہیں۔ ۱؎

انہی علامہ کنتوری کے فرزند حامد حسین کنتوری نے اپنی ساری عمر تحفہ کا رد لکھنے میں صرف کردی، مولانا عبدالحی حسنی کے الفاظ ہیں:

"فانه صرف عمره فی الرد علی التحفة" ۲؎

نیز انہوں نے تحفہ کے رد میں اہل تشیع کے کئی رسائل کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۳؎

تحفہ اثناء عشریہ کے رد کے سلسلہ میں تفصیلات جمع کرنے کا سہرا مفتی سید محمد قلی خان مذکور کے فرزند علامہ اعجاز حسین کنتوری (۱۲۴۰۔۱۲۸۶ھ / ۱۸۲۵۔۱۸۶۹ء) کے سر ہے، جنہوں نے شیعہ علماء کی تصانیف کی ایک فہرست "کشف الحجب والاستار" کے نام سے مرتب کی اور اس میں خصوصیت سے تحفہ اثناء عشریہ کے رد میں لکھی جانے والی کتابوں کا ذکر کیا ہے، ان کے مؤلفین کے اسماء طویل القاب کے ساتھ درج کرتے ہوئے کئی مقامات پر "تحفة المسروقة للعزیز الدهلوی" لکھ کر حقارت کا اظہار بھی کیا ہے۔ ۴؎

انہوں نے اس سلسلہ میں تحفہ کے خلاف تالیف ہونے والے رسائل کا بھی تفصیلی تعارف کروایا ہے، ۵؎ اس کے بعد مرزا محمد مہدی لکھنوی نے تکملہ نجوم السماء اور ان کے والد مرزا محمد علی نے نجوم السماء میں اس قسم کا تمام مواد جمع کر دیا تھا۔

اس سلسلہ کی آخری کوشش راسخ العقیدہ مسلمان علماء وصوفیہ کے سب سے بڑے دشمن ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی (ف ۲ ستمبر ۱۹۹۴ء) کی ہے، جنہوں نے شاہ عبدالعزیز پر انگریزی میں ایک ضخیم کتاب تالیف کی اور اس میں تحفہ اثناء عشریہ کے ردّ میں شیعہ علماء کی سرگرمیاں پوری تفصیل سے بیان کیں، اس کام

۱۔ کتاب شناسی آثار فارسی ۱/۴۳۳ ۲۔ الثقافة الاسلامیہ فی الہند ۲۲۰

۳۔ ایضاً ۲۱۹۔۲۰۰ ۴۔ کشف الحجب والاستار ۲۲۱

۵۔ ایضاً ملاحظہ ہو: صفحات ۲۵، ۱۶۲، ۱۹۵، ۲۲۱، ۳۱۴، ۵۷۲، ۵۷۳، ۶۰۵، نیز ملاحظہ ہو: نجوم السماء مؤلفہ مرزا محمد علی، مطبوعہ لکھنؤ اور تکملہ نجوم السماء، مؤلفہ مرزا محمد مہدی لکھنوی، مطبوعہ قم

Marfat.com

کے لئے انہوں نے اپنی کتاب کے ایک سو چودہ صفحات وقف کئے، [1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی یہ کتاب اسی مقصد یعنی تحفہ اثناء عشریہ کے رد کے سلسلہ میں شیعہ علماء کے کارنامے بیان کرنا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث سے ظاہری و باطنی علوم میں فیض یاب ہونے والے افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہمارے علم میں کوئی معاصر دستاویز اب تک سامنے نہیں آئی ہے، جس میں ان تمام حضرات کی فہرست ہو، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی کئی قسمیں تھیں، آپ فجر کی نماز کے بعد درس دیتے تھے تو شرکاء کی کثرت ہوتی تھی، چہل قدمی کے دوران بھی کئی اصحاب آپ سے سبق لیتے تھے، اور جب تفسیر بیان کرتے تھے تب بھی حاضرین میں ایسے افراد ہوتے تھے، جو تعلیم کی درخواست کرتے تھے، ان سب کے علاوہ وہ اصحاب بھی ہیں جو عربستان اور دیگر مسلم ممالک سے آئے اور اجازت لے کر چلے گئے، جن کے نام عربی کتب اور وہاں کے معاجم الشیوخ ہی میں ملتے ہیں، تاہم یہاں ان حضرات کے اسماء کی ایک مختصر سی فہرست دی جارہی ہے، جنھوں نے آپ سے استفادہ کیا، یقیناً یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور اُمید ہے کہ اہل علم حضرات اس میں اضافہ کرتے رہیں گے۔

۱۔ آزردہ، مفتی صدرالدین دہلوی [2] (ف ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء)

۱۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب:

Shah Abdul Aziz (Puritanism, Sectarian Polemics and Jihad, Australia, 1982

کا چھٹا باب بعنوان

The Shi'i Refutations of Tuhfa....... and Sunni Counter Attacks, pp:356-470

ان سے پہلے بزرگ تہرانی نے الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ کی ۲۵ جلدوں میں اسی قسم کا مواد جمع کیا تھا۔

۲۔ آثار الصنادید، تذکرہ علمائے ہند ۲۴۷۔۲۴۹، تذکرہ آزردہ، مقدمہ

Marfat.com

۲۔ سید آل رسول مارہروی ۱؎ (ف۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء)

۳۔ سید آل حسن قنوجی ۲؎ (ف۱۲۱۰۔۱۲۵۳ھ/۱۷۹۵۔۱۸۳۷ء) والد نواب صدیق حسن خان

۴۔ شاہ ابوسعید مجددی ۳؎ (ف۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء)

۵۔ شاہ احمد سعید مجددی ۴؎ (ف۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء)

۶۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی ۵؎ (ف۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء)

۷۔ شیخ امام الدین محمد بن معین الدین احمد صدیقی، ابوالفرید دہلوی ثم لکھنوی ۶؎

۸۔ شیخ امام الدین بن قطب الدین کاندھلوی (شاگرد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی مذکور) کے علاوہ شاہ عبدالعزیز محدث سے بھی تحصیل کی۔ ۷؎

۹۔ مولانا امین اللہ عظیم آبادی ۸؎ (ف۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء)

۱۰۔ مولانا بزرگ علی بن حسن علی حنفی مارہروی ۹؎ (ف۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء)

۱۱۔ حافظ اکرام الدین واعظ دہلوی ثم الٰہ آبادی ۱۰؎

۱۲۔ شیخ بشارت اللہ بہرائچی ۱۱؎ (ف۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء) خلیفۂ شاہ غلام علی دہلوی (ف۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

۱۳۔ شیخ پناہ عطا بن کریم سلونی چشتی ۱۲؎ (ف۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء)

۱۴۔ مولانا جعفر علی کسمنڈوی ۱۳؎ (ف۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء)

۱۔ نزہۃ الخواطر ۷/۴، تذکرہ نوری (سوانح مولانا ابوالحسین نوری مارہروی) مرتبہ محمد ایوب قادری

۲۔ نزہۃ الخواطر ۷/۱۳۱۲، مآثر صدیقی ۱/۵۵ ۳۔ مقامات خیر ۷۱

۴۔ مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ ۷۱ ۵۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (سوانح) مؤلفہ نورالحسن راشد

۶۔ نزہۃ الخواطر ۷/۷۵۔۷۶ ۷۔ ایضاً ۸۔ ایضاً ۷/۸۵

۹۔ ایضاً ۷/۹۸ ۱۰۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۱۸۱۔۱۹۰

۱۱۔ ظفر احسن بہرائچی: آثار حضرت مرزا ۱۵۱۔۱۸۵

۱۲۔ نزہۃ الخواطر ۷/۱۰۳ ۱۳۔ ایضاً ۷/۱۱۸

Marfat.com

۱۵۔ مولانا حسن علی صغیر ہاشمی شافعی لکھنوی ۱ (ف ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء)

۱۶۔ مولانا حسین احمد ملیح آبادی ۲ (ف ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء)

۱۷۔ مولانا حنیف بن ابی الحسنیف حنفی دھتموری ۳ (۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء)

۱۸۔ مولانا حیدر علی رام پوری ثم ٹونکی ۴ (ف ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء)

۱۹۔ مولانا حیدر علی فیض آبادی ۵ (ف ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)

۲۰۔ مولانا خالد کردی رومی ۶ (ف ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی

۲۱۔ شاہ رحمٰن بخش امروہوی ۷ (ف ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) بن شاہ عبدالباری بن شاہ عبدالہادی چشتی

۲۲۔ شیخ رشید الدین دہلوی ۸ (ف ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء)

۲۳۔ مولانا خرم علی بلہوری ۹ (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء)

۲۴۔ رفعت، غلام جیلانی رام پوری ۱۰ (ف ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء)

۱۔ حسرت، محمد سعید: قسطاس البلاغۃ ۱۷۰، علم وعمل ۲۵۳/۱، نزہۃ الخواطر ۱۳۶/۷، اشتیاق احمد اعظمی: اودھ میں افتاء کے مراکز ۲۷۸، ۲۷۹

۲۔ نزہۃ الخواطر ۱۴۳/۷، تذکرہ علمائے ہند ۱۶۶ ۳۔ ایضاً ۱۴۹/۷

۴۔ تذکرہ کاملان رام پور، تذکرہ علمائے ہند، تذکرہ علمائے ٹونک ۹۰۔۱۰۱

۵۔ نزہۃ الخواطر ۱۵۴/۷۔۱۵۵، تذکرہ علمائے ہند ۱۷۵

۶۔ مقامات مظہری ۵۶۵، محمد بن عبداللہ: البہجۃ السنیۃ ۸۲

۷۔ امداد المشتاق، مقدمہ نوشتہ نثار احمد فاروقی ۵۱۔۵۳

۸۔ مقالات طریقت، تعلیقات

۹۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۱۴۹۔۱۷۱، ابتداء میں تلامذہ کی یہ فہرست حروفِ تہجی کے اعتبار سے بنانی شروع کی تھی لیکن یہ ترتیب قائم نہ رہ سکی۔

۱۰۔ نزہۃ الخواطر ۳۴۸/۷، تذکرہ کاملان رام پور ۲۸۴۔۲۸۷

Marfat.com

۲۵۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ۱؎ (ف ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء) برادر خرد شاہ عبدالعزیز محدث

۲۶۔ مولوی سید رمضان علی امروہوی ۲؎ (ف ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء)

۲۷۔ ساحر، غلام مینا علوی کاکوروی ۳؎ (ف ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء)

۲۸۔ مولانا ثناء الدین بدایونی ۴؎

۲۹۔ مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی ۵؎ (ف ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء)

۳۰۔ شیخ ظہور الحق پھلواروی ۶؎ (ف ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء)

۳۱۔ شیخ ضیاء الدین برہانپوری ۷؎ (ف ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء)

۳۲۔ شیخ عبداللہ برہانوی ۸؎ (ف ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء)

۳۳۔ شیخ عبدالرحیم گورکھپوری ۹؎

۳۴۔ اخوند عبدالعزیز دہلوی ۱۰؎ (ف ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء)

۳۵۔ مولانا عبدالعزیز بن آل نبی نصیر آبادی ۱۱؎ (ف ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء)

۳۶۔ شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ محدث ۱۲؎ (ف ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۱۲ء)

۱۔ مقالات طریقت، مقدمہ

۲۔ محمود احمد عباسی: تاریخ امروہہ (جلد دوم، تذکرۃ الکرام ۲۷۷)

۳۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۰۴

۴۔ محمد حیدر علی کاکوروی: تذکرہ مشاہیر کاکوروی ۳۰۸۔ ۳۱۵

۵۔ رک تعلیقات مقالات طریقت

۶۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۲۶ ۷۔ ایضاً ۷/ ۲۲۳

۸۔ ۹۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۵۹

۱۰۔ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار (سوانح اخوند عبدالعزیز دہلوی) دہلی و میرٹھ ۱۳۰۵ھ

۱۱۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۶۷ ۱۲۔ حیات ولی صفحہ ۶۴۱

Marfat.com

۳۷۔ شاہ عبدالقادر دہلوی ۱ (ف ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) بن شاہ ولی اللہ محدث

۳۸۔ مفتی علی کبیر مچھلی شہری ۲ (ف ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء)

۳۹۔ حکیم غلام حیدر بن نامدار دہلوی ۳

۴۰۔ شیخ غلام علی چریاکوٹی ۴ (ف ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء)

۴۱۔ شاہ غلام علی دہلوی ۵ (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

۴۲۔ مولانا غلام محی الدین بگوی ۶ (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء)

۴۳۔ خواجہ غلام محی الدین قصوری ۷ (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)

۴۴۔ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ۸ (ف ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء)

۴۵۔ مولانا شاہ قطب الہدیٰ رائے بریلوی ۹ (ف ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء)

☆ قمرالدین منت دہلوی = منت، قمرالدین دہلوی

۴۶۔ مولانا کرم اللہ محدث ۱۰ (ف ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء) خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی

۱۔ حیات ولی صفحہ ۶۴۱، مقالات، طریقت، تعلیقات

۲۔ تذکرہ علمائے ہند ۳۴۷، تاریخ شیراز ہند جونپور مولفہ سید اقبال احمد ۶۸۔۶۹ ۷

۳۔ آثار الصنادید ۲/۵۲

۴۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۳۶۴، نزہۃ الخواطر ۷/۳۵۸۔۳۵۹

۵۔ مقاماتِ مظہری وملفوظات چہل روزہ، مقدمات

۶۔ تذکرہ علمائے ہند ۳۶۹۔۳۷۰، حدائق الحنفیہ ۴۷۶۔۴۷۷

۷۔ ملفوظات چہل روزہ شاہ غلام علی دہلوی، مقدمہ

۸۔ انوار العیون، مولفہ حسام الدین احمد فضلی صفحہ ۹۱، تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی صفحہ ۳۱

۹۔ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۳، نزہۃ الخواطر ۷/۳۸۹

۱۰۔ مقاماتِ مظہری، ضمیمہ ۵۶۴، ۵۹۲، ۵۹۳

Marfat.com

۴۷۔ مولانا مفتی کریم اللہ دہلوی ۱ (ف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء)

۴۸۔ مولانا محبوب علی جعفری دہلوی ۲ (ف ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء)

۴۹۔ مرزا محمد بن عنایت احمد شیعی دہلوی ۳ (ف ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)

۵۰۔ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ۴ (ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء) نواسۂ شاہ عبدالعزیز محدث

۵۱۔ مولانا شاہ محمد اسماعیل دہلوی ۵ (ف ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ محدث

۵۲۔ مولانا شاہ محمد یعقوب ۶ (ف ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) نواسے شاہ عبدالعزیز محدث

۵۳۔ مولانا شاہ مخصوص اللہ ۷ (ف ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء) بن شاہ رفیع الدین

۵۴۔ شیخ محمد رمضان مہمی ۸ (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء)

۵۵۔ مولانا محمد شکور مچھلی شہری ۹ (ف ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)

۵۶۔ مولانا شاہ مخصوص اللہ ۱۰ (ف ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء) بن شاہ رفیع الدین

۵۷۔ منت، قمر الدین سونی پتی (ف ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳ء)

شاہ عبدالعزیز نے رسالہ عجالۂ نافعہ انہی کے لئے تالیف کیا تھا، ۱۱ آخری عمر میں تشیع کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ ۱۲

۱۔ تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند ۱/ ۲۰۹۔۲۳۶

۲۔ آثار الصنادید ۲/ ۹۳۔۹۴، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۹۷۔۱۰۲

۳۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۱۹۔۴۲۰ ۴۔ حیات شاہ محمد اسحق دہلوی، مولفہ حکیم محمود احمد برکاتی

۵۔ تذکرہ علمائے ہند ۴۱۲ ۶۔ آثار الصنادید ۲/ ۹۲ ۷۔ ایضاً ۲/ ۸۴

۸۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۳۰۷۔۳۰۸، مآثر الاجداد ۹۴۔۱۱۱، ہادی ہریانہ

۹۔ تذکرہ علمائے ہند ۴۳۶، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۴

۱۰۔ آثار الصنادید ۲/ ۸۴، تذکرہ علمائے ہند ۴۹۰

۱۱۔ عجالۂ نافعہ، آغازِ رسالہ، دیوان منت مرتبہ ڈاکٹر شعیب احمد، مقدمہ، مطبوعہ لاہور ۱۲۔ علم وعمل

Marfat.com

۵۸۔ شیخ مظہر علی کڑوی (ف ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) شاہ عبدالعزیز محدث سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے [۱]

۵۹۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی [۲] (ف ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء)

۶۰۔ حکیم مولوی نصر اللہ خان وصال دہلوی [۳]

۶۱۔ مولوی وحید الدین بن مولوی معین الدین پھلتی

۶۲۔ حکیم غلام حیدر بن نامدار کشمیری دہلوی

۶۳۔ شیخ نعیم الدین ساکن پرولی پرگنہ ڈھاکہ، جلال پور، بیعت بہ حضرت شاہ عبدالعزیز بسال ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۳ء، شاہ صاحب نے ان کے سوالات کے جو جوابات دیئے تھے اُنہوں نے بصورت رسالہ بنام فیض عام یک جا کر دیئے تھے۔ [۴]

نوٹ: ابتداء میں تلامذہ کی یہ فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے بنانی شروع کی تھی لیکن بعد میں یہ ترتیب قائم نہ رہ سکی۔

۶۴۔ اولاد حسن قنوجی (ف ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء) والد نواب صدیق حسن خان

۶۵۔ مولوی نواب مبارک علی خان [۵] (ف ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۶۷ء) مولف کمالات عزیزی وغیرہ

۶۶۔ مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی [۶] (ف ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء)

۶۷۔ مولوی جلال الدین باقر صدیقی [۷] (ف ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء)

۱۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۸۴

۲۔ استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتوی ۹۸، ۱۰۶۔۱۰۹

۳۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۲۷۳

۴۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ، تعلیقات مرتب ۴۸۷ حاشیہ

۵۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۳۰۷۔۳۰۸

۶۔ گل حسن: تذکرہ غوثیہ

۷۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۴۰۶۔۴۱۱

Marfat.com

۶۸۔ شاہ رؤف احمد رافت مجددی [1] (ف ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی

۶۹۔ مولوی حکیم علی حسین بدایونی صدیقی حمیدی [2]

۷۰۔ مولوی احسان اللہ صدیقی حمیدی بدیونی [3] (ف ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۷ء) برادر حقیقی حکیم علی حسین مذکور

۷۱۔ مفتی سعد اللہ مرادآبادی [4] (ف ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء)

۷۲۔ مفتی محمد مراد ساکن کلکتہ [5]

۷۳۔ مولانا سید جلال الدین برہان پوری [6] (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء)

۷۴۔ مولانا رفیع الدین مرادآبادی [7] (ف ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء) مولف افادات العزیزیہ

۷۵۔ مولانا سید نصیر الدین برہانپوری [8] (ف ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء)

۷۶۔ مولانا امین اللہ (ف ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) بن مولانا سلیم اللہ نگرنہسوی [9] (صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ)

۷۷۔ مولوی امام الدین بنگالی ساکن ٹونک [10]

۷۸۔ مولوی بہادر علی دہلوی (ف ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) نواب عبدالمجید خان عرف نوشہ میاں انہی کے شاگرد تھے۔[11]

۷۹۔ حکیم محمد فیاض خان رام پوری [12] (ف ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء)

۱۔ حدائق الحنفیہ ۴۹۰، ملفوظات چہل روزہ شاہ غلام علی دہلوی، مقدمہ ۴۷

۲۔ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۴۶۱۔۴۶۴ ۳۔ ایضاً

۴۔ تذکرہ کاملانِ رام پور ۱۵۱۔۱۵۴

۵۔ اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات ۲۹۲

۶۔ تذکرہ علمائے ہند ۱۵۰

۷۔ نزہۃ الخواطر ۷/۱۸۲، تذکرہ علمائے ہند ۱۹۷۔۱۹۸

۸۔ تذکرہ علمائے ہند ۱۲۱ ۹۔ ایضاً ۲۶۲

۱۰۔ تذکرہ علمائے ٹونک مولفہ حکیم محمد عمران خان ۱/۴۸ ۱۱۔ ایضاً ۱/۶۶

۱۲۔ تذکرہ کاملان رام پور ۳۶۷۔۳۶۸، تذکرہ علمائے ٹونک ۱/۳۱۵۔۳۱۶

Marfat.com

۸۰۔ مدار المہام منشی جمال الدین بھوپالی (ف ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) بن منشی وحید الدین ۱

۸۱۔ مولوی رمضان علی امروہوی (ف ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) بن سید نور الدین از اولاد شاہ گدا قادری ۲

۸۲۔ مولوی سید عبدالعزیز امروہوی (بن حافظ خلیل اللہ نبیرۂ شاہ ضعیف اللہ نقشبندی) ۳

۸۳۔ مولانا غفار شاہ مرید شاہ عبدالعزیز، یہی مولانا غفار شاہ بخشی الملک محتشم الدولہ محمد عبداللہ (ف ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء) کے بھی شیخ طریقت تھے۔ ۴

۸۴۔ کندن لال اشکی (ہندو) شاگرد در فن موسیقی، کاتب رسالہ سانکیت شاستر ۵ (تالیف شاہ عبدالعزیز)

۸۵۔ مولوی عسکری ۶ ۸۶۔ غلام انبیاء خان ۷

۸۷۔ منشی نعیم الدین خان ۸ ۸۸۔ شیخ لطف علی ۹

۸۹۔ شیخ مبارک اللہ ۱۰ ۹۰۔ سید احمد رائے بریلوی ۱۱

۹۱۔ مولوی مراد علی (ساکن کلکتہ) ۱۲ ۹۲۔ شیخ محمد عارف (مرید) ۱۳

۹۳۔ شیخ مصدق الدین عبداللہ (محرک تالیف تفسیر عزیزی و مرید شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی)

۹۴۔ شیخ فضل حق عرف غلام مینا متخلص بہ ساحر کاکوروی ۱۴

۹۵۔ علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۵ (ف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

۱۔ مآثر صدیقی مولفہ علی محمد خان صفی الدولہ ۲/۴۵۔۴۶ و بہ بعد، نزہۃ الخواطر ۷/۱۲۲۔۱۲۳

۲۔ تذکرۃ الکرام (تاریخ امروہہ جلد دوم) ۲/۲۷۷

۳۔ ایضاً ۳۲۹ ۴۔ حدیقۃ المرا ۲۸

۵۔ محمد عضد الدین خان: شاہ عبدالعزیز محدث کی ایک نایاب تصنیف (سانکیت شاستر) قلمی مخزونہ رضا لائبریری، رام پور کا ترقیمہ، مشمولہ معارف، دسمبر ۱۹۲۴ء

۶ تا ۱۰۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز (اردو ترجمہ عضد الدین خان) ص ۳۵

۱۱۔ ایضاً ص ۴۱۔۴۲، ۱۹۶ ۱۲۔ ایضا ص ۸۸ ۱۳۔ ایضاً ص ۱۸۹

۱۴۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری ۳۰۸۔۳۱۵ ۱۵۔ مقدمہ فتاویٰ عزیزی نوشتہ مرزا محمد بیگ دہلوی ص ۴

Marfat.com

۹۶۔ مولانا سید محمد اسحٰق (ف ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء) بن سید محمد عرفان (برادر حقیقی سید احمد رائے بریلوی) [۱]

۹۷۔ مولانا عبدالخالق دہلوی [۲] (ف ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء)

۹۸۔ شاہ رحمٰن بخش چشتی امروہوی (۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء) بن شیخ عبدالباری چشتی امروہوی [۳]

۹۹۔ مولانا سید احمد بجنوری۔

شاہ عبدالعزیز کی وفات ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کے موقع پر آپ کی خدمت میں موجود تھے، انہوں نے آپ کے وصال کے احوال اپنے مکتوب میں لکھے ہیں۔ [۴]

مندرجہ ذیل اصحاب کے نام مقالاتِ طریقت سے ماخوذ ہیں، ان میں سے بعض نے شاہ عبدالعزیز محدث سے مروجہ کتب پڑھیں اور بعض کو صرف بیعت یا خلافت ملی اور چند اصحاب کو محض آپ کی صحبت میسر آئی:

۱۰۰۔ مولوی یار محمد　۱۰۱۔ مولوی ببر

۱۰۲۔ مولوی عبدالقادر صوفی حیدر آبادی (سند خلافت)

۱۰۳۔ مولانا سخاوت علی جونپوری۔　۱۰۴۔ شیخ غلام جیلانی باغ پتی

۱۰۵۔ میر جان (صحبت یافتہ)　۱۰۶۔ سید قاسم علی حسینی مال پوری (خلیفہ)

۱۰۷۔ سید حسن علی عرف شاہ جی (سالہا صحبت میں رہے)

۱۰۸۔ محمد حفیظ دہلوی (صحبت یافتہ)

۱۰۹۔ محمد حسن عرف حافظ بانکے چشتی صابری قدوسی (صحبت یافتہ)

۱۱۰۔ حاجی معین الدین پھلتی (خلیفہ)

۱۱۱۔ مولانا عبدالقیوم بڈھانوی (صحبت یافتہ)

۱۔ ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ۱/ ۷۶۔۷۷

۲۔ مقدمہ فتاویٰ عزیزی ص ۴

۳۔ تذکرۃ الکرام ۱۷۶۔۱۸۴، امداالمشتاق، مقدمہ نثار احمد فاروقی ۵۱۔۵۳

۴۔ ذوالفقار احمد بھوپالی: الروض الممطور ۲۰۰۔۲۰۱

Marfat.com

۱۱۲۔ مولوی سراج خورجوی (تکمیل سلوک شاہ صاحب کی خدمت میں کی)

۱۱۳۔ میر جان (صحبت یافتہ) ۱۱۴۔ مولانا بہادر علی محدث دہلوی (شاگرد) [۱]

۱۱۵۔ مولوی کرامت علی موسوی دہلوی

۱۱۶۔ مولوی دھومن ۱۱۷۔ ملا خلیل

۱۱۸۔ حکیم آغا جان (مرید وشاگرد) ۱۱۹۔ سید اللہ دیا برہانپوری

۱۲۰۔ حافظ قطب الدین پھلتی ۱۲۱۔ شیخ اسد اللہ (خلیفہ)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے بغیر کسی حوالہ کے مندرجہ ذیل تلامذہ کے نام لکھے ہیں: [۲]

۱۲۲۔ مولانا ثناء الدین احمد بدایونی ۱۲۳۔ مولانا سید جلال الدین برہانپوری

۱۲۴۔ مولانا نجابت حسین، ساکن محلہ قاضی ٹولہ بانس بریلی (خاندانی صدری روایت)

۱۲۵۔ محمد خان زمان خان (مرید شاہ عبدالعزیز محدث)

شاہ محمد اسحٰق نے مسائل اربعین انہی کے سوالات کے جوابات میں لکھی تھی۔ [۳]

۱۲۶۔ میاں خدا بخش (صحبت یافتہ) [۴]

۱۲۷۔ سید قاسم علی امام عیدگاہ دہلی (الرحیم لاہور، جولائی، اگست ۱۹۶۹ء، ص ۴۲، ۴۳)

۱۲۸۔ مولانا عبدالغنی پھلواروی نے خط وکتابت کے ذریعہ شاہ صاحب سے حدیث کی سند لی تھی (اعیانِ وطن ۳۹۔۴۰ بحوالہ Celebrated Garden p.69)

۱۲۹۔ منشی خیرات علی (از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مراۃ الحقائق ۱۴۰)

۱۔ تذکرہ علمائے حال ص ۴۸

۲۔ تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۱۹، مکاتیب شاہ ولی اللہ، تعلیقات ۳۹۰۔۳۹۳

۳۔ شروانی، حبیب الرحمٰن خان: مقالات شروانی ۲۴

۴۔ علمائے نگرام مولفہ مطلوب الرحمٰن نگرامی، مشمولہ ضمیمہ دوم تذکرہ علمائے حال۔

Marfat.com

عبدالرحیم ضیاء حیدر آبادی

مقالاتِ طریقت کے مولف شیخ عبدالرحیم ضیاء کے حالات متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، ان کا تعلق دکن کے دارالحکومت حیدر آباد سے تھا، دکن کے صوفیہ اور شعراء کے حالات پر صوفی عبدالجبار ملکاپوری کے دونوں تذکرے، ۱ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

شیخ عبدالرحیم فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے تھے، ان کا تخلص ضیاء تھا، مقالاتِ طریقت میں انہوں نے جابجا اپنے اشعار نقل کیے ہیں، جو علماء وصوفیہ کی مدح میں لکھے گئے ہیں، ۲ انہوں نے اپنے ایک استاد مولوی میر شمس الدین متخلص بہ فیض کا ذکر بھی کیا ہے، جو ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء کو فوت ہوئے تھے، انہیں حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی (شاگرد خواجہ میر درد) سے تلمذ تھا، فیض کئی کتابوں کے مولف تھے، ان کا دیوان بھی طبع ہو چکا ہے۔ ۳

مولف نے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں کیے جانے والے سوالات کے جوابات کے لئے مقالات طریقت کا مقالہ چہارم مختص کیا ہے، ایک مقام پر لفظ کرامت پر بحث کرتے ہوئے مزید تفصیل کے لئے اپنی کتاب مقاماتِ دستگیری کا ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں شاہ عبدالعزیز اور دیگر بزرگوں کے اقوال ومناقب جمع کیے ہوں گے، ان کی تحریر سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب طبع ہوئی ہوگی، لیکن ہمیں تا حال نہیں مل سکی، مؤلف نے اپنے شیخ محی الدین ویلوری کو ایک خط لکھا تو اس کے ساتھ رسالہ شیون بے چون بھی بھیجا تھا، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ بھی ان کی تالیف ہوگا۔ ۴

۱۔ محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن اور محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن

۲۔ چونکہ یہ تمام اشعار ہم نے اپنے مرتبہ متن میں بعینہ دے دیئے ہیں، اس لئے یہاں انہیں یکجا نہیں کیا گیا۔

۳۔ فیض کے حالات کے لئے مقالاتِ طریقت کے مقالۂ دوم کا تعلیقہ نمبر ۵۹ ملاحظہ کریں۔

۴۔ مقالات طریقت، خاتمہ

Marfat.com

مولف قادری سلسلۂ طریقت سے تعلق رکھتے تھے، مولانا سید شہاب الدین قادری عرف حسن پادشاہ سے باقاعدہ خلافت بھی حاصل تھی، جو مولانا سید عبداللطیف معروف بہ سید محی الدین قادری نقوی ویلوری[۱] (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کے خلیفہ تھے، جن کا سلسلہ اس طرح ہے:

شاہ محی الدین قادری، سید ابوالحسن قادری، شاہ مرتضیٰ قادری، شاہ ابوالحسن قربی، شیخ محمد فخر الدین مہکری، شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساوی...... تا حضرت غوث اعظم محی الدین گیلانی

مولف کے شیخ سید حسن پادشاہ نے اپنے مرشد سید محی الدین قادری ویلوری کے ہمراہ حج کی سعادت بھی حاصل کی تھی، مولف نے سید حسن پادشاہ کی علاقائی نسبت میسوری لکھی ہے۔[۲]

مولف، دکن کے معروف صوفی، عالم ومدرس مولانا محمد زمان شہید[۳] (ف ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) کے باقاعدہ شاگرد تھے۔

مولف کو شاہ ولی اللہ کی تالیف الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں مذکور اجازات کی اجازت مولانا حسن رضا سے حاصل تھی، جو مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث کے اجازت یافتہ تھے۔[۴]

مولف کو طریقہ عزیزیہ کے تمام "طرق وضوابط" جو کتاب الانتباہ اور قول الجمیل میں درج ہیں، کی اجازت مولانا سراج احمد سے ملی تھی، جو براہ راست شاہ عبدالعزیز محدث کے شاگرد ومرید تھے۔[۵]

۱۔ سید ویلوری کے حالات کے لئے مقالات طریقت کا خاتمہ ملاحظہ کریں۔

۲۔ سید حسن پادشاہ کے مختصر احوال کے لئے مقالاتِ طریقت کا تعلیقہ نمبر ۲۹ دیکھئے۔

۳۔ مولانا محمد زمان شہید کے حالات مقالاتِ طریقت کے ضمیمہ میں درج ہیں۔

۴۔۵۔ مقالاتِ طریقت ۲۹۴ (طبع اول

مولانا سراج احمد بن محمد فارغ خورجوی، خورجہ میں ولادت ہوئی، دہلی جا کر شاہ عبدالعزیز محدث سے تحصیل علم کے بعد بیعت طریقت کی، ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء تک بقید حیات تھے۔

نزہۃ الخواطر ۷/۱۹۴، بحوالہ مقالات طریقت

Marfat.com

شیخ گل محمد رومی اور مقامات گل محمدیہ

کتاب مقامات گل محمدیہ، دراصل ایک نقشبندی بزرگ شیخ گل محمد رومی (ف ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء) کے حالات پر ہے، اس کے مولف شیخ ابوالحسن شاہ ضیاء الدین احمدی نقشبندی ہیں۔ (ص ۱۰)
مولف کے احوال مطبوعہ اور مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، انہوں نے خود اس کتاب میں اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ بیان کیا جارہا ہے۔:

حاجی گل محمد رومی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۲ء کو ٹونک پہنچے، وہاں کچھ عرصہ قیام کیا تو اس دوران جو اصحاب ان کے حلقہ میں داخل ہوئے ان میں مولف کتاب شیخ ابوالحسن بھی تھے، وہ آپ کی مجالس ذکر میں حاضر ہوا کرتے تھے، آپ کا وہاں محلہ عسکر فیروزی میں قیام تھا، حاجی صاحب نے امر فرمایا کہ تم وہاں کے لوگوں کو توجہ دیا کرو...... جس پر آپ نے اس امر کی پیروری کی...... اس مقصد کے لئے میں محلے کی مسجد میں جا بیٹھا تو بزرگوں کی عنایت سے بکثرت معتقدین میرے پاس آنے لگے، میری توجہ کا اثر ان پر ظاہر ہونے لگا، روزانہ مجھ سے توجہ لینے والوں کی تعداد ۲۵ سے تیس تک تھی، اس موقع پر حاجی صاحب نے ایک رسالہ ''مفید الذاکرین نافع المتفکرین'' کے نام سے تالیف کر کے ہدایت طلبہ کے لئے دیا۔ (ص ۳۴)

پھر مولف ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء کو شہر حیدر آباد (دکن) گیا تو وہاں کے باشندوں کے دلوں میں خود بخود رجوع کی کیفیت پیدا ہوئی، اور لوگ میرے پاس آنے لگے، اس مقام پر جن اصحاب نے مجھ سے فیض حاصل کیا ان کے اسماء یہ ہیں:

ان میں سے بعض نے خلافت بھی حاصل کی اور چند ایک سیر و سلوک کی منازل ہی طے کر سکے، ان میں سے ملا محی الدین پیش امام مسجد کاغذ گڈی محلہ، مستعد پورہ، مفتی محمد سعید خان، حاجی حبیب اللہ، مولوی سید احمد علی، شاہ عبدالعلیم، مولوی ہدایت اللہ، غلام محی الدین خان، سید

Marfat.com

شمشیر علی، قاضی بدیع الدین نارنولی، شیخ غلام حسین شاہ، تاج محمد، منشی حسن محمد، سید قمر الدین شاہ اورنگ آبادی، سید حیدر علی شاہ، نیاز اللہ شاہ، سید محبوب علی شاہ (ساکن دہلی)، سید کریم، باقر علی شاہ، فقیر محمد مرحوم، عبدالرحیم، سید قاسم علی، سید اسماعیل، شیخ نجف علی، شیخ حیدر، سید احمد، سید محمود، مخدوم صاحب، سید اسماعیل خورد، محمد نواز وزیر، سید عبدالغفور، عبدالرحمٰن کوتوال، یٰسین ساگر، محمد حسین، محمد سعید ناظر، رحیم اللہ شاہ، محمد یعقوب، عبدالقادر حکیم، مظہر علی، سید جمال الدین، غازی الدین خان۔

ان میں سے بعض مجاز ہوئے اور چند فوت بھی ہوگئے۔ (ص ۳۴)

مولف نے فارسی نظم میں ایک طویل عرضداشت حاجی صاحب کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجی، یہ فارسی میں منظوم ہے، جو مولف نے پوری نقل کر دی ہے۔ (ص ۳۵-۳۶)

اس عریضہ کا جواب حاجی صاحب کی طرف سے فارسی نثر میں مدینہ منورہ سے مولف کے پاس آیا تھا، جس پر تاریخ ۱۸ رمحرم ۱۲۸۴ھ درج ہے اور مولف کے مسکن کا یہ پتہ بھی لکھا ہوا ہے:

''حیدرآباد، بیرون دروازہ، پل کہنہ در محلّہ مستعد پورہ'' (ص ۳۶)

حاجی صاحب نے اس گرامی نامہ کے آخر میں مولوی عبدالغنی صاحب کی طرف سے بھی سلام لکھا ہے، جس سے مراد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی (ف ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) ہیں، گویا حاجی صاحب اپنے مرشد گرامی شاہ احمد سعید مجددی کے اس برادر کو چک حضرت شاہ عبدالغنی مجددی محدث مدنی سے بھی توسل رکھتے تھے۔

چونکہ کتاب مقاماتِ گل محمدیہ کی تالیف (آغاز ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء) کے زمانہ میں اہل ہند میں تصنیف و تالیف کا وہ شعور نہیں تھا، جو عرب ائمہ حدیث وعلماء کو تھا، یہ کتاب محض کرامات کا ایک مجموعہ ہے، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کے چند خاص نکات جو صاحبِ سوانح حاجی گل محمد رومی سے متعلق درج ہوئے ہیں وہ یہاں اختصار کے ساتھ لکھ دیئے جائیں:

مولف نے یہ کتاب اپنے شجرۂ طریقت کے مطابق اپنے مشائخ کے مناقب میں لکھی ہے، جس میں طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کا آغاز اپنے مرشد حاجی گل محمد رومی سے کیا ہے اور پھر شجرہ کے مطابق

Marfat.com

حالات تحریر کرتے چلے گئے ہیں اور اسے نبی کریم ﷺ پر لاکر ختم کر دیا ہے۔

پہلے باب میں اپنے شیخ حضرت حاجی گل محمد رومی معصومی کے احوال تحریر کئے ہیں، لکھا ہے کہ آپ کے والد گرامی (نام نہیں بتایا) روم (موجودہ ترکی) میں تجارت کرتے تھے، ان کی وفات کے وقت انہوں نے ستر ہزار روپے ترکہ میں چھوڑے تھے، حویلیاں اور باغات اس کے علاوہ تھے، لیکن حاجی گل محمد اس دنیاوی دولت سے متنفر ہو گئے، سب کچھ اعزہ اور فقراء میں تقسیم کر دیا۔

آپ اس کے بعد سیاحت اور روحانیت کی طلب میں وہاں سے نکلے اور عرب وعجم کے تقریباً سولہ کاملین کی خدمت میں گئے، لیکن کہیں روحانی تسکین نہ ہوئی۔ (ص ۱۱)

اس طلب میں آپ علاقہ شہر پور، خطۂ پنجاب میں حضرت مولوی محمد شریف قندھاری کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو حضرت شاہ ابوسعید مجددی اور حضرعت شاہ احمد سعید مجددی کے خلیفہ تھے، سے ملے تو آپ کو کامل تسلی وروحانی تسکین ہوئی۔ (ص ۱۱)

حاجی صاحب نے اپنے اسفار کے کچھ حالات بھی مولف سے بیان کئے تھے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

مذکورہ روحانی تسکین کے حصول سے پہلے مجھے نو مرتبہ خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت نصیب ہوئی، بہت سے آستانوں کی خاکروبی بھی کی، بارہ سال تک حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار شریف پر معتکف بھی رہا، اس دوران مجھے شدید بخار بھی لاحق ہوا، جو حضرت غوث اعظم کی غائبانہ توجہ ودعا سے دور ہوا، میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوا ہوں، تین ماہ تک آستانہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری پر بھی حاضر رہا، ان کی عنایات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ (ص ۱۲)

نادر شاہ کو ظالم لکھا ہے (ص ۱۳) جب حاجی صاحب مولوی محمد شریف قندھاری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو ذکر اسم ذات کا امر فرمایا، جس کے روحانی ثمرات کا ظہور ہوا، میں خطۂ کشمیر میں گیا تو اس کی برکت سے لوگ خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے۔ (ص ۱۴)

حاجی صاحب کی کرامات کا ذکر، مولف نے صرف وہ کرامات تحریر کی ہیں، جن کے وہ خود شاہد ہیں۔

Marfat.com

مولف کو مولوی قمر الدین کی وساطت سے حاجی صاحب کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ (ص ۱۹)

شیخ عبدالقادر مرید حضرت ابوالحسن مولف معمولات مظہری (ص ۲۱) یہاں مولف کو سہو ہوا ہے، اس کتاب کے مولف شیخ ابوالحسن نہیں تھے بلکہ مولانا نعیم اللہ بہڑائچی (خلیفۂ حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) تھے، شیخ ابوالحسن نے اس کتاب پر ایک ابتدائیہ کا اضافہ کیا تھا۔

بیان ذکر خلفائے حضرت ایشاں (حاجی گل محمد رومی) ص ۲۴

۱۔ غلام محمد خان رام پوری، پہلے شاہ درگاہی رام پوری سے توسل تھا، پھر حاجی صاحب سے منسلک ہوئے۔

۲۔ عالم اجل...... شیخ محمد دینی (ساکن دیوبند) بہت سے مشائخ سے ملے تھے لیکن تسکین آپ کے پاس آکر ہوئی۔

۳۔ سید شہامت علی، بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے۔

۴۔ خود مولف کتاب (ابوالحسن)

۵۔ سید جہاں ولایتی ساکن خراسان

۶۔ سہراب خان رسالہ دار رام پوری شہید

۷۔ عبدالحمید خان رسالہ دار (دوست مولف)

۸۔ مولوی محمد حسین خان بن مولوی محمد طاہر (اپنے برادر کلاں مولوی محمد یار سے تحصیل کی تھی)

۹۔ مولوی قمر الدین (مولف کے دوست اور محرک حاضری بحضرت حاجی صاحب)

۱۰۔ حافظ محمد جمال خان (قرابت دار نواب امیر خان والیٔ ٹونک)

۱۱۔ (نام)؟ قندھاری

۱۲۔ کرم خان، تیس برس تک کاملین کی خدمت میں صرف کیے۔

۱۳۔ مولوی سید حمید الدین حسن حسینی جیلانی از اولاد شاہ عبدالرزاق بانسوی

۱۴۔ محمد فیاض خان سنبھلی، سوداگر

Marfat.com

۱۵۔ میاں محمد صدیق پنجابی، پہلے قاضی محمد عاقل خلیفۂ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے مشرف ہوئے پھر حاجی صاحب کی خدمت میں آئے۔

۱۶۔ محمد سالار خان، پہلے بھوپال میں تھے۔

۱۷۔ شیخ مرتضٰی کپتان سمانوی

۱۸۔ محمد کفایت اللہ خان سنبھلی اور سید محمد خان رام پوری

حاجی گل محمد رومی کا مدینہ منورہ میں ۱۴ر ربیع الاول ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء کو وصال ہوا، خود مولف نے قطعۂ تاریخ وصال لکھا۔ ص ۳۷

اس روز مولف نے یہ کتاب (مقاماتِ گل محمدیہ) کی تالیف کا آغاز کر دیا، (ص ۳۷) جو چند سالوں میں جا کر پایہ تکمیل کو پہنچی۔

مولف نے رسالہ مفید الذاکرین نافع المتفکرین ۱۲۸۸ھ کو مکہ معظّمہ میں اپنے مرشد زادہ حضرت شاہ محمد عمر مجددی کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کی سماعت فرمائی اور اپنے دستخط کر کے مہر سے مزین کیا اور اس پر ایک مختصر تقریظ اردو میں لکھی، جو مولف نے نقل کر دی ہے، (ص ۳۷) ایک قطعۂ تاریخ وفات بھی اس تقریظ کے ساتھ مولف نے نقل کیا ہے، قیاس ہے کہ یہ قطعہ بھی حضرت شاہ محمد عمر مجددی مذکور نے ہی لکھا ہوگا۔

حاجی گل محمد رومی نے حسب ذیل بزرگوں سے باطنی فیض پایا تھا۔

۱۔ مولوی محمد رومی خلیفہ مولوی جان محمد قندھاری خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی

۲۔ شیخ محمد صدیق کابلی

۳۔ شیخ رحمت اللہ (حاجی صاحب نے لدھیانہ میں ان سے لطائف تک تعلیم لی تھی)

۴۔ میاں امام علی شاہ مجددی (مقیم تخت ہزارہ)

۵۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی (تین ماہ تک ان کی خدمت میں رہے۔)

مولف نے لکھا ہے کہ مجھے بھی شاہ سلیمان تونسوی اور میر محبوب علی شاہ ساکن لوہاری سے سلسلۂ چشتیہ

Marfat.com

میں بیعت کا شرف حاصل ہے۔

۶۔ مولوی محمد شریف قندھاری، مشہور بہ شہر پوری

ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ قندھار (افغانستان) سے ہندوستان آئے، رام پور میں تحصیل علم کی، اور پھر حضرت شاہ ابوسعید مجددی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے پاس رہ کر سلوک کی تکمیل کی، اور پھر خلافت یاب ہو کر شہر ہوشیار پور جا کر مقیم ہوئے، اور ان کا فیض روحانی اس کثرت سے ہوا کہ پنجاب اور کشمیر بھی اس نعمت سے معمور ہو گیا، آپ کی وفات ہوشیار پور میں ہوئی اور آپ کا تابوت سرہند شریف لے جا کر حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے روضہ کے جوار میں دفن کیا گیا، حاجی گل محمد رومی کو ان سے کامل روحانی تسکین نصیب ہوئی، ...... الغرض ہزاروں آدمی ضلع پنجاب اور کشمیر میں ان سے فیض یاب ہوئے۔

حاجی صاحب نے مقاماتِ سلوک حاجی محمد شریف کے جانشین مولوی غلام حسین سے بھی طے کئے، بلکہ چھ مرتبہ اول سے آخر تک ان کی خدمت میں مشق کی، اس کے بعد دہلی جا کر حضرتِ شاہ ابوسعید مجددی کے فرزند و جانشین حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے پاس تین سال تک رہ کر تکمیل کی،[۱] (ص ۸۴) مولف مقامات گل محمدیہ نے حاجی محمد شریف کا سال وفات نہیں لکھا۔

حاجی گل محمد اپنے والد کی وفات کے بعد جب روم سے نکلے تو شام، عرب، مصر اور دہلی سے ہوتے ہوئے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۲ء کو ٹونک پہنچے تھے، اس وقت وہاں کا حاکم نواب امیر خان تھا، انہوں نے نو مرتبہ حج کیا (ص ۱۱)، مولف شاعر بھی تھے، انہوں نے اس کتاب میں اپنے فارسی و اردو اشعار بھی موقع کی مناسبت سے درج کئے ہیں۔

مولف سرہند شریف بھی حاضر ہوئے تھے۔ (ص ۵۵، حاشیہ)

۱۔ حضرت حاجی محمد شریف قندھاری کے یہ حالات بہت اہم ہیں، کتاب مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ ص ۶۷ میں صرف دو سطور ہیں، دیگر تذکرے بھی ان کے حالات سے خالی ہیں۔

Marfat.com

اس کتاب میں مولف نے اپنے شیخ حاجی گل محمد سے لے کر حضرت شاہ احمد سعید مجددی تک جو حالات لکھے ہیں ان کے وہ خود عینی شاہد ہیں، شاہ احمد سعید کے حالات ان کے فرزند اصغر شاہ محمد مظہر مجددی مدنی کی کتاب مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ سے ملخصاً اردو میں لکھ دیئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے لے کر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی تک کوئی قابل ذکر بات نہیں لکھ سکے، بلکہ مروجہ تذکروں کی معلومات کا ہی اعادہ کر دیا ہے۔

مولف کی تالیف کے دوران تمام تر توجہ ان اولیاء کی کرامات کے بیان پر مرکوز رہی، دیگر تاریخی حالات کے اندراج کا انہیں بالکل شعور نہیں تھا کہ آئندہ نسلوں کو ان کی کتنی ضرورت ہوگی؟ مولف نے اپنے ممدوح حاجی گل محمد اور اُن کے خلفاء کی بھی محض کرامات ہی بیان کی ہیں، وہ بھی کیا کرتے اس وقت عوام کرامات کا ہی تقاضا کرتے تھے اور صوفیہ کے اکثر تذکرے کرامات سے ہی بھرے پڑے ہیں۔

کتاب مقامات گل محمدیہ مطبع احمدی، مدراس سے ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء کو طبع ہوئی، مولف کو اردو زبان پر دسترس نہیں تھی ان کی تحریر کردہ ترکیبیں زیادہ تر عربی وفارسی مرکبات ہیں، جنہیں پڑھنے اور سمجھنے میں عام قاری کو آج دشواری ہوتی ہے۔

مولف نے لکھا ہے کہ رام پور کا نواب، حضرت شاہ احمد سعید کے فرزند اکبر شاہ عبدالرشید مجددی (ف ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء) کی صحبت سے سنی ہوا تھا، (ص ۵۹ حاشیہ) مولف نے یہاں نواب کا نام نہیں لکھا، نواب کلب علی خان (۱۲۵۰۔۱۳۰۴ھ/ ۱۸۳۵۔۱۸۸۷ء) ریاست رام پور کا حاکم تھا ۱۸۶۴ء کو ریاست کا والی مقرر ہوا اور تاحیات مسند نشین رہا، ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء کو نواب حضرت شاہ احمد سعید مجددی سے بیعت ہوا تھا، آپ اور آپ کی اولاد کا بہت احترام کرتا تھا، آپ کے پوتے شاہ محمد معصوم کو بہت اصرار کر کے حرمین الشریفین سے رام پور بلایا تھا، (مقامات خیر ۹۶، ۱۲۲، ۱۲۵) رام پور کے نواب مسلک کے شیعہ تھے، لیکن نواب کلب علی خان ان حضرات کی صحبت کے باعث سنی ہو گیا تھا...... (ذکر السعیدین، تعلیقات ۲۴۷)

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی

شاہ عبدالغنی مجددی بن شاہ ابوسعید مجددی ۲۵ رشعبان ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء کو محلہ مغل پورہ[۱]، دلی میں متولد ہوئے، ''مظاہر حلیم'' تاریخی نام ہے،[۲] پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد گرامی کے ساتھ حج کے لئے گئے تو وہاں مولانا محمد عابد سندھی اور شیخ اسماعیل رومی سے علم حدیث پڑھ کر سندیں لیں، واپس آ کر ۱۲۵۰ھ کو تعلیم کی تکمیل کی اور مولانا مخصوص اللہ (ف ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۶ء) بن شاہ رفیع الدین محدث سے مشکوٰۃ المصابیح اور پھر شاہ محمد اسحٰق (نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث) کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔[۳]

جس وقت آپ نے ہوش سنبھالا اس وقت انگریزوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کے اختلافات میں اُلجھا کر کمزور تو کر ہی دیا گیا تھا، اب اپنی طرف سے توجہ ہی ہٹا دی اور خود اپنے مشن میں لگ گئے۔

اب معاشرہ کی بے چینی دور کرنے کے لئے انہوں نے سرسید احمد خان کو رواداری کا علم بردار بنا کر کھڑا کر دیا، انہوں نے انگریزوں کے بہت سے اقدام کو مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے درست ثابت کرنے کے لئے بہت کوشش کی، انہوں نے نبوت کی حقیقت کا انکار کرنے کے لئے کئی حیلے تراشے اور ایسے عقائد کا پرچار کیا کہ علماء حق پھر میدان میں اُترے اور سرسید احمد خان کے خلاف بہت سے رسائل وجود میں آ گئے، گویا انہوں نے یہاں اختلافات اور معاشرتی بے چینی پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

۱۔ مغل پورہ، قریب سبزی منڈی، بیرون شہر دہلی بفاصلہ دو میل (ذکر السعیدین ۵۸، سیر المنازل ۴۷)

۲۔ سال ولادت میں ایک سال کا اختلاف ہے، الیانع الجنی، ص ۱۱۷، مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ، ص ۶۵ ہدیۂ احمدیہ، ص ۸۷، تذکرۂ علمائے ہند، ص ۳۱۰، ذکر السعیدین، ص ۸۵، نزہۃ الخواطر، ص ۲۸۹ میں ۲۵ رشعبان ۱۲۳۵ھ، البتہ شیخ محمد عمر نے انساب الطاہرین میں اور محمد حسین بدایونی نے مظہر العلماء میں ولادت کا سال ۱۲۳۴ھ لکھا ہے، مادہ تاریخ ''مظاہر حلیم'' کے عدد ۱۲۳۴ھ ہوتے ہیں، تاہم ایک سال کا فرق تذکرہ نویسوں کے ہاں زیادہ اختلاف کا امر شمار نہیں کیا جاتا، حضرت ابوالحسن زید نے بھی موخر الذکر سنہ ہی کو ترجیح دی ہے۔ (مقامات خیر ۴۷)

۳۔ الیانع الجنی ۱۲۰۔۱۲۱

Marfat.com

پہلا سفر حج

مولانا شاہ عبدالغنی کی عمر ابھی صرف پندرہ سال کی تھی کہ آپ اپنے والد گرامی حضرت شاہ ابوسعید مجددی کے ہمراہ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔ [۱]

وہاں آپ نے شیخ محمد عابد سندھی اور شیخ اسماعیل رومی سے حدیث کی اعلیٰ سندیں حاصل کیں۔

شیخ محمد عابد سندھی کے اجداد میں ایک بزرگ عالم شیخ محمد مراد انصاری (۱۰۸۵۔۱۱۹۸ھ/ ۱۶۷۴۔۱۷۸۴ء) نے اپنی اولاد واعزہ کے ہمراہ ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء کو سندھ سے حجاز مقدس ہجرت کی، ان میں سے شیخ محمد عابد پہلے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ جا کر قیام کرلیا۔

آپ کے والد گرامی شیخ احمد علی بن شیخ محمد مراد مذکور بھی علماء کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی ولادت سندھ میں ۱۱۶۸ھ کو ہوئی، انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ ہی حجاز مقدس ہجرت کی، ان کی وفات وہیں حرمین الشریفین میں ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۷ء کو ہوئی۔

ان کے فرزند شیخ محمد عابد کی ولادت شہر سہون (من بلاد سندھ) میں حدود ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء کو ہوئی، ابتداء میں آپ نے اپنے والد اور دادا کے حضور تحصیل کی، اس کے بعد حجاز مقدس جا کر بہت سے علماء و مشائخ سے علمی فیض پایا، جن کی تعداد اٹھارہ ہے، شیخ محمد عابد نے جن مشائخ کی خدمت میں تحصیل کی اور جو اسناد ان سے لیں آپ نے انہیں کتابی صورت میں ''حصر الشاد من اسانید محمد عابد'' کے نام سے جمع کیا، جس کی آخری طباعت ڈاکٹر خلیل سبیعی کی تحقیق سے دو جلدوں میں مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۲۴ھ کو شائع ہوئی، اس کے مصحح مذکور نے مقدمہ میں آپ کے تلامذہ میں سب سے مشہور اور پہلا نام شاہ عبدالغنی مجددی کا ہی لکھا ہے، [۲] آپ نے صحیح بخاری شیخ سندھی کی خدمت میں پڑھی۔ [۳]

۱۔ ولادت شاہ عبدالغنی ۱۲۳۴ھ، سفر حج ۱۲۴۹-۱۲۳۴=۱۵

۲۔ حصر الشاد ۱/۵۶ ۳۔ کتانی، عبدالحی: فہرس الفہارس (بامداد اشاریہ)

Marfat.com

شیخ محمد عابد سندھی کا وصال مدینہ منورہ میں ۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء کو ہوا، آپ کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار میں دفن کیا گیا۔۱

حرمین الشریفین میں شاہ عبد الغنی مجددی کے دوسرے استادِ حدیث شیخ ابوزاہد اسماعیل بن ادریس رومی اسلام بولی ثم مدنی تھے، جن سے آپ نے حدیث اور مسلسلات کی سماعت کی، یہ ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء کا واقعہ ہے، جب کہ آپ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حج سے واپس ہندوستان آرہے تھے، علامہ کتانی نے لکھا ہے کہ شاہ عبد الغنی کے دونوں اجازت نامے میرے پاس ہیں، مجھے تعجب ہے کہ یہ اجازت نامۂ شیخ اسماعیل رومی کتاب ''الیانع الجنی'' میں درج ہونے سے کیوں کر رہ گئی؟ ۲ مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے ''القول السنی'' کے مقدمہ (ص ۸) میں لکھا ہے کہ مولانا اسماعیل رومی نے کتاب ''ادل الخیرات'' بھی تالیف کی تھی۔

مولانا نسیم احمد فریدی کی یہ قیاس آرائی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث کا مکتوب مدنی (در وحدت الوجود)، جن اسماعیل آفندی کے نام ہے وہ یہی بزرگ ہیں، جن سے شاہ عبد الغنی نے اپنے پہلے سفر حرمین (۱۲۵۰ھ) میں حدیث کی اجازت لی تھی۔ ۳

شاہ ولی اللہ نے اپنے ایک مکتوب (۴۷) میں لکھا ہے:

''سائل مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود اسمایل آفندی است...... والا حوصلۂ سائل آں را گنجائش نمی کند لہٰذا جواب مختصری برای او نوشتہ فرستادہ شد'' ۴

یہ امر مسلمہ ہے کہ شاہ ولی اللہ حج کے لئے ۱۱۴۳۔۱۱۴۴ھ کو حرمین الشریفین گئے تھے اور آپ کا وصال ۱۱۷۶ھ کو ہو گیا تھا، جب کہ مولانا اسماعیل بن ادریس رومی تو ۱۲۵۰ھ میں وہاں بقیدِ حیات تھے، اس لئے یہ کوئی دوسری شخصیت مراد ہیں۔

۱۔ محسن ترہتی: الیانع الجنی، شیخ محمد عابد سندھی کے یہ تمام تر حالات ڈاکٹر سائد بکداش کی کتاب امام الفقیہ المحدث الشیخ محمد عابد سندی الانصاری، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۳ھ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ کتانی، عبد الحی: فہرس الفہارس ۲/ ۷۶۰

۳۔ فریدی، نسیم احمد: تذکرہ شاہ عبد العزیز محدث، ص ۱۳۸

۴۔ مکاتیب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مرتبہ مولانا فریدی، ص ۹۹ (فارسی)

Marfat.com

جب شاہ ابوسعید مجددی اپنے اس فرزند اوسط شاہ عبدالغنی کے ساتھ حج کے لئے حرمین الشریفین پہنچے تو شیخ عبدالوہاب دہلوی (والد مولانا عبدالستار دہلوی مکی) اوران کے چچا شیخ غلام نبی اور شیخ محمد جان باجوڑی (خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی) نے ان کا استقبال کیا تھا۔ ۱

تحصیلِ علم

شاہ عبدالغنی نے اپنے والد کی حسن تربیت سے قرآن مجید با تجوید اور عمدہ قرأت کے ساتھ حفظ کرلیا تھا اور علمائے وقت سے تحصیل بھی کی تھی، آپ نے مروجہ علوم کی تحصیل مولانا حبیب اللہ ملتانی ۲ کی خدمت میں کی تھی۔ ۳

جیسا کہ تفصیل بیان کی جا چکی ہے کہ آپ پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حج کے لئے گئے تو وہاں کے اکابر محدثین شیخ محمد عابد سندھی اور شیخ اسماعیل رومی کے حضور رہ کر حدیث شریف پڑھی اور ان سے حدیث کی سندیں حاصل کیں، حج سے ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء کو واپس آ کر مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (ف ۱۸۴۵ء) سے مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ ۴

شاہ عبدالغنی مجددی نے مشکوۃ شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی خدمت میں پڑھی تھی۔ ۵

۱۔ فیض الملک الوہاب ۳/۲۳۳-۲۳۴

۲۔ مولانا حبیب اللہ ملتانی، حضرت شاہ احمد سعید کے قدیم خلفاء میں سے تھے، جو علوم معقول ومنقول پر کامل دسترس رکھتے تھے، شاہ ابوسعید کے دونوں صاحبزادے شاہ عبدالغنی اور شاہ عبدالمغنی آپ کے شاگرد تھے، حضرت شاہ احمد سعید کے ساتھ حرمین الشریفین حاضر ہو کر حج کی سعادت حاصل کی، آپ سے اجازت وخلافت یاب ہو کر درس وتدریس میں مصروف ہوئے۔

(مناقب احمدیہ ومقاماتِ سعیدیہ ۲۲۰)

۳۔ ذکر السعیدین، ۸۵ ۴۔ مناقب احمدیہ ۶۵

۵۔ بدایونی، محمد حسین: مظہر العلماء ۲۴۷، نزہۃ الخواطر ۷/۲۸۹

Marfat.com

درس وتدریس

علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل کے بعد آپ نے خانقاہِ مظہری، دہلی میں علوم دینیہ کے درس کا آغاز کیا، خصوصیت سے آپ حدیث شریف کے درس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، ایک تو آپ کی سند حدیث اتنی جید اور عالی تھی کہ ہندوستان کے اکابر علماء نے خانقاہ میں حاضر ہو کر حدیث کی تحصیل کی اور سندیں حاصل کیں، یہ شغل آپ کی ہجرت مدینہ ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا، اس کے بعد جب آپ مذکورہ سنہ کو مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے تو عالمِ اسلام نے آپ سے علومِ دینیہ خصوصاً علم حدیث پڑھ کر آپ کی جید سند بطورِ تبرک بھی لی، جس کی تفصیل اس کتاب میں آپ کے تلامذہ کے تحت ملاحظہ کریں، آپ نے صحاح ستہ اپنے برادر گرامی شاہ احمد سعید کو سبقاً بھی سنائی تھیں۔ ۱؎

بحیثیت شیخ طریقت

آپ نے اپنے برادرزادہ شاہ محمد مظہر مجددی مدنی سے خود بیان فرمایا کہ میں ابھی صرف چار سال کا تھا کہ مجھے والد گرامی اپنے ہمراہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خدمت میں لے گئے، آپ نے اپنی پرفیوض توجہات سے نوازا، جو مجھے اب تک خوب یاد ہے اور میں وہ توجہات اور ان کا اثر اب تک اپنے اندر محسوس کرتا ہوں، مزید فرماتے ہیں کہ میں کم سن تھا کہ مجھے تلخ اور شیریں کے درمیان فرق محسوس نہیں ہوتا تھا، جب یہ بات میرے والد بزرگوار نے سنی تو فرمایا کہ میرا یہ فرزند بڑا ہو کر درویش ہوگا اور اُسی کم سنی میں ہی آپ کے مریدین میرے گردا گرد بیٹھ کر توجہ کی درخواست کرتے تھے، میرے توجہ دینے پر انہیں ان کی تاثیرات کا احساس ہوتا تھا۔ ۲؎

چونکہ آپ کا شب و روز درس وتدریس کا شغل تھا اور تدریسِ حدیث میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، اس لئے باطنی امور کی طرف توجہ کم ہوتی تھی، تاہم آپ کی باطنی کیفیت کا رنگ ہی بالکل جدا تھا، جو ہر کسی کے ادراک میں نہیں آسکتا تھا، ۳؎ اس کے باوجود آپ کی خدمت میں بیعت کرنے والوں کی بھی ایک تعداد تھی، ہم نے آپ کے مریدین کی تفصیل الگ بیان کی ہے۔

۱۔ مناقب احمدیہ ٦٦ ۲۔ ایضاً ٦۵ ۳۔ ایضاً ٦۵

Marfat.com

شاہ عبدالغنی کی ہجرتِ مدینہ

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کو اہلِ ہند نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کردی، جس کے اسباب ایسے تھے کہ ان سب کا احاطہ مشکل ہے، اس میں ہر طبقۂ فکر کے اصحاب نے کردار ادا کیا، لیکن سب سے زیادہ مسلمان ایسٹ انڈیا کمپنی کی مخالفت کا نشانہ بنے کیوں کہ انہوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی، مسلمانوں نے اس بغاوت (غدر) کو جہاد قرار دیا اور اس کے جائز ہونے پر علماء نے باقاعدہ فتویٰ جاری کیا، جس پر اس وقت کے اکثر علماء نے دستخط کئے، جن میں سلسلۂ مجددیہ کے دو اہم افراد بھی شامل تھے یعنی حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور آپ کے برادر اصغر شاہ عبدالغنی مجددی، یہ حضرات خانقاہِ مظہری کے سجادہ نشین تھے اور کمپنی اِن کی مرکزی حیثیت سے بخوبی آگاہ تھی، اس لئے ان کو گرفتار کرنا اور سزا دینا ان کے لئے لازم تھا، اس سے پہلے ۱۸۰۳ء کو جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو اس وقت سے دہلی میں مسلمانوں کی زندگی اور ان کی مذہبی وتجارتی حیثیت متاثر ہوئی اور پھر سارے ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ اور اس میں ہندوستانیوں کی معاشرتی زندگی کی تلخیاں اتنی بڑھیں کہ کئی مقامات پر انگریزوں کی بھرتی کی ہوئی ہندوستانی فوج میں بغاوت کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۸۲۴ء) نے ہندوستان کو باقاعدہ دارالحرب قرار دیا، لیکن جہاد یا ہجرت کا امر نہیں فرمایا۔[۱]

لیکن آپ کی وفات کے بعد معاشرتی دشواریوں میں مزید اضافہ ہوا اور انگریزوں کے خلاف جذبات پیدا ہوتے رہے، دہلی میں اس بغاوت کا آغاز ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا، جولائی میں علماء نے اس بغاوت کو جہاد قرار دے کر اس کے اثبات میں ۳۴ر علماء نے دستخط کئے، جس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں خصوصیت سے بے چینی کے آثار نمایاں ہوئے، ان علماء میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور آپ کے برادر اصغر شاہ عبدالغنی مجددی بھی شامل تھے، انگریز ان کی مذہبی اور معاشرتی قیادت سے واقف تھے، اس لئے اس دوران انہوں نے اس بغاوت کی قیادت کرنے والے علماء کو چن چن کر شہید کیا، کئی علماء روپوش ہو گئے، ہندوستانیوں کی اس بغاوت میں شکست اور انگریزوں کی فتح کے باوجود انگریز مسلمانوں سے ہر وقت خوفزدہ

۱۔ ہم نے مقالاتِ طریقت کے مقدمہ میں ان امور کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔

Marfat.com

رہتے تھے، کہ اس قسم کی بغاوت پھر سے سر نہ اٹھائے، چنانچہ انہوں نے کئی اصحاب کو جنگ آزادی کے بعد اس طرف متوجہ کیا کہ ملک میں مکمل امن وامان ہے اور ایسی صورت میں غیر مسلم حکومت کے خلاف جہاد جائز نہیں ہے، شاہ اسماعیل دہلوی اور نواب صدیق حسن خان کے بیانات ہم نقل کر چکے ہیں، نواب صاحب نے بڑے فخر سے یہ بیان دیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بھوپال کا کوئی فرد بھی انگریزوں کے خلاف نہیں اٹھا، ان کے ہم عقیدہ میاں نذیر حسین دہلوی نے تو اس انقلاب میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا (الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۷۶۔۸۰)، اور اس جہاد سے بالکل الگ رہے، بلکہ بعد کے علماء نے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں امن وامان کے قیام کے باعث ان کے خلاف جہاد کو مذہبی بنیادوں پر ساقط قرار دیا۔

مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۱۵۔۱۲۹۰ھ/۱۸۰۰۔۱۸۷۳ء) نے برطانوی دورِ حکومت میں جہاد کو مسلمانوں کے لئے ساقط قرار دیا تھا، ۱؎ اسی طرح مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس موضوع پر پورا رسالہ لکھ کر انگریزوں کے خلاف جہاد کو ساقط قرار دیا، ۲؎ ایک اور غیر مقلد عالم مولوی غلام اللہ قصوری نے اپنی کتاب تائید الاسلام میں جہاد کے ساقط ہونے کے دلائل دیئے تھے، ۳؎ لیکن بہت سے ایسے علماء بھی تھے، جن جو چن چن کر انگریزوں نے انقلاب میں حصہ لینے کے جرم میں سزائیں دیں، مولانا فضل حق خیر آبادی کے ساتھ کیا ہوا؟ اور دیگر علماء نے جو کردار ادا کیا وہ قابل ستائش ہے۔ ۴؎

اس لئے حضرت شاہ احمد سعید اور شاہ عبدالغنی نے ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور حرمین الشریفین جانے کا تہیہ کر لیا، یہ حضرات ایک بڑے قافلہ کی صورت میں دہلی سے نکلے، پہلے اپنے سب سے بڑے اور مشہور خلیفہ حاجی دوست محمد قندھاری (ف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء) کے ہاں موسیٰ زئی (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) گئے اور

۱۔ کرامت علی جونپوری: رسالہ حکمت ومسائل حاضرہ، کلکتہ ۱۸۶۴ء

۲۔ بٹالوی، محمد حسین: الاقتصاد فی مسائل الجہاد، لاہور، وکٹوریہ پریس

۳۔ تائید الاسلام مطبوعہ، لاہور ۱۲۹۹ھ

۴۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مواد محمد ایوب قادری کی کتاب ''۱۸۵۷ء جنگ آزادی وشخصیات'' میں ملتا ہے۔

Marfat.com

خانقاہ مظہری، دہلی کی چابیاں ان کے حوالہ کیں کہ آپ وہاں خود چلے جائیں یا اپنے کسی خلیفہ کو بھیج دیں تو آپ نے اپنے خلیفہ مولوی رحیم بخش اجمیری ہرصوری کو اپنا نمائندہ بنا کر خدمت کے لئے وہاں بھیج دیا، اب شاہ احمد سعید راستہ کی شدید دشواریوں کے باوجود حرمین الشریفین پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، آپ تو وہاں صرف چار سال ہی حیات رہے لیکن آپ کے برادر اصغر ۲۳ رسال تک زندہ رہے اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔

جہاں عرب ممالک، پاکستان وہند، ترکی، افغانستان اور وسطی ایشیاء کے علاوہ مغرب، افریقہ اور ٹیونس تک کے علماء نے آپ سے ظاہری وباطنی فیض حاصل کیا اور آپ کی جید سندِ حدیث بھی حاصل کی، ان علاقوں کے کئی علماء نے آپ کی سندیں جمع کیں، جن میں بعض طبع بھی ہوئی ہیں لیکن اکثر مخطوطات کی صورت میں وہاں کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

شاہ عبدالغنی مجددی کے عقائد

شاہ عبدالغنی مجددی سنی حنفی بزرگ تھے، آپ کے جد اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی ائمہ مجتہدین کی تقلید کو اسلام کی بنیاد قرار دیتے تھے، آپ نے کتنے ہی مریدین ومکتوب الیہم کو لکھا ہے کہ آپ اپنے عقائد ائمہ اہل سنت کے مطابق درست کرلو تو یہی نجات کا ذریعہ ہے، بلکہ یہی روش آپ کے متبعین کی بھی تھی۔

آپ تک حدیث پاک کے بنیادی متون اس وقت تک نہیں پہنچے تھے، آپ نماز میں رفع سبابہ نہیں کرتے تھے، آپ نے اپنے فرزند گرامی حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی سے اس کی نفی کے موضوع پر ایک رسالہ لکھوایا تھا، لیکن آپ احتیاطاً نوافل میں رفع سبابہ بھی کرتے تھے، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے کتب خانہ (مدینہ منورہ) میں ''حضرات القدس'' کا ایک ایسا قلمی نسخہ تھا، جس میں اس امر کی صراحت کی گئی تھی، جب شاہ عبدالغنی نے وہ مقام پڑھا تو اس کے حاشیہ پر لکھا:

> ''بجز بخاری کے تمام محدثین نے التحیات میں انگشت شہادت اُٹھانے کی رویت کی ہے، اسی وجہ سے اس انگلی کا نام ''مُسَبِّحہ'' پڑ گیا ہے، معلوم نہیں کہ ان (خواجہ محمد سعید) کی خاطر میں کیا آیا کہ ایک سنت کا مقابلہ علمی قوت سے کر بیٹھے ہیں۔'' [۱]

۱۔ مقامات خیر ۷۸

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند شاہ محمد یحییٰ نے جو آپ کے شاگرد اور تربیت یافتہ بھی تھے، رفع سبابہ کے اثبات میں پورا رسالہ لکھا تھا، ۱؎ جس میں اپنے والد گرامی اور اپنے برادر بزرگ سے اختلاف کرتے ہوئے محکم دلائل دیئے تھے، گویا شاہ عبدالغنی مجددی سنت مطہرہ کے کامل پابند بزرگ تھے۔

آپ کے برادر اکبر شاہ احمد سعید مجددی کے زمانہ میں وہابیوں کا فکری اثر ورسوخ بڑھتا جارہا تھا، آپ اپنی محافل میں ان کا سخت الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ وہابی (غیر مقلد) کی صحبت کا ادنیٰ ضرر یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی بنیاد یعنی حب رسول اس کے دل سے محو ہونے لگتی ہے، یہاں تک کہ باقی راہ ورسم ہی رہ جاتی ہے، آپ وہابی کا تصور آنے پر "الحذر الحذر ثم الحذر" کہا کرتے تھے۔ ۲؎

آپ کے سب سے مشہور خلیفہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری بھی اسی طرح کا طرز عمل رکھتے تھے، وہ غیر مقلدین کو اسماعیلی کہا کرتے تھے، ۳؎ جس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے ہندوستان میں غیر مقلدین کا بیج بویا تھا۔

جب شاہ عبدالغنی مجددی سے نواب صدیق حسن خان کے بھائی احمد حسن عرشی نے حدیث پاک کی سند لی تو آپ نے سند میں واضح الفاظ میں لکھا کہ تم فقہائے متقدمین کے مطابق عمل کیا کرو کیوں کہ وہ غیر مقلد تھے۔ ۴؎

شاہ عبدالغنی مجددی نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب علم کی مسند بچھائی تو ہر طرف سے علماء کی بڑی تعداد نے آپ کی جید سند ہونے کے باعث آپ سے سند لینا ناگزیر سمجھا، اس میں ہر قسم کے علماء شامل تھے، جن میں غیر مقلدین بھی تھے اور علمائے دیوبند بھی تھے، لیکن اس کے باوجود آپ اپنے اجداد کے عقائد پر قائم رہے اور ذرا برابر بھی اُن سے انحراف نہیں کیا، بعض سعودی علماء نے معلوم نہیں یہ بات کس بنیاد پر لکھ دی ہے کہ آپ نماز میں رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر بھی کہتے تھے۔ ۵؎

تاہم یہ دونوں اعمال ائمہ اہل سنت کے منافی نہیں ہیں، اگر آپ کا عمل ایسا تھا بھی تو یہ کوئی قابل گرفت نہیں ہے۔

۱۔ ارمغانِ امام ربانی، جلد نہم ۲۔ المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ (عربی) ص ۱۷۶

۳۔ فضائل الباری فی مناقب دوست محمد قندھاری، مقدمہ

۴۔ تفصیل ان کے حالات میں بیان کی جاچکی ہے۔

۵۔ عبدالوہاب دہلوی: استفدت من ھؤلاء المولفین، مقالہ مشمولہ المنہل (ج ۸/ ۱۳۶۷ھ، شمارہ ۶)

Marfat.com

شاہ محمد اسحٰق محدث کی ہجرت اور جانشینی

شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء) پاکستان وہند کے ان اکابر میں سے تھے جن کی خدمت میں سارے ہندوستان کے طلبہ نے تحصیل کے لئے مراجعت کی تھی۔

آپ نے ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء کو دہلی سے حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کی اور مکہ مکرمہ میں جا کر مقیم ہو گئے۔

ہجرت کے اسباب کے سلسلہ میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے، آپ کے استاد گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) نے ہندوستان پر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور اس سے پیدا شدہ نتائج کے پس منظر میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا، لیکن یہاں کے مسلمانوں کو نہ انگریزوں کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کے لئے کہا تھا اور نہ ہی یہاں سے ہجرت کا امر فرمایا تھا، تو پھر آپ کے عزیز ترین شاگرد اور اُس خانوادہ کے اِس فردِ فرید نے ہجرت کیوں کی؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی قریب العہد سوانح مقالاتِ طریقت میں یہاں کے علماء کے اختلافات بیان کرتے ہوئے اُن کی پانچ اقسام بتائی ہیں، جن میں سے چوتھی قسم یہ ہے کہ علماء شاہ عبدالعزیز کے سوا باقی تمام بزرگوں سے متنفر ہیں، اور پانچویں قسم ان حضرات کی ہے، جو مولانا شاہ اسماعیل دہلوی سے بدظن ہیں۔

مولف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرات ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں اور قدح میں مصروف رہتے ہیں، ان حضرات کے اختلافات نے معاشرہ میں عدم توازن کی فضا پیدا کر دی تھی۔

شاہ اسماعیل دہلوی کے عدم تقلید کے مواعظ کی درشتگی نے تو ساری حدیں ہی پار کر لی تھیں، ان کی کتاب ''تقویت الایمان'' کی تالیف (۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء) کی اشاعت سے تو سارے ہندوستان میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

Marfat.com

شاہ محمد اسماعیل دہلوی نے اپنی افتادِ طبع اور شوریدگیٔ عقائد کے باعث شاہ عبدالعزیز کی صحبت ترک کر کے اپنے خاندانی نظریات سے انحراف کیا، شاہ عبدالعزیز نے اِن حالات میں اپنے نواسے شاہ محمد اسحٰق محدث کو اپنا جانشین نامزد کر کے مدرسۂ رحیمیہ اُن کے حوالے کر دیا۔

شاہ محمد اسحٰق محدث حنفی مسلک کے پیرو کار تھے، اس لئے اُن کے غیر مقلد شاہ اسماعیل کے ساتھ شدید اختلافات تھے، ہمارا قیاس ہے کہ شاہ محمد اسحٰق، شاہ اسماعیل کے ساتھ اسی لئے حج کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ اُن کے واپس آنے (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے بعد اور شاہ عبدالعزیز کی وفات (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے بعد ہی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء) کو پہلا حج کیا۔

شاہ محمد اسماعیل دہلوی حج سے واپس آئے تو وہاں کی متشدد ترین وہابی تحریک کے زیر اثر مزید درشت لب ولہجہ کے مبلغ بن گئے اور ایسی توحید کی تبلیغ کرنے لگے، جس کی یہاں کے مسلم معاشرہ میں گنجائش نہیں تھی، اب ہر طرف علماء عدم تقلید، رفع یدین، آمین بالجہر اور عمل بالحدیث کی بحثیں کرتے نظر آنے لگے۔

شاہ محمد اسحٰق محدث چونکہ متصلب حنفی عالم تھے اور اس قسم کے اختلافات پسند نہیں کرتے تھے اور مسلمانوں پر اس کے منفی اثرات ونتائج سے بخوبی آگاہ تھے اور اپنے آپ کو اس فضا میں رکھ کر اپنی فکری حیثیت کو بچا نہیں سکتے تھے، اس لئے آپ نے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۳ء کو مستقل طور پر حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا اور ہندوستان کی مذہبی فضا، جو آپ کے اپنے ہی خانوادہ کے اختلافات کے باعث مکدر ہو گئی تھی، ہجرت میں ہی عافیت سمجھی، اگرچہ اس دوران ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء کو شاہ اسماعیل سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے لیکن ان کی جماعت اور ہم خیال علماء کی سرگرمیاں جاری رہیں۔

شاہ محمد اسحٰق چونکہ شاہ عبدالعزیز محدث کے نواسے اور جانشین تھے اس لئے سارے ہندوستان کی معاشرتی اور مذہبی تحریکیں کسی نہ کسی حوالے سے آپ سے وابستہ تھیں، جب آپ نے دہلی سے حرمین الشریفین ہجرت کی تو ہر فرقہ کے اکابر خود کو شاہ محمد اسحٰق کا جانشین تصور کرنے لگے۔

تذکرہ رحمانیہ کے مولف کی معاصر شہادت ہے کہ جب شاہ محمد اسحٰق ہجرت کے دوران شہر دہلی سے جاتے ہوئے قطب صاحب میں ٹھہرے تو تمام عمائد شہر دہلی مشائعت کو وہاں تک پہنچے، تو عمائدین نے آپ

Marfat.com

سے دریافت کیا کہ حضرت! اپنا کوئی جانشین مقرر فرمادیجئے، اصحاب کے مکرر اصرار پر آپ نے فرمایا: "ہم نے قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور نواب قطب الدین خان کو حدیث پڑھادی ہے، ان سے استفادہ کرو"۔ ۱

ہجرت کے وقت میاں نذیر حسین دہلوی کی شاہ اسحٰق کے ساتھ جو گفتگو ہوئی کہ آپ اپنا کوئی جانشین مقرر کردیں تو شاہ صاحب نے غصہ سے فرمایا کون سی خدمت بادشاہی رکھتا تھا، جو اپنا جانشین کر جاؤں۔ ۲

گویا رخصت کے وقت شاہ صاحب نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا، حالانکہ شاہ صاحب کی ہجرت کے وقت (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۳ء) ہندوستان میں اکابر علماء بھی موجود تھے، جن میں سے اکثر آپ کے شاگرد تھے۔ ۳

تذکرہ رحمانیہ میں قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے معاصر بیان کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ صاحب کی ہجرت کے بعد خود شاہ صاحب کی نظر میں قاری عبدالرحمٰن پانی پتی (ف ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) اور نواب قطب الدین خان (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) آپ کے جانشین بننے کے قابل تھے، اس وقت آپ کے ایک اور بہت ہی قابل شاگرد شاہ عبدالغنی مجددی بھی دہلی میں موجود اور خانقاہ مظہری میں درس وتدریس میں ہمہ تن مصروف تھے اور اس ہجرت کے بعد بارہ سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے تھے، پھر ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کو آپ بھی حرمین کی طرف ہجرت کر گئے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ صاحب کے صحیح جانشین قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، نواب قطب الدین اور شاہ عبدالغنی مجددی ہی تھے۔

اب چونکہ آپ کی بزرگ شخصیت کی جانشینی کا دعویٰ کرنا بڑے اعزاز کی بات تھی، جانشینی کے معاملہ میں سب سے زیادہ مبالغہ میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے تلامذہ نے کیا، ۴ شاہ صاحب میاں صاحب

۱۔ محمد عبدالحلیم انصاری: تذکرہ رحمانیہ ۵۰

۲۔ عبدالرحمٰن پانی پتی، قاری: کشف الحجاب بحوالہ حیات شاہ محمد اسحٰق دہلوی مولفہ حکیم محمود احمد برکاتی ص ۲۷

۳۔ حکیم برکاتی صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب (ص ۹۲۔۹۳) میں شاہ صاحب کے ۴۳ تلامذہ کی فہرست دی ہے۔

۴۔ فضل حسین: الحیاۃ بعد المماۃ ص ۵۳

Marfat.com

کو طنزاً وہابی کہا کرتے تھے، جسے ان کے شاگردوں نے اعزاز قرار دیا تھا۔[1]

میاں صاحب کی معاصر سوانح میں میاں صاحب کو شاہ صاحب کے حلقۂ درس میں حاضر بتایا گیا ہے، لیکن تعجب ہے کہ ہجرت کے وقت شاہ صاحب نے میاں صاحب کو جو سند دی تھی اس میں واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہے کہ مجھ سے میاں صاحب نے صحاح ستہ کے صرف اطراف ہی پڑھے تھے[2] وہ کیسے شاہ صاحب کے جانشین ہو سکتے ہیں؟ یہ محض ان کی اور ان کے تلامذہ کی خوش فہمی تھی، آپ کے حقیقی جانشین وہ تین بزرگ علماء تھے، جن کا ہم نے مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا ہے۔

شاہ محمد اسحٰق کی جانشینی کا دوسرا رُخ دیوبندی حضرات کی طرف سے سامنے آیا، وہ اس طرح کہ دورِ آخر کے ایک عالم مولانا عبید اللہ سندھی نے ایک عجیب روایت بیان کی کہ:

"مولانا محمد اسحٰق مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی کو اپنے ساتھ لے گئے اور دہلی میں مولانا مملوک العلی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی اور مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالحی دہلوی کو ملا کر ایک بورڈ بنا دیا، جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے اور یہی جماعت ہے جو آگے چل کر دیوبندی نظام کو چلاتی ہے۔[3]

مولانا سندھی کے حوالہ سے یہ بات بار بار دہرائی اور کہی گئی، مولانا محمد میاں دیوبندی وغیرہ نے یہ رائے نقل کی ہے، خود دیوبندی محققین نے اس قیاس آرائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، مولانا نور الحسن راشد

۱۔ فضل حسین: الحیاۃ بعد المماۃ ۴۳۔۴۴ میاں نذیر حسین دہلوی، شاہ محمد اسحٰق کی موجودگی تک خود کو حنفی کہا کرتے تھے۔ (تذکرہ رحمانیہ، ص ۵۰)

۲۔ ایضاً ص ۴۵ علامہ سید سلیمان ندوی کو نواب صدیق حسن خان کے مسودات میں میاں صاحب کے حالات کا ایک مسودہ ملا تھا، جس میں انہوں نے شاہ اسحٰق کے درس میں باقاعدہ تحصیل کا ذکر کیا ہے۔
(حیات شبلی ۴۵۔۴۶)

۳۔ عبید اللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک ۱۲۴

Marfat.com

کاندھلوی نے بہت واضح الفاظ میں لکھا ہے:

''خاندان شاہ ولی اللہ اور سلسلۂ شاہ عبدالعزیز میں اس قسم کے کسی بورڈ یا مشاورتی کمیٹی کا کہیں وجود نہیں تھا، شاہ عبدالعزیز نے کوئی بورڈ بنایا نہ شاہ محمد اسحٰق نے مشاورتی کمیٹی تشکیل دی، نہ ہی شاہ صاحب کے سفرِ ہجرت کے بعد کوئی مشاورتی نمایندہ کمیٹی موجود تھی، مولانا سندھی بے شک ایک مدبر اور مفکر تھے...... انہوں نے جس طرح خاندان شاہ ولی اللہ کے سیاسی نظام کا تسلسل ثابت کیا ہے، اس کی صداقت مشتبہ ہے، مولانا سندھی کی تحریرات کے علاوہ اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا، مولانا سندھی کی ذہانت نے اس قسم کے کئی پیکر تراشے ہیں...... مگر تاریخی حقائق مولانا کی روایات کا ساتھ نہیں دیتے، مولانا حسین احمد مدنی نے بھی اس روایت کی تردید کی ہے۔''[1]

Marfat.com

تالیفات

درس وتدریس اور دعوت وارشاد کی مصروفیات میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کو تصنیف وتالیف کی طرف کامل توجہ کا موقع نہیں ملا، اس کے باوجود آپ نے کئی کتب تالیف کیں، جن میں سے دستیاب ہونے والی کتابوں کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ انجاح الحاجۃ حاشیہ علی سنن ابن ماجہ

۲۔ تبریز المکنونات فی تخریج احادیث المکتوبات

۳۔ تکملہ مقاماتِ مظہری

۴۔ تحفۂ تیموریہ

۵۔ نصاب الاحتساب (اردو ترجمہ)

۶۔ شجرہ منظوم خاندان نقشبندیہ (فارسی)

۷۔ شفاء السائل

۸۔ مکتوبات شاہ عبدالغنی

۱۔انجاح الحاجۃ (عربی)

سنن ابن ماجہ پر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی قدس سرہ کا یہ بہت مفید، نفیس اور لطیف حاشیہ ہے، جس میں آپ نے سند کے طور پر فن حدیث کی بہت سی نادر کتابوں کے حوالے اور اقتباسات دیئے ہیں، جس سے محشی کی اس فن میں بالغ نظری کا بخوبی اندازہ لگا کر اس حاشیے کا علمی مقام متعین کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے حاشیہ کی چند خصوصیات تحریر کی جاتی ہیں:

۱۔ یہ حاشیہ مختصر مگر جامع ہے، اس میں نہ تو طوالت ہے کہ پڑھنے والا اُکتا جائے اور نہ ہی حد سے زیادہ اختصار ہے۔

۲۔ بعض اوقات حدیث کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہیں مثلاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

Marfat.com

''تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ قیامت کے قائم ہونے تک میری امت کا ایک گروہ لوگوں پر ظاہر رہے گا اور وہ موافقت یا مخالفت کرنے والوں کی پروانہیں کرے گا۔''

امام ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''غالباً حضرت معاویہ ابن ابوسفیان کا مقصد اس حدیث کے پیش کرنے سے اپنی اور اپنے رُفقاء کی حقانیت پر استدلال تھا، کیونکہ اس وقت ظاہر، غالب اور منصور گروہ اُن ہی کا تھا، اگر وہ گروہ حق پر اور اللہ تعالیٰ کے امر پر عمل پیرا نہ ہوتا تو یہ حدیث صادق نہ ہوتی۔''[1]

۳۔ اسماء رجال پر بھی اُن کی نظر گہری ہے، امام ابن ماجہ نے اپنی سند میں ابو اسماء الرجبی کا ذکر کیا، اس پر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''ان کا نام عمرو بن مرثد ہے، بعض نے کہا کہ عبداللہ ہے، یہ ثقہ ہیں اور تیسرے درجے کے راوی ہیں، جیسا کہ التقریب (اسماء رجال کی کتاب) میں ہے۔ الرجبی، یہ نسبت ہے رحبۃ الکوفہ کی طرف۔''[2]

۴۔ حدیث پر وارد ہونے والے اشکالات کا بڑی عمدگی سے ازالہ کرتے ہیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصنیفات کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اور جا بجا اُن کے حوالے پیش کرتے ہیں، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کی جس کی اصل ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس سے بظاہر صرف اور نحو وغیرہ علوم کا ممنوع اور مردود ہونا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ان کے بغیر دین کا فہم پیدا نہیں ہو سکتا، اس پر شاہ صاحب اس حدیث کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

۱۔ عبدالغنی مجددی، شاہ: انجاح الحاجۃ حاشیہ سنن ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی، ص۲ ۲۔ ایضاً: ص۲

Marfat.com

''مراد یہ ہے کہ جو چیز دین کے وسائل میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے، کیونکہ وسیلہ تو خود دین میں داخل ہے، اسی لئے شیخ مجدد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ علوم جو دین کے معاملہ میں وسیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے: صرف اور نحو، وہ سنت میں داخل ہیں، ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ (حاشیہ ابن ماجہ، ص۲)

۵۔ بعض اوقات الفاظ حدیث کے ضبط (اعراب لگانے) اور لغوی معنی کی تحقیق بھی کر جاتے ہیں، مثلاً سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے:

من ترک الکذب وھو باطل بُنِیَ لہ قصر فی ربض الجنۃ

''جو شخص غلط موقف پر ہونے کے باوجود جھوٹ کو ترک کرتا ہے اس کے لئے جنت کے اطراف میں محل بنایا جائے گا۔''

''ربض الجنۃ'' پر شاہ صاحب نے حاشیہ لکھا جس میں وہ فرماتے ہیں: ''ربض'' کی باء پر فتح ہے، اس کا معنی ہے جنت سے باہر ارد گرد کا ماحول، اس جگہ کو شہروں اور قلعوں کے آس پاس کی آبادی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (حاشیہ ابن ماجہ، ص٦)

٦۔ احادیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کی طرف لطافت کے ساتھ اشارہ کر جاتے ہیں، مثلاً حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ہم صحت مند نوجوان تھے، ہم نے قرآن پاک کا علم حاصل کرنے سے پہلے ایمان سیکھا، پھر ہم نے قرآن پاک پڑھا تو ہمارے ایمان میں ترقی ہوگئی۔

اس پر شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ علم فقہ اور قرآن پاک پڑھنے سے پہلے علم عقائد پڑھا جائے گا۔

(حاشیہ ابن ماجہ، ص٧)

بعض مقامات پر امام ابن ماجہ کی روایات پر مدلل تنقید بھی فرماتے ہیں، مثلاً امام ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

ایمان دل کی معرفت، زبان کے اقرار اور ظاہری اعضاء کے اعمال کا نام ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو الصلت ھروی ہیں، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، انہوں نے اسے موضوع قرار دیا ہے، اس میں ابو الصلت ھروی کی وجہ سے خرابی آئی ہے، عُقیلی نے کہا وہ کذّاب تھا، التقریب میں ہے کہ وہ سچا تھا لیکن منکر روایتیں بھی بیان کر جاتا تھا اور شیعہ تھا، ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا، اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا: مجد الدین فیروز آبادی نے کتاب الصراط المستقیم میں فرمایا کہ مشہور حدیث الایمان قول و عمل و یزید و ینقص والایمان لایزید و لاینقص سب غیر صحیح ہیں، زرکشی نے اپنی کتاب کی ابتداء میں امام بخاری سے روایت کیا کہ اُن سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا: الایمان لایزید و لاینقص تو انہوں نے فرمایا، جو اسے بیان کرے وہ ضرب شدید اور طویل قید کا مستحق ہے۔''

(حاشیہ ابن ماجہ، ص ۸)

اس سے حضرت شاہ صاحب کی عالمانہ تحقیق اور وسعت نظر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انجاح الحاجۃ پر علماء کی آراء

حضرت شاہ محمد معصوم رام پوری (متوفی ۱۳۴۱ھ) فرماتے ہیں:

''سنن ابن ماجہ پر حاشیہ نفیسہ مسمّٰی بہ انجاح الحاجۃ نہایت مفید لکھا ہے۔'' [۱]

مولانا محمد حسن جان مجددی (متوفی ۱۳۶۵ھ) نے بھی اسے بہت مفید حاشیہ قرار دیا ہے:

''بر سننِ ابن ماجہ حاشیہ مفیدہ......نوشتہ اند'' [۲]

مولانا عبدالحی حسنی (متوفی ۱۳۴۱ھ) نے اسے سنن ابن ماجہ پر ''نفیس ذیل'' بتایا ہے:

''له ذیل نفیس علی سنن ابن ماجه'' [۳]

مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی فرماتے ہیں:

''سنن ابن ماجہ کا نہایت ہی لطیف حاشیہ لکھا ہے۔'' [۴]

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد خاص شیخ محسن بن یحییٰ الرہٹی نے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء کو لکھا:

صنف بها ذيلاً نفيسا على سنن ابن ماجة سماها انجاح الحاجة اودعه نموذجا من عتيد علمه و طريف فقهه فلا تسئل عن حسن موقعها و غزارة نفعها...... الخ ۵۔

انجاح الحاجۃ کے مختلف ایڈیشن

ابن ماجہ پر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کا یہ حاشیہ پہلے دہلی سے ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں طبع ہوا، ۶ اس اشاعت میں انجاح الحاجۃ کے ساتھ مولانا جلال الدین سیوطی کا حاشیہ مصباح الزجاجۃ بھی شامل ہے۔

دوسری مرتبہ پھر دہلی سے ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں سنن ابن ماجہ کے حاشیہ پر شرح للفخر الحسن طبع ہوا۔

تیسری مرتبہ بھی دہلی سے ہی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ان مذکورہ حواشی سمیت شائع ہوا، یہی ایڈیشن ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں پھر منظر عام پر آیا۔

چند سال پہلے نور محمد اصح المطابع، کراچی نے ان دونوں مذکورہ حواشی کے ساتھ اسے چھاپ دیا ہے، نیز جن اصحاب نے سنن ابن ماجہ کے مختلف حواشی کو یک جا کر کے شائع کیا، ان میں ''انجاح الحاجۃ'' بھی شامل ہے۔

۲۔ تبریز المکنونات فی تخریج احادیث المکتوبات (عربی)

یہ کتاب امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں محولہ احادیث کی تخریج پر مشتمل ہے، شاہ عبدالغنی مجددی کے زمانہ میں حدیث شریف کی کوئی فہارس بھی شائع نہیں ہوئی تھیں، چونکہ اس کتاب کے مولف خود

۱۔ محمد معصوم مجددی: ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین، ص ۳۴

۲۔ محمد حسن جان مجددی: انساب الانجاب، ص ۳۹ ۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۸۹

۴۔ زید، ابوالحسن فاروقی: مقاماتِ خیر ص ۶۷ ۵۔ محسن ترہٹی: الیانع الجنی ص ۵۹

۶۔ ڈاکٹر احمد خان صاحب کو سہوا ہوا ہے، انہوں نے معجم المطبوعات العربیہ ۱۶۱ میں ''انجاح الحاجۃ'' کے مولف کا نام محمد بن اسماعیل بن عبدالغنی لکھ دیا ہے اور سال وفات ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء بھی درج کیا ہے، جو درست نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب نے شاہ محمد اسماعیل دہلوی کی عربی کتاب ''ردالاشراک'' کی تخریج احادیث کے مولف اور صاحبِ انجاح الحاجۃ کو ایک ہی تصور کر لیا ہے، جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

محدث، مسندِ وقت اور حافظ حدیث تھے، آپ نے اپنی معلومات کے مطابق مکتوبات میں وارد ہونے والی احادیث کی تخریج کی کوشش کی، پھر حضرت مولف کے وصال (۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء) کے دو سال بعد ایک فاضل مولانا محمد سعید نائطی [۱] (ف ۱۰ ر شعبان ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء) نے ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء کو مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کا یہ رسالہ تخریج احادیث مدینہ منورہ میں دیکھا تو ان کو محسوس ہوا کہ تخریج کے اس کام میں قدرے کمی رہ گئی ہے، لکھتے ہیں:

"لکن عزا کثیراً من الاحادیث التی لم یظفر بها الی الوضع والضعف و عدم وجود اصله وایضاً ما ذکره الامام الموصوف فی بعض المواقع من بعض الاحادیث المشهورة وغیرها...... ثم رایتُ تعقباً علیه للفاضل السندی الا انه اخلّ بمقاصده......" [۲]

گویا مولانا محمد سعید سے پہلے ایک سندھی فاضل نے بھی مولانا شاہ عبدالغنی کے اس رسالہ کا تعاقب کرتے ہوئے ایک رسالہ لکھا تھا، مولف نے اس سندھی عالم کا نام نہیں لکھا اور ہمیں بھی اس وقت تک پیش نظر کتب تراجم میں اس سندھی فاضل کا نام اور ان کے رسالہ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

مولانا نائطی کی یہ تخریج "تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی" کے نام سے مطبع فیض الکریم، حیدرآباد، دکن سے ۱۳۱۱ھ کو طبع ہوئی تھی۔

۱۔ مولانا محمد سعید نائطی کی ولادت ۳ ر جمادی الاول ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء کو ہوئی، آپ کا عرف نانا میاں اور آپ کے والد گرامی امام قاضی مولانا محمد صبغۃ اللہ مخاطب بہ بدرالدولہ قاضی الملک دادرس خان مستعد جنگ نائطی شافعی اپنے وقت کے اکابر علماء میں تھے، مولانا محمد سعید نے اپنے والد کے علاوہ دیگر علماء کی خدمت میں بھی تحصیل کی اور حدیث پر کامل عبور تھا، ایک بڑے ذاتی کتب خانے کے مالک تھے، آپ حکومت آصفیہ، دکن کی عدالت کے مفتی تھے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
عزیز جنگ: تاریخ النوائط ۴۵۶۔۴۶۱

۲۔ تشیید المبانی ص ۳

Marfat.com

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کا رسالہ ''تبریز المکنونات'' بھی صرف ایک مرتبہ ہندوستان سے شائع ہوا، پھر کبھی اس کی تجدید طبع کا علم نہیں ہوسکا۔

مکتوبات میں منقولہ احادیث کی تخریج کا مولانا نور احمد امرتسری نے اپنے مصحح نسخہ کے حواشی میں اہتمام کیا تھا، لیکن اس وقت تک بھی احادیث کے اشاریے شائع نہیں ہوئے تھے، آخری کام ڈاکٹر بابر متعالی کا ہے، جوانہوں نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے پی ایچ ڈی کے مقالہ کی صورت میں کیا، ان کے وقت کئی اہم فہارس احادیث چھپ چکی تھیں۔

تکملہ مقاماتِ مظہری (فارسی نثر)

مقاماتِ مظہری حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کے احوال، مکتوبات، ملفوظات اور تعلیمات پر مشتمل ہے، جسے آپ کے جانشین حضرت شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) نے تالیف کیا اور جب یہ کتاب پہلی مرتبہ شاہ عبدالغنی مجددی کی ہجرت حرمین الشریفین سے پہلے ۱۲۶۹ھ کو مطبع احمدی، دہلی میں زیر طبع تھی تو اس کے ناشر عبدالرحمٰن خان [۱] خانقاہِ مظہری، دہلی میں حاضر ہوئے اور اس پر ایک ضمیمہ لکھنے کی درخواست کی، جس میں کتاب کے مولف حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے حالات آپ نے تحریر کئے ہیں، یہ حالات زیادہ تر ''جواہر علویہ'' سے ماخوذ ہیں، لیکن شاہ صاحب نے اس میں قابلِ قدر اضافات بھی کئے ہیں، پھر یہ ضمیمہ مقامات کی بعد کی اشاعتوں میں بھی شامل ہوتا رہا۔

ہمارے مقامات مظہری کے اردو ترجمہ میں بھی شامل ہے، جس پر ہم نے تعلیقات جدیدہ کا اضافہ کیا ہے۔

۱۔ حاجی عبدالرحمٰن خان متخلص بہ شاکر، شاہ ابوالحسن نصیر آبادی کے مرید تھے، جو شاہ مراد اللہ فاروقی خلیفہ شاہ نعیم اللہ بہڑائچی (خلیفہٗ حضرت مظہر) سے وابستہ تھے، انہوں نے مطبع احمدی، دہلی کے علاوہ مطبع نظامی، کانپور میں بھی قائم کیا تھا، جہاں سے بہت سی نادر الوجود عربی و فارسی کی کتب طبع ہوئیں، ان میں معمولات مظہریہ کا بہترین محقق ایڈیشن بھی شامل ہے (آثار حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید مولفہ سید ظفر احسن بہڑائچی، ص ۲۵۷۔۲۵۸) مطبع احمدی اور مطبع نظامی کی تاریخ کے لئے دیکھئے: محمد اشرف: اختر شاہنشاہی، لکھنو ۱۸۸۸ء ص ۱۶،۴،۲۷

Marfat.com

نصابِ الاحتساب (اردو ترجمہ)

نصاب الاحتساب شیخ عمر بن محمد بن عوض سنامی کی تالیف ہے، جو آٹھویں صدی ہجری کے اکابر علماء میں سے تھے، ان کا تعلق ہندوستان کے مشہور قصبہ سنام سے تھا، جو اس وقت مشرقی پنجاب میں پٹیالہ کے جنوب مغرب میں آباد ہے، اس کتاب کے مولف سنام سے دہلی آ گئے تھے اور قاضی ضیاء الدین سنامی کے نام سے مشہور تھے، آپ اپنے عہد کے ایسے علماء میں تھے، جن کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے:

"در دیانت و تقویٰ مقتدیٰ وقت بود، بر پایۂ شریعت و بہ غایت قدم راسخ داشت......او کتابی است مسمیٰ بہ نصاب الاحتساب......نقل است کہ شیخ نظام الدین اولیاء در مرض موت مولانا ضیاء الدین سنامی بہ عیادت رفت، مولانا دستارچۂ خود را بہ پای شیخ انداخت، شیخ دستارچہ برچید و بر چشم نہاد......" [1]

شیخ ضیاء الدین سنامی کے مزید حالات تذکروں میں نہیں ملتے، ان کا سالِ وفات بھی معلوم نہیں ہے تاہم وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) کے حینِ حیات فوت ہوئے، [2] مولانا ابوالوفا افغانی مرحوم کے قول کے مطابق مولانا سنامی کی قبر، خلد آباد (نزد اورنگ آباد) میں خلد آباد کی کالی مسجد کے پاس ہے۔ [3]

قاضی سنامی کے خاندان کے افراد سنام سے دہلی اور پھر ہندوستان کے کئی مقامات پر منتقل ہوئے، کاندھلہ کے مفتی الٰہی بخش نشاط کا تعلق اسی خانوادہ سے تھا۔ [4]

نصاب الاحتساب کا عربی متن جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ کے ایک استاد مریزن عسیری نے مرتب کیا، جو مکتبہ الطالب الجامعی، مکہ مکرمہ سے ۱۹۸۶ء کو طبع ہوا۔

نصاب الاحتساب کا اردو ترجمہ مولانا شاہ عبدالغنی مجددی نے کیا، جو اس وقت عام فہم نہیں ہے بلکہ پرانی وضع کا ترجمہ ہے، اس کے آغاز میں مترجم نے اپنا نام نہیں لکھا اور نہ ہی مطبع احمدی، دہلی کے ناشر

۱۔ اخبار الاخیار ۲۱۳ ۲۔ ایضاً

۳۔ راشد، نورالحسن کاندھلوی: مختصر تذکرہ مفتی الٰہی بخش نشاط ۲۳ ۴۔ ایضاً ۲۰۔۲۷

Marfat.com

حاجی عبدالرحمٰن خان شاکر نے، جو کہ آپ کے مرید تھے کتاب کے سرورق اور خاتمہ میں آپ کا نام بحیثیت مترجم لکھا ہے، البتہ آپ کے خاندان کے آخری عالم حضرت ابوالحسن زید فاروقی نے لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ مولانا شاہ عبدالغنی نے کیا تھا، آپ نے اس کے پہلے ورق کے حاشیہ اور مقاماتِ خیر میں بھی یہی لکھا ہے۔ [1]

یہ ترجمہ مطبع احمدی، دہلی سے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء کو طبع ہوا تھا۔

تحفۂ تیموریہ (فارسی نثر)

یہ کتاب شاہ عبدالغنی مجددی نے اپنے زمانہ کی بدعات کی اصلاح کے لئے تالیف کی تھی، مولانا نواب قطب الدین خان دہلوی (ف ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) اور خود حضرت مولف کی فرمائش پر مولانا عبدالرزاق بن ہدایت النبی عرف غلام نبی سہارنپوری [2] نے اردو میں ترجمہ کیا، خود مولف اس رسالہ کی تالیف کی غرض و غایت اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اکثر آدمی اس ملک کے......اور خاص کر رئیس قلعۂ سلطانی کے اس بے پردگی اور بے حیائی میں مبتلا ہیں اور مجالسِ عرسوں اور شادیوں میں مرد اور عورت خوب بن ٹھن اور سنگھار کر کے جاتی ہیں اور ہنسی، ٹھٹھا بے محابا کرتی ہیں اور اس کو اپنا طریقہ ٹھہرایا ہے، علاوہ اس کے یہ بھی کہ خاوند اور اقربا ان عورتوں کی ان امور شنیعہ کو دیکھتے ہیں اور کچھ مزاحم نہیں ہوتے بلکہ مانند شیر وشکر کے ان میں ملتی جلتی بیٹھتی اٹھتی ہیں، گمانِ غالب میرے نزدیک یوں ہے کہ زوالِ دولت اور سلطنت ان کی انہی حرکات اور افعال ناشائستہ سے وقوع میں آیا......اور یہ رسالہ واسطے اولاد تیمور کے بنایا گیا، اس واسطے اس کا نام ''تحفۃ التیموریہ فی باب الحیاء والغیوریہ'' رکھا۔'' [3]

۱۔ مقاماتِ خیر ۷۷

۲۔ مولانا عبدالرزاق سہارنپوری، علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد تھے، مقالاتِ طریقت (۱۵۲) میں ایک روایت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے متعلق علامہ خیرآبادی سے کی گئی ہے، مترجم سہارنپوری کو اس وقت کے اکابر علماء علامہ خیرآبادی، نواب قطب الدین خان اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کی صحبت میسر تھی۔

۳۔ تحفۂ تیموریہ ۴۔۶

Marfat.com

تحفۂ تیموریہ کے فارسی متن کی طباعت کا ہمیں علم نہیں ہے، البتہ اس کا مذکورہ اردو ترجمہ مطبع مطیع الرحمٰن سے ۱۲۶۹ھ کو طبع ہوا، یہ مطبع شاہ جہاں آباد میں تھا، اس کے سرورق پر تحریر ہے "حسب الحکم جناب عبدالرحمٰن خان طبع ہوا"، یہ بزرگ وہی ہیں جنہوں نے کتاب "مقاماتِ مظہری" کا ضمیمہ اسی سنہ کو مطبع احمدی، دہلی سے شائع کی تھی۔

شفاء السائل

چونکہ شاہ عبدالغنی مجددی ایک حنفی عالم تھے، آپ نے اس کتاب میں حنفی فقہ کے مطابق مسائل کا حل پیش کیا ہے، مولانا ابوالحسن زید فاروقی مرحوم نے "مقاماتِ خیر" میں اس پر اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک از خدا ناترس نے اس پر حاشیہ لکھا ہے اور آپ کو برا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔" [۱]

یہاں آپ نے اس معترض کا نام نہیں لکھا لیکن جب آپ نے ان اعتراضات کے جواب میں فارسی نثر میں ایک ضخیم کتاب "القول السنی فی الذب عن الشیخ عبدالغنی" ۱۲۶۰ھ کو لکھی تو اس کے آغاز میں معترض کا نام میر محبوب علی جعفری (ف ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء) تحریر کیا ہے، یہ مولانا جعفری ایک غالی قسم کے غیر مقلد تھے، پہلے مجاہدین بریلی کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے پھر بعض اسباب کی بنا پر اس تحریک سے الگ ہو گئے، علیحدگی کے اسباب کچھ بھی رہے ہوں، وہ سید احمد بریلوی کے الہامات اور خود کو امیر المومنین منوانے کے اصرار پر ان سے الگ ہوئے تھے، ابتداء میں انہوں نے شاہ اسماعیل دہلوی کی متنازع کتاب "تقویت الایمان" پر اثباتی حواشی بھی لکھے تھے جو شائع ہو چکے ہیں، لیکن جب شاہ صاحب نے تقلید کی مخالفت شروع کی تو مولانا محبوب علی نے ان کے خلاف کئی رسائل لکھے، [۲] ابتداء میں مولانا میر محبوب علی متصلب سنی حنفی تھے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے تلمذ تھا، لیکن سید صاحب سے بیعت کے بعد ان کے نظریات میں توسع پیدا ہوا اور وہ شاہ عبدالعزیز کی مجالس میں جا کر بھی ایسے ہی سوالات کرتے تھے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاہ اسماعیل کے مواعظ سے متاثر ہو چکے تھے، [۳] سر سید احمد خان نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو جہاد قرار دینے سے انکار کرتے ہوئے اس کے فتویٰ جہاد پر دستخط نہیں کیے تھے۔ [۴]

۱۔ مقاماتِ خیر ۷۷ ۲۔ محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ ۹۸

۳۔ مقالاتِ طریقت ص ۹۱، ۳۰۹ ۴۔ ہنٹر پر ہنٹر ص ۳۲

Marfat.com

مولانا شاہ عبدالغنی کے رسالہ ''شفاء السائل'' پر اعتراضات کا تعلق بھی ان کے اس زمانہ سے ہے جب وہ شاہ اسماعیل کے نظریات سے متاثر ہوئے تھے اور ان کی کتاب ''تقویت الایمان'' پر اثباتی حواشی لکھے تھے، چونکہ مولانا ایک حنفی تھے اور یہ حنفیت سے رجوع کر کے غیر مقلد ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے مولانا کے اس رسالہ پر اعتراضات کئے تھے، مولانا زید کا جواب ''القول السنی فی الذب عن الشیخ عبدالغنی'' کا فارسی متن خانقاہ سلطانیہ، کالا دیو، ضلع جہلم سے ۲۰۱۹ء کو صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی کے اہتمام سے طبع ہوا ہے، رسالہ شفاء السائل کی تالیف کے محرک محمد میر نے آپ کی ہجرت سے پہلے ہی شائع کروا دیا تھا۔

شجرۂ منظوم خاندان عالیہ نقشبندیہ (فارسی منظوم)

یہ مولف کا شجرہ طریقت ہے، جو آغاز سے اپنے والد گرامی شاہ ابوسعید مجددی تک کے اسماء نظم کر کے رب کریم کے حضور ان کے طفیل فضل ایزدی کی دعا کی ہے، چھ صفحات کا یہ شجرہ مطبع نظامی، کانپور سے ۱۸۵۵ء کو مسیح الزمان ولد مولوی نور محمد کے اہتمام سے شائع ہوا، ہم نے کتاب ''ذکر السعیدین'' کے ساتھ بطور ضمیمہ اسے عکسی صورت میں طبع کروا دیا ہے، اس فارسی نظم میں مولف نے اپنا تخلص غنی لکھا ہے، عام طور پر آپ شعر نہیں کہتے تھے بلکہ صرف یہ شجرہ یا کسی بزرگ کی وفات پر قطع ہی لکھا ہوگا، شعراء کے تذکروں میں آپ کا ذکر بحیثیت شاعر نہیں کیا گیا، آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ مبارک کی مدح میں بھی فارسی میں ایک منقبت لکھی تھی، جس کا عکس کتابِ حاضر کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

مکاتیب

آپ کے مکاتیب نہایت لطیف اور پر از معانی ہوتے تھے، آپ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ حافظ محمد یعقوب مجددی [1] نے جمع کیا تھا، انہوں نے وہ مبارک خطوط حضرت شاہ ابوالخیر مجددی کو سنائے تھے، وہ ان کو طبع کروانے کا ارادہ رکھتے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور یہ مجموعہ ضائع ہو گیا، شاہ عبدالغنی مجددی نے شاہ ابوالخیر کو گیارہ خطوط لکھے تھے، جو آپ کے فرزند گرامی مولانا زید نے مقاماتِ خیر میں نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں۔ [2]

ا۔ شیخ محمد یعقوب مجددی پانی پت میں رہتے تھے، شاہ محمد معصوم رامپوری بن شاہ عبدالرشید بن شاہ احمد سعید مجددی سے بیعت تھے۔ (مقاماتِ خیر ۴۹۱)

۲۔ مقاماتِ خیر ۷۸۔۸۱)

Marfat.com

شاہ عبدالغنی کا ذوقِ سخن

اگرچہ آپ کا شب و روز شغل درس و تدریس اور دعوت و ارشاد تھا، آپ نے شعر و سخن کی طرف باقاعدہ توجہ نہیں کی، تاہم اس عہد کے ادبی ماحول اور پھر دہلی جیسے مرکزِ علم و ادب میں آپ شعر کہے بغیر نہ رہ سکے۔

فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے اور ان زبانوں میں آپ نے ''غنی'' تخلص کے طور پر اختیار کیا ہے، جیسا کہ ہم آپ کی تالیفات کے تحت آپ کے ایک منظوم فارسی شجرۂ خاندانِ عالیہ نقشبندیہ کی تفصیل درج کر چکے ہیں، اس میں آپ نے اپنا تخلص غنی ہی لکھا ہے۔

ترحم بر غنی بیکسی ہم خداوند بحق اسم اعظم

آپ کے یہ دو اُردو اشعار بھی ملے ہیں۔

کجا صوفی وصال یار ہیہات کہاں ممکن کہاں وہ ذات بیچوں
غنیؔ تو عشق کا ہرگز نہ دم بھر کہ حیران ہیں یہاں موسیٰ و ہارون!

شاہ عبدالغنی کی ایک فارسی مدحیہ نظم در صفت روضۂ حضرت مجدد الف ثانی بھی ہے، جس کا عکس کتابِ حاضر کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

لیکن فارسی اور اُردو شعراء کے تذکروں میں آپ کا بحیثیت شاعر تذکرہ نہیں ملتا، جس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ آپ شاعری پیشہ ور شعراء کی طرح نہیں کرتے تھے، بلکہ احیاناً کبھی کچھ کہہ لیتے تھے۔

اولاد شاہ عبدالغنی مجددی

آپ نے تین نکاح کئے، پہلی زوجہ خاندان مجددیہ سے تھیں یعنی گیتی آراء بیگم، جن کے بطن سے ایک فرزند اور چھ بیٹیاں تولد ہوئیں، ان میں عبداللہ، زینب، ام الفضل، کلثوم، امۃ اللہ کبریٰ، رقیہ اور رابعہ، ان میں سے ام الفضل کا نکاح تو شاہ محمد مظہر بن شاہ احمد سعید سے ہوا اور بی بی رقیہ کا نکاح شاہ عبدالرشید بن شاہ احمد سعید سے ہوا تھا۔

۱۔ مقاماتِ خیر ۸۱

Marfat.com

آپ کی دوسری زوجۂ محترمہ نسلاً افغان تھیں، جن کے بطن سے امۃ اللہ صغریٰ، تقیہ، عبدالرحمٰن، اسماعیل، میمونہ، امۃ الرحمٰن اور عبداللہ تولد ہوئے۔

آپ کی تیسری زوجہ مغربیہ تھیں، جن سے عبدالاحد اور صالح پیدا ہوئے۔

اس حساب سے آپ کی کل اولاد چھ فرزند اور دس بیٹیاں تھیں، [1] ان میں سے بی بی امۃ اللہ نے آپ سے مروجہ دینی علوم کی تحصیل کی تھی اور وہ آپ کے وصال سے ۱۳۵۷ھ تک آنے والے علماء کو حدیث کی سند دیتی تھیں۔[2]

شاہ عبدالغنی مجددی کی املاک

آپ کی املاک میں صرف ایک مکان واقع محلّہ باب البصری، مدینہ منورہ میں تھا، جسے آپ نے حینِ حیات ہی اپنی اولاد کے لئے وقف کر دیا تھا، کہ اس کی آمدنی کا ہر ایک کو مساوی حصہ ملتا رہے، اس کا وقف نامہ نوشتہ ۲۱/ذی الحج ۱۲۹۶ھ یعنی آپ کے وصال (۷/محرم ۱۲۹۶ھ) کے تقریباً ایک سال بعد محکمہ شرعیہ نے تصدیق کی تھی، اصل قبالہ کے الفاظ اس طرح تھے:

"قد وقف الدارین المرحوم الشیخ عبدالغنی بن شیخ ابی سعید المجددی النقشبندی الدھلوی وھو فی حالِ صحتہٖ و سلامتہٖ ونفوذ جمیع تصرفاتہ الشرعیہ بالطوع والاختیار علٰی نفسہٖ مدۃ حیاتہ، ثم من بعدہ علی اولاد و اولاد اولاد و اولاداً واولادہ الی الانقراض، ثم من بعدھم علی الاقرب فالاقرب الیہ من ذریۃ جدہ الامام الربانی المجددی ثم من بعدھم علی قریش کل من اثبت انہ قریش یدخل فی الوقف المذکور (قد تم بیان الحجۃ کتب فی ۲۱/ ذی الحجہ الحرام ۱۲۹۶ھ" [3]

۱۔ ان سب کی اولاد کی تفصیل کے لئے دیکھئے:

(۱) ابوالخیر احمد مکی: ہدیۂ احمدیہ ۱۱۹۔۱۲۱ (۲) مقاماتِ خیر ۸۱

۲۔ اس امر کی تفصیل اسی مقدمہ میں جداگانہ بیان کر دی گئی ہے۔

۳۔ ہدیۂ احمدیہ مرتبہ عبدالمجید (از اولاد حضرت مجدد الف ثانی) مطبوعہ خانقاہِ معصومی، رامپور ۱۴۱۸ھ یہ قبالہ کتاب ہدیۂ احمدیہ طبع اول مطبع انتظامی، کانپور ۱۳۱۳ھ، ص ۷۸ میں نہیں ہے۔

Marfat.com

اس مکان میں آپ کی متروکہ املاک میں ایک کتب خانہ بھی تھا، جو حجاز مقدس کی روایت کے مطابق جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی اشیائے منقولہ فروخت کر دی جاتی ہیں اور رقم ورثاء میں تقسیم کر دی جاتی ہے، چنانچہ شاہ عبدالغنی کی وفات پر جب آپ کا سامان فروخت ہوا تو حضرت شاہ ابوالخیر مجددی ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے، آپ نے اس میں سے تیرہ نفیس کتب خرید لیں۔ ۱

شاہ عبدالغنی مجددی کے اقارب

جیسا کہ ہم نے کتاب کے آغاز میں آپ کے اجداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے حضرت والد حضرت شاہ ابوسعید مجددی (ف ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، بڑے فرزند حضرت شاہ احمد سعید مجددی (ف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) دوسرے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اور تیسرے شاہ عبدالمغنی تھے، شاہ ابوسعید کی دختر مجیدہ بیگم کا نکاح میاں امین احمد بن عزیز احمد یحیوی سے ہوا تھا۔ ۲

آپ کے فرزندوں میں سے فرزند اکبر حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے تین صاحبزادے باکمال ہوئے یعنی شاہ عبدالرشید، شاہ محمد عمر اور شاہ محمد مظہر، ان تینوں نے حدیث شریف شاہ عبدالغنی کی خدمت میں پڑھی، شاہ احمد سعید مجددی تو ۱۸۵۷ء کے غدر کو جہاد قرار دے کر اس کے فتویٰ جہاد پر اثباتی دستخط کر کے دہلی کی خانقاہ مظہری سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے، جہاں آپ تین چار سال بقیدِ حیات رہ کر دعوت وارشاد میں مصروف رہے اور اُن سے عالمِ اسلام کے روحانیت کے طالبوں نے فیض حاصل کیا، آپ کے مذکورہ تینوں فرزندان گرامی بھی بہت فعال اور سلسلہ نقشبندیہ کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل رہے۔

شاہ ابوسعید مجددی کے تیسرے فرزند شاہ عبدالمغنی (۱۲۳۹۔۱۲۹۲ھ/۱۸۲۳۔۱۸۷۵ء) بھی مدینہ منورہ میں دعوت وارشاد میں مصروف کار رہے اور اپنے منجھلے بھائی شاہ عبدالغنی سے ظاہری و باطنی فیض پایا، شاہ عبدالغنی نے خود لکھا ہے: "واجاز ابنه الاصغر الشيخ عبدالمغنى ايضاً" ۳

۱۔ مقاماتِ خیر ۱۵۷

۲۔ مقاماتِ خیر ۸۱۔۸۲، ذکر السعیدین ۸۸۔۸۹

۳۔ المورد الهنی فی اسانید شیخ عبدالغنی ۷۷۔ الف

Marfat.com

شاہ عبدالغنی مجددی کا وصال

آپ کا وصال مدینہ منورہ میں سہ شنبہ ۷ر محرم ۱۲۹۶ھ/ ۳۱ر دسمبر ۱۸۷۸ء کو ہوا، [۱] اور جنت البقیع میں دفن ہوئے، قریب قبہ مبارک امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پائیں مزار حضرت شاہ احمد سعید مجددی آپ کا مدفن شریف بنا۔ [۲]

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے وصال کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے، جو ایک معاصر مورخ علی موسیٰ آفندی نے اپنی کتاب ''وصف المدینۃ المنورہ'' میں لکھا ہے کہ وہ مصحف شریف جو حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پیش نظر رہتا تھا، وہ حضور ﷺ کے حجرۂ معطرہ میں رکھا رہتا تھا اور صرف خاص اوقات میں دفع وبا کے لئے نکال کر پڑھا جاتا تھا ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء کو مدینہ منورہ میں ایک وبا پھوٹی تو وہاں کے بڑے علماء و عاملین نے (غالباً گورنر مدینہ منورہ کی درخواست پر) وہ مبارک نسخہ نکال کر پڑھا اور دفع وبا کے لئے دعا کی، پہلے حرم نبوی کے خطیب مولانا محمد علی بابُیؒ نے اسے پڑھا اور وہ تین دن کے اندر فوت ہو گئے، اس کے بعد علماء عاملین میں سے سید عبداللہ الدراجی تونسی اور سید محمد بن سانوسی فاسی نے بھی پڑھا، آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی نے بھی اس کی قرأت کے بعد دعا کی تو وہ بھی سابقہ علماء کی طرح تین دن کے اندر فوت ہو گئے۔ [۳]

اس واقعہ کا ذکر پاکستان و ہند میں لکھے جانے والے تذکروں میں نہیں آسکا، یہ وبا ترک سلطان عبدالحمید ثانی (۱۲۹۴۔۱۳۲۷ھ/ ۱۸۷۷۔۱۹۰۹ء) کے زمانہ میں پھوٹی اور اس وقت حرمین کی صدارت پر عریفی احمد اور پھر سعید متمکن تھے۔ [۴]

۱۔ احمد ابوالخیر مکی: ہدیۂ احمدیہ ۱۱۹، مقامات خیر ۴۷ ۲۔ ذکر السعیدین ۸۷

۳۔ علی موسیٰ آفندی: وصف المدینۃ المنورہ ص ۹ (یہ رسالہ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء کو تالیف ہوا یعنی مورخ آپ کے معاصر تھے) اسے حمد الجاسر نے مرتب کر کے ''رسائل فی تاریخ المدینہ'' کے ساتھ منشورات دار الیمامہ، ریاض سے ۱۹۷۲ء کو شائع کیا۔ ۴۔ زمباور: معجم الانساب ۲۴۹

Marfat.com

شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ

ہم نے اپنی کتاب حیات شاہ عبدالغنی مجددی ۱ میں آپ کے تلامذہ کے مختصر احوال علاقائی اعتبار سے لکھے ہیں، جن میں علمائے عرب، علمائے مغرب (فاس، قزان، داغستان، طرابلس)، علمائے پاکستان وہند، علمائے دیوبند اور شاہ عبدالغنی کے مریدین کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ کے شاگردوں سے تفسیر، حدیث، فقہ کے علوم کی سماعت کرنے والوں کی بھی بڑی تعداد ہے، بعض حضرات کے معاجم الشیوخ اس امر پر شاہد ہیں کہ ان کی تعداد عالم اسلام میں کس قدر ہے۔

شیخ عبدالستار دہلوی ثم مکی کی معاصرین پر کتابوں، علامہ عبدالحی کتانی کی فہرس الفہارس، شیخ ابی الفیض محمد یٰسین فادانی مکی کے معاجم خصوصاً اتحاف الاخوان، شیخ عبدالحفیظ فاسی مغربی کی ثبت ریاض الجنۃ، شیخ ابوسعید عبدالہادی کی ہادی المستر شدین، شیخ محمد عبدالباقی ایوبی کی مناہل السلسلہ، الرحلۃ السامیۃ الی الاسکندریہ مصر والحجاز والبلاد الشامہ مولفہ شیخ ابی عبداللہ محمد بن جعفر کتانی، شیخ جعفر بن ادریس کتانی کی ثبت اعلام ائمۃ الاعلام، شیخ عبداللہ مرداد ابوالخیر کی کتاب نشر النور والزہر فی تراجم افاضل مکہ، شیخ زکریا بن عبداللہ بیلا کی الجواہر الحسان (فی تراجم الفضلا والاعیان)، علامہ شیخ عبدالفتاح بوغدہ کی امداد الفتاح اور ڈاکٹر یوسف مرعشلی کی معجم المعاجم المشیخات اور نثر الجواہر والدرر میں ایسے اصحاب کے حالات، علمی کمالات اور ان کی شاہ عبدالغنی مجددی سے مرویات کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی جید سندیں علماء عالم اسلام میں کس قدر مقبول تھیں، خصوصاً مغرب، فاس، تیونس وغیرہ سے حاضر ہونے والے اصحاب نے خود اپنے علاقوں میں جا کر ان اسناد کے مجموعے مرتب کیے، جن میں سے کئی ایک ان کی کتابوں کے ذریعہ متعارف ہو چکے ہیں۔ ۲

۱۔ حیات شاہ عبدالغنی مجددی، مطبوعہ پروگریسو بکس، لاہور ۲۰۲۰ء

۲۔ بعض تفصیلات کے لئے دیکھئے: کتاب العمر فی المصنفات والمولفین التونسیین مولفہ شیخ حسن حسینی عبدالوہاب، دلیل مورخ المغرب اور موسوعہ اعلام المغرب بتحقیق محمد حجی، دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۰ء

Marfat.com

مولانا الطاف حسین حالی نے شاہ عبدالغنی کی شان میں عربی میں ایک عمدہ قصیدہ لکھا تھا، جوانہوں نے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال کیا تو اہلِ عرب نے اس کی بہت تعریف کی، یہ قصیدہ پہلے تو اخبار نفع العظیم، لاہور میں ۱۸۷۴ء کو شائع ہوا، پھر حالی نے اسے اپنے عربی وفارسی کلیات کے ضمیمہ کے طور پر شامل کر دیا، ہمیں تا حال یہ معلوم نہیں ہے کہ حالی شاہ صاحب کے شاگرد تھے یا مرید؟

شاہ عبدالغنی کے تلامذہ کی کثیر تعداد کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبدالستار دہلوی مکی نے کیا خوب لکھا ہے:

”لہ تلامذة کثیرون لا یحصون عدداً من اهل الهند والسند والغرب والشام والیمن والعراق والحرمین الشریفین وقد اخذت عن کثیر منهم یبلغ الخمسین“ [۱]

یعنی شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ اس کثرت سے تھے کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے، جن کا تعلق ہندوستان، سندھ، مغرب، شام، یمن، عراق اور حرمین الشریفین سے تھا، آپ سے اخذ (اجازت) لینے والوں کی تعداد پچاسوں سے متجاوز تھی۔

یہاں پچاس عربی محاورہ کے مطابق ہے کہ آپ کے تلامذہ لاتعداد تھے، پچاس سے زیادہ افراد تو صرف مدینہ منورہ کے ہی ہوں گے۔

۱۔ عبدالستار صدیقی: المورد الھنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی، خطی نسخہ بخط مولف ذخیرۂ صدیقی مخزونہ مکتبۃ الحرم المکی الشریف

Marfat.com

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

اجداد

مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، نسبی اعتبار سے صدیقی تھے، آپ کے اجداد میں سے شیخ شہاب الدین زاہد حق گو سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ/ ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) کے عہد میں دہلی تشریف لائے، سلطان نے حکم دیا کہ مجھے ''سلطانِ عادل'' کہا جائے، جس پر شیخ شہاب الدین نے کہا کہ ظالم کو عادل نہیں کہا جا سکتا، جس پر سلطان نے انہیں قلعہ دہلی سے نیچے گرانے کا حکم دیا تو وہ گر کر فوت ہو گئے، [1] ان کے فرزند شیخ داؤد بھی دہلی آئے تھے، وہاں سے وہ پانی پت چلے گئے، ان کے بیٹے شاہ منکن تھے، جن کے فرزند شیخ محمد معروف بہ شاہ مصباح العاشقین چشتی تھے، جو اس سلسلہ کے معروف مشائخ میں سے تھے، یہ شیخ منکن ملانوی کے فرزند تھے۔

شاہ مصباح العاشقین (ف ۹۳۷ھ/ ۱۵۳۰ء) کی ولادت پانی پت میں ۸۱۰ھ/ ۱۴۰۷ء کو ہوئی، ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد لاہور اور ملتان گئے، جہاں انہوں نے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے زاویہ میں رہ کر مولانا حسین ملتانی سے حدیث پڑھی اور پھر حجاز مقدس کا سفر کیا، جہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اساتذہ سے بھی تحصیل کر کے واپس ہندوستان آئے، لکھنو میں شیخ محمد اعظم چشتی کرمانی، شاہ مینا لکھنوی اور شیخ سعد الدین سے بھی سلوک کی تعلیم حاصل کی، پھر اودھ میں شیخ احمد صوفی راوتی کی خدمت میں سات سال تک رہ کر سلوک کی مشق کی، اس کے بعد شیخ جلال الدین پنڈوی سے بنگالہ میں ملے، مرتبہ مشیخت پر

۱۔ اخبار الاخیار ۲۶۳، یہاں دو روایات ہیں دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان نے ایک محفل میں کہا کہ جس طرح ولایت ختم نہیں ہوئی نبوت بھی ختم نہیں ہوئی، جس پر شیخ شہاب الدین نے سلطان کو جوتا دے مارا اور انہیں قلعہ کی دیوار سے گرا کر شہید کر دیا گیا۔ (کلمات الصادقین ۹۱-۹۲، گلزار ابرار ۳۷، معارج الولایت ۵۳۵ب اس میں صرف اول الذکر روایت ہی درج ہے۔)

Marfat.com

فائز ہوئے تو انہوں نے مصباح العاشقین کا خطاب دیا، آپ قنوج سے ہوتے ہوئے قصبہ ملاوہ ۱؎ پہنچے، یہ ۸۸۷ھ کا زمانہ تھا، وہاں سے دہلی بھی گئے، جہاں آپ نے شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کی زیارت کی، سلطان ابراہیم بن سکندر لودھی نے آپ کا استقبال کیا، جہاں دہلی کے اکابر مشائخ ان سے بیعت ہوئے، آپ ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ ۲؎

شاہ فضل رحمٰن، شاہ مصباح العاشقین کی آٹھویں پشت میں تھے، گویا آپ کا معلوم نسب اس طرح ہے:

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن بن شاہ اہل اللہ بن محمد فیاض بن برکت اللہ بن عبدالقادر بن شیخ سعداللہ بن نور محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحیم بن شاہ مصباح العاشقین چشتی۔

شاہ فضل رحمٰن کے والد شاہ اہل اللہ، شاہ عبدالرحمٰن موحد چشتی (ف ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۰ء) کے مرید تھے، انہوں نے آپ کا نام فضلِ رحمٰن رکھا تھا، ۳؎ شاہ عبدالرحمٰن، وحدت الوجود اور سماع میں بہت غلو رکھتے تھے، وحدت الوجود پر ان کا رسالہ ''کلمۃ الحق'' کے نام سے مطبوعہ فارسی میں عام ملتا ہے۔

مشائخ

شاہ فضلِ رحمٰن، شاہ حضرت محمد آفاق کے خلیفہ تھے، جو شیخ احسان اللہ خان بن شیخ محمد اظہر مخاطب بہ اظہر الدین خان بن شیخ محمد تقی بن شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۴ء) بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے۔ ۴؎

۱۔ ملاوہ، اب ضلع ہردولی کا ایک قصبہ ہے، جو گنج مراد آباد سے چھ میل ہے، ملاوہ میں شاہ مصباح العاشقین کا مزار اب بھی موجود ہے۔ (تذکرہ شاہ فضل رحمٰن ۱۹/ حاشیہ)

۲۔ شیخ مصباح العاشقین کے احوال پر سعد الدین خیر آبادی نے فارسی میں ایک کتاب ''کشف الظلوم'' کے نام سے لکھی تھی، جو آسی پریس، لکھنو سے ۱۳۳۰ھ کو شائع ہوئی، نزہۃ الخواطر ۴/ ۳۱۸۔۳۲۰

۳۔ رسائل نواب نور الحسن خان ص ۵۱ ۴۔ ہدیۂ احمدیہ ۲۵

Marfat.com

حضرت شاہ محمد آفاق کی ولادت ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء اور وصال ۷ محرم ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء کو ہوا، دہلی میں مغل پورہ عقب مسجد دفن ہوئے، ۱؎ شاہ محمد آفاق کابل بھی گئے تھے، ۲؎ جہاں شاہ افغانستان زمان شاہ (۱۲۰۷۔۱۲۱۶ھ/۱۷۹۲۔۱۸۰۱ء) نے آپ سے بڑی عقیدت کا اظہار کیا، ۳؎ اپنے شیخ کے وصال کے بعد شاہ آفاق خواجہ میر درد کی صحبت میں بھی رہے اور منصب قطبیت پایا، حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے مریدین کو تعلیم کے بعد شاہ محمد آفاق کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ۴؎

شاہ فضل رحمٰن نے نواب نورالحسن خان سے بیان کیا تھا کہ ہمارے حضرت دس ہزار مرتبہ درود شریف اور پچاس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھتے تھے اور دس سیپارے قرآن شریف کے تہجد میں پڑھنے کا معمول تھا، اتباع شریعت کا بہت خیال رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب ہم سے کوئی کام سنت کے مطابق ہو جائے تو عرش سے ایسا فیض آتا ہے کہ ہم تربتر ہو جاتے ہیں، ۵؎ حضرت شاہ ابوسعید مجددی، شاہ محمد آفاق کو اپنے فرزندوں کی طرح چاہتے تھے۔ (رسائل نواب ۱۸۳)

خواجہ ضیاء اللہ سرہندی

حضرت خواجہ ضیاء اللہ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری کی اولاد میں سے تھے، کشمیر کے تاجروں میں مال دار فرد تھے، حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی کے خلفاء میں سے تھے، تقویٰ اور اتباع شرع شریف سے آراستہ تھے، انہیں خواجہ محمد زبیر سے ولایت صغریٰ و کبریٰ، کمالاتِ نبوت اور حقائق ثلاثہ کی بشارت ملی تھی۔ ۶؎

حضرت شاہ غلام علی دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی مجسم نہ دیکھی ہو وہ خواجہ ضیاء اللہ کو دیکھ لے۔ ۷؎

۱۔ رسائل نواب نورالحسن خان ۵۱، ہدیہ احمدیہ ۲۶ ۲۔ رسائل ۵۴

۳۔ ہدیہ احمدیہ ۲۵ زمان شاہ سرہند میں روضۂ حضرت مجدد الف ثانی کے قریب دفن ہوا تھا۔

۴۔ رسائل نواب ۸ ۵۔ ایضاً ۶۳

۶۔ محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۲۵۲/۴ (فارسی طبع عکسی)

۷۔ رافت، رؤف احمد: درالمعارف ۹۔۱۰ (مطبوعہ استنبول)

Marfat.com

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اور حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کی خدمت میں بھی گئے تھے اور ان کی روحانیت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ ۱

سرہند پر بندہ سنگھ کے حملے اور اس کی تباہی کے نتیجہ کے طور پر بعض افرادِ خاندان حضرت مجدد الف ثانی وہاں سے ہجرت پر مجبور ہوئے، شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی اور حضرت خواجہ محمد زبیر بھی سرہند سے آکر دہلی میں مقیم ہو گئے تھے، حضرت خواجہ ضیاء اللہ ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء کو کشمیر سے ایک روحانی اشارہ پر دہلی آکر حضرت خواجہ محمد زبیر سے منسلک ہوئے تھے۔ ۲

حضرت خواجہ ضیاء اللہ کو خواجہ محمد زبیر نے ''فخر کشمیر'' کا خطاب دیا تھا، ۳ کشمیر میں وہ ''احسن لین'' کے نام سے مشہور تھے، ۴ خواجہ ضیاء اللہ کا وصال دہلی میں ہوا، انہیں وہیں دفن کر دیا گیا، پھر آپ کی نعش مبارک وہاں سے نکال کر سرہند لے جا کر حضرت خواجہ محمد زبیر کے روضہ کے جوار میں دفن کی گئی، ۵ حضرت خواجہ ضیاء اللہ کا سال وصال ہمیں تا حال معلوم نہیں ہے، شاہ محمد آفاق کی روایت ہے کہ آپ کی وفات ۱۴ ربیع الاول کو ہوئی، ۶ لیکن افسوس کہ وہاں سال درج نہیں ہو سکا۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ کے مریدین و خلفاء کے حالات تو درکنار ان کے اسماء تک معلوم نہیں ہیں، مقاماتِ مظہری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ محمد آفاق کے علاوہ شاہ غلام علی دہلوی، مولوی قطب الدین (خلیفہ حضرت مظہر) بھی آپ سے فیض یاب ہوئے تھے۔ ۷

۱۔ مقاماتِ مظہری اور ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی پر ہمارے مقدمات ملاحظہ کریں۔

۲۔ روضۃ القیومیہ ۴/۱۰۶ (اردو ترجمہ) ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً: ۴/۲۹۲

۵۔ رسائل نواب ۱۳۵ ۶۔ ایضاً

۷۔ مقامات مظہری ۳۸۶۔۳۸۷ (پروگریسو بکس، لاہور) ان میں خواجہ محمد ناصر عندلیب (والد خواجہ میر درد) اور خواجہ عبدالعدل (مرشد شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) بھی آپ کے خلفاء میں تھے، خواجہ محمد آفاق کے ایک نواسہ میاں عطاء الرحمٰن بھی تھے، جو مدینہ منورہ سے ہو کر ہندوستان آئے تھے (رسائل نواب ۶۶)، حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ عزیز احمد شاہ محمد آفاق کے داماد تھے۔ (ایضاً ۷۰)

Marfat.com

شاہ ضیاء اللہ کی تالیفات میں سے ہم صرف مقاصد السالکین سے واقف ہیں، جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ آپ حدود ۱۱۳۱ھ کو حضرت خواجہ محمد زبیر سے منسلک ہوئے تھے، اور اس کے صرف ۹ سال بعد آپ نے سلوک کے موضوع پر یہ رسالہ لکھا تھا، اس وقت آپ کے شیخ خواجہ محمد زبیر بقید حیات تھے، مقاصد السالکین پانچ مقاصد (ابواب) پر مشتمل ہے، اس کا موضوع تصوف وسلوک ہے، سالکین طریقت کے لئے یہ کتاب ایک بنیادی اور رہنما کے طور پر استعمال ہوتی ہے، پاکستان وہند کی خانقاہوں میں اس کے متعدد قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، اس کا فارسی متن صرف ایک مرتبہ میرٹھ سے ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء کو طبع ہوا تھا۔

مقاصد السالکین کا اُردو ترجمہ تقسیم ہند سے پہلے بھی چھپا تھا، پھر پاکستان سے بھی ایک ایڈیشن منظر عام پر آیا ہے، آخری ترجمہ صاحبزادہ محمد بدرالاسلام صدیقی نے کیا، جو عام فہم اور بامحاورہ ہے، جو خانقاہ سلطانیہ، جہلم سے شائع ہوا ہے۔[1]

حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی

حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی (۱۰۹۳۔۱۱۵۲ھ/۱۶۸۲۔۱۷۴۰ء) بن شیخ ابویعلی (۱۰۶۴۔۱۱۰۷ھ/۱۶۵۳۔۱۶۹۵ء) بن حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی (ف ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء) بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) بن حضرت مجدد الف ثانی، اپنے عہد کے نامور نقشبندی مشائخ میں سے تھے، سرہند کی سکھوں کے ہاتھوں تباہی کے دوران وہاں سے دہلی آکر مقیم ہو گئے تھے، آپ کے ایک خلیفہ سید قطب الدین محمد اشرف حسین نے آپ کے معمولات ''وھب الزبیر'' کے نام سے جمع کئے تھے، جس کے بکثرت قلمی نسخے پاکستان کے کتب خانوں میں ملتے ہیں، آپ کے خلیفہ خواجہ کمال الدین محمد احسان نے ''روضۃ القیومیہ'' کا دفتر سوم آپ کے احوال ومناقب کے لئے مختص کیا ہے۔

۱۔ خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کے یہ تمام تر حالات ہماری کتاب ''تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند'' کی جلد دوم ۱۰۸۷/ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

آپ کے اجداد سلسلۂ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد مشہور چشتی صوفی شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی (مولف کلمۃ الحق) کے مرید تھے، آپ کا نام انہوں نے ہی فضل رحمٰن رکھا تھا، اس نام کے عدد جمع کریں تو آپ کا سال ولادت ۱۲۰۸ھ برآمد ہوتا ہے، اس نام میں الف لام نہیں ہے یعنی آپ کا نام فضل الرحمٰن نہیں بلکہ فضل رحمٰن ہے، لڑکپن سے ہی پابندی شرع شریف کا خیال رکھتے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ بڑی زاہدہ اور متوکل تھیں، لڑکپن میں آپ نے مزدوری بھی کی اور کتابت کر کے اجرت بھی لی۔

تحصیل علم

آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنو جا کر مولوی نورالحق فرنگی محلی (ف ۱۸۲۱ء) اور مرزا حسن علی محدث (ف ۱۸۳۹ء) سے شرح وقایہ تک پڑھا اور پھر مولانا حسین احمد ملیح آبادی (ف ۱۸۵۹ء) کے ہمراہ دہلی گئے تھے، وہاں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث (ف ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) سے حدیث اور مسلسل بالاولیۃ کی سند لی تھی، ۱ پھر دوبارہ دہلی حاضر ہو کر باقی کتب شاہ محمد اسحٰق کی خدمت میں پڑھیں، اس کے علاوہ آپ نے حدیث کی سند مولانا آل احمد مارہروی (ف ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) سے بھی لی تھی، ۲ شاہ محمد اسحاق سے پڑھنے کے دوران شاہ احمد سعید مجددی بھی آپ کے ہم سبق تھے۔ ۳

سلوک

آپ نے حضرت شاہ غلام علی دہلوی کو بھی دیکھا ہے، آپ جب سترہ سال کی عمر میں دہلی گئے تو حضرت شاہ محمد آفاق کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہیں بذریعہ کشف یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ نوجوان بلند مرتبہ بزرگ ہوں گے۔ ۴

حضرت شاہ محمد آفاق نے شاہ فضل رحمٰن کو ۱۲ر ذی الحج ۱۲۴۹ھ کو سالکین کی تعلیم و تربیت کی اجازت دی تھی، ۵ نواب نورالحسن خان نے وہ اجازت نامہ بھی اپنے رسائل میں نقل کیا ہے، ۶ یہ اجازت سلسلہ نقشبندیہ اور

۱۔ رسائل نواب ۶۵ ۲۔ ایضاً ۲۱۷ ۳۔ ایضاً ۲۸ ۴۔ ایضاً ۲۹

۵۔ ایضاً ۱۵۹ ۶۔ ایضاً ۱۰۱۔۱۰۲، مولف نے سلسلۂ نقشبندیہ وقادریہ کا شجرہ طریقت بھی نقل کیا ہے۔

Marfat.com

قادریہ کی تھی، سلسلۂ قادریہ کا شجرہ حضرات کیتھل کے ذریعہ حضرت مجدد الف ثانی سے واصل ہوتا ہے۔ ۱

شاہ فضل رحمٰن کے مریدین وخلفاء کثیر تعداد میں تھے، آپ کے اجازت یافتگان میں سے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے مصحح مولانا احمد امرتسری (ف ۱۹۳۰ء) کے علاوہ مولانا محمد ادریس نگرامی (ف ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء) بھی تھے، جن کے ساتھ بڑی موانست تھی، انہوں نے اپنے ''تذکرہ علمائے حال'' میں معاصرانہ فہرست دی ہے، جو یہاں نقل کی جاتی ہے، مولف نے ان حضرات کے حالات اہتمام سے لکھے ہیں۔

مولانا محمد علی (مونگیری)، مولوی عبدالصمد مبارک پوری، الطاف حسین مانکپوری، مولوی ذوالفقار احمد بھوپالی، مولوی رحمت علی ہسوی، مولوی حاجی حکیم ظہور الاسلام فتح پوری، مولوی ابومحمد عبدالحق حقانی (مولف تفسیر حقانی)، مولوی عبدالکریم پنجابی، مولوی عصمت اللہ بختاور گنجی، مولوی عظمت حسین مراد آبادی، سید فدا حسین محی الدین نگری، مولوی حکیم قادر بخش سہسرامی، مولوی محمد اسحٰق تیر گانوی، مولوی سید قمرالدین عظیم آبادی، مولوی سید سرفراز علی پلکھنوی سکندر پوری، مولوی لطف الرحمٰن عظیم آبادی، مولوی عبدالجلیل شیفتہ بھگوانپوری، ۲ نواب نورالحسن خان بھوپالی، ۳ مولانا شیخ احمد ابوالخیر مکی (مولف ہدیۂ احمدیہ)، رمضان خان ۴ مولانا حبیب اللہ فیض آبادی مہاجر مدنی، حافظ عبدالستار خان لکھنوی (جامع مکتوبات شاہ فضل رحمٰن)، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا عبدالحی حسنی (مولف نزہۃ الخواطر)، نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی، ۵ حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کو مرید کرنے کی زبانی اجازت دینا، ۶ شیخ حسام الدین احمد فضلی (مولف انوار العیون)، مولانا عباد علی کرسوی، ۷ نواب علی حسن خان، ۸ (بن نواب صدیق حسن خان)، مولانا ظہیر احسن شوق نیموی، ۹ (ف ۱۹۰۷ء)، سید محمد زاہد بلگرامی، ۱۰ مولوی محمد یحییٰ، ۱۱

۱۔ رسائل نواب ۱۰۴ ۲۔ تذکرہ علمائے حال ۳۱ مطبوعہ پروگریسو بکس، لاہور

۳۔ رسائل نواب ۱۲۴ (اجازت نامۂ ارشاد) ۴۔ ایضاً ۱۹۰، ۲۱۵ ۵۔ مقالات شروانی ۲۰

۶۔ رسائل ۱۹۳۔۱۹۵ ۷۔ تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ۱۲۷۔۱۳۵

۸۔ ایضاً ۱۲۴ علامہ شوق نیموی نے شاہ صاحب کے حنفی مسلک میں متصلب ہونے پر حکیم محمد علی اعظمی کے اعتراضات کا جواب مقالہ کاملہ کے نام سے لکھا تھا۔ (علامہ شوق نیموی از قاسمی ۲۳۸)

۹۔ ایضاً ۱۲۴ ۱۰۔ رسائل ۱۲۷ ۱۱۔ ایضاً ۲۳۹

Marfat.com

مولانا عبداللہ شاہ ۱ شاہ الٰہی بخش فرخ آبادی ۲ (جامع مکتوبات شاہ صاحب)، مظہر حسین، ۳ حاجی عبدالستار، ۴ نواب امداد علی قنوجی، مولانا نور محمد، ۵ خواجہ محی الدین حسین، ۵ قاضی حب حسن بدایونی، ۶ مولوی حیدر خان ۷

درس کا طریقہ

حضرت شاہ فضل رحمٰن کسی مدرسہ میں باقاعدہ درس نہیں دیتے تھے، طریقہ درس کا یہ تھا کہ خود زبان مبارک سے عبارت اور بعض مقامات پر قرآن مجید کا ترجمہ اور مطلب بیان فرماتے تھے، پانچ چھ نوبت تک تو نواب نور الحسن کی موجودگی میں دورۂ قرآن ہی ہوا تھا، نوبت ہفتم کے موقع پر جو بھی آستانہ پر حاضر ہوتا تو حدیث شریف کا بیان کرتے تھے، اور کئی مرتبہ قرآن شریف اور حدیث پاک کا درس بھی نواب صاحب کو سننے کا موقع ملا تھا، ۸ مولوی عبدالکریم پنجابی نے کتب حدیث کے علاوہ حصن حصین تین بار اور موطا امام محمد کی سماعت بھی کی تھی۔ (رسائل ۱۶۶)

اولاد

آپ نے تین نکاح کیے، پہلا نکاح مقام ملاواں میں ہوا، اس زوجہ کے بطن سے میاں عبدالرحیم اور میاں عبدالرحمٰن تولد ہوئے، پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ مراد آباد تشریف لے آئے، جہاں آپ کا دوسرا عقد نکاح ہوا، ۹ آپ کے دو صاحبزادوں میں نعمت اللہ اور میاں رحمت اللہ کے نام آپ کے مرشد شاہ محمد آفاق نے رکھے تھے۔ ۱۰

پہلے صاحبزادے شاہ عبدالرحمٰن کے فرزند عطاء اللہ تھے، جو کم سنی میں فوت ہو گئے، دوسرے فرزند شاہ عبدالرحیم کے دولڑکے تھے اول شاہ تبارک حسین دوسرے شاہ حامد حسین عرف مدے میاں پھر ایک دختر تولد ہوئیں، جو مولوی محمد رضا سندیلوی سے منسوب تھیں۔

۱۔ رسائل ۲۴۰ ۲۔ ایضاً ۲۴۷ ۳۔ ایضاً ۲۵۰ ۴۔ ایضاً ۲۵۱ ۵۔ ایضاً ۲۶۴
۶۔ ایضاً ۲۹۰ ۷۔ ایضاً ۲۹۷ ۸۔ ایضاً ۱۹۲۔۱۹۳ ۹۔ فضل رحمانی ۲۷۔۲۸
۱۰۔ رسائل نواب ۱۶۷

Marfat.com

آپ کی دوسری بیوی سے دو فرزند احمد میاں اور سید میاں عرف سیدو میاں اور ایک صاحبزادی شفقت بی بی پیدا ہوئیں، احمد میاں کے دو فرزند تھے نعمت اللہ اور رحمۃ اللہ، نعمت اللہ کے دو بیٹے افضال الرحمٰن اور احمد الرحمٰن، ان کی دوسری بیوی سے آفاق الرحمٰن، ولی الرحمٰن اور جلیل الرحمٰن اور ایک صاحبزادی تھیں۔ [1]

وصال

شاہ فضل رحمٰن کا ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۷ء کو انتقال ہوا، ان کا مزار گنج مراد آباد میں روبرو مسجد، گنبد مقبرہ قدیم میں ہے، آپ کے وصال پر مختلف حضرات اور شعراء نے جو قطعات تاریخ لکھے تھے، وہ آپ کے صاحبزادے احمد میاں نے تواریخ نامہ کے نام سے طبع کروائے تھے، اس کے آغاز میں انہوں نے شاہ صاحب کے کچھ احوال بھی لکھے تھے۔ [2]

تیرہویں صدی کے مجدد

شاہ فضلِ رحمٰن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر قبضہ کے دوران ہندوستان کے مسلم عوام کو جس طرح دینی امور میں راہِ راست پر رکھا اور ان کو صوم وصلوٰۃ کا پابند بنائے رکھا، وہ ہر کسی شیخ کے بس میں نہیں تھا، آپ کی جدوجہد سے مسلم عوام ذہنی زوال کا شکار ہونے سے محفوظ رہے، آپ کے ایک معاصر عالم مولانا محمد ادریس نگرامی (۱۲۷۵۔۱۳۳۱ھ/ ۱۸۵۸۔۱۹۱۲ء) نے جو بہت ہی سخت مزاج کے مالک تھے اور کسی کو ولی تو دور کی بات ہے صوفی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، انہوں نے شاہ فضل رحمٰن کو تیرہویں صدی کا نہ صرف مجدد لکھا ہے بلکہ اس موضوع پر دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ آپ واقعی اس صدی کے مجدد ہیں، اس موضوع پر ان کا مستقل رسالہ "التحقیق المبین فی مجددی المأتین" قابل توجہ ہے، جس کا انہوں نے اپنے تذکرہ میں خود ذکر کیا ہے، [3] نیز شاہ صاحب کے ایک مرید خاص مولانا حسام الدین احمد فضلی نے بھی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس رسالہ کا حوالہ دیا ہے۔ [4]

۱۔ تذکرہ شاہ فضل رحمٰن ۱۴۱۔۱۴۲۔ (خود نواب صاحب نے اپنے رسائل میں ان دونوں کو شاہ فضل رحمٰن کے فرزند بتا کر لکھا ہے کہ ان کے نام شاہ محمد آفاق نے رکھے تھے۔)　　۲۔ رسائل نواب ۲۱۶

۳۔ تذکرہ علمائے حال ۱۵۸　　۴۔ انور العیون ۲۰۹ مولانا نگرامی کے اگر شاہ فضل رحمٰن کے ساتھ قریبی تعلقات نہ ہوتے تو شاید وہ صوفیہ اور تصوّف کے مکمل طور پر منکر ہوتے، انہوں نے خود اپنے احوال میں لکھا ہے کہ "علم طریقت صرف برائے نام اپنے والد، مولانا گنج مراد آبادی اور سید عبدالسلام ہسوی سے حاصل کیا۔"

(تذکرہ علمائے حال ۱۵۷)

Marfat.com

تالیفات

حضرت شاہ فضل رحمٰن ہمہ وقت دعوت و ارشاد اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے، ان کے پاس تصنیف و تالیف کے لئے وقت نہیں تھا، تاہم چند رسائل آپ سے یادگار ہیں۔

۱۔ من موہن کی باتیں

یہ قرآن مجید کی چند سورتوں کا ہندی زبان میں ترجمہ ہے، جو بہت مقبول ہوا، آپ کے حین حیات شائع ہوا تھا، آخری طباعت خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے ۱۹۹۰ء کو عکسی صورت میں عمل میں آئی، جس کے ۱۱۲ رصفحات ہیں۔

۲۔ صلائے عام ۱۲۴۰ھ کو تالیف کی [1]

یہ ان فوائد کا مجموعہ ہے، جس میں شاہ صاحب نے احادیث شریفہ کا ترجمہ کیا تھا، [2] یہ ترجمہ نوابزادہ نے طبع کروایا ہوگا، لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

۳۔ مکتوبات

شاہ فضل رحمٰن کے مکتوبات کے کئی مجموعے آپ کے عقیدت مندوں نے مرتب و جمع کئے تھے، ان میں سے بعض مجموعے نوابزادہ کو ملے تھے، جو انہوں نے خوبصورت عنوانات کے تحت ملفوظات کے مجموعہ حاضر میں یکجا کر دیئے ہیں۔

۱۔ رسائل نوابزادہ ۱۱۳ ۲۔ ایضاً ۲۹۲

Marfat.com

حضرت شاہ محمد غوث لاہوری ☆

حضرت شاہ محمد غوث لاہوری، نجیب الطرفین سید اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم کی اولاد میں سے تھے، مضافات پشاور میں حدود ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء کو ولادت ہوئی اور لاہور میں ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء کو وصال ہوا، ۱؎ آپ کے والد گرامی حضرت سید حسن پشاوری (ف ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) اکابر علماء ومشائخ میں سے تھے۔

حضرت شاہ محمد غوث لاہوری نے اپنے حالات، تحصیل علم اور تکمیل سلوک کے حالات اپنے ایک رسالہ درکسب سلوک میں خود تحریر کئے ہیں، کشمیر، کابل، لاہور وغیرہ میں آپ کا قیام رہا، لاہور کے اکابر مدرسین کی خدمت میں تحصل کی، اپنے والد گرامی سے سلوک کی تکمیل کے بعد درس وتدریس اور سلوک ومعرفت میں عملی کردار ادا کیا، آپ کی تالیفات میں مختصر رسائل کے علاوہ بخاری شریف کی فارسی میں شرح بھی ہے، اب تک اس شرح کے تین پارے دستیاب ہو سکے ہیں، جنہیں آپ کی اولاد میں سے آخری ذی علم بزرگ حضرت مولانا امیر شاہ قادری نے پشاور سے تین جلدوں میں شائع کر دیا، ۲؎ آپ نے یہ شرح ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۵ء کو تالیف کی تھی، اس وقت حضرت شاہ محمد غوث کا مدفن مبارک لاہور میں دہلی دروازہ کے باہر ہے۔

۱۔ حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کے یہ سنین ولادت ووصال آپ کے خانوادہ کی ایک خاتون محترمہ ڈاکٹر ام سلمٰی گیلانی بنت مولانا محمد امیر شاہ قادری کے پی ایچ ڈی کے مقالہ محدث کبیر شاہ محمد غوث لاہوری، مطبوعہ پشاور ۱۹۹۰ء ۷۶، ۹۹۔۱۰۱ سے مستفاد ہیں۔

۲۔ شرح غوثیہ (طبع عکسی بخط شارح)، پشاو، مکتبۃ الحسن ۲۰۰۲ء (تین جلدیں)، فارسی

☆ حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کے مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند ۱/ ۵۳۳۔۵۳۷

Marfat.com

اگست ۱۹۷۵ء کو راقم عاجز نے اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کے لئے حضرت شاہ محمد غوث لاہوری، مولانا محمد امیر شاہ قادری مرحوم کی تالیفات تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ اور تذکرہ شاہ عبداللہ صحابی ٹھٹھوی کی بنیاد پر ایک مقالہ لکھا، [۱] پھر مرحوم کی صاحبزادی ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی نے شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور سے اپنے جد اعلیٰ حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی علمی ودینی خدمات پر ایک مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی جو مرحوم نے پشاور سے ۱۹۹۰ء کو شائع کر دیا تھا، ہماری تمام تر معلومات اسی مقالہ سے ماخوذ ہیں، محترمہ کو اپنے مقالہ کی تالیف و ترتیب کے دوران رسالۂ حاضر رسالہ در مسائل ضروریہ کے وجوہ کا علم نہیں تھا، اب اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

عقائد ضروریہ تالیف حضرت شاہ محمد غوث لاہوری

بعض اہم امور

۱۔ حق تعالیٰ قدیم است...... وواجب الوجود است یعنی وجود او خود بخود است بدیگر حاجت ندارد

۲۔ اما اہل سنت وجماعت برانند کہ گناہ کبیرہ از پیغمبران نہ سہواً می شود ونہ عمداً می شود ودر احکام شریعت ہم سہو انبیاء نمی شود

۳۔ اعتقاد باید کرد کہ آنحضرت ﷺ در شب معراج بہمیں جسد خود از مسجد حرام بمسجد اقصیٰ رفتند واز انجا بہ سوی آسمان...... وحق تعالیٰ را دیدند اما بچشم دل دیدند وبعضی فرمودند کہ بچشم سر دیدند......

۴۔ آپ خلفاء راشدین کو اہل سنت کی ترتیب کے مطابق فضیلت دیتے تھے۔

۵۔ کرامات اولیاء حق است اما اعتقاد باید کرد کہ ہیچ ولی بدرجۂ پیغمبران نمی رسد۔

۱۔ یہ مقالہ اب میرے مجموعہ مضامین تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند کی جلد اول میں شامل ہے۔

Marfat.com

عاقل خان رازی

میر عسکری مخاطب بہ عاقل خان (ف ۱۱۰۸ھ/ ۱۶۹۶ء) اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ شہزادگی کے زمانہ سے ہی منسلک ہوگیا تھا، عالمگیر کی تخت نشینی (۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) کے بعد اس کے منصب میں برابر ترقی ہوتی رہی، ۴۰۰۰/۱۰۰۰ کے منصب تک پہنچا تھا، اُسے دہلی کا صوبہ دار بھی بنایا گیا تھا۔

وہ ایران کے مشہور علاقہ خواف کا باشندہ تھا، اُس کے دربار سے کئی شعراء وابستہ تھے، معروف ترین فارسی شاعر مرزا عبدالقادر بیدل کو بھی اُسی کے توسل سے شہرت ملی، (نشتر عشق ۱/۲/۶۱۹) عاقل خان خود بھی فارسی کا صاحبِ دیوان شاعر تھا، اس نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کی تاریخ فارسی میں واقعات عالمگیری کے نام سے لکھی تھی، جسے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے مرتب کر کے لاہور سے ۱۹۳۶ء کو شائع کیا تھا۔

عاقل خان، سلسلۂ قادریہ شطاریہ کے مشہور صوفی شیخ برہان الدین راز الٰہی (۹۹۸۔۱۰۸۳ھ/ ۱۵۸۹۔۱۶۷۲ء) سے خاص عقیدت رکھتا تھا، ان کے ساتھ اسی اُنس کے نتیجہ میں اس نے اپنا تخلص رازی رکھا تھا، اس نے اپنے شیخ کے ملفوظات ''ثمرات الحیات'' کے نام سے فارسی نثر میں جمع کئے تھے، اس کا سالِ ترتیب ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء ہے یعنی اپنے شیخ کے حینِ حیات ہی مرتب ہوگیا تھا، یہ مجموعہ خاصا متداول رہا ہے، اس میں شیخ کے احوال وسخنان کے علاوہ کئی اہم تاریخی واقعات بھی ملتے ہیں، اس کتاب کا ایک بہت عمدہ اور خوش خط ایڈیشن مطبع شمس الاسلام، حیدرآباد (دکن) سے طبع ہوا تھا، موجودہ عکسی اشاعت اسی پر مبنی ہے۔

ہم نے تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند کی جلد اول میں شیخ برہان الدین راز الٰہی اور ان کے مرشد شیخ عیسیٰ بن قاسم جنداللہ برہان پوری (۹۶۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۵۵۔۱۶۲۲ء) کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

عاقل خان رازی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

۱۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان: مآثر الامراء ۲/۸۱۴۔۸۱۶

Marfat.com

۲۔ محمد کاظم شیرازی: عالمگیر نامہ ۴۴ وبہ بعد
۳۔ محمد ساقی مستعد خان: مآثر عالمگیری ۳۸۳ (حوادث ۱۱۰۸ھ، وفات عاقل خان)
۴۔ شیر خان لودھی: مراۃ الخیال، مطبوعہ مطبع فتح الاخبار، کول ۱۸۴۸ء ص ۲۵۳۔۲۵۶
۵۔ سرخوش: کلمات الشعراء
۶۔ والہ داغستانی: ریاض الشعراء مرتبہ محمد حسن ناجی ۲/ ۸۷۷۔
۷۔ خوش گو، بندرابن: سفینۂ خوشگو ۳/ ۱۳۔۱۴
۸۔ قدرت اللہ گوپاموی: نتائج الافکار ۲۷۴۔۲۷۵

9- Storey, C.A: Persian Literature, 1/1/584-5

10- Athar Ali: Mughal Nobility Under Aurangzeb. (Index)

Marfat.com

منشی عبدالکریم قادری

اجداد

منشی عبدالکریم بن شیخ محی الدین بخش بن شیخ کریم بخش بن شیخ محمد پناہ بن شیخ محمد خرم (برادر حقیقی شیخ بدرالاسلام) بن شیخ محمد اسحٰق بن شیخ محمد سعید بن شیخ محمد اسلام، جن کا متوطن جدی قصبہ سانڈی[1] سرکار خیر آباد کے مضافات، صوبہ اودھ تھا، اب یہ قصبہ ضلع سیتاپور سے متعلق ہوگیا ہے، آپ کے بزرگوں میں سے شیخ محمد اسحٰق اپنے شیخ سے ملاقات کے لئے قصبہ سلون گئے، وہاں سے بغرض سیاحت شہر کڑا ہوتے ہوئے قصبہ احمد آباد عرف نارا میں وارد ہوئے، شیخ عبدالرزاق نے، جو وہاں کے قانگو رئیس وتعلقہ دار تھے، اپنی دختر کے ساتھ ان کا نکاح کردیا، تب سے وہ وہیں آباد ہوگئے۔

شاہ محمد عادل، مسلکاً حنفی اور طریقتاً قادری تھے، ان کی ولادت ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء کو ہوئی، ان کا نام تاریخی تھا، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے والد محمد سعید نے، جو وکیل تھے، ضلع فتح پور چلے گئے، وہاں سے کوڑا، ضلع فتح پور میں قیام کرلیا، جہاں انہوں نے میر بہادر علی اور مولوی مرتضٰی خان اور محمد یٰسین خان سے کتب فارسی پڑھ کر مولوی شوکت علی جہان آبادی (شاگرد مولوی محمد اشرف لکھنوی) سے عربی پڑھی اور کافیہ تک ان سے پڑھ کر بعمر بیس سال، کانپور جاکر مدرسۂ مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی (شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث) میں مروجہ کتب پڑھیں اور مولانا کشفی کے دو شاگردوں مولوی سید الطاف حسن موہانی اور مولوی شاہ غلام محمد خان (متوطن کوٹ فتح پور) سے بھی کچھ پڑھ کر حاجی مولوی محمد عبداللہ کانپوری (شاگرد مولانا مرزا حسن علی محدث لکھنوی) کی خدمت میں بھی تحصیل کی، اور مولانا موصوف نے اپنی مہر مزین کرکے ان کو سند دی، مولانا سلامت اللہ کشفی نے ان کو وصیت کی تھی کہ تم ہمیشہ ہماری اسی مسجد میں رہ کر دین وعلم کی خدمت کرتے رہنا، اور وہیں مولانا محمد عادل کا وصال ۳ رجب ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء) کو ہوگیا، مولانا کشفی بھی مولانا سید آل احمد عرف اچھے میاں امرہروی کے مرید خاص تھے۔

۱۔ قصبہ سانڈی، ۱۹۰۵ء کو ضلع ہردوئی، یوپی میں تھا، (ایمپریل گزیٹر آف انڈیا ۲۲/ ۳۰)

Marfat.com

مولانا محمد عادل برادر حقیقی منشی عبدالکریم حسب ارشاد استادِ خود، کانپور میں ہی رہے اور سال میں ایک مرتبہ اپنے مستقر جاتے تھے اور باقی تمام ماہ کانپور میں ہی قیام رہتا تھا، حاجی محمد شریف (متوطن قصبہ نارا) جب حج کے لئے گئے تو آپ نے ان کے ہاتھ ایک قطعہ (رقعہ) حضرت سید دحلان بن سید زین دحلان مفتی شافعیہ کو ارسال کر کے علوم عقلیہ ونقلیہ کی اجازت کی درخواست کی، جو انہوں نے لکھ کر بھیج دی، جو کتابِ حاضر میں منقول ہے، آپ کو دلائل الخیرات کی اجازت بروایت شیخ علی حریری مدنی، مولوی سید حسن علی فتح پوری سے حاصل ہے، آپ کو حدیث مسلسل بالاضافۃ ومصافحات مولانا سید ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب مارہروی سے حاصل ہے، ۲۳ر جمادی الاول ۱۲۹۲ھ کو آپ نے سلسلہ قادریہ میں مولانا اخوند عبدالعزیز دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی، انہوں نے آپ کو تمام مروجہ سلاسل کی اجازت عطا کی۔ (نقل اجازت نامہ کتاب حاضر)

چند اجازات آپ کو اخوند صاحب کے جانشین حافظ محمد عمر سے بھی تھیں، اپنے خاندان برکاتیہ کے علاوہ آپ کو بعض اجازات شاہ عبدالرزاق بانسوی سے بھی ملی تھیں۔

مولانا محمد عادل کئی کتابوں کے مولف تھے، جن کا ذکر کتاب حاضر میں کیا گیا ہے، مولانا کا وصال ۱۱ر ذی الحج ۱۳۲۵ھ/۱۴ر جنوری ۱۹۰۸ء کو کانپور میں ہوا، تفصیل کے لئے دیکھئے:

تذکرہ علمائے حال ۵۵، تذکرہ مظہر العلماء ۳۴۸-۳۴۹، نزہۃ الخواطر ۸/ ۴۳۸،

منشی عبدالکریم

منشی صاحب شاہ محمد عادل کے برادر خورد تھے، ان کی ولادت ۲۲ر شوال ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء کو ہوئی، تاریخی نام غلام حسین تھا، ساکن احمد آباد عرف موضع تارا پرگنہ کڑا ضلع الٰہ آباد، اپنے برادر گرامی شاہ محمد عادل ملقب بہ شاہ مشتاق احمد حنفی قادری سے بیعت تھے، جو اخوند حافظ عبدالعزیز ملقب بہ شاہ مقبول احمد کے خلیفہ تھے، منشی عبدالکریم بھی انہی کی خدمت میں ارادت رکھتے تھے، آپ نے ۲۰ر رمضان ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو عصر کے وقت دہلی حاضر ہو کر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔[۱]

بیعت طریقت کے بعد منشی صاحب کے دل میں آیا کہ اپنے مشائخ کرام کے حالات پر اُردو زبان میں ایک تذکرہ مرتب کروں تو انہوں نے اسے نزولی ترتیب سے تالیف کیا، یعنی انہوں نے یہ کتاب

۱۔ عبدالکریم، منشی: عمدۃ الصحائف ۲-۳

Marfat.com

نبی کریم ﷺ سے لے کر خلفاء راشدین اور اہل بیت کے حالات بھی درج کئے، امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ اثناء عشر کے احوال بھی اختصار سے لکھ دیئے۔

مولف نے کتاب کے آخر میں پانچ جدول بھی ترتیب دیئے ہیں جو اس موضوع پر مفید معلومات کے حامل ہیں، مولف نے اپنا شجرۂ طریقت اس طرح لکھا ہے:

اخوند حافظ عبدالعزیز ملقب بہ شاہ مقبول احمد دہلوی، شاہ محمد غوث مارہروی، شاہ آل احمد مارہروی، شاہ حمزہ مارہروی، شاہ آل محمد مارہروی، شاہ برکت اللہ مارہروی، شاہ فضل اللہ، سید احمد کالپوی، سید محمد کالپوی، شیخ جمال اولیاء، قاضی جیا، شیخ بھکاری، سید ابراہیم ایرجی، شیخ بہاء الدین، میر سید احمد جیلانی، میر سید حسن، میر سید موسیٰ، میر سید علی، شیخ محی الدین ابی نصر، میر ابوصالح، سید عبدالرزاق، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہم [1]

مولف نے تذکرہ کا آغاز جیسا کہ لکھا جا چکا ہے نبی اکرم ﷺ سے کر کے خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب بھی لکھے ہیں، اس کے بعد امام حسن اور امام حسین کے مبارک احوال بھی دیئے ہیں، پھر امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام محمد نقی، امام حسن عسکری، امام مہدی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ سری سقطی، خواجہ جنید بغدادی، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ عبدالواحد تمیمی، شیخ ابوالفرح طرطوسی، شیخ ابوالحسن ہکاری، شیخ ابوسعید مبارک مخزومی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم کے مناقب وکرامات قدیم کتب سے ترجمہ کر کے شامل کتاب کی ہیں، آپ کے بعد آپ کے اجداد کے حالات بھی مختصر طور پر لکھے ہیں، ان حضرات کے احوال کتاب سلاسل الانوار [2] سے مقتبس ہیں۔

حضرت غوث اعظم تک کے احوال اولیاء میں قابل ذکر امور درج نہیں کر سکے، البتہ متاخرین و

۱۔ یہ شجرہ مولف نے کتاب کے آخر میں منسلک جداول میں سے جدول اول میں درج کیا ہے۔

۲۔ ا۔ سلاسل الانوار فی سیر الابرار تالیف میر نوازش علی فقیر بلگرامی (ف ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء) میں صوفیہ سلاسل نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں۔ (سرو آزاد ۳۲۵۔۳۲۵) اس کا ایک نسخہ مدرسہ عزیزیہ بگویہ، بھیرہ میں ہے (فہرست مشترک ۱۵۵۲/۳) دیگر نسخوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فہرستوارہ کتابہای فارسی ۲۱۷۰/۳

Marfat.com

معاصرین کے حالات میں بعض مقامات پر اچھی معلومات ملتی ہیں۔

عمدۃ الصحائف کے مولف منشی عبدالکریم کے حالات متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، یہاں تک کہ ہمیں ان کا سال وفات بھی معلوم نہیں ہوسکا۔[ا]

منشی عبدالکریم کی صرف ایک ہی کتاب ''عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف'' ہی ہمیں مل سکی ہے، جو سلسلۂ برکاتیہ سے وابستہ علماء وصوفیہ کے احوال پر مشتمل ہے، مولف نے اس کا آغاز اپنے شجرۂ طریقت کے مطابق کیا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین، ائمہ اہل بیت، حضراتِ قادریہ، حضرت غوث اعظم اور آپ کے خانوادہ اور وابستگان متعلقہ شجرۂ مولف سے لے کر مخدوم بھکاری تک اور پھر ان سے بعد سید محمد کالپوی، شاہ فضل اللہ کالپوی، سید شاہ برکت اللہ مارہروی سے لے کر سید شاہ محمد غوث شہید، اخوند عبدالعزیز دہلوی، اخوند حافظ محمد عمر سراج الحق، شاہ محمد عادل، حافظ عبداللہ بلگرامی تک کے حالات خاصے قابل توجہ ہیں، مولف نے خود اپنے حالات بھی دیئے ہیں، اس کے بعد شجرہ کے مطابق جداول بنا کر قارئین کے لئے آسانی پیدا کر دی ہے، عمدۃ الصحائف، پہلے مطبع انوار احمدی، الٰہ آباد سے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء طبع ہوئی تھی، اب اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

اویسیہ

صوفیہ کے سلسلوں میں سے ایک سلسلہ کا نام اُویسیہ ہے۔

اس سلسلہ کا انتساب مشہور تابعی اُوَیس قرنی ابوعمرو اویس بن عامر قرنی مرادی یمانی سے ہے، (مختلف روایات کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۴/ ۱۹۔۳۳) حضرت اویس قرنی کو حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میسر نہیں آئی تھی اور تمام تر استفادہ غائبانہ طور پر آپ ﷺ کی روح پاک سے ہوا تھا۔ (کشف المحجوب ۱۰۹۔۱۱۱، تذکرہ الاولیاء ۱۹۔۲۹)

وصال سے قبل آنحضرت ﷺ نے اپنا مرقع (جامۂ صوفیان، فرہنگ معین) حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما کو دیا کہ یہ اویس قرنی کو دے دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ مرقع ان کے حوالہ کر دیا گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء ۲۰۔۲۱)

اسی مرقع کے عطیہ کو صوفیہ نے خرقہ پوشی کے لئے جواز کے طور پر اختیار کیا۔ (جامۂ زہد خرقہ وخرقہ پوشی ۸۵۔۸۶)

اسی واقعہ سے صوفیہ کے ہاں یہ روایت پڑی کہ اگر کسی صوفی کو مرشد سے براہ راست فیض یاب ہونے کا موقع نہ ملے تو وہ اس شیخ کی روحانیت سے غائبانہ طور پر استفادہ کر سکتا ہے، اس عمل کو باقاعدہ ''اویسیت'' کا درجہ دیا گیا اور پانچویں صدی ہجری تک صوفیہ کی ایک جماعت کا انتساب اسی عمل کے تحت ہونے لگا۔ (کشف المحجوب ۱۱۰)

اب باقاعدہ صوفیہ کا ایک گروہ اویسی کہلانے لگا، جنہیں پیر کی حاجت نہیں تھی بلکہ وہ براہِ راست روحانی طور پر حضرت نبی کریم ﷺ کے حوزۂ نبوت سے وابستہ ہو کر روحانی تربیت پانے لگے، اسے مرتبہ اویسیت کہا گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء ۲۸۔۲۹)

صوفیہ کے تذکروں میں ایسے کئی مشائخ کے احوال درج ہیں، جن کو بظاہر کسی شیخ کے دامنِ تربیت

Marfat.com

سے وابستہ ہونے کا موقع نہیں ملا لیکن انہوں نے کسی معروف شیخ کی روحانیت سے استفادہ کیا اور اسی عمل کو ''طریق اویسیت'' کہا گیا ہے چنانکہ خواجہ باقی باللہ (رک باں) نے متقدمین مشائخ نقشبندیہ سے اویسی طور پر اتصال کیا تھا۔ (حضرات القدس ۱/ ۲۶۷)

یوں تو بہت سے صوفیہ نے اپنا انتساب سلسلۂ اویسیہ سے کیا ہے، جن کا احاطہ بہت دشوار ہے، صرف چند معروف نام درج کئے جا رہے ہیں۔

مولوی جلال الدین رومی (صاحب مثنوی)، میر عین الدین حسین درفولی، نظامی گنجوی، شاہ قاسم انوار، جلال الدین علی میر ابوالفضل عنقا، حکیم سنائی غزنوی، شیخ نجم الدین کبری اویسی وغیرہ
(تحقیق در احوال وآثار نجم الدین کبری ۶۰۔۷۲)

ایران میں اس سلسلہ سے وابستہ اصحاب کے حالات اور ان کی سرگرمیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سلسلہ ہای صوفیہ ایران (ص ۲۴۷۔۲۶۳)

پاکستان وہند میں اس سلسلہ یعنی بطریق اویسیت کا قدیم ترین تذکرہ لطائف اشرفی میں آیا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں بھی بعض شواہد بیان کئے ہیں، مفتی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء کے آخری باب میں بھی بعض ایسے صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے، جن کی وابستگی اس طریقہ سے رہی ہے، اس سلسلہ میں ایک اہم کتاب لطائف نفیسہ در مناقب وفضائل اویسیہ بھی قابل ذکر ہے۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ احمد بن محمد اویسی: لطائف نفیسہ در مناقب وفضائل اویسیہ، خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۴۳۹۴

۲۔ بدرالدین سرہندی: حضرات القدس جلد اول اردو ترجمہ محمد اشرف، سیالکوٹ ۱۴۰۱ھ

۳۔ سجادی، سید علی محمد: جامۂ زہد، خرقہ وخرقہ پوشی، تہران، ۱۳۶۹ ش

۴۔ ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء مرتبہ مومون الصاغرجی، بیروت، ۱۹۸۱ء

۵۔ عطار، فریدالدین: تذکرۃ الاولیاء مرتبہ محمد استعلامی، تہران، ۱۳۶۵ ش

۶۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۷۔ محسنی، منوچہر: تحقیق در احوال وآثار نجم الدین کبری اویسی، تہران، ۱۳۴۶ ش

۸۔ ایضاً: اویس ومکتب عرفان در اسلام، تہران ۱۳۴۱ ش

۹۔ محمد حسین مرادآبادی: سلاسل اربعین، دہلی، ۱۳۳۱ھ

۱۰۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی، نصرت المطابع ۱۲۹۸ھ

۱۱۔ نورالدین مدرسی چہاروہی: سلسلۂ صوفیۂ ایران، تہران ۱۳۶۰ ش

۱۲۔ ولی اللہ محدث دہلوی: انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، لائل پور، (س ن)

۱۳۔ ہجویری، علی بن عثمان: کشف المحجوب مرتبہ محمد حسین تسبیحی، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء

14- Trimingham, J.S: Sufi Orders in Islam, Oxford, 1971

Marfat.com

Marfat.com

بایزید بیات

بایزید بیات اکبر بادشاہ (۹۶۳۔۱۰۱۴ھ/۱۵۵۶۔۱۶۰۵ء) کے عہد کا ایک امیر اور مورخ تھا۔

بایزید بیات کے حالاتِ زندگی متعارف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس کے اپنے بیانات کی روشنی میں اس کی بعض سرگرمیوں کی تفصیل مرتب کی گئی ہے۔

بیات ایک ترک قبیلہ کا نام ہے، جس کے افراد زیادہ تر آذربائیجان، تہران، فارس، اریون اور نیشاپور میں رہتے تھے۔ [۱]

بایزید بیات کی ابتدائی زندگی تبریز میں گذری، ہمایوں بادشاہ (۹۳۷۔۹۶۳ھ/۱۵۳۰۔۱۵۵۶ء) جب ایران میں تھا تو ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء کو بایزید بیات پہلی مرتبہ بمقام تختِ سلیمان، ہمایوں سے ملا، جب ہمایوں، تبریز کی سیر کے لئے گیا تو بایزید، مشہد چلا گیا، جہاں وہ تحصیل علم میں مصروف ہو گیا۔ [۲]

بایزید بیات شاہ بردی بیات معروف بہ بہرام سقا کا چھوٹا بھائی تھا، بہرام سقا ایک صاحب دیوان شاعر اور ہمایوں کے بھائی مرزا کامران سے متوسل تھا بردی بعد میں ہمایوں کے ملازمین میں شامل ہو گیا، اس کے دیوان کے قلمی نسخے شاہانِ اودھ کے کتب خانے، کتابخانہ آصفیہ اور انڈیا آفس لائبریری، لندن میں محفوظ ہیں۔ [۳]

۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء کو جب ہمایوں مشہد آیا تو بایزید اس کے ملازمین میں شامل ہو گیا، [۴] اگلے سال ۹۵۲ھ/۱۵۴۵ء کو جب ہمایوں کابل آیا تو مرزا کامران کے تمام ملازمین بہرام سمیت ہمایوں سے وابستہ

۱۔ آئین اکبری، ترجمہ وتعلیقات بلوخمان ۱/۶۵۱

۲۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۳۷

3- Storey, Persian literature, Vol.i, part, i, p.538

۴۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۳۹

Marfat.com

ہو گئے، بایزید بھی اپنے بھائی سقا کے ہمراہ حاضر ہوا، اسی سال ہمایوں نے بایزید بیات کو اپنا سفیر بنا کر مرزا کامران کے پاس کابل بھیجا، بایزید کابل پہنچ کر کابل کے گورنر شاہ بردی بہرام سقا، جو بایزید کا بھائی تھا، کے پاس گیا اور ہمایوں سے صلح کے لئے بات چیت کی، ابھی یہ معاملات جاری تھے کہ ہمایوں اپنی فوج کے ساتھ کابل پہنچ گیا، شاہ بردی سمیت تمام امراء نے ہمایوں سے ملاقات کر کے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ ۱

ہمایوں کا ایک اہم منصب دار حسین قلی سلطان نے خان مہردار (Seal keeper) قپچاق (Qipchaq) کے مقام پر مرزا کامران کے خلاف مصروف جنگ تھا، عین اس وقت ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء کو بایزید بیات حسین قلی کی خدمت میں حاضر ہو کر معاون بن گیا، ۲ حسین قلی کی ملازمت کے بعد بایزید، ہمایوں کے ایک اور معزز امیر خواجہ جلال الدین محمود سے منسلک ہو گیا، اس کے بعد اس نے منعم خان کی ملازمت اختیار کر لی، جب ہمایوں نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنے کا پروگرام بنایا تو اس نے منعم خان کو کابل کا گورنر مقرر کر کے خود ہندوستان کی راہ لی، اس وقت بایزید بیات بھی منعم خان کے ساتھ کابل میں ہی رہا۔ ۳

۹۶۷ھ/۱۵۶۰ء کو جب اکبر بادشاہ نے بیرم خان کے اختیارات ختم کرنے کے لئے ہمایوں کے تمام امراء کو دہلی حاضر ہونے کا حکم دیا تو منعم خان بھی حاضر ہوا، اُسے وکیل مقرر کر کے خان خانان کا خطاب دیا، بایزید بیات، جو منعم خان کے ہمراہ ہندوستان آ گیا تھا، اس خدمت پر مامور ہوا کہ وہ منعم خان کی طرف سے بیرم خان کے پاس نمائندہ کی حیثیت سے جائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بایزید وقتی طور پر بیرم خان کو، جو بغاوت پر آمادہ تھا سمجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ ۴

بایزید، منعم خان خانِ خاناں کے ملازم کی حیثیت سے اس قسم کی کئی خدمات انجام دے چکا تھا اس کی ان خدمات پر اکبر نے بھی توجہ کی تھی۔ ۵

۱۔ تذکرہ ہمایوں و اکبر ۳۹ ۲۔ ایضاً ۷۶، ۱۳۰

۳۔ ایضاً ۱۵۰۔۱۵۲، ۱۸۷، ۱۸۸ ۴۔ ایضاً ۲۳۲۔۲۳۳، ۳۱۴ و بعد

۵۔ ایضاً ۳۱۰

Marfat.com

۹۷۰ھ/۱۵۶۳ء کے دوران کابل میں بے چینی اور باغیانہ روش کی وجہ سے اکبر کو تشویش ہوئی، وہیں مرزا حکیم کی والدہ کی سرگرمیاں بھی حالات کو مزید ابتر بنا رہی تھیں، باغیوں کو سزا دینے کے لئے اکبر نے منعم خان کو کابل بھیجا تو بایزید بیات بھی ہمراہ تھا۔ ۱

حصار فیروزہ (Hisar Firoza) کا علاقہ منعم خان کی جاگیر میں شامل تھا، اس نے اپنی املاک کی دیکھ بھال کے لئے بایزید کو وہاں بھیجا، اسی سال بایزید نے کامیابی کے ساتھ ہمایوں کے ایک سابقہ ملازم اور عہدہ دار ابوالمعانی کی بغاوت کو فرو کیا، جس پر ہمایوں نے بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بایزید کو نوازا۔ ۲

۹۷۴ھ/ ۱۵۶۷ء میں علی قلی خان اور خان زمان کی بغاوت کو دبانے کے لئے اکبر نے منعم خان کو بھیجا، جس میں وہ کامیاب ہوا تو اس نے حصارِ فیروزہ سے بایزید کو بلا کر بنارس (Banars) بھیجا، جہاں بایزید نے ایک مندر گرا کر مدرسہ اور مسجد بنائی، ۳ اکبر بادشاہ نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے دو گاؤں بطور مدد معاش دیئے، اگرچہ ہندو اپنے اس بت خانے کے گرائے جانے پر بہت نالاں تھے، جب راجہ ٹوڈرمل کا وہاں تقرر ہوا تو ہندوؤں نے مندر کے گرائے جانے اور بایزید کے ہندوؤں کے خلاف طرزِ عمل کی شکایت کی، راجہ نے بایزید کے حساب کی باقاعدہ پڑتال کروائی، ۴ اگرچہ اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہوسکا لیکن بایزید دل برداشتہ ہو چکا تھا اس لئے وہ دوبارہ بنارس نہ گیا، اس نے مدتوں منعم خان خانِ خانان کے ساتھ خدمات انجام دیں، جس کے صلے کے طور پر علاقہ چنار اُسے جاگیر کے طور پر دیا گیا۔ ۵

منعم خان کی وفات ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء) کے بعد اکبر نے بایزید کو فتح پور میں طلب کیا اور اُسے مہارانا پرتاب کے خلاف فوج کشی کے لئے بھیجا، ۶ اس کے بعد اجین (Jjjain) کی حدود میں شامل

۱۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۲۱۰۔۲۸۴

۲۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۲۷۲، ۲۸۴، منتخب التواریخ ۹/۲، آئین اکبری ۱۶/۲

۳۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۳۱۱ ۴۔ ایضاً ۳۱۲

۵۔ ایضاً ۳۵۱۔۳۵۲ ۶۔ ایضاً ۳۵۳

Marfat.com

ایک پرگنہ، دیپال پور کے بندوبست کے لئے روانہ کیا گیا، ۱ جہاں اس نے بڑی کامیابی سے خدمات انجام دیں، اس کام کی تکمیل کے بعد اُسے سارنگ پور (Sarang pur) کے معاملاتِ مال کی درستی کے لیے بھیجا گیا، ۲ جہاں عرصہ تک رہ کر اس نے مالی معاملات کو بطریق احسن درست کیا۔

محرم ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء میں بایزید بیات کو سرکاری املاک واقع فتح پور کا داروغہ (Superientendent) مقرر کیا گیا اور اگلے ہی سال اُسے حج کرنے کی اجازت مل گئی تو وہ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گیا، ۳ راستے میں اس کے سامان کی پڑتال کرنے پر اس سے سونا برآمد ہوا اس کی شکایت اکبر سے کی گئی تو اس نے باز پرس کئے بغیر اُسے گجرات بھیج دیا لیکن جلد ہی اُس کی خطا معاف ہوگئی اور اُسے حج پر جانے کی اجازت مل گئی۔ ۴

بایزید بیات، مکہ مکرمہ میں تین سال تک مقیم رہا، اس نے وہاں خانہ کعبہ کے فرش کی مرمت کروائی اور امرائے مکہ سے اچھے تعلقات قائم کر لئے، مکہ میں اس کی بیوی اور ایک بیٹا فوت ہو گیا، اس نے خاندان کے باقی افراد کو واپس ہندوستان بھیج دیا اور خود مکے میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا، بعض معاملات میں اس کے خانوادے کے افراد سے خطائیں اور ملکی معاملات میں کوتاہیاں سرزد ہوئیں تو انہیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، بایزید کو اپنا ارادہ ملتوی کر کے واپس ہندوستان آنا پڑا، وہ ۹۹۲ھ/ ۱۵۸۴ء کو فتح پور پہنچا تو اکبر نے سنام (Sunam) میں اُسے بعض خدمات پر مامور کیا۔ ۵

۹۹۳ھ/ ۱۵۵۸ء کو اکبر بادشاہ، کابل میں ہونے والی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے خود کابل روانہ ہوا تو بایزید بیات کو بھی ہمراہ لیتا گیا، اگرچہ اس کا منصب دوصد سے بڑھ نہ سکا لیکن اس کے باوجود اُسے بہت اہم اداروں میں کام کرنے کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، ۹۹۵ھ/ ۱۵۸۷ء کو اُسے بکتول بیگی ۶ ایشک آغائی ۷ کے عہدے دیئے گئے، اسی سال اس پر فالج کا حملہ ہوا اور ہاتھ عدم قوت کے باعث بیکار

۱۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۳۵۳ ۲۔ تذکرہ ہمایوں واکبر ۳۵۳۔۳۵۴

۳۔ ایضاً ۳۵۵۔۳۵۶ ۴۔ ایضاً ۳۵۴ ۵۔ ایضاً ۳۵۷، ۳۶۲

۶۔ بکاول بیگی، بکاول بمعنی داروغۂ مطبخ (فرہنگ آنندراج) بیگ بمعنی امیر، نیز دیکھئے آئین اکبری ۱/ ۵۳

۷۔ ایشک آقاسی، بمعنی حاجب دربارِ شاہ، داروغۂ دیوانخانہ (فرہنگ معین)

Marfat.com

ہو گیا، ۹۹۶ھ/ ۱۵۸۸ء کو وہ ملازمت سے الگ ہو کر گوشۂ قناعت میں بیٹھ گیا، ۹۹۸ھ/ ۱۵۹۰ء کو اُسے دوبارہ ایشک آغائی کا منصب ملا اور اگلے ہی سال ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء میں بایزید کو عہدۂ داروغگی اور تمام خزانہ ہای عامرہ کا امین مقرر کیا گیا، اس دوران وہ لاہور میں رہا، جہاں اُسے حویلی بنانے کے لئے تین بیگہ زمین دی گئی، اس نے قلعہ شاہی کے نزدیک محلۂ شیخ کا کو متصل مزار شیخ موسیٰ آہنگر یہ عمارت تعمیر کروائی، اس سے متصل اس نے ایک مسجد اور پل بھی بنوایا، دہلی دروازہ، لاہور کے قریب بایزید نے ایک مسجد اور سقاخانہ بھی تعمیر کروایا، نواب تقیب خان تبریزی، حکیم ہمام گیلانی، قاضی حسن، قاسم بیگ تبریزی اور خواجہ نظام الدین احمد بخشی (صاحب طبقات اکبری) نے اکبر بادشاہ کے سامنے بایزید بیات کی خدمات کا تذکرہ اور اعتراف کیا۔ [1]

بایزید بیات اگرچہ کوئی ذی علم آدمی نہیں تھا لیکن صاحب ذوق ضرور تھا، مادہ ہای تاریخ تجویز کر لیتا تھا، لیکن شعر نہیں کہہ سکتا تھا، اس کے بنائے ہوئے مادہ ہای تاریخ کو اس کے ہم جلیس شعراء نے نظم کیا ہے۔ [2]

بایزید کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے، ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء میں وہ مفلوج حالت میں اپنا تذکرہ املا کروا رہا تھا، قیاس ہے کہ سنہ مذکور کے چند سال بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا ہو گا۔

تذکرۂ ہمایوں و اکبر

بایزید بیات کی صرف یہی ایک تالیف ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی تحریری سرمایہ نہیں ہے، یہ کتاب سادہ فارسی نثر میں ہے۔

دراصل ابوالفضل علامی کو اپنی مرتبہ تاریخ ''اکبر نامہ'' کے لئے ماضی کی تاریخ کے لئے مواد درکار تھا، چنانچہ اس نے اکبر سے اُن اصحاب کے نام ایک فرمان لکھوایا، جو اپنے عہد یعنی ہمایوں کے زمانے کے چشم دید حالات لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے، یہ کتاب بھی اسی فرمان کے تحت معرضِ تحریر میں آئی، بایزید کو یہ فرمان لاہور میں ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء کو ملا، ساتھ ہی ابوالفضل نے ایک کاتب کا تقرر بھی کیا کہ وہ بایزید کے بیانات کو قلم بند کرے، اس کی یہ یادداشتیں سنہ ۹۴۹ھ/ ۱۵۴۲ء کے واقعات سے شروع ہوتی ہیں اور ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء پر ختم ہو جاتی ہیں۔ [3]

۱۔ تذکرہ ہمایوں و اکبر ۳۷۳۔۳۷۷ ۲۔ ایضاً ۳۷۱ ۳۔ تذکرہ ہمایوں و اکبر ۲، ۳۷۷

Marfat.com

یہ کتاب مندرجہ ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے:

فصل اول: آغاز واقعات سنہ ۹۴۹ھ/۱۵۴۳ء، ہمایوں کا شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران کی راہ لینا۔

فصل دوم: حوادث ۹۵۳ھ/۱۵۴۶ء تا ۹۵۹ھ/۱۵۵۱ء

فصل سوم: واقعات ۹۵۹۔۹۶۳ھ/۱۵۵۱۔۱۵۵۶ء

فصل چہارم: وقائع ۹۶۳۔۹۹۹ھ/۱۵۵۶۔۱۵۹۱ء

دراصل یہ کتاب جوہر آفتابچی کے "تذکرۃ الواقعات" اور گلبدن بیگم کے "ہمایوں نامہ" میں موجود خلا پُر کرنے کے لئے مرتب کروائی گئی تھی، اس میں عہد ہمایوں کے واقعات قدرے مختصر اور اکبری عہد کے وقائع مفصل بیان ہوئے ہیں، اکثر حوادث کا بایزید خود عینی شاہد ہے، اس اعتبار سے اس کتاب کو درجہ اول کے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

بایزید، ہمایوں واکبر کے عہد کی بغاوتوں اور باغیوں کا بہت سادہ طریقے سے ذکر کرتا ہے، وہ خود کئی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے جانے کے والی مہمات میں شریک تھا اس لئے اس کے بیانات تاریخی اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ بڑے بڑے امراء اکبر سے خوف زدہ رہتے تھے،[۱] منعم خان کی کابل جیسے مقام پر انتظامی امور میں اعلیٰ درجے کے انتظامات کا تذکرہ کیا ہے، پھر اس کی بحیثیت وکیل معاملہ فہمی اور سیاسی تدبر کا بھی ذکر کیا ہے۔

ایک خاص بات جس کا ذکر بایزید کی یادداشتوں میں ہے وہ مالی امور کی انجام دہی اور جاگیرداری نظام کی تفصیلات ہیں، جن سے دیگر کتب تاریخ خالی ہیں۔[۲]

بایزید نے مقامی حکمرانوں کے کوائف بھی دیئے ہیں، مغلوں اور افغانوں کے مابین ہونے والی جنگوں کی تفصیلات بھی قابل توجہ ہیں۔[۳]

۱۔تذکرہ ہمایوں واکبر ۲۳۹ ۲۔ایضاً ۲۶۹،۳۰۳،۳۰۷

۳۔ایضاً ۳۲۲۔۳۴۶

Marfat.com

چونکہ یہ کتاب محض یاداشت اور حافظہ پر بھروسہ کر کے لکھی گئی ہے اس لئے بعض واقعات آگے پیچھے اور چند وقائع کا تکرار بھی ملے گا، بایزید ایک سادہ مسلمان تھا، اس نے بہت سے بے ساختہ واقعات بھی درج کیے ہیں، اس نے کافروں پر دشنام تراشی بھی کی ہے، اس نے ایک مندر بھی مسمار کر کے مدرسہ اور مسجد تعمیر کروائی تھی، ۴ اس کی تمام تر ہمدردیاں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تھیں، ان یاداشتوں کی املا کے وقت نہ تو اکبر کی اسلام سے بےزاری اور نہ ہی ابوالفضل کی بے دینی اس کے طرزِ تحریر پر اثر انداز ہو سکی، اس نے تمام واقعات بے کم وکاست املا کروا دیئے ہیں۔

یہ دیگر کتب تاریخ کے مقابلے میں، جو درباری ماحول کے زیر اثر لکھی گئیں سے مختلف ہے بلکہ یہ واحد کتاب ہے جو پوری آزادی کے ساتھ واقعات وحوادث کو عینی شاہد کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔

تذکرہ ہمایوں واکبر کے کئی قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، انڈیا آفس لائبریری، لندن کا نسخہ قدیم ترین ہے، ۵ اس کتاب کو محمد ہدایت حسین کی تصحیح ومقدمہ کے ساتھ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا۔

مآخذ

۱۔ ابوالفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو ۱۸۶۹ء

۲۔ ایضاً: اکبرنامہ، کلکتہ ۱۸۸۳ء

۳۔ بایزید بیات: تذکرہ ہمایوں واکبر مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ، ۱۹۴۱ء

۴۔ بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۸۴۔۱۸۶۹ء

۵۔ جوہر آفتابچی: تذکرۃ الواقعات اردو ترجمہ از معین الحق، کراچی، ۱۹۵۵ء

۶۔ گلبدن بیگم: ہمایوں نامہ مرتبہ وترجمۂ انگریزی از بیورج، لاہور ۱۹۷۴ء

۴۔ تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ ۵۔ مقدمۂ تذکرہ ہمایوں واکبر

Marfat.com

7- Abu'l Fazl: Ain-i-Akbari, trasn, notes by Blochmann, (re-print) Lahore, 1975.

8- Elliot, H.M: Bibliographical index to the Historians of Muhammadian India, Dehli, 1976.

9- Grewal, J.S: Medieval India, History and historians, Amritrar, 1975.

10- Mohibul Hasan: Historians of Medieval India, Dehli, 1982.

11- Mukhia, H: Historians and Historiography during the reigen of Akbars, Dehli, 1976.

12- Rizvi, S.A.A: Religious and Intillectual History of the Muslims in Akbar's Reign, Dehli, 1976.

13- Parsad, Ishwari, Life and Times of Humayun, Lahore, 1980.

14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

(برائے دانشنامۂ زبان وادب فارسی

درشبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

جوہر آفتابچی

جوہر آفتابچی، ہمایوں کے عہد (۹۳۷۔۹۶۳ھ/ ۱۵۳۰۔۱۵۵۶ء) کا ایک تاریخ نگار اور کتاب ''تذکرۃ الواقعات'' کے مولف کی حیثیت سے معروف ہے۔

ابوالفضل نے اس کا نام مہتر جوہر لکھا ہے، (اکبرنامہ ۱/۲۵۹) لیکن اس نے اکثر مقامات پر اپنا نام جوہر آفتابچی تحریر کیا ہے (تذکرۃ الواقعات ۶۴، ۷۸، ۸۶، وبہ بعد) مہتر کا معنی ہے ''کسی کہ از اسپ پرستاری ونگہبانی کند'' (فرہنگ فارسی معین)، اسی طرح آفتابچی سے مراد ہے آفتابہ دار (ایضاً، فرہنگ زبان فارسی تاریخی ۱/۶۹، تذکرۃ الواقعات ۱۶۳)، گویا معاصر مآخذ کی رو سے اس کا پورا نام یوں ہے ''مہتر جوہر آفتابچی''، چونکہ اُسے کوئی اعلیٰ عہدہ یا قابل ذکر منصب نہیں ملا تھا اس لئے کتب تاریخ میں اس کے حالات درج نہیں ہو سکے، اس نے اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

جوہر ابتدا میں جب ہمایوں کا محض ایک آفتابچی (Ewer-bearer) تھا تو وہ اسی حیثیت سے سفر وحضر میں ہمایوں کے ساتھ رہتا تھا، ہمایوں کی اپنے بھائیوں کے ہاتھوں پریشان کن زندگی کے دوران وہ ہمراہ ہی رہا، کامران کے خلاف مہمات ہوں (تذکرۃ الواقعات ۱۳۱)، ایران میں قیام، مشہد میں حاضری (تذکرہ ۹۴)، ہمایوں کا ایران سے واپس آتے ہوئے قندھار پر قبضہ اور اس لڑائی میں جوہر کی موجودگی (ایضاً ۸۹، تذکرہ ہمایوں واکبر ۵۳)، ہمایوں کے کابل پر قبضہ کے دوران جوہر ہمرکاب تھا (ایضاً ۱۲۳)، ہمایوں کا شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران چلے جانا اور وہاں قیام (۹۵۱۔۹۶۲ھ/ ۱۵۴۴۔۱۵۵۴ء) کے دوران بھی وہ اسی خدمت پر مامور رہا، اسی حالت میں ہمایوں کے ساتھ واپس ہندوستان آیا۔

(تذکرۃ الواقعات ۱۶۵، تذکرہ ہمایوں واکبر ۱۸۲)

شیر شاہ سوری (حکو ۹۴۶۔۹۵۲ھ/ ۱۴۳۹۔۱۵۴۵ء) کے جانشین کے ساتھ لڑائی کے دوران بھی جوہر، ہمایوں کے ساتھ تھا۔ (تذکرۃ الواقعات ۱۶۱، ۱۷۸، ۱۷۱، ۱۷۹)

Marfat.com

۹۶۲ھ/ ۱۵۵۵ء کو جب ہمایوں پنجاب پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے مختلف پرگنوں (Pergana) کا انتظام کرنے اور وہاں سے مالیہ وصول کرنے کے لئے خدام مقرر کئے تو جوہر کو ہیبت پور پٹی (Habatpur Patti) کا محصل بنایا گیا (ایضاً ۱۶۵) اور تاتار خان لودھی کے دیہات کا نگران بھی۔ (ایضاً)

۹۶۲ھ/ ۱۵۵۵ء کو جوہر کو لاہور اور ملتان کا خزانچی مامور کیا گیا (ایضاً ۱۷۰۔۱۷۱، ۱۷۹)، اسی سال کے واقعات میں اکبر نامہ (۱/ ۲۵۹) میں ہے کہ جوہر کو پنجاب کا خزینہ دار مقرر کیا گیا (نیز ملاحظہ ہوا کبر نامہ کا انگریزی ترجمہ بیورج ۱/ ۶۲۷)، جوہر تقریباً ۲۵ سال تک ہمایوں کے ہمراہ رہا۔

اس کے بعد مغل عہد کی کتب تاریخ میں جوہر کا نام نہیں ملتا، اکبر نامہ کی تالیف کے سلسلہ میں ماضی کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے اکبر کے حکم سے عہد ہمایوں کی شخصیات کو ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۰ء میں حکم ہوا کہ ہمایوں کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں احاطۂ تحریر میں لائیں (تذکرہ ہمایوں واکبر ۲)، ان میں سے گلبدن بیگم اور بایزید بیات قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اپنی یاداشتیں مرتب کر کے اکبر کو پیش کیں اور ان دونوں کی مرتب کردہ کتابوں میں خلا کو پُر کرنے کے لئے جوہر آفتابچی سے بھی اس کی یادداشتیں لکھوائی گئیں۔

(Ishwari Parsad: Life and Times of Humayun, p.387

تذکرۃ الواقعات

یہ عہد ہمایوں (۹۳۷۔۹۶۲ھ/ ۱۵۳۰۔۱۵۵۶ء) کی ایک معاصر تاریخ ہے، جس کا آغاز ۹۹۵ھ/ ۱۵۸۶ء کو ہوا، چونکہ یہ ایک باقاعدہ تاریخ نہیں ہے بلکہ مولف کی محض یادداشتوں کا ایک مجموعہ ہے اس لئے اس میں توقیت کا خیال نہیں رکھا گیا، جو واقعہ جس وقت یاد آیا درج کر دیا گیا، اس کے بعض مندرجات اس طرح ہیں:

(۱) جلوس ہمایوں (۲) فتح گجرات (۳) ہمایوں کی بنگال کے افغانوں کے ساتھ جنگ (۴) ہمایوں کی شیر شاہ سوری کے ساتھ جنگیں (۵) ہمایوں کی پریشانیاں بھائیوں کا مخالفانہ رویہ (۶) ہمایوں کی ایران فرار ہونے میں کامیابی، شاہ ایران شاہ طہماسپ صفوی کا استقبال (۷) شاہِ ایران کی مدد سے دوبارہ فتحِ

Marfat.com

ہندوستان......

تذکرۃ الواقعات، ہمایوں کی وفات (۹۶۲ھ/ ۱۵۵۶ء) کو ۳۲ سال بعد ۹۹۵ھ/ ۱۵۸۶ء مرتب ہوا، اس میں مولف نے اپنے چشم دید واقعات ہی بیان کیے ہیں، گویا عینی شاہد کی حیثیت سے اس کے بیانات درجہ اول کے ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ اپنی ۲۵ سالہ خدمات کے دوران ہر موقع پر اپنے آپ کو حاضر بتاتا ہے، اس نے ہمایوں کی پریشان کن زندگی کے بہت سے دلچسپ واقعات اس میں درج کیے ہیں، جن سے اس عہد کی دیگر کتب تاریخ یعنی ہمایوں نامہ گلبدن بیگم اور تذکرۂ ہمایوں واکبر مولفہ بایزید بیات خالی ہیں، چونکہ یہ درباری نوعیت کی تاریخ نہیں ہے اس لئے وہ شاہی اثر سے آزاد اپنی یادداشتیں سپرد قلم کرتا ہے، اس عہد کی یہ پہلی تاریخ ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ شاہِ ایران نے ہمایوں کو شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے کہا۔ (تذکرۃ الواقعات ۱۰۰)

مولف نے سادہ زبان میں تمام حقائق یکجا کر دیئے ہیں، وہ چونکہ ایک مورخ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نہیں تھا اور تاریخ نویسی کے فن سے بھی آشنا نہیں تھا اس لئے اس کی اس کتاب کو تاریخ کی کتاب سے زیادہ محض یادداشتوں کا مجموعہ کہنا چاہیے، اس نے کئی مقامات پر واقعات کو ایک دوسرے میں ملا بھی دیا ہے، اُسے جغرافیائی اسماء کے ضبط وتحریر کا بھی ملکہ حاصل نہیں تھا، سنین کے اندراج میں بھی اس سے فروگذاشتیں سرزد ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی تحریرات آج معاصرانہ اہمیت کی حامل ہیں۔

تذکرۃ الواقعات کا فارسی متن تاحال شائع نہیں ہوا، اس کا انگریزی ترجمہ چارلس سٹیوارٹ (Charles Stewart) نے کیا، جو ۱۸۳۲ء کو لندن سے شائع ہوا، اس ترجمہ پر نظر ثانی کا کام ارسکن (Erskin) نے کیا، جس کے مخطوطے برٹش میوزیم، لندن (نمبر ۲۶۶۲۰ اور ۲۶۶۰۸) موجود ہیں، فارسی متن کے خطی نسخوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوسٹوری کی ادبیات فارسی شمارہ ۵۳۷، اس کا اردو ترجمہ سید معین الحق نے کیا، جو پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی سے ۱۹۵۵ء کو طبع ہوا۔

چونکہ جوہر آفتابچی ایک تعلیم یافتہ شخص نہیں تھا اس لئے اس نے اپنی کتاب اکبر بادشاہ کو پیش کرنے کے لئے اس کی زبان وبیان درست کرنے اور اس پر نظر ثانی کی غرض سے اس عہد کے نامور ادیب شیخ

Marfat.com

اللہ داد فیضی سرہندی کو دی، جس نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اسے اکبر کے سامنے پیش کر سکے، اس تجدید نظر والا نسخہ، جو کتابخانہ انڈیا آفس، لندن میں ہے اس پر اس کا نام ''تاریخ ہمایوں شاہی'' درج ہے۔

(فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، انڈیا آفس ۲۲۲)

مآخذ

۱۔ ابوالفضل، علامی: اکبر نامہ، طبع مطبع نولکشور، لکھنو، ۱۹۱۳ء

۲۔ بایزید بیات: تذکرۂ ہمایون و اکبر، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۴۱ء

۳۔ جوہر آفتابچی: تذکرۃ الواقعات، اردو ترجمہ سید معین الحق، کراچی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۵۵ء

۴۔ محمد معین: فرہنگ فارسی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۰ ش

۵۔ فرہنگ زبان فارسی تاریخی، تہران، ۱۳۵۷ ش

6- Ethe, H: Catalogue of persian Menuscripts in India Office Library, London, 1980.

7- Ishwari Parsad: the Life and Times of Humayun, Lahore, Book traders, 1989.

8- Jouher: Tazkeraht-ul-wakiat, translated by M.C. Steward, (rep) Delhi, 1970

9- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۵ ردسمبر ۲۰۰۲ء

(برائے دانشنامہ شبہ قارہ)

Marfat.com

ابوالفضل معموری

ابوالفضل معموری، اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) کے عہد کا ایک مورخ اور منصب دار تھا۔

معموری کے حالات اس عہد کی کتب تاریخ میں بہت ہی کم ملتے ہیں، شاہ جہان کے بیٹوں کے مابین جنگِ تخت نشینی (۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) کے دوران اورنگ زیب، برہانپور (Burhanpur دکن کے معروف شہروں میں سے ایک شہر) سے شمالی دکن کی طرف سفر کر رہا تھا کہ دریائے نربدا (Narbada) عبور کرنے سے قبل بعض پرانے ملازمین کے مناصب میں اضافہ کیا، ان میں ابوالفضل معموری کو ہزار چہار صد سوار کا منصب ملا (عالمگیر نامہ ۵۳)، اس دوران اورنگ زیب تخت نشینی کی جنگ میں کامیاب ہو کر تخت نشین ہو چکا تھا، دکن کی ابتدائی مہمات کے سلسلہ میں اورنگ زیب نے ابوالفضل معموری کے مذکورہ منصب میں پانصد سوار بمنصب ہزار و پانصدی سوار کا اضافہ کر دیا، اور اُسے معمور خان کا خطاب بھی دیا (ہمانجا ۷۷) اسی دوران اُسے داروغۂ بیوتات بھی بنایا گیا، جس پر وہ اورنگ زیب کے ۳۰ سال جلوس سے ۳۶ سال جلوس (۱۰۹۷-۱۱۰۳ھ/ ۱۶۸۶-۱۶۹۳ء) یعنی چھ سال تک کام کرتا رہا، اسی دوران ۲۵ر جلوس عالمگیری ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء) میں اُسے برہانپور کا وقائع نویس بھی مقرر کیا گیا، اس کے ساتھ ہی اس کا پہلا منصب میر سامان بھی قائم رہا۔ (تاریخ عالمگیر معموری، مخطوطۂ رام پور ۶۵۳، ۵۴۸)

۱۶۸۶ء میں اُسے شہزادہ اعظم شاہ بن اورنگ زیب کے ساتھ مہم پر روانہ کرتے وقت اہم خدمات سونپی گئیں، ۳۶ر جلوس عالمگیری (۱۱۰۳ھ/۱۶۹۳ء) میں اُسے میر بحر بنایا گیا۔ (ہمانجا)

۴۴ جلوس عالمگیری (۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۰ء) میں اُسے محاصرۂ پنہالہ (Panhala کولہاپور سٹیٹ میں ایک تاریخی قلعہ ہے، جو بمبئی میں واقع ہے) کے دوران اہم دستاویزات دے کر روانہ کیا گیا۔ (ہمانجا ۶۹۹)

۴۶ر جلوس عالمگیری (۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۳ء) میں ابوالفضل معموری کو قلعۂ خیلانہ (Khelana) کے

Marfat.com

کمانڈر کے پاس بھیجا گیا کہ وہ پنہالہ کے سقوط کی شرائط طے کرے۔ (ہمانجا ۷۰۷)

[A New Contemporary History of Aurangzeb's Reign, J.R.A.S. April 1936, pp.279.283]

معموری کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے لیکن اس کی مرتبہ "تاریخِ اورنگ زیب" اورنگ زیب کے سالِ وفات ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء پر ختم ہو جاتی ہے، جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ معموری اس مذکورہ سنہ کے چند سال بعد تک زندہ رہا ہوگا۔

مآثر الامراء (۳/ ۴۲۳۔۴۲۴) میں جس معمور خان میر ابوالفضل معموری کا تذکرہ ہے وہ زیر بحث شخصیت ابوالفضل معموری سے مختلف ہے، وہ اورنگ زیب کے ابتدائی ایام سلطنت میں قتل ہو جاتا ہے جبکہ مولف اورنگ زیب نامہ اس کے اپنے بیانات کے مطابق وہ ۱۱۱۸ھ تک بقید حیات تھا۔

اورنگ زیب نامہ

یہ کتاب دراصل محمد صادق مخاطب بہ صادق خان کے شاہ جہان نامہ (ریو: فہرست مخطوطات فارسی موزہ بریطانیہ ۳/ ۱۰۰۸) کے تکملہ کے طور پر لکھی گئی تھی۔

(Mughal Nability under Aurangzeb, p.273)

مذکورہ شاہ جہان نامہ ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء پر ختم ہو جاتا ہے (فہرست مخطوطات فارسی، موزہ بریطانیہ ۳/ ۱۰۰۸)، اور اسی سنہ سے ابوالفضل معموری کا اورنگ زیب نامہ شروع ہو جاتا ہے، جو اورنگ زیب کی وفات ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔

معموری چونکہ اہم عہدوں پر فائز تھا اور بہت سے واقعات وحوادث اس کے سامنے رونما ہوئے تھے اس لئے اس کے بیانات عینی شاہد کی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتے ہیں، یہ کوئی باقاعدہ سرکاری مورخ نہیں تھا بلکہ اپنے ذوق کی بنا پر اس نے عہد عالمگیری کے واقعات قلم بند کیے ہیں، اس نے کئی دلچسپ واقعات بھی لکھے ہین، جن کا وہ عینی شاہد تھا، مثلاً یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے دہلی اور اس کے گردونواح کے ہندو جزیہ ختم کروانے کے لئے احتجاج کے طور پر جمع ہوئے تھے (اورنگ زیب نامہ ۵۲۹)، اسی طرح جب

Marfat.com

موسیقاروں نے آلات موسیقی کا جنازہ اٹھا کر دارالخلافہ دہلی کا رخ کیا تو وہ اس واقعہ کا بھی عینی شاہد ہے۔ (ہمانجا۱۶۹)

مشہور مورخ محمد ہاشم مخاطب بہ خافی خان نے منتخب اللباب (۲/۳۳۷۔۳۲۸) میں عہد اورنگ زیب کے بہت سے واقعات معموری کی زیر بحث کتاب سے لفظ بلفظ نقل کر لئے ہیں لیکن حوالہ نہیں دیا، یہاں تک کہ اس عہد کے واقعات کو ختم کرتے ہوئے خافی خان نے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ بھی عینا اورنگ زیب نامہ معموری میں موجود ہیں۔

اس علمی سرقہ پر سب سے پہلے پروفیسر ڈاوسن (Dowson) نے اپنے تردد کا اظہار کیا تھا۔

(History of India as told by its own Historians, Vol.vii, pp.133)

پھر مشہور مورخ سری رام شرما (Sri Ram Sharma) نے معموری کے مخطوطہ کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے بتایا کہ اورنگ زیب والا تمام تر مواد خافی خان نے معموری سے بلا حوالہ لفظ بلفظ نقل کر لیا ہے، حال ہی میں انیس جہاں سید نے خافی اور معموری کی کتب کا تقابلی مطالعہ کر کے مزید شواہد بیان کئے ہیں اور دونوں کے بیانات کے متون بھی نقل کئے ہیں۔

(Aurangzeb in Muntakhab-ul-lubab, p.22-32)

معموری نے اپنی تاریخ اورنگ زیب کا کوئی نام تجویز نہیں کیا، مارشل (ص۳۶ نمبر ۱۰۱) میں اسے اورنگ زیب نامہ کا نام بغیر حوالے کے دیا ہے، اس کے دو خطی نسخے اب تک معلوم ہیں، اول موزہ بریطانیہ، لندن نمبر، Or,1671 (فہرست مخطوطات فارسی ۳/۱۰۰۸)، دوسرا رضا لائبریری، رام پور، ہندوستان میں ہے، نمبر ۲۰۹۲۔ (فہرست مخطوطاتِ فارسی، رضا لائبریری، رام پور ص ۲۸۲)

اتفاق ہے کہ دونوں نسخے جداگانہ نہیں ہیں بلکہ صادق خان کے شاہ جہان نامہ کے ساتھ ہی مجلد ہیں۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ خافی خان، محمد ہاشم: منتخب اللباب، کلکتہ ۱۸۷۴ء

۲۔ شاہنواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ وتحشیہ ایوب قادری، لاہور ۱۹۷۰ء

۳۔ محمد کاظم شیرازی: عالمگیر نامہ، کلکتہ ۱۸۶۸ء

۴۔ نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعات عالمگیر، اعظم گڑھ، دار المصنفین ۱۹۲۸ء

5- Athar Ali, M: Mughal Nolibity under Aurangzeb, Bombay 1970.

6- Elliot and Dowsan: History of India as told by its own Hostorian, Lahore, 1989.

7- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.

8- Sharma, Sri Ram: A new contemporary History of Aurangzeb's Reign, J.R.A.S, April 1936.

9- Riew, C: Cat. of Persian MSS. in British Museum, London, 1883

10- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

11- Syed, A.J: Aurangzeb in Muntakhab-al-Lubab, Bombay, 1977.

12- Syed, A.J: A note on Sadiq Khan and Manuri, Indian Hotsory Congress, (Held at Calicut, Dec.1976)

۱۴ر دسمبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

احمد یادگار

احمد یادگار، تاریخ شاہی (تاریخ سلاطین افاغنہ) کا مولف ہے، اس کے بارے میں کتب تاریخ اور تذکرے قطعاً خاموش ہیں، اپنی تاریخ کے دیباچے میں اپنے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کے مطابق وہ بنگال کے بادشاہ داؤد شاہ بن سلیمان (۹۸۰۔۹۸۴ھ/۱۵۷۲۔۱۵۷۶ء) کے دربار سے منسلک تھا اور اُسی کے حکم پر اس نے یہ کتاب تالیف کی، داود شاہ چاہتا تھا کہ افغانوں کی ایک تاریخ منہاج سراج جوزجانی (مولف طبقاتِ ناصری) اور ضیاء الدین برنی (مولف تاریخ فیروز شاہی) کی مرتبہ تواریخ کی طرز پر لکھی جائے۔

بلوخمان، ایلٹ اور بیورج نے تاریخ شاہی کے اس اقتباس:

"این ضعیف از پدر خود که درآں زمان وزیر مرزا عسکری بوده شنید که در نیم روز که هوا در غایت حرارت بوده گجراتیان از احمدآباد بسرعت رسیدند"

(تاریخ شاہی، طبع کلکتہ، ص ۱۴۳)

کی بنیاد پر یہ قیاس کرلیا ہے کہ احمد یادگار میرزا عسکری کے وزیر کا بیٹا تھا، حالانکہ یہ غلط فہمی ہے، احمد یادگار نے تو یہ جملہ طبقاتِ اکبری مولفہ نظام الدین احمد ہروی سے نقل کیا ہے، گویا اس جملے کا احمد یادگار سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، بعد کے مولفین نے بغیر کسی تحقیق کے مندرجہ بالا مورخین کے بیان کو دہرا دیا ہے، جن میں سٹوری (۱/۱/۵۱۵۔۵۱۶) بھی شامل ہیں، حالانکہ ہدایت حسین کا مرتبہ ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۹ء (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ) ان تک پہنچ چکا تھا (سٹوری ۱/۱/۱۳۱۲)، جس کے مقدمے میں ہدایت حسین نے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کردیا ہے، اسی قسم کا بیان ڈی این مارشل نے بھی دیا ہے (نمبر ۱۶۷، ص ۵۱)، جو سٹوری کی بغیر کسی تحقیق وحوالے کے نقل معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ شاہی کے مندرجات اس طرح ہیں:

Marfat.com

(۱) سلطان بہلول لودھی (۲) سکندر لودھی (۳) ابراہیم لودھی (۴) شیر شاہ سوری (۹۴۶۔۹۵۲ھ/ ۱۵۳۹۔۱۵۴۵ء)، (۵) اسلام شاہ (۹۵۲۔۹۶۰ھ/ ۱۵۴۵۔۱۵۵۲ء)، (۶) فیروز شاہ (۹۶۰ھ/ ۱۵۵۲ء)، (۷) عادل شاہ (۹۶۰۔ ۹۶۱ھ/ ۱۵۵۲ء۔۱۵۵۳ء)، (۸) ابراہیم سور (۹۶۱۔۹۶۲ھ/ ۱۵۵۳۔۱۵۵۴ء)، (۹) سکندر شاہ (۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء)

بابر، ہمایوں اور آخر میں اکبر کا دہلی میں داخلہ (۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء)

مغل سلاطین کے وقائع اس کتاب کا اصل مقصد تالیف نہیں ہے بلکہ وہ واقعات سرسری طور پر افغانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے ازراہ تذکرہ آ گئے ہیں۔

احمد یادگار نے تاریخ شاہی میں بہت سے الفاظ اردو کے دیئے ہیں۔ (ہدایت حسین نے ان الفاظ کی فہرست اپنے ایڈیشن کے آخر میں دے دی ہے)

بیورج نے لکھا ہے کہ تاریخ شاہی کا سب سے قیمتی حصہ وہ ہے جس میں اس نے بابر کے آخری دو سالوں کے حالات درج کئے ہیں، اسے بجا طور پر توزک بابری، تاریخ فرشتہ اور اکبر نامہ کا ذیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ (بیورج: مقالہ......ص ۳۸۹)

بقول پروفیسر ڈاوسن اگر ہمارے پاس احمد یادگار کی تاریخ نہ ہوتی تو ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ بابر نے منداہریوں کے خلاف مہم سر کی تھی اور یہ کہ بابر اپنے تیسرے سالِ جلوس (۹۳۰ھ) میں لاہور آیا اور اس نے سرہند میں راجہ کاہلور سے ملاقات کی تھی۔

افغانوں کے بارے میں اس کی معلومات بعض مقامات پر ایسی ہیں، جو کسی دوسری تاریخ میں نہیں ملتیں مثلاً شیر شاہ سوری کے کالنجر پر حملے کی وجہ (رک ص ۲۲۸) فیروز شاہ بن اسلام شاہ سوری کا عہد حکومت (ص ۲۷۲) دو ماہ تھا جبکہ تمام مغل مورخین نے اس کا عہدِ حکومت صرف تین دن بتایا ہے۔

دراصل تاریخ شاہی کا بہت سا مواد طبقات اکبری سے منقول ہے، اس نے لکھا ہے کہ طبقات ناصری اور تاریخ فیروز شاہی (برنی) کے بعد کوئی معیاری کتاب تاریخ اب تک مرتب ہی نہیں ہوئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اپنی کتاب فنِ تاریخ نویسی کے کسی معیار پر بھی پوری نہیں اترتی، تاریخ شاہی میں ہر

Marfat.com

سلطان کے عہد کے واقعات کے ساتھ ایسے بیہودہ قصے درج کیے گئے ہیں جن سے کتاب کا وقار مجروح ہوا ہے، اس کے درج کردہ سنین بھی کئی مقامات پر محض غلط ہیں، گویا بے احتیاطی کا ایسا نمونہ ہے کہ اسے علم تاریخ کے فن روایت ودرایت پر پرکھا ہی نہیں جاسکتا۔

تاریخ داؤدی مولفہ عبداللہ کا موضوع بھی لودھی سلاطین اور سوریوں کی تاریخ کا بیان ہے، اس نے اپنی کتاب جہانگیر کے عہد میں مکمل کی جو بہلول لودھی سے شروع ہو کر داؤد شاہ کی وفات (۹۸۴ھ/ ۱۵۷۶ء) پر ختم ہو جاتی ہے، جو کئی لحاظ سے تاریخ شاہی سے بہتر ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ عبدالرشید بر تاریخ داؤدی)

تاریخ شاہی کے مآخذ میں طبقات اکبری مولفہ نظام الدین احمد ہروی (جسے مولف احمد یادگار نے طبقات نظامی کہا ہے) اور معدن اخبار احمدی مولفہ احمد بن بہلول بن جمال کنبوہ ہے، جو حدود ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۴ء میں مکمل ہوئی، جس کے خطی نسخے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم میں ملتے ہیں۔ (سٹوری ۱/۱/۱۲۴)

تاریخ شاہی کے مختلف خطی نسخوں کے لئے دیکھئے سٹوری ۱/۱/۵۱۶، مارشل نمبر ۱۶۷، اور اس کتاب پر ہدایت حسین کا مقدمہ۔

تاریخ شاہی کا عمدہ فارسی متن ہدایت حسین نے مرتب کیا، جسے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ نے ۱۹۳۹ء کو شائع کر دیا تھا۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۵ء

۲۔ نعمت اللہ ہروی، تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی، مرتبہ امام الدین، ڈھاکہ ۱۹۶۰ء

۳۔ حسن علی خان بہادر: تواریخ دولت شیر شاہی (۹۵۵ھ/۱۵۴۸ء) مشمولہ میڈیول انڈیا، علی گڑھ، اگست ۱۹۵۰ء

۴۔ عباس خان شروانی: تاریخ شیر شاہی، ڈھاکہ ۱۹۵۹ء

۵۔ احمد یادگار: تاریخ شاہی مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۹ء

۶۔ عبداللہ: تاریخ داودی مرتبہ عبدالرشید، علی گڑھ ۱۹۵۵ء

7- Elliot and Dowson, History of India as told by its own Historians, (reprint) Lahore.

8- Beveridge, H: Note on the Tharikh salatin Afghanistan, J.Royal Asiatic Society of Bengal, Vol xii, 1916, no 5.

9- Blochmann, H: A note taken..... Elliot, Vol.v, p.1.

10- Mohibul Hasan: Historians of Medieval India, Dehli, 1982.

11- Story, C.A: Persian literature, London 1970

12- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967

13- Philips, C.H.(ed): Historians of India, Pakistan and Ceylon, London, 1961.

14- Hussain Khan: Sher Shah, Lahore, 1993.

جنوری ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

اسد خان لاری

اسد خان لاری گیارہویں صدی ہجری کا ایک مورخ تھا۔

اسد خان، ایران کے مشہور اور مردم خیز خطہ لار سے ہندوستان آیا اور دکن چلا گیا، اس وقت بیجاپور (Bijapur)، دکن کی ریاستوں میں خاص اہمیت رکھتی تھی، اسد خان لاری نے وہاں کے عادل شاہی حکومت میں ملازمت کر لی، علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷۔۱۰۸۳ھ/ ۱۶۵۶۔۱۶۷۲ء) کے عہد میں اس نے اپنی تاریخ بیجاپور مرتب کی، جس کا نام اس نے تواریخ ہفت کرسی رکھا، اس کتاب پر اس خطہ کی ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۶ء تک کی تاریخ سلاطین بیجاپور کے حالات اور فتوحات کا تذکرہ ہے۔

اس کا آغاز یوسف عادل شاہ کے عہد حکومت ۹۲۵ھ/ ۱۵۱۹ء) سے ہوتا ہے اور اورنگ زیب عالمگیر کی فتح بیجاپور ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۶ء پر ختم ہو جاتی ہے، یہ کتاب عبدالحمد شاہ نواز خان کی درخواست پر مولف نے مرتب کی تھی، انڈیا آفس کے خطی نسخہ (نمبر Ethe,454) کے متن میں مولف کا نام مذکور نہیں ہے بلکہ اس کے پہلے زائد ورق پر کسی نے مولف کا نام فتور خان (Fatoor Khan) لکھ دیا ہے۔

(فہرستِ مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری ۱/۴۷۔۱۷۵)

مخطوطہ احوالِ سلاطین بیجاپور مرتب نامعلوم الاسم نے جن کتب کے اقتباسات درج کئے ہیں ان میں ایک کتاب میر ابراہیم بن میر حسین اور اسد خانی تالیف بعہد علی عادل شاہ ثانی بھی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسد خان کا پورا نام یہی مندرج بالا تھا، ایچ ایچ ولسن (H.H.Wilson) نے تواریخ ہفت کرسی کو اسد خان لاری سے منسوب کیا ہے (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/۱/۴۴۔۴۵۷)، تاہم عصر حاضر کے مورخین ابھی تک اس کتاب کے حقیقی مولف کا سراغ نہیں لگا سکے ہیں اور نہ ہی اسد خان لاری کے حالات دریافت ہو سکے ہیں۔

Marfat.com

مآخذ

1- Ethe, H: Catalogue of Persian Manuscripts in India Office library, London, 1980.

2- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian literature, Dehli, 1995.

3- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

4- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.

۲۰ رمئی ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

احمد کنبوہ

شیخ احمد کنبوہ گیارہویں صدی ہجری کے مورخین میں سے تھے۔

میاں احمد خان بن میاں بھبل (Bhabal) خان کنبوہ کے حالاتِ زندگی کتب تاریخ میں نہیں ملتے، البتہ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے مشائخ میں سے تھے۔ (تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی ۱/۶)

سالِ ولادت معلوم نہیں ہے، انہوں نے معدن اخبار ۱۰۲۰ھ/ ۱۶۱۱ء میں مکمل کی، قیاس ہے کہ اس سے چند سال بعد انتقال ہوا ہوگا (ہمانجا) ریو (Rieu) نے ان کے نام کے ساتھ لقب "کم گو" لکھا ہے۔

(Cat. Persian MSS. pp.888)

معدنِ اخبار جہانگیری

شیخ احمد کنبوہ کی صرف اسی ایک تالیف کا علم ہے، جو تخلیق عالم سے لے کر ۱۰۲۰ھ/ ۱۶۱۱ء یعنی عہد جہانگیر تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے دو نام ہیں معدن اخبار احمدی اور معدن اخبار جہانگیری، اس کی صرف دو جلدیں دستیاب ہوئی ہیں، باقی مجلدات ناپید ہو چکی ہیں۔

جلد اول

پادشاهان، ایران، خلفای بنی امیه و بنی عباس، صفاریان، طاهریان، سامانیان، غزنویان، غوریان، دیلمیان، سلجوقیان، خوارزمشاهیان، اتابکان، اسماعیلیان مغرب و قهستان، شاهان ختا و اروپا، ایلخانیان، سلاطین روم، صفویان، ازبکان، غزنویان هند، غوریان هند، راجگان هند پیش از اسلام، شاهان دهلی و بنگال

جلد دوم

یہ جلد صرف تیموریوں کی تاریخ پر مشتمل ہے:

Marfat.com

امیر تیمور و اخلاف و اولاد در ایران، عمر شیخ میرزا، ظہیرالدین بابر، ہمایوں، سلاطین سوری (۹۴۷۔۹۶۲ھ/ ۱۵۴۰۔۱۵۵۵ء)، ہمایوں کی دوبارہ تخت نشینی (۹۶۲۔۱۰۱۴ھ/ ۱۵۵۵۔۱۶۰۵ء)، عہد جہانگیر از جلوس ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء تا ۱۰۲۰ھ/ ۱۶۱۱ء۔

معدن اخبار جہانگیری کا پہلا حصہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیوں کہ یہ ایسی کتب تاریخ سے منقول ہے جو عام طور پر دستیاب ہیں، البتہ اس کی جلد دوم جو تیموریوں کی تاریخ پر مشتمل ہے اہم ہے، خاص طور پر عہد جہانگیر کے واقعات کے لئے مولف کے بیانات ہم عصر مورخ کی اہمیت رکھتے ہیں، چنانچہ بعد کے مورخین نے اسے خاصی اہمیت دی ہے، چنانچہ اس کی تالیف سے صرف دو سال بعد لکھی جانے والی کتاب تاریخ خانجہانی (۱۰۲۴ھ) نے اس سے کئی مطالب اخذ کئے ہیں اور اسے معتبر قرار دیا ہے (۱/ ۷)، تاریخ شاہی میں بھی اس کے حوالے ملتے ہیں (ص ۱۳۰)، اس کتاب کے موجود خطی نسخوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(Storey, Persian literature, Vol i, part.i, pp.124-25)

مآخذ

۱۔ آفتاب اصغر: تاریخ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، لاہور، خانۂ فرہنگ ایران ۱۳۶۴ ش

۲۔ احمد یادگار: تاریخ شاہی مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۹ء

۳۔ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی مرتبہ امام الدین، ڈھاکہ ۱۹۶۰

4- Ethe, H: Cat of Persian Manuscripts in India Office Library, London, 1980.

5- Rieu, C: Cat of Persian Manuscripts in the Library of British Meuseum, London, 1898.

6- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۱۱/ دسمبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

امام الدین حسینی چشتی

امام الدین حسینی چشتی تیرہویں صدی ہجری کا ایک مورخ اور سیاح تھا۔

امام الدین کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں، تذکرے اور کتب تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ملتا، اس نے حسین شاہی کے نام سے تاریخ کی جو کتاب تالیف کی ہے اس کے اندرونی شواہد سے اس کے بارے میں صرف مندرجہ ذیل نکات کا علم ہوتا ہے:

امام الدین اپنے بارے میں لکھتا ہے کہ ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹۶ء کو میں لاہور گیا، جہاں زمان شاہ (۱۷۹۳۔۱۸۰۰ء) اپنا دربار لگائے ہوئے تھا، وہاں سے مولف زمان شاہ کی فوج کے ساتھ پشاور آیا، جہاں اس نے اپنے فارغ اوقات میں زمان شاہ اور اس کے خاندان کی تاریخ مرتب کرنے کا فیصلہ کرلیا، پشاور کے قیام کے دوران اس نے ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء تک یہ کتاب مرتب کرلی اور اسی سنہ کے اواخر میں جب وہ لکھنو پہنچا تو اس نے اس کتاب کا مسودہ اپنے شیخ طریقت سید خواجہ ابوالحسن چشتی حسینی مودودی کو دکھایا، انہوں نے اسے بہت پسند کیا، ان کے پاس احمد شاہ درانی اور تیمور شاہ درانی کے عہد کی تاریخ پر ایک رف قسم کا مسودہ تھا، جسے انہوں نے امام الدین چشتی کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اسے بھی اپنی کتاب میں شامل کرلو اور اسے عام فہم انداز سے مرتب کرو۔

مولف نے تکمیل کے بعد اسے اپنے شیخ کے نام کی مناسبت سے (تاریخ حسین شاہی) کا نام دیا، اس طرح اس کتاب کا جو مسودہ پشاور میں اواخر ۱۲۱۲ھ تیار ہوا تھا، لکھنو میں پہنچ کر ۱۰ر جمادی الاول ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء کو مکمل ہوا۔ (خاتمہ تاریخ حسین شاہی برگ ۱۸۴ ب)

تاریخ حسین شاہی

یہ کتاب احمد شاہ ابدالی (درانی) (۱۷۴۵۔۱۷۷۳ء)، تیمور شاہ درانی (۱۷۷۳۔۱۷۹۳ء) اور زمان شاہ درانی (۱۷۹۳۔۱۸۰۰ء) کے عہد کے واقعات پر مشتمل ہے، یہ کتاب زمان شاہ کی وفات (۱۸۰۰ء)

Marfat.com

سے دوسال قبل یعنی اس کے حین حیات ہی ختم ہوگئی، کتاب کے اندرونی شواہد سے مترشح ہوتا ہے کہ مولف زمان شاہ کے ملازمین میں شامل تھا، اس لئے اس کے عہد کے وقائع کے لئے اس کے بیانات عینی شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زمان شاہ کے درباری امراء کے حالات بھی قلم بند کئے ہیں، پنجاب کی جغرافیائی تفصیلات بھی بیان کی ہیں، پشاور سے کابل، قندھار اور ہرات جانے کے لئے مختلف مرحلے، منازل (Routs) بھی متعین کی گئی ہیں۔

مولف نے اپنے مرشد شیخ ابوالحسن حسین چشتی کے حالات، اجداد اور متعلقین کے احوال بھی بیان کئے ہیں (برگ ۱۷۳، ب)، کافروں اور ازبکوں کے بارے بھی اس کی معلومات قابل توجہ ہیں۔

(برگ ۱۸۲، ب)

مولف نے بتایا ہے کہ سفر کے لئے دہلی سے پنجاب تک تمام مراحل (Routs) اس نے اپنے مشاہدے سے لکھے ہیں اور ان راستوں اور گذرگاہوں سے متعلق رحم علی جاپوری کے مسودات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

رحم علی جاپوری نے یہی مسودہ بعد میں مرتب کر کے لکھنو میں Mr. Lumsden کو پیش کیا اور اعزاز حاصل کیا۔

(Rieu: Cat of Persian MSS. in British Museum, Vol.iii, p.905-ab)

تاریخ حسین شاہی میں چشتی صوفیہ کے مزارات کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے، اس کتاب میں شاہ زمان کے وہ خطوط بھی نقل ہوئے ہیں، جو اس نے شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹۔۱۸۰۶ء) کو لکھے تھے، ضمناً وہ خطوط بھی آگئے ہیں، جو زمان شاہ نے شاہ عالم ثانی اور اس کے درباریوں کو تحریر کئے تھے۔

(Mughals in India, p.202)

تاریخ حسین شاہی کے خطی نسخے کتابخانہ ہای ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار، برٹش میوزیم، لندن، انڈیا آفس لندن وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

(Persian literature, Vol.i, part.i, pp.399

Mughals in India, p.202, No.709)

تاریخ حسین شاہی ایک مرتبہ ۱۷۷ صفحات میں چھپ بھی چکی ہے (تیمور شاہ درانی ۴/۱)، منشی عبدالکریم نے تاریخ احمد میں اور سردار محمد عباس خان سدوزائی نے رسالہ دراحوال درانیان میں تاریخ حسین شاہی سے استفادہ کیا ہے اور صفحات کے صفحات اپنی کتابوں میں نقل کردیئے ہیں۔ (درۃ الزمان ۴۷۲)

یہ درانیوں کے حالات و واقعات کے سلسلے میں مرتب ہونے والی چند تسلسلِ وقائع کی مالک کتب تاریخ میں سے ایک ہے۔(Ahmad Shah Durrani, p.417)

مآخذ

۱۔ غبار، غلام محمد، میر: احمد شاہ بابا، کابل ۱۳۳۲ ش

۲۔ وکیلی، عزیز الدین فوفلزئی: تیمور شاہ درانی، کابل، انجمن تاریخ ۱۳۴۶ ش

۳۔ وکیلی: درۃ الزمان (وقائع زمانِ زمان شاہ) کابل، ۱۳۳۷ ش

4- Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, Bombay, 1959.

5- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay 1967.

6- Rieu, C: Cat. Persian Manuscripts in British Museum, London, 1883.

7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۶ر دسمبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

ابن خواجہ پشاوری

محمد نقی بن ملاں خواجہ بخش پشاوری، پنجاب کا ایک مورخ تھا، اس نے سکھوں کا آخری عہد حکومت دیکھا تھا، لاہور میں رہ کر اس نے مہاراجہ شیر سنگھ کے حالات لکھے ہیں۔

ابن خواجہ پشاوری کی صرف ایک ہی تالیف شیر سنگھ نامہ ملتی ہے، جس میں اس نے رنجیت سنگھ کی وفات ۱۸۳۹ء سے لے کر ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء تک واقعات لکھے ہیں، ۱۸۴۳ء میں شیر سنگھ کا قتل اور دلیپ سنگھ کی تخت نشینی عمل میں آئی تھی، اسی سال راجہ ہیرا سنگھ نے امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی تھی، واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کا تعلق اسی راجہ ہیرا سنگھ سے تھا۔

کتاب کی ابتداء میں اس نے لکھا ہے کہ یہ واقعات بخشی بھگت رام کی درخواست پر لکھے ہیں۔

مولف لاہور سے اپنے آبائی علاقے پشاور چلا آیا تھا اور جو کچھ لکھا ہے وہ چشم دید گواہ کی حیثیت سے تحریر کیا ہے، خصوصاً راجہ شیر سنگھ کے زمانے کے واقعات اور اس کا قتل وغیرہ۔

ذیل میں اس مختصر مخطوطہ کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

مولف کے والد ملا خواجہ بخش، راجہ ہیرا سنگھ وزیر راجہ دلیپ سنگھ کے ملازم تھے، شیر سنگھ کی تخت نشینی کے موقع پر انہوں نے ایک قصیدہ پیش کیا، جس پر انہیں پشاور میں زمین ملی تھی، شیر سنگھ نامے کا زیادہ قابل توجہ وہ حصہ ہے جس میں شیر سنگھ کی تخت نشینی سے اس کے قتل تک کے واقعات درج ہیں، مولف لکھتا ہے کہ کھڑک سنگھ کی وفات کے بعد چندکور نے انتظام سلطنت سنبھالا، لیکن رنجیت سنگھ کا دوسرا بیٹا شیر سنگھ تخت کا دعویدار تھا، وزیر دھیان سنگھ کے مشورے سے شیر سنگھ کو بلایا گیا اور فوج جمع کر کے لاہور کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا گیا، تین دن کے محاصرہ کے بعد شیر سنگھ کامیاب ہوا، چندکور کو تخت سے محروم کردیا گیا، شیر سنگھ خود عیش وعشرت اور سیر وشکار میں مصروف رہتا تھا، تخت کے دعویدار گرفتار اور ملک بدر ہوچکے تھے لیکن حالات کچھ ایسے ہوئے کہ ان مخالفین کو رہا کردیا گیا اور ملک بدر راجاؤں کو واپس بلالیا گیا، ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء کو سردار لہنا سنگھ اور

Marfat.com

اجیت سنگھ جو دل میں جذبہ انتقام رکھتے تھے، مسلح سپاہیوں کے ہمراہ کورنش کے لئے حاضر ہوا، اجیت سنگھ نے اپنے سپاہی کے ہاتھ نئی بندوق شیر سنگھ کو تحفے کے طور پر بھیجی، سپاہی نے اشارہ ملتے ہی بندوق شیر سنگھ کے سینے میں داغ دی اور شیر سنگھ اس طرح قتل ہو گیا، اس وقت شیر سنگھ کے بیٹے پرتاب سنگھ کو ایک باغ میں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔

سردار دھیان سنگھ بھی اسی طرح قتل ہوا، اُسے پناہ ڈھونڈتے ہوئے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا، اجیت سنگھ نے رنجیت سنگھ کے چھوٹے لڑکے دلیپ سنگھ کی تخت نشینی کا اعلان کیا، ان واقعات کو سن کر ہری سنگھ بن دھیان سنگھ نے جنرل اویطہ بلہ اور جنرل ونتورا کی مدد سے ان کا مقابلہ کیا، جس میں سردار لہنا مارا گیا اور اجیت سنگھ بھاگتے ہوئے قتل ہوا۔

لاہور فتح کرنے کے بعد سکھوں نے قتل وغارت شروع کی، دلیپ سنگھ تخت نشین ہوا تو اس نے لوٹ مار اور قتل وغارت کو روکا، باغیوں کی لاشوں کو دروازوں پر لٹکایا گیا اور سردار عطر سنگھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا......

جیسا کہ کئی واقعات کی تفصیل کے دوران اندازہ ہوتا ہے کہ مولف خود لاہور میں موجود تھا اس لئے اس کے درج کردہ وقائع چشم دید مورخ کے بیانات کی طرح قابل قبول ہونے چاہییں۔

ایک قابل توجہ امر یہ ہے کہ شیر سنگھ نامہ میں درج واقعات وحوادث بعض دوسری کتب تاریخ مثلاً عمدۃ التواریخ اور تاریخ پنجاب یا تحفۂ احباب میں قدرے اختلاف کے ساتھ درج ہیں۔

شیر سنگھ نامہ کا فارسی متن ہنوز شائع نہیں ہوا ہے اس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۷۴ھ محمد اقبال مجددی، لاہور کے کتب خانہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں ہے جس پر یہ سارا مقالہ منحصر ہے، دیگر خطی نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے:

(Storey, Vol.1, part.1, pp.670.71)

شیر سنگھ نامہ کی فارسی نثر پر تکلف، عبارت آرائی اور صنائع بدائع سے بھرپور ہے، جس کا سمجھنا کئی مقامات پر دشوار ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اس کتاب کے بعض حصوں کا انگریزی ترجمہ بروس نے کیا تھا (رک):

Journal of Indian history, Vol.xiii, April 1983.

اس کا مکمل انگریزی ترجمہ:

Journal of Panjab Univeristy Historial Hociety, Lahore, April 1944.

میں شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، ج ۴، لاہور ۱۹۸۵ء

2- Storey, C.A: Persian literature, Vol.1, part,1, London, 1970.

3- Ganda Singh: Bibliography of the Panjab, Patiala 1966.

4- Fauja Singh (ed): Maharaja Kharak Singh, patiala, 1977.

5- Ganda Singh (ed) Maharaja Daleep Singh, Corospondence, patiala, 1977.

جنوری ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

اعزالدین محمد

اعزالدین محمد تیرہویں صدی ہجری کا ایک مورخ تھا۔

اس کے حالات زندگی معروف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، وہ ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے ایک اہم فوجی آفیسر ولیام یول (Wiliam Yule) سے وابستہ تھا، یول پہلے فوج میں کرنل اور پھر میجر کے عہدے پر فائز رہا، اس کا بیٹا سر ہنری یول (Sir Henry Yule) (۱۸۲۰ـ۱۸۸۹ء) ایسٹ انڈیا کمپنی میں اہم عہدوں پر فائز رہا اور برصغیر سے متعلق کئی اہم کتابوں کا مولف بھی تھا۔(Dictionary of Indian Biography, p.464)

اعزالدین محمد نے ولیام یول کے لئے سلاطین کی ایک عام تاریخ فارسی نثر میں مختصر یول کے نام سے اُسی کے نام پر تالیف کی، یہ کتاب ۱۲۱۸ھ/ ۳ـ۱۸۰۴ء میں مکمل ہوئی، یہ کتاب دراصل تاریخ حقی (ذکرالملوک) تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی (بسال ۱۰۰۵ھ/ ۹۶ـ۱۵۹۷ء) کا تکملہ ہے، جس میں اکبر سے لے کر شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ـ۱۲۲۱ھ/ ۱۷۵۹ـ۱۸۰۶ء) تک کے واقعات و حوادث درج ہیں، اس تاریخ کا آخری حصہ یعنی واقعات شاہ عالم ثانی خاص اہمیت رکھتا ہے، جس میں مولف نے چشم دید واقعات و حوادث قلم بند کئے ہیں، اس سے پہلے کے واقعات مختلف اور مروجہ کتب تاریخ سے ماخوذ ہیں۔

مختصر یول کا ایک خطی نسخہ موزہ بریطانیہ، لندن (نمبر Add.16712) میں محفوظ ہے۔

(Cat of Persian Manuscripts in British Museum, Vol.1, p.238)

مآخذ

1- Buckland, C.E: Dictionary of India Biography, London, 1906.

2- Marshall, D.N: Mughals, in India, Bombay, 1970

3- Rieu, Ch: Cat of Persian Manuscripts in British Museum, London, 1879.

4- Storey, C.A: persian literature, London, 1970.

یکم فروری ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

اسد انور

اسد انور تیرہویں صدی ہجری/ اٹھارہویں صدی عیسوی کا ایک مورخ تھا۔

اس کے حالات متعارف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس نے میسور کی تاریخ پر ایک کتاب نسب نامہ (یا احوال) راجہای میسور کا کرناٹکی (Canarese) زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ اس نے میسور کے فرماں روا ٹیپو سلطان (۱۷۸۲ـ۱۷۹۹ء) کے حکم پر ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۸ء کو کیا، سلطان نے اس کتاب کے فارسی میں دو ترجمے کروائے تھے، ایک اسد انور سے اور دوسرا غلام حسین سے۔

اس کتاب میں میسور (Mysor) اور نگر (Nagar) کے راجاؤں کے حالات ان کی تاریخہای ولادت، اولاد اور جن علاقوں پر انہوں نے حکمرانی کی، کی تفصیلات درج ہیں۔

اس کتاب کا آغاز راجہ دیمراج (Dimmaraj) سے ہوتا ہے اور ٹیپو سلطان کے والد سلطان حیدر علی (۱۷۲۲ـ۱۷۸۲ء) کے حالات پر ختم ہو جاتی ہے، یہ کتاب ۲۶۶ سالوں کے وقائع پر مشتمل ہے۔

(Catalogue of Persian Manuscripts in India Office library, Vol.1, p.205, Ethe, No.514)

یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے، اس کے خطی نسخے کتابخانہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لندن، کتابخانہ انڈیا آفس، لندن اور کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ میں موجود ہیں۔

(Persian literature, p.774)

مآخذ

۱۔ محمود منگلوری: تاریخ سلطنت خداداد میسور، ۱۹۳۹ء

2- Ethe, H: Cat, of Persian Manuscripts in the India Office library, London, 1980.

3- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian Literature, Dehli, 1985.

4- Storey, C.A: persian literature, London, 1970.

۲۵ر جنوری ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

منشی، مرزا مہدی خان استرآبادی

میرزا محمد مہدی خان منشی الممالک بن نصیر استرآبادی متخلص بہ کوکب، بارہویں صدی ہجری کا نامور مورخ، ادیب اور شاعر تھا۔

عربی وفارسی زبانوں میں مہارت کے ساتھ اُسے ترکی زبان سے بھی کماحقہ واقفیت تھی، اس نے خود لکھا ہے کہ آغاز جوانی میں اُسے میر علی شیر نوائی کی منظومات سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ اس نے ترکی سیکھنے کے لئے خاص اہتمام کیا اور اس سے وابستہ رہ کر اس نے چغتائی ترکی زبان کی ایک مختصر لغت ''مبانی اللغت'' کے نام سے مرتب کی، جس کا نام سنگلاخ بھی ہے، اس کا سالِ تکمیل ۱۱۷۳-۱۱۷۲ھ/ ۱۷۵۸-۵۹ء ہے۔ (مبانی اللغت، مقدمہ ص ۵-۶)

اس لغت کے علاوہ میرزا مہدی خان کی نادرشاہ (۱۱۴۸-۱۱۶۰ھ/ ۱۷۳۶-۱۷۴۸ء) کے عہد کی تاریخ پر دو کتابیں ہیں، جہاں کشای نادری یا تاریخ نادری اور درۂ نادرہ، گویا اس کی زندگی کا بہترین حصہ نادرشاہ کی ملازمت میں گذرا، ہمیں کسی بھی ذریعے سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ میرزا مہدی کب اور کہاں نادرشاہ سے وابستہ ہوا تھا، لکھارٹ نے قیاس کیا ہے کہ وہ ۱۷۲۶ء میں تھماسپ کے دربار میں کوئی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا (نادرشاہ ص ۲۹۳)، نادرشاہ سے وابستہ ہونے کے بعد اُسے راقم اور کاتب کا عہدہ دیا گیا، یہی شاہی سکرٹریٹ کا نگران بعد میں اس کا صدر یعنی منشی الممالک یا سیکرٹری آف سٹیٹ بنادیا گیا۔

جنوری ۱۷۳۱ء میں جب رضا قلی (فرزند اکبر نادرشاہ) اور فاطمہ سلطان بیگم (سلطان حسین کی بیٹی) کی شادی کا معاملہ درپیش تھا تو میرزا مہدی کو ہی نادرشاہ نے سلطان حسین کے پاس بھیجا کہ وہ اس رشتہ ازدواج کے لئے کوشش کرے۔

نادرشاہ نے اپنی تاج گذاری ۲۴ رشوال ۱۱۴۸ھ/ ۱۷۳۶ء کے دوتین ماہ بعد ہی انتظام وانصرام کے

Marfat.com

لئے مختلف اشخاص کو عہدے دیئے، ان میں میرزا مہدی خان کو منشی الممالک کے رتبے سے سرافراز کیا اور اُسے ہمیشہ اپنے ہم رکاب رکھ کر خدمت کا موقع دیا۔ (عالم آرای نادری ۲/۴۵۷)

عالم آرای نادری جسے مرو کے وزیر محمد کاظم نے لکھا تھا یہ بات واضح الفاظ میں لکھی ہے اور اس کے مرتب محمد امین ریاحی نے منشی الممالک کا متبادل وزیر خارجہ بتاتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ میرزا مہدی کو نادرشاہ سفر و حضر میں مسائل سیاسی میں مشورہ اور غیر ملکی مراسلات کے جوابات لکھنے کے لئے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ (ایضاً جلد اول مقدمہ ص ۳۰)

اس سے قبل میرزا مہدی کے لئے وزیر مرو نے نویسندگان دارالانشاء اور منشی دیوان اعلیٰ (عالم آرای نادری ۱/۲۸۶، ۲/۴۴۷) بھی لکھا ہے، شاہ رخ بن نادرشاہ کی پیدائش کی خبر جب نادرشاہ کو اصفہان کے قریب ملی تو میرزا مہدی بھی موجود تھا، نادرشاہ کا بھائی ابراہیم خان جو آذربائیجان کا سپہ سالار تھا، ۱۱۵۱ھ میں قتل ہوا تو اس کی اندوہناک موت کی خبر جب نادرشاہ کو ملی تو اس وقت میرزا مہدی بھی نادرشاہ کے ہمرکاب تھا اور اس کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو نکل پڑے تھے۔ (عالم آرای نادری ۲/۶۷۸)

نادرشاہ کے ہندوستان پر حملے اور محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کے ساتھ مکالمات کے دوران بھی میرزا مہدی موجود تھا یہ ۱۷۳۹ء کا واقعہ ہے۔ (مبانی اللغت، مقدمہ ص ۷)

نادرشاہ کی زندگی کے آخری سال (۱۷۴۷ء) میرزا مہدی کو نادرشاہ نے مصطفیٰ قلی خان شاملو کے ساتھ ایک مشن پر ترکی روانہ کیا تھا۔ (مبانی اللغت، مقدمہ ص ۷)

میرزا مہدی کو اس کی زبان آوری کی وجہ سے نادرشاہ نے تاج گذاری سے قبل ہی اُسے سرکاری مورخ کے عہدے پر مقرر کر دیا تھا (ایضاً ص ۳) لیکن تخت نشینی کے بعد اس کی دفتری و سرکاری ذمہ داریاں (منشی الممالک) بڑھ گئی تھیں لیکن ان مصروفیات کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے کام میں بھی مصروف رہا۔

میرزا مہدی خان کی تاریخ جہانکشای نادری یا تاریخ نادری، نادرشاہ کے عہد کی تاریخ کے واقعات پر مشتمل ہے، اس کے بعض خطی نسخوں کے ساتھ مرزا احسن خان قاچار کا نوشتہ ایک ذیل بھی ہے جو ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ (سٹوری، ج ۱، حصہ ۱، ص ۳۲۲)

Marfat.com

دراصل نادرشاہ کے عہد کے آغاز وانجام کے وقائع پر مشتمل اہم ترین معاصر تاریخ یہی ایک کتاب ہے، جو ریکارڈ کا درجہ رکھتی ہے، اس کے ذریعے نادرشاہ کے کردار کے اکثر پہلو سامنے آگئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ نادرشاہ کے تمام محاصروں اور دیگر واقعات کو جس تفصیل کے ساتھ اس نے قلم بند کیا ہے دوسرے مورخ نہیں کر سکے، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ نادرشاہ کے کردار کے تنقیدی مطالعے کے لئے اگر کسی تاریخ کو بنیاد کا درجہ حاصل ہے تو وہ صرف میرزا مہدی کی یہی کتاب ہے۔

اسے اہم بنیادی استناد کا درجہ حاصل ہونے کے باوجود ہم اُسے نقائص سے پاک قرار نہیں دے سکتے، وہ ایک سرکاری مورخ کی حیثیت سے واقعات وحوادث کو آزادانہ طور پر نہیں لکھ سکتا تھا اور نہ ہی وہ تنقیدی اندازِ بیان اختیار کر سکتا تھا، اس کی کتاب میں جابجا اتنی مبالغہ آرائی کی گئی ہے کہ حقائق پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں، اس نے نادرشاہ کے خوف سے حقائق پر اتنی اور ایسی پردہ پوشی کی ہے کہ نادرشاہ کے مذہبی معتقدات تک پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں، نادرشاہ کی اصلیت اس کی فوج وغیرہ کی تفصیلات تک نادرشاہ کے خوف میں چھپ گئی ہیں، میرزا مہدی نے نادرشاہ کے بعض محاصروں کی تفصیل میں جغرافیائی غلطیاں بھی کی ہیں، مثلاً ایک محاصرے کے دوران نادرشاہ ایک روٹ کرمان شاہ سے زوہاب اور توزخرماتلی اسی طرح ۱۷۳۲ء میں اس کے محاصرہ بغداد کے روٹ کو بھی غلط طور سے بیان کیا ہے، آج وہ قلعے اور قصبات مٹ چکے ہیں اس لئے ان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے لیکن دیگر مورخین کے مقابلے میں محاصروں کے روٹ اس سے مختلف ہیں۔

نادرشاہ نے اپنے عہد کی تاریخ اور دستاویزات پر اتنی پابندی لگا رکھی تھی کہ میرزا مہدی خان کا نوشتہ مسودہ جب تک اس کے اپنے پسندیدہ علماء وفضلاء نہ دیکھ لیتے اور اس میں نادرشاہ کی مقدس مہر نہ لگائی جاتی وہ قابل نقل یا ترسیل کے قابل نہیں ہوتا تھا، معاصر مورخ محمد کاظم (مروکا وزیر) لکھتا ہے:

"وثیقہ ای مشعر بر کیفیت ماجرا بہ مسودۂ مهدی خان منشی الممالك از تصدیق و تقریر فضلا و علماء مرقوم وبہ مهرپاك اعتقادی...... گشتہ نقلی ازآن در خزانہ مقدسہ غرویہ ضبط وبہ هر سوادی از بلدان ممالك محروسہ سوادی

Marfat.com

ازاں فرستادہ شد"

(عالم آرای نادری ۳/۹۸۴)

ان حالات میں میرزا مہدی خان مورخ سے کس تنقیدی جائزہ کا تصور کیا جا سکتا تھا، نادرشاہ کے آخری سالوں میں حالات نہایت خراب ہو گئے تھے، یہ تبدیلی اس نے نادرشاہ کے مزاج میں بھی بدرجہ اتم پائی اوران بدلے ہوئے مخدوش حالات کو لکھنے کی بجائے اس نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلی اور ۱۷۴۷ء ترکی سے واپسی کے بعد اس میں واقعات کا اضافہ کرنا بند کر دیا، یہی وجہ ہے کہ اس کا ذیل مرزا حسن خان نے لکھا، انجمن آثار ملی، تہران سے سید عبداللہ انوار کا مرتبہ ایڈیشن ۱۳۴۱ ش میں چھپا۔

تاریخ جہانگشای نادری کے مختلف خطی نسخوں، فارسی متن کے ایڈیشنوں، فرانسوی، انگریزی اور اردو ترجموں کی تفصیل کے لئے دیکھئے سٹوری (ج ۱، حصہ ۱، ص ۳۲۲۔۳۲۴)، اس کے فرانسیسی ترجمے مطبوعہ لندن ۱۷۷۰ء اور انگریزی زبان میں خلاصہ مطبوعہ ۱۷۷۳ء کے نقائص کے لئے ملاحظہ ہو لکھارٹ: نادر شاہ ص ۲۹۵۔۲۹۶)

نادرشاہ کے عہد کی تاریخ پر میرزا مہدی خان کی دوسری کتاب درۂ نادرہ ہے، جو تاریخ وصاف کی تقلید میں لکھی گئی، بے شک زبان وبیان کے اعتبار سے اسے عربی وفارسی ادب میں اعلیٰ مقام حاصل ہے اور اس کی انشاء پردازی پر اہل فن نے مستقل مقالے بھی لکھے ہیں، لیکن تاریخی نقطۂ نظر سے یہ تقریباً ناقابل فہم ہو کر رہ گئی ہے، اس میں ایسا بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر مواد ہے، جو اس کی مرتبہ پہلی کتاب تاریخ جہانگشای نادری میں نہیں ہے۔

جہانگشا کی اشاعت کے ایک سال بعد ہی درۂ نادرہ کا ایڈیشن جعفر مشہدی کی تصحیح سے ۱۳۴۲ ش میں انجمان آثار ملی، تہران سے چھپا، اس کے مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے خان بابا مشار کی فہرست کتابہای چاپی فارسی۔

ان تین کتابوں کے علاوہ میرزا مہدی کی منشیات مہدی بھی ہے، جو ۱۲۸۵ھ میں تہران سے شائع ہوئی تھی، اس میں وہ خطوط بھی شامل ہیں، جو نادرشاہ نے اپنے بیٹے رضا قلی کو کرنال (ہندوستان) سے روانہ

Marfat.com

کئے تھے، ان میں نادر شاہ کی ہندوستان میں کامیابیوں اور محاصروں کی تفصیل بھی ہے، یہ خطوط یقیناً میرزا مہدی خان ہی کی انشاء کا نتیجہ ہیں، اس مجموعہ میں دیگر کئی اہم خطوط بھی ہیں، میرزا مہدی خان کا سال پیدائش و وفات کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے، مبانی اللغت کے ایک خطی نسخہ سے اس کے ۱۱۷۳ھ/۱۷۶۰ء تک بقید حیات ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ (مقدمہ ص ۶)

مآخذ

۱۔ استرآبادی، میرزا مہدی خان: تاریخ جہانگشای نادری، طبع سید عبداللہ انوار، تہران، انجمن آثار ملی، ۱۳۴۱ ش

۲۔ ایضاً: درۂ نادرہ طبع جعفر مشہدی، تہران، انجمن آثار ملی ۱۳۴۲ ش

۳۔ ایضاً: مبانی اللغت مرتبہ ای ڈی راس، کلکتہ ۱۹۱۰ء

۴۔ محمد کاظم مروی، وزیر مرو: عالم آرای نادری طبع محمد امین ریاحی، تہران، نشر علم ۱۳۶۹ ش

۵۔ ابوالحسن قزوینی: فوائد الصفویہ طبع مریم میر احمدی، تہران ۱۳۶۷ ش

۶۔ وارد، محمد شفیع تہرانی: تاریخ نادرشاہی طبع رضا شعبانی، تہران ۱۳۴۹ ش

۷۔ سمیعا، میرزا: تذکرۃ الملوک طبع مینورسکی ترجمہ مسعود رجب نیا و تعلیقات دبیر سیاقی، تہران ۱۳۶۸ ش

۸۔ محمد فتح اللہ ساروی: تاریخ محمدی (احسن التواریخ) طبع غلام رضا مجد، تہران ۱۳۷۱ ش

۹۔ (رضا شعبانی) مرتب: حدیث نادرشاہی، تہران ۱۳۳۶ ش

۱۰۔ فردوسی ثانی، محمد علی طوسی: شاہ نامۂ نادری طبع احمد سہیلی خوانساری، تہران ۱۳۳۹ ش

۱۱۔ قدوسی، محمد حسین: نادر نامہ، تہران ۱۳۳۹ ش

۱۲۔ نادری، محمد حسین: ظفر نامہ طبع عبد الجواد طالقانی، تہران ۱۳۴۶ ش

Marfat.com

۱۳۔ گلستانہ، ابوالحسن: مجمل التواریخ طبع مدرس رضوی، تہران ۱۳۴۴ ش

۱۴۔ مقتدر، غلام حسین: نبردہای بزرگ نادرشاہ، تہران ۱۳۳۷ ش

۱۵۔ ہادی ہدایتی: تاریخ زندیہ، تہران ۱۳۳۴ ش

۱۶۔ لکھارت: انقراض سلسلہ صفویہ وایام استیلای افاغنہ در ایران، ترجمہ مصطفیٰ قلی عماد، تہران ۱۳۶۴ ش

17- Luckhart: Nadir Shah, (rep) Lahore, 1976.

18- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

19- Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, Bombay 1959.

Marfat.com

محمد علی بن محمد صادق حسینی نجفی برہانپوری

محمد علی برہانپوری بارہویں صدی ہجری کا ایک مشہور مورخ تھا۔

محمد علی بن محمد صادق حسینی حنفی نیشاپوری نجفی برہانپوری کا تعلق دکن کے معروف علاقہ برہانپور (Burhanpur) سے تھا، وہ ریاست اودھ (Oudh) کے بانی نواب برہان الملک سید سعادت خان (ف ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء) سے متوسل تھا، برہان الملک کی وفات کے بعد وہ مآثر الامراء کے مولف صمصام الدولہ شاہ نواز خان ف ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۸ء) سے منسلک ہو گیا۔

(مراۃ الصفا بحوالہ فہرست مخطوطات موزہ بریطانیہ ۱/ ۱۲۹۔الف)

محمد علی برہانپوری آخر میں نواب میر نجف علی خان بہادر شمشیر جنگ (۱۷۶۰۔۱۷۸۲ء) کے متوسلین میں شامل ہو گیا۔ (تاریخ راحت افزا، ص ۴)

محمد علی برہانپوری کے اجداد علم وفضل میں مشہور اور عراق وخراسان میں دینی وسیاسی خدمات پر فائز رہے۔ (ہمانجا ۱۲ مقدمہ)

وہ مسلکاً حنفی تھا، اس نے اپنی پہلی تاریخ برہان الفتوح اپنے شیعی مربی برہان الملک مذکور کے نام معنون کی، اس میں اس کا نقطۂ نظر شیعی ہے، لیکن جب شاہ نواز خان کے نام مراۃ الصفا معنون کی تو وہاں مربی کے مذہب کے مطابق اپنا مسلک حنفی اختیار کر لیا۔ (ایلیٹ ۸/ ۲۷)

محمد علی برہانپوری کا سال وفات معلوم نہیں ہے، اس نے برہان الفتوح ۱۱۴۸ھ/ ۳۶۔۱۷۳۵ء میں مکمل کی اور تاریخ راحت افزا ۱۱۷۳ھ/۱۷۶۰ء کے وقائع پر مشتمل ہے اور مراۃ الصفا ۱۱۷۹ھ کے واقعات کی حامل ہے، گویا وہ سنہ مذکور تک بقید حیات اور مصروفِ کار تھا، اس کے والد برہانپور میں داروغۂ توپ خانہ تھے۔ (راحت افزا ۵۵)

محمد علی برہانپوری کی مرتبہ تین کتب تاریخ یعنی برہان الفتوح، مراۃ الصفاء اور تاریخ راحت افزا

Marfat.com

پاکستان وہند کی تاریخ کے لئے خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

برہان الفتوح

یہ ایک عام تاریخ (General History) ہے، جو ۱۱۴۸ھ/ ۳۶۔۱۷۳۵ء تک واقعات و حوادث پر مشتمل ہے، مولف نے اسے ایک مقدمہ، ۱۸/ابواب اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے، اس کا آغاز تخلیق کائنات سے ہوتا ہے اور برہان الملک کے عہد کی تاریخ پر ختم ہوتی ہے، اس کا وہ حصہ (کتاب ۱۳) جو ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی تاریخ پر مشتمل ہے خاص اہمیت رکھتا ہے، مولف کے معاصرانہ واقعات سب سے اہم ہیں، ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولف نے سنین کے اندراج میں بہت اہتمام کیا ہے، جو اس سے پہلے کی کتب تاریخ میں کم ہی نظر آتا ہے۔

برہان الفتوح کی کتاب (باب) ۱۴/علماء اور مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے، اس باب کے دو حصے ہیں، پہلا شیعہ علماء اور دوسرا سنی علماء کے حالات پر ہے، ۱۵/باب صوفیہ اور مشائخ کے حالات کے لئے مخصوص ہے، سولہویں باب کے بھی دو حصے ہیں، پہلا عربی شعراء اور دوسرا فارسی شعراء کے حالات اور انتخاب کلام کا حامل ہے، آخری باب عرب وایران کے قبائل کے بیان میں ہے۔

مولف نے اپنے مربی برہان الملک کے نام اسے معنون کر کے اس کے نام کی مناسبت سے اس کتاب کا نام برہان الفتوح رکھا ہے۔ (ایلیٹ: تاریخ ہندوستان ۸/ ۲۵۔۳۰)

مولف کا خودنوشت خطی نسخہ موزۂ بریطانیہ، لندن (نمبر Rieu.iii, 893-a) میں ہے، دیگر نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/۱/ ۱۳۷)

مراۃ الصفا

برہان الفتوح کی تالیف کے بعد مولف نے اس پر نظر ثانی کی اور محمد شاہ (۱۹۔۱۷۴۸ء) کے عہد تک اس میں واقعات وحوادثات کا اضافہ کیا، اس طرح مراۃ الصفا میں ۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۵ء تک وقائع کا اندراج ہوا ہے۔

یہ کتاب مولف نے صمصام الدولہ شاہ نواز مذکور کے نام معنون کی ہے۔ (فہرست مخطوطات فارسی

Marfat.com

موزہ بریطانیہ ا/ ۱۲۹۔الف، وبہ بعد)

اس کتاب میں عہد محمد شاہی کے واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور معاصرانہ مشاہدات کی حیثیت سے بہت اہم ہیں۔

مراۃ الصفا کے خطی نسخے کتابخانہ دیوانِ ہند، لندن، کتابخانہ موزہ بریطانیہ، لندن اور کتابخانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن میں محفوظ ہیں۔ (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/۱/ ۱۳۸)

تاریخ راحت افزا

اس کتاب میں محمد علی برہانپوری نے ۳۶ ۷ھ سے ۱۱۷۳ھ/ ۱۳۳۵۔۱۷۶۰ء تک کے واقعات کا سنہ وار تذکرہ کیا ہے، اس کتاب کے دو ابواب ہیں:

اول اُن سلاطین تیموریہ کے مختصر حالات جنہوں نے ایران وتوران پر حکومت کی۔

دوم میں ہندوستان کے سلاطین تیموریہ کا مفصل تذکرہ ہے۔

اسی باب میں نواب آصف جاہ بہادر، نواب ناصر جنگ شہید، نواب مظفر جنگ اور نواب صلابت جنگ کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

دکن میں سلطنت آصفیہ کی تاسیس اس کے استحکام اور عروج کی پوری تفصیلات درج ہیں۔

یہ واقعات مولف کے زمانے کے ہیں اور عینی مشاہدات، معتبر روایات اور ثقہ بیانات پر مبنی ہیں، اس لئے اس کتاب کو دکن کی تاریخ کا معتبر ترین ماخذ کہا جا سکتا ہے، مولف نے اسے نواب میر نجف علی خان شمشیر جنگ مذکور کے نام معنون کیا ہے۔ (راحت افزا ص ۹)

تاریخ راحت افزا کے دو خطی نسخے کتابخانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن میں محفوظ ہیں، اس کتاب کو سید خورشید علی نے مرتب کر کے حیدرآباد، دکن سے ۱۹۴۷ء کو شائع کیا، یہ صرف فارسی متن ہے، جس پر کوئی مفصل مقدمہ اور تعلیقات نہیں ہیں، متن کی تصحیح میں کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ برگل: ادبیات فارسی بر مبنای تالیف استوری، فارسی ترجمہ یحییٰ آرین پور...... تہران ۱۳۴۲ ش

۲۔ برہانپوری، محمد علی: تاریخ راحت افزا مرتبہ سید خورشید علی، حیدر آباد، دکن ۱۹۴۷ء

۳۔ جنیدی، محمد محبوب: حیات آصف، حیدر آباد، دکن، ۱۳۶۵ھ

۴۔ غلام علی خان نقوی: عماد السعادت، لکھنو ۱۸۹۷ء

۵۔ نجم الغنی: تاریخ اودھ، لکھنو ۱۹۱۲ء

6- Elliot and Dowson: Hostory of India as told by its own Historians, (rep) Lahore, 1980.

7- Rieu: Cat op Persian Manuscripts in the British Museum, London, 1879. 83, 95.

8- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

یکم مئی ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

عباس شروانی اور باغ چار چمن

باغ چار چمن فارسی میں حیدر آباد، دکن کی تاریخ ہے، جس کے مولف عباس بن احمد شروانی ہیں مولانا محمد عباس بن شیخ احمد یمانی بن میرزا محمد تقی خان شروانی بن میرزا محمد علی خان شہید بن میرزا ابراہیم خان ہمدانی کے والد کا نسب حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ان کے جدِ مادری سید اسماعیل خان مرشد آبادی بھی سادات میں سے تھے۔ (باغ چار چمن، خاتمہ ص ۵۵)

مولانا عباس کے پردادا میرزا محمد علی خان شہید نادر شاہ کے عہد میں ایران کے مستوفی الممالک تھے (ہمانجا)، ان کے والد مرزا محمد ابراہیم خان ہمدانی نادر شاہ کے وزیر تھے اور نادر شاہ کے ظلم وستم سے دلبرداشتہ ہوکر نجف میں روضہ پر جا کر مجاور بن گئے تھے لیکن مرزا محمد علی خان، نادر شاہ کے ستم سے نہ بچ سکے، اس نے انہیں اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار دیا، اب ان کی اولاد نادر کے خوف سے منتشر ہوگئی، ان کے بھائی مرزا محمد حسن خان ہندوستان چلے آئے اور بنارس (Banaras) میں مقیم ہوگئے، مرزا محمد علی خان کے چار فرزند تھے، ان میں سے مرزا محمد تقی روپوش ہوکر شروان میں رہنے لگے، پھر نجف پہنچے اور سید مہدی طباطبائی سے تحصیل علم کی، فقہ، حدیث اور تفسیر میں مہارت حاصل کی اور اپنے چچا کے پاس بنارس آگئے، چچا کے انتقال کے بعد لکھنو (Lacknow) چلے گئے، ان دنوں نواب آصف الدولہ کی حکومت تھی، اس نے بہت احترام کیا اور وقت آرام سے گذرنے لگا، پھر یمن چلے گئے، جہاں حُدیدہ میں سکونت اختیار کر لی، وہیں ان کے فرزند شیخ احمد شروانی متولد ہوئے جو مولانا عباس کے والد تھے۔

(تلامذۂ غالب ۲۰۹۔۲۱۰)

شیخ احمد تحصیل علم کے بعد ہندوستان چلے آئے اور کلکتہ (Calcutta) میں قیام کیا، وہاں مدرسۂ عالیہ میں عربی کے استاد مقرر ہوئے، وہیں انہوں نے عربی زبان میں کئی کتابیں تالیف کیں، جو زبان وبیان کے اعتبار سے ادبیات عالیہ کا شاہکار تسلیم کی گئیں، کلکتہ سے لکھنو چلے گئے، جہاں غازی الدین حیدر

Marfat.com

(۱۸۱۴ـ۱۸۲۷ء) کی حکومت تھی، بڑی تعظیم و تکریم کی گئی، اور وہیں تصنیف و تالیف میں وقت گذارنے لگے، پھر وہاں کی زندگی کو خیر باد کہہ کر سفر پر نکلے، طویل سیاحت کے بعد پونا (Pouna) میں ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کو انتقال کیا۔ (ہمانجا ۲۱۰)

مولانا عباس بنارس میں ۲۲ رشوال ۱۲۴۱ھ/ ۳۰ رمئی ۱۸۲۶ء کو متولد ہوئے، (باغ چار چمن ص ۵۵، نزہۃ الخواطر ۸/ ۲۰۸، تلامذۂ غالب ۲۱۲)

مولانا عباس نے عربی اپنے والد سے اور فارسی میر خیرات علی خان مشتاق فیض آبادی (شاگرد شیخ علی حزیں) سے پڑھی، اپنے چچا کے ساتھ جائیداد کے اختلاف کی وجہ سے اور والد کی وفات کے بعد بنارس سے نکلے اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے کئی مقامات پر گئے، طبیعت سپاہگری کی طرف مائل تھی، شہسواری، نیزہ بازی اور تفنگ اندازی کی خوب مشق کی، دکن گئے لیکن وہاں ملازمت نہ مل سکی، دہلی آئے تو بہادر شاہ ظفر کے دربار میں رسائی ہوئی، دربار سے انہیں مرزائی، خانی اور ابو الفضلِ دوران کے خطاب ملے، اس زمانے کا دہلی دربار کسی صاحب کمال کی صحیح قدر نہیں کرسکتا تھا، انہیں وہاں کوئی منفعت نہ ملی، مرزا اسد اللہ خان غالب سے ملاقات اسی دوران ہوئی، انہوں نے اپنے فارسی کلام اور قصائد پر غالب سے اصلاح لی۔ (تلامذۂ غالب ۲۱۲)

دہلی سے بھوپال (Buhopal) گئے تو وہاں نواب جہانگیر محمد خان بہادر شمشیر جنگ کی سرکار سے وابستہ ہو گئے، ان کی وفات کے بعد نواب قدسیہ بیگم والیۂ بھوپال سے منسلک رہے اور آخر میں نواب صدیق حسن خان بہادر والی بھوپال سے ایسے وابستہ ہوئے کہ باقی عمر وہیں گذار دی، انہوں نے محکمۂ تنظیمات شاہ جہانی یعنی قانون اور تاریخ نویسی ان کے سپرد کیا، سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی، مذہبی اختلافات کے باوجود نواب صدیق حسن خان کے ساتھ تاحیات خوشگوار تعلقات رہے، یعنی نواب متشدد قسم کے اہل حدیث تھے اور مولانا عباس شروانی شیعہ مسلک کے علمبردار تھے۔ (ہمانجا ۲۱۲ـ۲۱۳)

عربی و فارسی زبانوں کی استعداد بہت اچھی تھی، ادب، علم کلام اور تاریخ میں وحید عصر تھے، فارسی نظم و نثر پر کماحقہ قدرت رکھتے تھے، تقریباً ۶۴ کتابوں کے مولف تھے، آخری عمر میں اپنی بیاض ضائع کردی اور

Marfat.com

شعر گوئی سے توبہ کر لی، فارسی کے علاوہ چند اشعار اردو کے بھی ملتے ہیں، جو محض تفنن طبع کے طور پر کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اصل میلان فارسی کی طرف تھا، ان کا تخلص ''رفعت'' اور کئی نظموں میں ''سرور'' بھی ملتا ہے، ان کے بہت سے قصیدے نواب صدیق حسن خان اور نواب شاہ جہان بیگم والیہ بھوپال کے مدح میں موجود ہیں۔

محمد عباس رفعت نے ۱۳۱۵ھ/ ۹۷-۱۸۹۸ء کو انتقال کیا، بھوپال ہی میں دفن ہیں، ان کی اولاد میں دو لڑکے ابوالقاسم محتشم اور ابوالحسن محترم تھے، جو علم وفضل میں اپنے اسلاف کی یادگار تھے، رفعت کی بیوی حسینہ بیگم حسینہ بھی شاعرہ تھیں، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتی تھیں۔

مالک رام (Malik Ram) نے رفعت کے فارسی اور اردو کے دستیاب شدہ اشعار یکجا کر دیئے ہیں۔ (تلامذۂ غالب ۲۱۴-۲۱۵)

مولانا عباس شروانی کی اکثر کتب طبع ہو چکی ہیں، چند نام حسب ذیل ہیں:

(۱) تاریخ آل امجاد مطبوعہ لکھنو، دہلی ۱۳۱۲ھ

(۲) سلطان نامۂ گرامی (تاریخ جنگ روس وعثمانی) مطبوعہ پطرزبورغ و بمبئی ۱۳۰۴ھ

(۳) سواطع الانوار فی تقریظات طبقات الانوار

(۴) زینت الانشاء، لکھنو ۱۳۰۳ھ

(۵) قلائد الجواہر فی احوال البواہر، مطبوعہ بمبئی (مولفین کتابہای چاپی ۳/۶۵۲-۶۵۳)

(۶) فیروزنامہ (در تاریخ دولت عثمانیہ، نزہۃ الخواطر ۸/۲۰۹)

(۷) تاریخ روم (۸) تاریخ افاغنہ (۹) تاریخ سراندیپ

(۱۰) تاریخ بھوپال (لکھنو میں طبع ہوئی) (۱۱) تاریخ نفیس

(۱۲) آئین بہین (باغ چہار چمن ص ۵۵)

(۱۳) دیوان رفعت (الذریعہ ۹/ ۳۷۷، فہرستوارہ ۲/۱۱۴۳)

Marfat.com

باغ چار چمن

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور حیدر آباد دکن (Deccan) کی تاریخ پر مشتمل ہے، باغ چار چمن سے اس کا تاریخ تالیف کا سال ۱۳۰۰ھ برآمد ہوتا ہے، یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے، ہر حصہ کو چمن کہا گیا ہے:

چمن اول: در حال سلاطین قطب شاہیہ من بدایۃ الی النہایۃ

چمن دوم: در حال ایالت و ریاست آصفیہ و امارت و دولت نظامیہ

چمن سوم: در نخلبندی حال حیدر آباد

چمن چہارم: در چگونگی قلمرو ایں......سواد و دیگر بلادِ (حیدر آباد)

یہ مختصر سی کتاب اپنی گونا گوں خوبیوں کے باعث کئی اعتبار سے اہم ہے، بعض خصائص کا تجزیہ کیا جا رہا ہے:

سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں میر محمد مومن استر آبادی مجتہد العصر تھے، سلطان مجاہد، زاہد اور تہجد گذار تھا، وہ قاضی سمنانی کا شاگرد تھا۔ (ص ۴۔۵)

اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں سیاسی تاریخ کے ساتھ دکن کے علماء و شعراء اور ادباء کا بھی جا بجا ذکر ملتا ہے، دکن میں ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کا بھی ذکر کئی بار آیا ہے، لکھا ہے کہ صوبہ برار (Barar) جس کے سالانہ محاصل پچاس لاکھ روپے تھے، انگریزوں کی فوج کے اخراجات کے لئے دے دیا (ص ۲۱)، ۱۲۷۸ھ کو ملکہ وکٹوریہ (Victoria) کی طرف سے شاہ حیدر آباد کو خطاب ستارۂ ہند دیا گیا، جسے آصف جاہ پنجم نے قبول کر لیا۔ (ص ۲۱)

۱۲۹۳ھ کو سالار جنگ ملکہ مذکور سے ملاقات کے لئے لندن گئے، ۱۳۰۰ھ کو ان کا انتقال ہوا (ص ۲۲)، ان کے مولفِ باغ چار چمن پر خصوصی التفات و شفقت تھی...... (۲۲۔۲۳)

چمن سوم حیدر آباد کی بنیاد اور آبادی کے لئے مخصوص ہے، تاریخ بنیاد کے لئے شعراء کے قطعات......

Marfat.com

(ص ۲۳)، وہاں کے دائرہ میر مومن کے قبرستان میں صدہا قبور پر الواح بھی درج ہیں، نعمت خان عالی کی قبر بھی اسی مقام پر ہے، ابوتراب فطرت مشہدی بھی یہیں مدفون ہیں...... سادات، علماء، شرفاء اور شعراء جو اکثر ایرانی نژاد ہیں، اسی دائرہ میں دفن ہیں (ص ۲۷)، ان مقابر پر ایسے قطعاتِ تاریخ بھی کندہ ہیں، جن سے مروجہ تذکرے خالی ہیں۔ (ص ۳۰)

مولف نے پہلے ۱۲۶۵ھ کو بلاد دکن کی سیر کی تھی، اب ۱۳۰۰ھ میں تاریخ حاضر مرتب کرنے کی غرض سے اور مواد جمع کرنے کے لئے دوبارہ سفر کیا (ص ۳۴)، حیدرآباد کے نواح میں واقع دیگر معروف قصبات کی تاریخ بھی درج کی ہے۔

کتاب کے آخر میں ناشر مرزا محمد علی مالک مطبع جعفری، لکھنو نے مولف کی طرز نگارش کے مطابق حیدرآباد کے آخری دو سالوں کے واقعات بطور ضمیمہ سپرد قلم کئے ہیں، تتمہ کے بعد مولف کتاب حاضر مولانا عباس شروانی کا ایک طویل فارسی قصیدہ بھی ہے، جو انہوں نے معروف شاعر قاآنی کے جواب میں لکھا تھا (ص ۵۲-۵۴)، مرزا محمد علی مذکور نے بقدر یک ورق مولف کے حالات بھی لکھے ہیں۔ (ص ۵۵)

یہ کتاب سادہ فارسی نثر میں جبکہ مولف کی دوسری تالیفات عبارت آرائی وصنائع لفظی سے بھری ہوئی ہیں۔

باغ چار چمن لکھنو کے مطبع جعفری سے ۱۳۰۰ھ میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ بزرگ طہرانی: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، تہران ۱۳۶۰ھ

۲۔ تسکین عابدی: سخنواران دکن، حیدر آباد، دکن، ۱۹۳۸ء

۳۔ رضیہ حامد: نواب صدیق حسن خان، بھوپال، ۱۹۸۳ء

۴۔ رفعت، محمد عباس شروانی: باغ چار چمن، لکھنو، ۱۳۰۰ھ

۵۔ عبدالحی حسنی نزہۃ الخواطر، ج ۸، کراچی، ۱۹۷۶ء

۶۔ مالک رام: تلامذۂ غالب، دہلی، ۱۹۸۴ء

۷۔ ایضاً، تذکرۂ ماہ وسال، دہلی، ۱۹۹۱ء

۸۔ مدرس، محمد علی: ریحانۃ الادب، تبریز، (س۔ن)

۹۔ منزوی، احمد: فہرستوارۂ کتابہای فارسی، تہران، ۱۳۷۴ ش

۱۰۔ ایضاً: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۱۱۔ مشار، خان بابا: مولفین کتب چاپی فارسی وعربی، تہران، ۱۳۴۱ ش

Marfat.com

شعراء وتذکرہ نگار

Marfat.com

Marfat.com

تذکرہ مشائخ سیوستان اور اس کے مولف

یہ تذکرہ سندھ کے ایک اہم قصبہ سیوستان کے مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے، اس کے مصنف عبدالغفور ابن حیدر ہیں، جسے انہوں نے ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء میں تصنیف کیا۔

مصنف سیہون کے رہنے والے تھے، وجہ تصنیف یہ بتاتے ہیں کہ جب نواب سید محمد بہوہ ملقب بہ دین دار خان غازی، سیوستان پہنچے تو انہوں نے یہاں صوفیہ کے حالات دریافت کئے چونکہ لوگوں کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا اس لیے وہ صرف زبانی حالات بیان کر سکے، اس لئے مصنف کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ماقبل کی کتابوں اور موجودہ معتبر شہادتوں پر مبنی چند صفحات قلم بند کر دیئے جائیں، اس خیال کو مصنف نے تذکرہ مشائخ سیوستان کے نام سے ترتیب دیا۔

سنہ تصنیف

مصنف نے اس تذکرہ کا واضح طور پر سالِ تصنیف نہیں بتایا، ایک جگہ صرف اتنا بتایا ہے کہ دین دار خان کی آمد پر اس نے یہاں کے مشائخ کے حالات دریافت کئے تو اسے مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا، دین دار خان (سید محمد بہوہ) عہد جہانگیری کے اٹھارہویں سال یعنی ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء میں برسر اقتدار آیا، تذکرہ میں اس کی سیوستان میں آمد کی تاریخ ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء لکھی ہے، جو کتبات اس نے سیوستان میں چھوڑے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۳۹ھ سے ۱۰۴۳ھ تک سیوستان میں رہا، نیز ہم عصر مورخ یوسف میرک نے مظہر شاہ جہانی (مولفہ ۱۰۴۴ھ) میں اسے ۱۰۴۳ھ میں سیوستان میں موجود بتایا ہے، البتہ ۱۰۴۳ھ کے ہی دوران اس کی جگہ جان نثار خان کا تقرر ہوا، [1] دین دار نے ۱۰۵۵ھ میں وفات پائی۔

ان حوالوں کی بنا پر تذکرے کا سالِ تصنیف ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء یقینی طور پر قرار دیا جا سکتا ہے، نیز مصنف نے اس سال کے کتبات کا حوالہ اس تذکرہ میں دیا ہے۔

ا۔ یوسف میرک: مظہر شاہ جہانی، سندھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۶۴۔۱۷۷

Marfat.com

تذکرہ کے مآخذ

اس تذکرہ کے مآخذ پہلے کی لکھی ہوئی معتبر کتابیں اور معمر بزرگوں کے اقوال نیز مصنف نے اپنے ان مآخذ کا ذکر کیا ہے:

تذکرہ مشائخ سندھ مصنفہ نامعلوم، تاریخ فیروز شاہی برنی، (برنی کا حوالہ سب سے پہلے سندھ کے اسی مصنف نے دیا ہے)

تذکرہ کے مندرجات

یہ تذکرہ چودہ صوفیہ کے حالات پر مشتمل ہے، جو سیہون (سیوستان) میں دفن ہیں، ان کے اسماء یہ ہیں:

(۱) مخدوم عثمان قلندر (لعل شہباز) (۲) شیخ چُمنا عمرانی (۳) مخدوم قاضی برہان الدین (جن کا اصل وطن ماوراء النہر تھا) (۴) شیخ نُحرج (۵) سید محبّ افغانی (۶) حاجی سردہ لاکھا (۷) شیخ دودہ (۸) قاضی دتہ بن مخدوم راہو (۹) قاضی ادریس (برادر قاضی دتہ) (۱۰) شیخ ٹوپن (۱۱) مخدوم اسکندر (۱۲) سید سالار غازی (۱۳) شیخ احمد سندالی (۱۴) سید میاں جلال

تذکرہ کے علمی فوائد

سیہون کے مشہور ولی حضرت مخدوم عثمان قلندر لعل شہباز کے حالات زندگی جو تذکرہ مشائخ سیہوستان میں مذکور ہیں، ان کے قدیم ترین اور مفصل ترین سوانح میں شمار کیے جاتے ہیں، تذکرہ میں ان کی تاریخ وفات بمقام سیہون ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء دی گئی ہے، صرف حضرت قلندر کے حالات کے لئے مصنف نے ماقبل کے تذکروں سے استفادہ کیا ہے لیکن باقی تیرہ بزرگوں کے سوانح مصنف کی ذاتی معلومات کا نتیجہ ہیں، ان کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں کہ ان کا ذکر تذکرہ مشائخ سندھ میں بھی موجود نہیں ہے۔

مخدوم لعل شہباز قلندر کے روضہ سے ملحقہ مساجد اور دیگر عمارتوں کے کتبات کو سب سے پہلے ضبط تحریر میں لانے کا سہرا بھی صاحب تذکرہ ہی کے سر ہے، ان کتبات میں فارسی کے چار قدیم ترین کتبے بھی ہیں، جو سندھ میں پائے جاتے ہیں، تین کتبوں کا متن تذکرہ میں منقول ہے، جس سے بعد کے تذکرہ نگاروں نے

Marfat.com

استفادہ کیا ہے، ان میں سے دو کتبے مخدوم قلندر کے خادم وہم نشین سید علاء الحق علی بغدادی کے مزارات پر کندہ تھے، جو ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء میں سلطان فیروز شاہ کے عہد میں ان کے گورنر ملک ارشد اختیار الدین نے تعمیر کرائے تھے، یہ دونوں کتبات آج بھی موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں تیسرا اہم اور قدیم کتبہ سلطان محمد بن تغلق کی قبر کے اوپر قبہ کی تعمیر کی تاریخ ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء کندہ ہے، اس کتبہ کی بنا پر مدتوں ڈاکٹر محمد شفیع نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سلطان محمد تغلق سیہون میں دفن ہے۔ [۱] اور اسی خیال کی تائید بعد میں ڈاکٹر یو۔ ایم داؤد پوتہ مرحوم نے بھی کی، [۲] لیکن ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اس مفروضہ کی اصلاح کی کہ سلطان کو سیہون میں امانتاً دفنایا گیا تھا، بعد میں اس کا تابوت مستقل طور پر دفن کرنے کے لئے وہاں سے دہلی لے جایا گیا، چنانچہ سلطان فیروز شاہ کی خودنوشت سوانح فتوحات فیروز شاہی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ [۳]

اس کتبے میں سلطان کی تاریخ وفات شب جمعہ، ہفتہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ ہے اور سلطان کی قبر کے اوپر قبہ کا سن تعمیر ہفتد وپنجاہ وچار (۷۵۴ھ) لکھا ہے، قبہ کی تکمیل تک سلطان کی نعش وہیں پر دفن رہی کیوں کہ صریحاً "کش بنی بخاک اندر" لکھا ہوا ہے، اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ سلطان محمد ابن تغلق کی نعش سیہون میں کم ازکم دو سال سے زیادہ دفن رہی، ظاہر ہے کہ فیروز شاہ، سلطان مرحوم کے تابوت کو فوراً اپنے ساتھ دہلی نہیں لے گیا، جیسا کہ تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے۔ [۴]

اس کتبے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرمست نامی ایک معمار نے لاجواب کام کیا، یہ قبہ کوئی دوسو چالیس قمری سال تک ۱۰۴۳ھ میں صحیح وسالم تھا، چنانچہ صاحب تذکرہ ہذا ۱۰۴۳ھ میں لکھتے ہیں:

۱۔ محمد شفیع: اورینٹل کالج میگزین، لاہور نمبر ا، ج ۲، ۱۹۳۵ء، ص ۱۵۶۔۱۶۱

۲۔ تاریخ سندھ از معصوم نامی، مرتبہ داؤد پوتہ تعلیقات ص ۲۸۱۔۲۸۲

3- Bloch.N.A: The Bural place of Sultan Muhammad Taghlaq, Islamic Calture, Deccan, January 1948.

۴۔ یحییٰ سرہندی: تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ ۱۹۳۱ء، ص ۱۱۹

Marfat.com

ومتصل روضۂ مخدوم (لعل شهباز) جانب گنبدی عالی است که دراں سلطان محمد بن تغلق شاه را بطریق امانت نگاهداشته بودند و آن گنبد تاحال باقی است"

اس اہم تذکرے کا ایک خطی نسخہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کو ہم دست ہوا ہے، یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں تقریباً ۲۱ اوراق ہیں، ہر ورق کی لمبائی چوڑائی ۶.۱/۴×۳/۲.۲ انچ ہے، سطور فی صفحہ سولہ ہیں۔[1]

ا۔ نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر: تذکرہ مشائخ سیہوستان (تعارفی مقالہ) مشمولہ المعارف، لاہور فروی ۱۹۷۰ء، ص۳۔۱۱

Marfat.com

انجام، امیر خان

امیر خان، انجامؔ بارہویں صدی ہجری کا ایک منصب دار، فارسی اور اردو کا شاعر تھا۔

امیر خان بن میر میراں مخاطب بہ امیر خان بن خلیل اللہ خان یزدی بن میر میراں حسینی نعمت اللٰہی کے اجداد کا تعلق امراء کے طبقے سے تھا، امیر خان کے والد میر میراں مخاطب بہ امیر خان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے اکابر امراء میں سے تھا، ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۸ء میں انتقال کیا۔

(تاریخ محمدی ۹، مآثر الامراء ۱/۲۷۶)

میر محمد اسحاق امیر خان کا سالِ ولادت کسی نے نہیں لکھا البتہ معاصر مورخ حارثی نے بتایا ہے کہ وہ ۵۹ رسال کی عمر میں قتل ہوا (تاریخ محمدی ۱۳۳) اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ولادت ۱۱۰۰ھ میں ہوئی، گویا اپنے والد کی وفات کے وقت وہ صرف ۹ سال کا تھا، اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔

جہاندار شاہ (۱۷۱۲ـ۱۷۱۳ء) کی لڑائی میں اس نے فرخ سیر (۱۷۱۳ـ۱۷۱۹ء) کے ہمراہ عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا، جنگ کے بعد اُسے سلاح خانہ کا مہتمم اور قوشخانہ کا داروغہ مقرر کیا گیا، محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹ـ۱۷۴۸ء) کے دوسرے سال جلوس ۱۷۲۰ء میں وہ قطب الملک عبداللہ خان کے ہمراہ شاہ جہان آباد میں آیا، پھر وہ قطب الملک کے ہراول دستے میں شامل ہوگیا، قطب الملک کی گرفتاری کے بعد وہ محمد شاہ کی نوازشات سے بہرہ مند ہوا۔ (مآثر الامراء ۲/۸۳۲)

نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے (۱۷۳۹ء) کے دوران بھی اس کی خدمات قابل ذکر ہیں، جب اس کا ہندوستان پر قبضہ ہوگیا تو محمد شاہ والی ہند نے دہلی کے دیوان خانے میں نادر شاہ کی قہوہ سے ضیافت کی، اس موقع پر ساقی گری کی خدمت امیر خان انجامؔ کے سپرد ہوئی، اس نے اسے بڑی خوبی سے انجام دیا، (مقالات الشعراء ۲۱) نادر شاہ ہی کی فرمائش پر اُسے بخشی سوم کا عہدہ دیا گیا۔ (عماد السعادت ۲۴)

Marfat.com

انجام کو پہلے کامیاب خان کا خطاب ملا، پھر عزیز اللہ خان اور آخر میں عمدۃ الملک امیر خان کے خطاب سے نوازا گیا، (تاریخ محمدی ۱۳۳) امیر خان انجام ایک حاضر دماغ، بذلہ سنج، لطیفہ گو، چرب زبان قسم کا شخص تھا، محمد شاہ بادشاہ کو اس قسم کے لوگوں کی صحبت زیادہ پسند تھی، وہ آہستہ آہستہ بادشاہ کے مزاج میں بہت دخیل ہوگیا، اس کے ہمعصر اس سے حسد کرنے لگے اور اسے بادشاہ سے الگ کرنے کے لئے کئی حیلے کئے گئے، آخر بادشاہ نے اُسے ۱۱۵۲ھ/۴۰-۱۷۳۹ء میں الہ آباد کا ناظم (گورنر) بنا کر بھیج دیا۔ (مآثر الامراء ۸۳۲)

امیر خان انجام اور صفدر جنگ (ف ۱۱۴۲ھ/۱۷۳۱ء) کے مابین بہت دوستی اور اخلاص تھا، دنوں بادشاہ کے حضور ایک ساتھ کئی بار ملے تھے، دونوں نے مل کر روہیلہ سردار علی محمد خان کے خلاف جنگ کی لیکن شکست کھائی۔ (ہمانجا)

امیر خان انجام کو محمد شاہ نے اپنا وزیر بھی بنایا تھا، (ہمانجا ۸۳۳) جس سے سیاست کے معاملہ میں بہت سی خرابیاں واقع ہوئیں، مغل دربار میں دوسیاسی پارٹیاں تورانی اور ایرانی عرصے سے برسرپیکار تھیں، نادر شاہ کی ہندوستان سے واپسی کے بعد ایرانی پارٹی کے افراد نے امیر خان انجام کی سرکردگی میں اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کر دیا تھا۔

(A Mughal Statesman of Eighteenth Century, p.61

Parties and Politics at the Mughal Court 1707-40)

مغل دربار کی سیاسی رسہ کشی میں ان دونوں پارٹیوں کے دوسربراہ تھے، تورانی پارٹی کا لیڈر آصف جاہ نظام الملک تھا اور ایرانی پارٹی امیر خان انجام کے تحت اپنے آپ کو منظم کر رہی تھی۔

(The Reign of Muhammad Shah, pp.184-87)

امیر خان انجام اپنے ایک ملازم کے ہاتھوں دہلی میں ۲۲/ذی الحج ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء کو قتل ہوگیا۔

(تاریخ محمدی ۱۳۳، مآثر الامراء ۸۳۳/۲)

Marfat.com

انجآم بہت حاضر دماغ، ادافہم، لطیفہ گواور موسیقار تھا، بادشاہ اس کی صحبت کو بہت غنیمت سمجھتا تھا۔

(سفینۂ ہندی ص ۷، مقالات الشعراء ۲۱)

انجام فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتا تھا اور شعراء کا قدر دان ومربی تھا، معروف شاعر میر شاکر ناجی اس کے دیوان خانے کا داروغہ تھا۔

(اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ۱۸)

شعراء کے تذکرہ نویسوں نے اس کے کلام کو سراہتے ہوئے اس کے اشعار کا انتخاب بھی دیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

خزانۂ عامرہ ۷۷، تذکرۂ بےنظیر ۱۹، چمنستانِ شعراء ۲، مقالات الشعراء ۲۱، عقد ثریا ۹، مخزن نکات، مجموعۂ نغز ۱/۸۰، تاریخ محمدی (تعلیقاتِ عرشی ۲۲۷)

امیر خان انجآم کے اجداد اور اعزہ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ محمدی (بامداد اشاریہ)

Marfat.com

مآخذ

۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: خزانۂ عامرہ، لکھنو

۲۔ حارثی، معتمد خان: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ ۱۹۶۰ء

۳۔ حیرت، قیام الدین اکبرآبادی: تذکرہ مقالات الشعراء مرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی (س۔ن)

۴۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خان: مآثر الامراء تحقیق وترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۹ء

۵۔ غلام علی خان: عماد السعادت، لکھنو (س۔ن)

۶۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقاماتِ مظہری ترجمہ وتعلیقات محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۸۳ء

۷۔ قاسم، قدرت اللہ: مجموعہ نغز مرتبہ محمود شیرانی، لاہور ۱۹۳۳ء

۸۔ کیول رام: تذکرۃ الامراء مرتبہ معین الحق وانصار زاہد خان، کراچی ۱۹۸۶ء

۹۔ محمد عمر: اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت، دہلی ۱۹۷۳ء

۱۰۔ ہندی، بھگوان داس: سفینۂ ہندی مرتبہ محمد عطاء الرحمٰن کاکوی، پٹنہ ۱۹۵۸ء

11- Satish Chandra: Parties and Politics at the Mughal Court, Dehli, 1979

12- Malik, Zahirulddin: A Mughal Statesman of the Eighteenth Century, Bombay 1973

13- Abid: The Reign of Muhammad Shah, Bombay, 1977

۲۶رنومبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

احمد یار خان ٹونکی

احمد یار خان متخلص بہ آنی بن نواب محمد امیر خان آف ٹونک تیرہویں صدی ہجری کا فارسی گو شاعر تھا۔

احمد یار خان ٹونک (Tonik, Dist. Rajisthan) کے نواب محمد امیر خان شمشیر جنگ بہادر (۱۷۶۷۔۱۸۳۴ء) کا فرزند تھا، نواب امیر خان کا جانشین تو اس کا بڑا بیٹا وزیرالدولہ محمد وزیر خان (۱۸۳۴۔۱۸۶۵ء) ہوا اور احمد یار خان کو ٹونک کی حکمرانی نہیں ملی۔ (تاریخ ٹونک ۶۴)

احمد یار خان نے شعر وادب اور تصنیف وتالیف میں زندگی بسر کی، اس نے میرزا گل محمد خان ناطق مکرانی (ف ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء) کی شاگردی اختیار کر لی، خود لکھتا ہے کہ اس نے اس فن میں دو تین سال تک ناطق کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی۔ (گلزار خیال، خاتمہ ۲۷، ترقیمۂ کاتب گلزار خیال ۲۹)

اُسے شاعری سے کمال درجے کی رغبت تھی (ہمانجا ۲۹) خود وضاحت کی ہے کہ استاد کی خدمت میں رہ کر اکتساب فن کے لئے سخت محنت کی۔ (گلزار خیال، خاتمہ ۲۷)

اس کا تخلص ''آنی'' تھا (گلزار خیال) ریحانۃ الادب (۱/ ۵۱) میں آفی غلط طور پر درج ہو گیا ہے۔

فہرست مشترک (۸/ ۱۲۷۲) میں احمد یار خان کا سالِ وفات ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء درج ہے، جو صحیح معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء میں اس نے اپنی مثنوی گلزار خیال مکمل کی (گلزار خیال، خاتمہ، خطی برگ ۲۸) اس خطی نسخہ (مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور) کے کاتب نے، جو مصنف کا ہم عصر معلوم ہوتا ہے، لکھا ہے کہ مجھے احمد یار خان کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ (ترقیمۂ کاتب ۲۹)

احمد یار خان ٹونکی کی فارسی نظم میں دو تصانیف کا ہمیں تا حال علم ہے:

ا۔ گلزارِ خیال

یہ مثنوی شاہ و گدا کی ایک عشقیہ داستان ہے، جسے اس نے ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۸ء میں ''گلزارِ خیال'' کے نام سے تصنیف کیا، خود وضاحت کی ہے کہ میں نے یہ مثنوی چھ راتوں میں مکمل کر لی۔ (گلزار خیال، خاتمہ ۲۸)

Marfat.com

داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ باہزار نذر و نیاز ایک فرزند کا باپ بنا، جو جوان ہو کر دو معشوقوں کے عشق میں گرفتار ہو گیا، اول ایک گداگر کے بچے پر فریفتہ ہوا، بادشاہ نے گداگر کو شہر بدر کر دیا، پھر بادشاہ کی وفات پر جب وہ تخت نشین ہوا تو ایک عورت پر شیفتہ ہو گیا، جس کی تصویر اس نے ایک نقاش کے ہاں دیکھی تھی، وہ عورت اُسے نہ مل سکی تو معاملہ جنگ تک جا پہنچا، اور اس عورت کو حاصل کر لیا، زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اُسے پھر سے اس گداگر کے بچے کی یاد آ گئی اور وہ دن رات اُس گدازادے کی صحبت میں رہنے لگا.........

گلزار خیال کا خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور نمبر $\left(\frac{\hat{\text{PI VI 137}}}{306}\right)$ میں محفوظ ہے، جس کے کل ۲۹ صفحات ہیں گلزار خیال اجمیر سے ۱۸۵۹ء میں طبع ہو چکی ہے، صفحات ۳۲۔

(فہرست کتابہای چاپی فارسی ۲/۲۷۴۲)

گلزار خیال از احمد یار خان ٹونکی عارفی، آنی پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر $\left(\frac{\hat{\text{PI VI 137}}}{306}\right)$ (فہرست سید عبداللہ ۲/۴۱۵) مخطوطہ کے آخر میں شاعر کے حالات درج ہیں، مولف مرزا گل محمد خان ناطق کے شاگرد تھے۔

ترقیمۂ کاتب

آفی (؟) تخلص صاحبزادہ احمدیارخاں نام فرزند نواب محمدامیرخان صاحب مرحوم والی ریاست ٹونك واقعه ملك راجپوتانه است گویند که صاحبزاده موصوف از علم ضروری آگاه بود و به شعر گفتن میل تمام داشت و اکتساب فن بنظم بخدت میرزا گل محمدخان ناطق بکرانی کرده چنانچه در خاتمه وایں مثنوی خود صراحت این معنی می نماید همانا از نظم أین مثنوی به نغز گفتاری درپے تواں بُرد تاریخ و سال وفات آنی کاتب ایں سطو را معلوم نیست والله اعلم بالصواب

Marfat.com

خاتمہ مثنوی

اپنے استاد ناطق کے متعلق لکھا ہے۔

شہے ناطق تخلص نطق رامش　　چو فردوسی و شاہی صد غلامش
پس از سالی چو آں فخر زمانہ　　بایران شد ز ہندوستان روانہ
بحمد للہ دگر بعد از دو سہ سال　　بشاگردیش گذراندم خوش احوال
بسی در خدمتش محنت کشیدم　　در روی معنی مقصود دیدم
چو از فکر مکدر گرد رفتم　　بشش شب گوہر ایں نظم سفتم
بہار از حسن رنگین دام کردم　　بگلزار خیالش نام کردم
چو بر تاریخ آں دل بر نہادم　　بزانوی تفکر سر نہادم
رقم زد کلک لبریز معانی　　"زہے باغی دل آویز معانی" ۱۲۵۸ھ

(کل صفحات ۲۹)

دیوان آنی

دیوان آنی کے نسخے کا ذکر الذریعہ (۱۰/۹) میں ملتا ہے لیکن دیوان کی کوئی تفصیل درج نہیں ہے۔

Marfat.com

ماخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۷ء

۲۔ احمد یار خان ٹونکی: گلزار خیال، خطی، مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور (PI VI 137 A / 306)

۳۔ بزرگ تہرانی: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، تہران ۱۳۶۰ھ

۴۔ شاداں، منشی بساون لال: امیر نامہ مع اردو ترجمہ جمیل احمد ٹونکی، مشمولہ جرنل عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، ج ۵ (۸۵۔۱۹۸۶ء)

۵۔ شمس الدین احمد: واقعات ہفتدہ سالۂ امیر وبست سالہ وزیر، مشمولہ جرنل عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، ج ۲ (۸۲۔۱۹۸۳ء)

۶۔ مدرس، میرزا محمد علی: ریحانۃ الادب، تبریز ۱۳۴۶

۷۔ محمد اعجاز خان، تاریخ ٹونک، ٹونک ۱۹۸۳ء

8- Abdullah, S.M: Descriptiv Cat. Persian, Urdu and Arabic Manucripts in the Panjab Univeristy library, Lahore, 1948

۲۴/اکتوبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

احمد خان شیرانی

احمد خان شیرانی بارہویں صدی ہجری کے اردو شعراء میں سے تھا، اس کے حالات شعراء کے تذکروں میں نہیں ملتے، اس کا تخلص ''مسکین'' تھا۔ (مجموعۂ مثنویاتِ مسکین، خطی)

اس کی صرف ایک تصنیف ''چہار کرسی'' کا خطی نسخہ مدراس (Madras) میں کتابخانہ گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری میں ہے (فہرست مخطوطاتِ مدراس......،۲۰/۵۵۰)، جو علم فقہ اور الٰہیات کے موضوع پر ہے، یہ کتاب ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ء میں بعہد حیدر علی خان (۱۷۲۲۔۱۷۸۲ء) والی میسور (Mysure) مکمل ہوئی، یہ کتاب قدیم اردو (دکنی) نظم میں ہے۔ (ہمانجا ۲/۵۵۰ برگ ۴۱)

اس کتاب میں مولف نے اپنی حسب ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

(۱) قصۂ دلالہ
(۲) فرہنگ ترکی فارسی انگریزی
(۳) مجموعۂ مثنویات مسکین
(۴) رسالۂ من دیپک
(۵) بیاض اشعارِ متفرقہ

(مارشل: مغلز ان انڈیا ص ۴۹)

مآخذ

۱۔ آمنہ خاتون و محمد خان: ریاست میسور میں اردو، بنگلور، میسور ۱۹۶۰ء

۲۔ جالبی، جمیل: تاریخ ادب اردو، لاہور ۱۹۸۲ء

۳۔ شیرانی، حافظ محمود خان: پنجاب میں اردو، لاہور (س۔ن)

۴۔ ہاشمی، نصیر الدین: دکن میں اردو، دہلی ۱۹۸۵ء

5- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967

۲۶/اکتوبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

حفیظ الدین احمد

حفیظ الدین احمد انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر کے ایک مولف، مترجم اور شاعر تھے۔

حفیظ الدین احمد بن ہلال الدین محمد بن شیخ محمد ذاکر صدیقی بردوانی کے اجداد عرب سے آکر دکن (Deccan) میں آباد ہو گئے، دونسلوں کے بعد اس خاندان کے ایک فرد شیخ حسن، دکن سے بنگال (Bengal) جا بسے اور پانچ پشتوں تک وہیں مقیم رہے، اس خانوادے کے تمام افراد دیندار اور طبقہ علماء سے تعلق رکھتے تھے، ان میں سے ایک فرد شیخ سعدی عرف شاہ بران نے بنگال ہی کے ایک صوفی شاہ عنایت کی خدمت میں رہ کر ریاضت اور مرتبہ خلافت حاصل کیا، شاہ عنایت، شاہ عبداللہ کرمانی کی اولاد میں سے تھے۔ (حفیظ الدین احمد: خرد افروز ص۲)

شیخ سعدی مذکور نے موقع کی مناسبت سے مغل حکومت سے وابستگی اختیار کر لی (طبقاتِ شعرائے ہند ۲۲۶)، ان کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

حفیظ الدین احمد کے والد شیخ ہلال الدین محمد نے مدرسہ عالیہ، کلکتہ میں بحثییت معلم ملازمت کر لی (ایضاً ۲۲۶) ان کے فرزند حفیظ الدین نے انہی کی نگرانی میں اسی مدرسہ سے بیس برس کی عمر میں اپنی عربی و فارسی کی تعلیم مکمل کر لی۔ (ایضاً)

حفیظ الدین کا سالِ ولادت معلوم نہیں ہے، وہ بیس اکیس برس کے تھے جب وہ ۴ر مئی ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم کالج، کلکتہ (Fort William College, Calcutta) کے شعبۂ فارسی میں مدرس فارسی ان کا تقرر ہوا (روداد فروٹ ولیم کالج بحوالہ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ۱۹۷)، اس اعتبار سے ان کا سالِ ولادت حدود ۱۷۸۰ء قیاس کیا جا سکتا ہے، ان کے والد اسی کالج میں شعبہ اردو میں مدرس تھے (روداد فورٹ ولیم کالج بحوالہ وثائق فورٹ ولیم کالج، مقدمہ ۵۲)، باپ بیٹا دونوں کی تنخواہ چالیس روپے ماہوار تھی (ایضاً) مختلف شعبوں میں معلموں کی درجہ بندی تھی، ان میں میر منشی، مددگار منشی اور ماتحت منشی، موخر الذکر کو چالیس

Marfat.com

روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی (ایضاً ۱۴) اس اعتبار سے حفیظ الدین احمد اوران کے والد ماتحت منشی تھے۔

معاصر تذکرہ نویس کریم الدین کہتے ہیں کہ ۱۸۱۵ء کو حفیظ الدین احمد دہلی میں تھے اور کالج سے اپنی ملازمت ترک کر کے دہلی کے ریذیڈنٹ (Resident) چارلس تھیوفلس مٹکاف (Charles Theophilus Metcalfe) کی اولین تقرری بر دہلی ۱۸۱۱۔۱۸۱۹ء کے دوران اس کے میر منشی ہو کر دہلی آ گئے (طبقات الشعرائے ہند ۲۲۶) مٹکاف فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کا پہلا طالب علم تھا (Ditionary of Indian Biography, p.287) اس لحاظ سے حفیظ الدین احمد جبکہ وہ کالج میں مدرس تھا وہ ان کا شاگرد تھا اور اسی تعارف کی بنیاد پر انہیں اس نے بلا کر کالج کے ماتحت منشی سے میر منشی کے عہدہ پر فائز کیا ہوگا۔

مٹکاف کو شاہ جہان آباد (دہلی) کی تاریخی عمارتوں سے بہت دلچسپی تھی، اس نے اپنے معاصر مصوروں سے ان کی تصاویر بنوائیں، جو اس کے البم میں موجود ہیں، جنہیں اس کی بیٹی ایمیلی (Emily) نے اپنی یاداشتوں سمیت محفوظ رکھا، جو بعد میں گولڈن کام (Golden Calm) کے نام سے شائع ہوئی، اپنے اس ذوق کے تحت مٹکاف نے دہلی کی عمارتوں کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے حفیظ الدین احمد کو کہا تو انہوں نے ۱۱۹/ اوراق کا ایک مسودہ دہلی کی عمارتوں کے بارے میں لکھا، جس میں اصل کتبات مع دیگر تفصیلات فارسی میں مرتب کیا، یہ کام ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں ہوا، جس کا مخطوطہ کتابخانہ برٹش میوزیم، لندن میں محفوظ ہے، جس کی کتابت سنگین بیگ نے کی تھی (فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ موزہ بریطانیہ، ضمیمہ، شمارہ ۴۱۵، ص ۲۶۴)، بعد میں اس کام کی تکمیل کے لئے مٹکاف نے مرزا سنگین کو مقرر کیا، جس نے سیر المنازل کے نام سے اسے اس کی دوبارہ ریذیڈنسی (۱۸۲۵۔۱۸۲۷ء) کے دوران مکمل کیا۔

(سیر المنازل، مقدمۂ قاسمی، ص ج)

معلوم ہوتا ہے کہ حفیظ الدین احمد، مٹکاف کی دہلی سے علیحدگی (۱۸۲۷ء) یا اس کی وفات (۱۸۴۶ء) کے بعد دہلی سے اپنے آبائی علاقہ بنگال چلے گئے، جہاں انہوں نے وہاں کے مشہور ضلع بُردوان (Burdwan) میں قیام کر لیا، کیوں کہ ان کی جو آخری تالیف مخزن الفوائد ملی ہے وہ کلکتہ میں ہی مرتب و

Marfat.com

مکمل ہوئی ہے جس کے آغاز میں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ اپنی علاقائی نسبت ''بردوانی'' لکھی ہے، یہ کتاب انہوں نے ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء کو لکھی تھی، جس کا ایک خطی نسخہ موزۂ بریطانیہ، لندن میں ہے۔

(فہرست مذکور ۳/ ۱۰۲۵)

اس کے علاوہ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں مذکورہ نسبت نہیں لکھی، ممکن ہے بنگال میں یہی بردوان ان کے اجداد کا مستقر ہو، مذکورہ سنہ کے بعد ان کی زندگی کے احوال سے ہم بے خبر ہیں، ان کا سالِ وفات تک معلوم نہیں ہے، حفیظ الدین اردو کے شاعر بھی تھے، ان کا تخلص ''احمدؔ'' تھا۔

(طبقات شعرائے ہند ۲۲۶)

شیخ حفیظ الدین احمد کی صرف مندرجہ ذیل تالیفات ہمارے علم میں ہیں:

۱۔ خرد افروز

یہ ابوالفضل علامی (ف ۱۰۱۱ھ/ ۱۶۰۱ء) کی مشہور کتاب عیارِ دانش کا فارسی سے اردو ترجمہ ہے، یہ ترجمہ کلکتہ میں ۱۰/ ذی الحج ۱۲۱۷ھ/ ۱۸۰۳ء کو مکمل ہوا (خرد افروز ۲/ ۲۸۵)، انہوں نے یہ ترجمہ معروف برطانوی مستشرق جان گل کرسٹ (John b. Gilchrist) کی فرمائش پر کیا، مترجم ان دنوں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ میں فارسی کے مدرس تھے، انہیں کی منظوری پر کالج نے انہیں اس کا سب سے بڑا انعام چھ سو روپے دیا۔ (بتاریخ ۲۳/ مئی ۱۸۰۳ء)

(Origins of Modern Hindustani Litterature, p.126)

خرد افروز ۱۸۰۴ء پھر ۱۸۱۵ء میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ سے طبع ہوئی، ۱۸۵۷ء کو انگلستان سے بھی چھپی، آخری ایڈیشن مجلس ترقی ادب، لاہور سے ۱۹۶۳۔۱۹۶۵ء کو دو جلدوں میں منظر عام پر آیا۔

(Gracin de Trassy: Litterature Hindouie, vol.1, p.140)

۲۔ تاریخ و کتبات عمارات شاہ جہان آباد (دہلی)

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور ۱۱۹/ اوراق کا مخطوطہ برٹش میوزیم، لندن میں ہے، جو ۱۸۱۷ء/ ۱۲۳۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ (فہرست مخطوطات فارسی موزۂ بریطانیہ مولفہ ریو، ضمیمہ، ص ۲۶۴)

Marfat.com

۳۔ مخزن الفوائد

فارسی نثر، آغاز تالیف ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء، تکمیل ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء، یہ کتاب شیخ حفیظ الدین احمد نے کلکتہ کے قیام کے دوران لکھی، جو سولہ فوائد (ابواب) پر مشتمل ہے، جو مختلف موضوعات پر ہے، مثلاً خط لکھنے کا طریقہ، دفتری نوعیت کی دستاویزات تیار کرنے کا سلیقہ، ریاضی اور علم ہیت، جغرافیہ، فلسفیوں اور شاعروں کے حالات وغیرہ۔

اس کا ایک خطی نسخہ موزہ بریطانیہ، لندن میں ہے۔ (فہرست مذکور ۳/ ۱۰۲۵)

ان کے علاوہ جان گل کرسٹ نے اپنے مذکورہ تعارفی خط بنام حکومت برطانیہ میں لکھا ہے کہ اگر حفیظ الدین کی حوصلہ افزائی کی گئی تو وہ آئندہ الف لیلیٰ کا بھی اردو میں ترجمہ کریں گے (گل کرسٹ اور اس کا عہد ۱۴۴) لیکن اس ترجمہ کے وجود میں آنے کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہے۔

مآخذ

۱۔ تنہا، محمد یحییٰ: سیر المصنفین، لاہور، ۱۹۴۸ء

۲۔ حامد حسن قادری: دستانِ تاریخ اردو، آگرہ، ۱۹۶۶ء

۳۔ حفیظ الدین احمد: خرد افروز، جلد اول مرتبہ مجلس ترقی ادب، جلد دوم مرتبہ مشتاق حسین، لاہور ۶۳۔۱۹۶۵ء

۴۔ سنگین بیگ، مرزا: سیر المنازل مرتبہ شریف حسین قاسمی، دہلی، ۱۹۸۲ء

۵۔ شیدا، راجندر ناتھ: وثائق فورٹ ولیم کالج، دہلی، ۲۰۰۳ء

۶۔ عبدالستار: تاریخ مدرسۂ عالیہ، ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

۷۔ عبیدہ بیگم: فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، لکھنو، ۱۹۸۳ء

۸۔ کریم الدین: طبقاتِ شعرائے ہند، لکھنو (چاپ عکسی) ۱۹۸۳ء

۹۔ گارساں دتاسی: مقالات گارساں وتاسی، کراچی، ۱۹۶۴ء

۱۰۔ ایضاً: خطبات گارساں دتاسی، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء

Marfat.com

۱۱۔ محمد، سید: ارباب نثر اردو، لکھنو، ۱۹۷۷ء

۱۲۔ محمد عتیق صدیقی: گل کرسٹ اور اس کا عہد، دہلی ۱۹۷۹ء

13- M. Atique Siddiqi: Origins of Modern Hindustani Literature, (Gilchrist letters), Aligarh, 1962

14- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975

15- Emily, C.B: Golden Calm (Reminiscences by Emily and by her father T.Metcalf) ed.Kaye, London, 1980

16- Gracin de tassy: Historic Dela Litterature Hindoue, Paris, 1839

17- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1963.

18- Rieu,c: Cat Persian Manuscripts in British Museum, London, 1883

۲۸/اکتوبر ۲۰۰۶ء

(برائے دانشنامۂ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

امر اللہ الٰہ آبادی، امیر الدین احمد

امر اللہ الٰہ آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک فارسی و اردو شاعر اور تذکرہ نویس تھے۔

امر اللہ کا پورا نام ابوالحسن امیر الدین احمد امر اللہ ہے، ابوالحسن کنیت، امر اللہ عرف اور امیر الدین احمد نام ہے۔

امر اللہ کے حالات زندگی تذکروں میں نہیں ملتے، ان کی تالیف مسرت افزا سے جس قدر معلومات ملتی ہیں وہ صرف اس قدر ہیں۔

مسرت افزا کا تکملہ تیئس (۲۳) سال کی عمر میں ۱۱۹۳ھ کو لکھا، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کی ولادت حدود ۱۱۷۰ھ/ ۱۷۵۶ء میں ہوئی (مسرت افزاء ۵۸)، ان کی تعلیم و تربیت ان کے بڑے بھائی خیر الدین محمد حسرتؔ نے کی، انہی کے ساتھ امر اللہ نے ۱۱۹۲ھ کو کلکتہ کا سفر کیا، راستے میں چند دن عظیم آباد (Azimabad) اور مرشد آباد (Murshidabad) میں بھی قیام کیا، پھر بنارس (Benaris) اور لکھنو (Lucknow) کا سفر بھی کیا۔

امر اللہ کے یہ بھائی مولوی خیر الدین محمد حسرتؔ الٰہ آبادی ایک ذی علم اور کئی اہم کتابوں کے مولف تھے، (مسرت افزا ۵۲) امر اللہ کے ایک اور بھائی صلاح الدین خان تھے (ہمانجا ۷۲)

معروف صوفی اور شاعر شاہ غلام قطب الدین مصیب بن محمد فاخر الٰہ آبادی امر اللہ کے بہنوئی تھے (ہمانجا ۱۰۳۔۱۰۵)، امر اللہ کے بھانجے غلام حیدر (متولد ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء) بھی لڑکپن سے صاحب استعداد تھے۔ (ہمانجا ۱۰۴۔۱۰۵)

امر اللہ خود فارسی گو شاعر تھے، مسرت افزا کے دیباچے میں کتاب کا قطعۂ تاریخ ان کی تصنیف ہے۔ (ہمانجا ۹)

امر اللہ کے والد ایک صوفی منش بزرگ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کا رجحان صوفیہ کی طرف زیادہ تھا، ان کے داماد مشہور صوفی و عالم شاہ قطب الدین مصیب تھے، مسرت افزا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

Marfat.com

خاندان کے دائرہ شاہ اجمل الٰہ آبادی کے صوفی شعراء کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔

امر اللہ کی اب تک صرف ایک تالیف تذکرہ مسرت افزا دستیاب ہوئی ہے، جو فارسی زبان میں ہے اور شعرائے اردو کا تذکرہ ہے۔

تذکرہ مسرت افزا

۱۱۹۲ھ/ ۱۷۷۸ء میں مولف نے کلکتہ کے سفر کے دوران اس تذکرے کی تالیف کا آغاز کیا اور ایک سال کے اندر ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء میں اسے مکمل کر ڈالا۔ نظر ثانی اور اضافات کا کام جاری رہا، میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (ف ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) اور حاتم شاہجہان آبادی (ف ۱۱۹۷ھ/ ۱۷۸۳ء) کے حالات ان کی وفات کے بعد تحریر کئے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف ۱۱۹۷ھ تک اس تذکرے میں ترمیم و اضافہ کرتے رہے۔ (ہمانجا ۴۵، ۱۰۲)

یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اور کئی وجوہ سے اہم ہے، دیگر تذکروں کی نسبت اس تذکرے میں مولف نے شعراء کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں، حالات جمع کرنے میں بڑی کوشش و جستجو سے کام لیا ہے، مولف متعدد شعراء سے ملے تھے اور ذاتی کوشش سے ان کے حالات و کلام فراہم کیا، گویا دوسرے تذکروں کی نسبت معاصرین کے حالات مفصل تر ہیں۔

شعراء کے حالات کے سلسلے میں کئی اہم اور نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں، جو اس سے پہلے کے تذکروں میں نہیں ملتیں، مثلاً شیخ احمد وارث کے تذکرۂ ریختہ گریان کا سراغ اس کے سوا اور کہیں نہیں ملتا، مولف شعراء کی ایک ناپید بیاض سفینہ سے بھی واقف تھے، کئی شعراء کے اشعار اس میں سے نقل کئے ہیں۔

تذکرہ مسرت افزا کی تالیف کا اصل محرک میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعراء ہے، میر کی شعراء پر تنقید، عیب جوئی اور انتخاب اشعار میں بے ذوقی نے مولف کو ایک نیا تذکرہ مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔

(ہمانجا ۱۰۹۔۱۱۰)

تذکرہ مسرت افزا سوانح اور تنقید کے سلسلے میں ایک اہم تذکرہ ہے، شعرائے متقدمین و معاصرین کے بارے میں بہت سی نئی معلومات بہم پہنچاتا ہے، تذکرہ نگاروں میں سے مصحفی اور محسن نے اس سے

Marfat.com

استفادہ کا اعتراف کیا ہے۔(اردو شعراء کے تذکرے ۱۷۶)

مسرت افزا کے اب تک صرف دو قلمی نسخے دریافت ہوئے ہیں، ایک بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ میں ۲۵۴ شعراء کا حال ہے اور نسخۂ خدابخش لائبریری، پٹنہ میں ۲۵۶ شعراء کے تراجم درج ہیں۔

(تذکرہ مسرت افزاء دیباچۂ عطا ص۵)

اس تذکرے کا فارسی متن قاضی عبدالودود نے رسالہ معاصر، پٹنہ میں بالاقساط (شمارہ ۵ تا ۸ ۱۹۵۴۔۱۹۵۵ء) شائع کیا، اس کا ملخص اردو ترجمہ عطا کاکوی نے پٹنہ سے ۱۹۶۸ء میں طبع کروایا۔

اس تذکرے کا مکمل اردو ترجمہ مجیب قریشی نے دہلی سے ۱۹۶۸ء میں ہی شائع کردیا تھا، اس تذکرہ کا فارسی متن شاہ محمد اسماعیل نے مرتب کیا، جو خدابخش لائبریری، پٹنہ سے ۱۹۹۸ء کو طبع ہوا۔

مآخذ

۱۔ امر اللہ، ابوالحسن امیر الدین احمد: تذکرہ مسرت افزا مرتبہ قاضی عبدالودود مشمولہ معاصر پٹنہ (شمارہ ۵تا۸، ۱۹۵۴۔۱۹۵۵)

۲۔ ایضاً: تذکرہ مسرت افزا اردو ترجمہ وتلخیص از عطا کاکوی، پٹنہ ۱۹۶۸ء

۳۔ ایضاً: تذکرہ مسرت افزا اردو ترجمہ مجیب قریشی، دہلی ۱۹۶۸ء

۴۔ حنیف نقوی: اردو شعراء کے تذکرے، لکھنو ۱۹۷۶ء

۵۔ عبدالودود، قاضی: تذکرہ مسرت افزاء، مقالہ مشمولہ اردو، اپریل ۱۹۶۸ء

۶۔ فرمان فتح پوری: اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور ۱۹۷۲ء

۷۔ محمد انصار اللہ: اردو شعراء کے اولین تذکرے، علی گڑھ ۱۹۷۸ء

۳۰ر دسمبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

نواب علی ابراہیم خلیل اور خلاصۃ الکلام

خلاصۃ الکلام فارسی کے مثنوی گو شعراء کا تذکرہ ہے، جسے نواب علی ابراہیم خان خلیل نے ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۴ء کو تالیف کیا۔

اس تذکرہ کا مولف نواب امین الدولہ عزیز الملک خان بہادر ناصر جنگ ہے، وہ شیخوپورہ (Shykhopura)، عظیم آباد، بہار کے مشہور صوفی و مولف ''مناقب الاصفیاء'' مخدوم شعیب قریشی (متوفی ۸۲۴ھ/ ۱۴۲۱ء) کی اولاد میں سے تھا۔ (ضمیمہ تذکرہ یوسفی ۱۸)

نواب علی ابراہیم خلیل کے جد مادری مولوی محمد نصیر مشہور صوفی شیخ شمس الدین فریادرس (متوفی ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) مدفون اودھ کی اولاد میں سے تھے، مولوی محمد نصیر آغاز جوانی میں اخوند ... شاہ محمد شیرازی کے ہمراہ تحصیل علوم کے لئے ایران چلے گئے اور علمائے ایران سے تکمیل علوم کے بعد واپس آ کر شیخوپورہ میں مقیم ہو کر ملا شاہ محمد شیرازی سے بھی تحصیل کی (سیر المتاخرین ۲/ ۲۰۵، ضمیمہ تذکرہ یوسفی ۱۸) نواب علی ابراہیم خلیل انہی مولوی محمد نصیر کا نواسہ تھا، اس کے والد محمد رضا (عبدالحکیم) تھے، محمد ابراہیم خلیل کی عظیم آباد، پٹنہ میں حدود ۱۱۴۸ھ/ ۱۷۳۵ء کو ولادت ہوئی، خلیل ابھی سات سال کا تھا کہ اس کے والد فوت ہو گئے، اس کی تعلیم و تربیت اس کے ماموں داؤد علی خان عرف زائر حسین خان نے کی۔

۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء کو زائر حسین خان حج کی غرض سے براستہ کلکتہ (Calcutta) روانہ ہوا تو خلیل اس کے ہمراہ تھا، وہاں اس نے بنگال کے ناظم نواب علی وردی خان (۱۷۳۹ـ۱۷۵۶ء) سے ملاقات کی جو اس کا دوست تھا (تاریخ بنگالہ مہابت جنگی ص ۱۱۳)، اس نے خلیل کو نواب کے سپرد کر دیا، اس طرح خلیل کی باقی تعلیم مرشد آباد میں ہوئی، انگریزوں کے عمل دخل کی وجہ سے بنگال کی سیاست بری طرح الجھ گئی تھی، اس دوران ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۱ء کو انگریزوں نے میر جعفر کو معزول کر کے بنگال کی نظامت نواب میر قاسم (۱۷۶۰ـ۱۷۶۳ء) کے سپرد کی، اس وقت تک خلیل فارغ التحصیل ہو چکا تھا اور نواب میر قاسم کے ساتھ

Marfat.com

خصوصی مراسم تھے، نواب قاسم کے عہد میں خلیل نہایت اہم اور ذمہ دار عہدوں پر فائز رہا، ۱۷۵۷ء کو امراء کی بغاوت فرو کرنے کے لئے نواب نے خلیل کو مقرر کیا، فوج کے معاملات وحسابات کی جانچ پڑتال کے لئے بھی اسی کو متعین کیا گیا، پھر فوج میں چیف ایڈیٹر (Chief auditor) کے عہدہ پر بھی رہا، اسی دوران ۱۷۶۳ء میں اُسے نیپال (Nipal) کے معاملات کا نگران بنایا گیا، میر قاسم کے دربار میں دوسیاسی پارٹیاں تھیں، ایک نواب قاسم کی حامی اور دوسری ایسٹ انڈیا کمپنی (انگریز) کی طرف دار تھی، علی ابراہیم خلیل، نواب کی جماعت کا سب سے اہم رکن تھا، گویا نواب میر قاسم کے عہد میں خلیل کا کلیدی سیاسی کردار تھا۔

(Chatteji, N: Mir Qasim, pp.18,35,43,49,170,211,214,235)

نواب قاسم کے عہد میں خلیل کچھ عرصہ عظیم آباد کا صوبہ دار اور پھر نائب ناظم بھی رہا۔

(اختر اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء ص ۲۵۰)

نواب علی ابراہیم خلیل، نواب میر قاسم کی معزولی وبربادی کے بعد نواب شجاع الدولہ (۱۷۳۱۔۱۷۷۵ء) کے عہد میں واپس مرشد آباد آکر گوشہ نشین ہوگیا۔ (تذکرہ عشق ۲۴۴)

چونکہ ان دنوں بنگال کی سیاست میں نواب علی ابراہیم خلیل کا بنیادی کردار تھا، اس لئے بنگال کے نائب ناظم سید محمد رضا خان (۱۷۵۶۔۱۷۷۲ء) نے خلیل کو بلالیا اور اہم عہدے اس کے سپرد کئے اور اسے ''مختار و مدار المہام'' بنایا (تذکرہ مسرت افزاء ۴۴)، اُسے ۱۷۶۵ء کو ''امین'' پھر حدود ۱۷۶۶ء کو جب انگریزوں اور محمد رضا خان کے مابین اختلافات ہوئے تو حسابات کی پڑتال کے لئے خلیل کو مسٹر سائیکس (Mr.Sykes) کا نائب مقرر کیا گیا، ۱۷۶۹۔۷۰ء میں خلیل کو ''دیوان سرکار'' کا عہدہ دیا گیا، انگریزوں کے سب سے زیادہ فعال آفیسر وارن ہیسٹنگز (Waren Hastings ۱۷۳۲۔۱۸۱۸ء) کے ساتھ خلیل کے بہت ہی قریبی تعلقات تھے، وہ خلیل کی صلاحیتوں کا معترف تھا، اب حالات ایسے ہو چکے تھے کہ خلیل انگریزوں کا حامی اور طرف دار بن چکا تھا، نواب محمد رضا خان مذکور کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے ہیسٹنگز نے خلیل کو استعمال کیا اور نواب کو ۱۷۷۲ء میں گرفتار کرلیا گیا۔

(Abdul Majed Khan: The transitisn in Bengal, pp.114,117,1 33-4, 225-6, 319-20)

Marfat.com

اب انگریزوں نے خلیل کو خوب نوازا، وارن ہیسٹنگز اُسے اپنے ساتھ لکھنو لے گیا اور نواب وزیر آصف الدولہ (۱۷۷۵ـ۱۷۹۷ء) سے خلیل کو متعارف کروایا، نواب نے خلیل کو خلعت فاخرہ عطا کیا، پھر ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں شاہ عالم ثانی (۱۲۰۲ـ۱۲۲۱ھ/۱۷۸۸ـ۱۸۰۶ء) نے خلیل کو لقب ''امین الدولہ عزیز الملک نصیر جنگ'' عطا کیا اور جاگیر بھی دی، لارڈ ہیسٹنگز کو جب بنارس کا عامل مقرر کیا گیا تو اس نے خلیل کے حقوق کا خیال رکھا اور خلیل کا دو ہزار روپے ماہانہ اور اس کے فرزند کا پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا، لارڈ کارنوالس (Lord Cornwallis) (۱۷۳۸ـ۱۸۰۵ء) کے دور میں خلیل، بنارس کا گورنر تھا، خلیل بنارس کے داروغہ سے لے کر گورنر تک ۱۱۹۶ـ۱۲۰۵ھ بنارس ہی میں رہا، اس کی وفات ۱۲۰۵ھ پر مشہور شاعر قلندر بخش جرأت نے قطعۂ تاریخ کہا جس سے سنہ ۱۲۰۵ھ برآمد ہوتا ہے۔

(اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری ۱۹۲)

خلیل اپنے قیام بنارس کے دوران تصنیف وتالیف میں مصروف رہا اور اس کی مندرجہ ذیل کتابوں کا تا حال علم ہے:

ا۔خلاصۃ الکلام

بسال ۱۱۹۸ھ (تذکرۂ زیر بحث)

۲۔گلزار ابراہیم

۱۱۹۸ھ (اضافات تا ۱۲۰۱ھ رک شعرائے اردو کے تذکرے مولفہ حنیف نقوی، ص۴۰۲ـ۴۱۹، اردو شعراء کے تذکرے، ص۱۹۱ـ۱۹۶، دستور الفصاحت، ص۴۳ـ۷۹ مقدمہ)

یہ تذکرہ مکمل صورت میں رسالہ معاصر، پٹنہ شمارہ ۲۲، ۲۸ـ۲۹ ۱۹۷۴ء شائع ہو چکا ہے، یہ اردو کے شعراء کا ایک عمدہ تذکرہ ہے، اس سے پہلے اس کا انتخاب گلشن ہند مرتبہ محی الدین قادری زور ۱۹۳۴ء کو علی گڑھ سے طبع ہوا تھا۔

Marfat.com

۳۔صحفِ ابراہیم

بسال ۱۲۰۵ھ، یہ غالباً مولف کا آخری تذکرہ ہے، جو شعرائے فارسی کے مختصر احوال اوران کے کلام کے انتخاب پر مشتمل ہے، اس میں تین ہزار دو سو اٹھتر (۳۲۷۸) شعراء کا تذکرہ ہے، جو شیخ بایزید بسطامی سے شروع ہو کر ملا یگانہ بلخی کے حالات پر ختم ہو جاتا ہے، یہ تذکرہ تاحال شائع نہیں ہوا، اس کے خطی نسخے برلن، بانکی پور، پٹنہ (ہندوستان) کتابخانہ شخصی پروفسور سید حسن (پٹنہ) اور کتابفروشی اسدی، تہران (ایران) میں ہیں۔ (تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان ۲۷۵۔۲۷۶)

۴۔تاریخ جنگہای مرہٹہ

اس تاریخ میں نواب علی ابراہیم خان نے مرہٹوں کی ۱۱۷۱۔۱۱۹۹ھ/ ۱۷۵۷۔۱۷۸۴ء کی جنگوں کا حال لکھا ہے، یہ کتاب بنارس میں ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء کو مکمل ہوئی، اس کتاب کے خطی نسخوں اور انگریزی و اردو تراجم کی تفصیل کے لئے دیکھئے: Storey 1/1/762، ان میں سے خلیل، بنارس میں راجہ چیت سنگھ (Raja Chait Singh) اور وارن ہیسٹنگز کے ساتھ لڑائی میں انگریزوں کے حامی کی حیثیت سے شریک اور چشم دید گواہ تھا۔ (تذکرہ مسرت افزاء ۴۵)

۵۔مراسلت

برٹش میوزیم، لندن میں خطوط کا ایک ایسا مجموعہ ہے، جو بنگال اور اس کے نواح کے نوابوں نے سرجان مرے (Sir Jonn Murray) کو ۱۷۸۸۔۱۷۹۶ء کو لکھے تھے، ان میں کچھ مکاتیب نواب علی ابراہیم خلیل کے بھی ہیں، جب وہ بنارس کا گورنر تھا۔ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزہ بریطانیہ مرتبہ ریو ۱/۴۱۰)

۶۔حلف نامۂ گورنری بنارس

برٹش میوزیم، لندن میں ۲۷ فٹ طویل ایک دستاویز ہے، جو علی ابراہیم خلیل نے بنارس کا گورنر بننے کے بعد حلف برداری کے دوران لکھی ہے، جس میں اپنے اقتدار کے دوران وفاداری کے علاوہ عوام کے حقوق وغیرہ کی پاسداری کی ضمانت دی ہے، اس دستاویز پر اس وقت کے اکابر بنارس کی مواہیر بھی بطور تصدیق ثبت ہیں، جن میں سے ایک مہر کا سنہ ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۷ء ہے۔ (ایضاً: ضمیمہ ص ۲۵۹، شمارہ دستاویز ۴۰۵)

Marfat.com

خلاصۃ الکلام

نواب علی ابراہیم خلیل کے نوشتہ تین اہم تذکروں میں سے خلاصۃ الکلام خاص اہمیت رکھتا ہے، جو صرف فارسی کے مثنوی گو شعراء کے حالات وانتخابِ کلام پر مشتمل ہے۔

خلیل نے اس کام کا آغاز ۱۳ر جلوس شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹۔۱۸۰۶ء) مطابق ۱۷۷۲ء کو کیا اور مدتوں اس کے اوراق پڑے رہے یہاں تک کہ نواب آصف الدولہ (۱۷۷۵۔۱۷۹۷ء) کے زمانے میں ۲۳ر جلوس شاہ عالم مذکور میں ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء کو مکمل کیا، اس میں ۷۷ مثنوی نگار شعراء کے احوال وآثار ہیں، مولف نے شعراء کے حالات میں اختصار سے کام لیا ہے لیکن ان کی مثنویوں کے طویل انتخاب درج کئے ہیں، یہ ضخیم تذکرہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، خلیل نے تذکرہ کے آغاز میں ۱۳ر تذکروں کو اپنے ماخذ بتایا ہے، اس تذکرہ سے پہلے مثنوی گو شعراء کا ایک ہی تذکرہ عبدالنبی نے میخانہ کے نام سے لکھا تھا لیکن افسوس کہ خلیل اس اہم تذکرہ سے واقف نہیں تھا۔

خلاصۃ الکلام تاحال شائع نہیں ہوا، اس کے خطی نسخے لیند یزینا (Lindesiana)، بوڈلین آکسفورڈ، خدابخش لائبریری بانکی پور، پٹنہ میں ہیں۔

(Storey: Persian literature Vol.1, part.ii p.877)

نسخۂ بوڈلین کی مائیکروفلم کتابخانہ مرکزی دانشگاہ، تہران میں اور ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کے کتابخانہ میں ہے۔ (تاریخ تذکرہ ہای فارسی ۱/۶۰۰)

نواب خلیل فارسی اور اردو کا اچھا شاعر تھا، تذکروں میں اس کے اشعار کا انتخاب ملتا ہے، کلیم الدین احمد نے تذکرہ گلزار ابراہیم کے مقدمہ میں ایسے اشعار یکجا کر دیئے ہیں (گلزار ابراہیم مشمولہ معاصر پٹنہ شمارہ ۲۲، ۲۸۔۲۹)، فارسی میں اس کا تخلص ''خلیل'' اور اردو میں ''حالؔ'' تھا (تذکرہ عشق ۱/۲۴۴)، خلیل کو طبابت میں بھی درجہ کمال حاصل تھا۔ (ضمیمۂ تذکرہ یوسفی ۱۹)

Marfat.com

مآخذ

۱۔ اختر اورینوی: بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، دہلی ۱۹۸۹ء

۲۔ امراللہ، ابوالحسن امیرالدین احمد: تذکرہ مسرت افزاء، مرتبہ شاہ محمد اسماعیل، پٹنہ، ۱۹۹۸ء

۳۔ حنیف نقوی: شعرائے اردو کے تذکرے، لکھنو، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء

۴۔ خلیل، علی، ابراہیم خان: تذکرہ گلزار ابراہیم مرتبہ کلیم الدین احمد، مشمولہ، معاصر، پٹنہ شمارہ ۲۲، ۲۸۔۲۹ (۱۹۷۴ء)

۵۔ فرمان فتح پوری: اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۶۔ شورش، میر غلام حسین: تذکرۂ شورش مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ ۱۹۶۳ء (مشمولہ دو تذکرے)

۷۔ طباطبائی، غلام حسین: سیر المتاخرین، کلکتہ، ۱۲۴۸ھ

۸۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، تہران، ۱۹۶۴ء

۹۔ عشقی، محمد وجیہ الدین: تذکرہ عشقی مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ، ۱۹۶۳ء (مشمولہ دو تذکرے)

۱۰۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہای فارسی، تہران، ۱۳۵۰ ش

۱۱۔ سلیم اللہ، منشی: تاریخ بنگالہ مرتبہ محمد امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۷۹ء

۱۲۔ یکتا، احمد علی: دستور الفصاحت مرتبہ امتیاز علی عرشی، رام پور، ۱۹۴۳ء

۱۳۔ یوسف علی خان: ضمیمۂ تذکرۂ یوسفی (حدیقۃ القصا) مرتبہ عبدالسبحان، کلکتہ، ۱۹۷۸ء

۱۴۔ یوسف علی خان: تاریخ بنگالۂ مہابت جنگی مرتبہ عبدالسبحان، کلکتہ، ۱۹۶۹ء

15- Abdul Majed Khan: The Transition in Bengal, 1756-75), Cambridge, 1969.

16- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, (rept), Lahore, 1975

17- Chatterji, N: Mir Qasim, Allahabad, 1935

Marfat.com

18- Gupta, B,K: Sirajuldaulah and the East India Company (1756-1757), Lieden, E.J.Brill, 1966

19- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967

20- Rieu, C: Cat, of Persian Manuscripts in the British Museum, London, 1879-1895.

21- Sarkar, J.N: Bengal Nawabs, Calcutta, 1985.

22- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970

23- Yusuf Ali Khan: Tarikh-i-Bangala-i-Mahabatjangi, translated by Abdus Subhan, Calcutta, 1982.

Marfat.com

خطاطین

Marfat.com

Marfat.com

محمد حسین کشمیری، زرین قلم

محمد حسین کشمیری گیارہویں/سولہویں سترہویں صدی کے معروف ترین خطاط تھے۔

محمد حسین کشمیری کا سال، ولادت معلوم نہیں ہے، مناقب نیروران کے معاصر مولف مصطفیٰ عالی آفندی (۹۴۸۔۱۰۰۸ھ/ ۱۵۴۱۔۱۶۰۰ء) نے لکھا ہے کہ وہ مشہور خطاط میر علی ہروی (ف حدود ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء) کے شاگرد تھے، قیاس ہے کہ وہ آغاز جوانی میں ان کے حوزہ تلامذہ میں شامل ہوئے ہوں گے، اگر اس وقت ان کی عمر بیس سال فرض کی جائے تو محمد حسین کشمیری کا سالِ ولادت حدود ۹۳۱ھ/۱۵۲۴ء (۹۵۱-۲۰) ہوسکتا ہے۔ (مناقب ہروران ۸۸)

مولانا محمد حسین خط نستعلیق کے اپنے عہد کے سب سے نامور خطاط تھے، ان کے اسی وصف کے باعث ان کی شہرت ایران، ترکی اور ماوراء النہر تک تھی، میر علی ہروی کے بعد انہوں نے مولانا عبدالعزیز سے باقاعدہ اس فن کی تعلیم حاصل کی اور اپنے استاد سے سبقت لے گئے۔ (آئین اکبری ۱/۱۳۰)

جب اکبر بادشاہ (۹۶۳۔۱۰۱۴ھ/ ۱۵۵۶۔۱۶۰۵ء) کو ان کے کمالات اور اس خط میں "جادورقی" کا علم ہوا تو اس نے انہیں اپنے ملازمین کے زمرہ میں داخل کرلیا (ایضاً ۱/۱۳۰) اور شہزادگان کی تعلیم پر مامور کیا (مراۃ العالم ۲/۴۸۲)، انہوں نے اس فن کو اوج کمال پر پہنچایا اور خط نستعلیق میں اتنا نام کمایا کہ ملا میر علی ہروی (مذکور) کے ہم مرتبہ ہوئے۔ (آئین اکبری ۱/۱۳۰)

اکبر بادشاہ نے انہیں "زرین قلم" کا خطاب دیا (ایضاً)، اکبر کے جانشین نورالدین محمد جہانگیر (۱۰۱۴۔۱۰۳۷ھ/ ۱۶۰۶۔۱۶۲۷ء) نے بھی ان کا اعزاز بحال رکھا، معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر انہیں سفر میں بھی ساتھ رکھتا تھا، اپنے دوسرے جلوس ۱۰۱۵ھ/ ۱۶۰۷ء میں جب وہ شکار کے پروگرام سے لاہور سے کابل کے لئے روانہ ہوا تو راستہ میں اپنے پسندیدہ مقام شکار جہانگیر پور میں قیام کیا، وہاں اس کا محبوب ہرن (آھو) ہنسراج مر گیا تو اس نے اس کی وہاں قبر بنائی، جس پر اس کے حکم سے منارہ تعمیر کیا گیا، (موجودہ ہرن مینار

Marfat.com

شیخوپورہ)، اس پر جو یادگاری کتبہ نصب کیا گیا تھا اس کی کتابت انہی ملا حسین کشمیری نے کی تھی، جہانگیر نے پورا کتبہ اپنی توزک (ص ۵۳) میں نقل کر دیا ہے، اور محمد حسین کشمیری کو "سرآمد خوش نویساں زمانِ خود" لکھا ہے، پھر اپنے چوتھے سالِ جلوس ۱۰۱۸ھ/ ۱۶۰۹ء میں انہیں ایک ہاتھی مرحمت کیا۔ (توزک ص ۹۱)

جہانگیر کو شہزادگی کے زمانے سے ہی فن مصوری اور خطاطی سے گہری دلچسپی تھی اور وہ شاہی نگار خانہ میں جایا کرتا تھا، ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء کو فرخ بیگ کی بنائی ہوئی ایک تصویر (ابراہیم عادل خان حاکم دکن ۱۵۷۹۔۱۶۲۷ء) جس پر محمد حسین زرین قلم کے دستخط بھی ہیں اور جس میں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ "جہانگیر شاہی" بھی لکھا ہے، (مشمولہ (Mughal Painting during Jahangir's time, pl.24)

سے اس نتیجے پر پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا کہ شاہی مصورین اور خطاط شاہی مرقعات تیار کرنے میں سنہ مذکور مصروف تھے، جن میں محمد حسین کشمیری اور فرخ بیگ بھی شامل تھے اور یہ کہ یہ دونوں معمر ہو چکے تھے، ان کی عمریں ستر سال کی تھیں، محمد حسین کشمیری تو اگلے ہی سال ۱۰۲۰ھ/ ۱۶۱۱ء میں انتقال کر گئے (مراۃ العالم ۴۸۲/۲، تاریخ محمدی ۲/ ۵/ ۱۱۳، تذکرہ خوش نویساں، ۸۷ حاشیہ) گویا مرتے دم تک اس فن سے وابستہ رہے اور شاہی نگار خانہ کے اہم ترین ارکان میں سے تھے۔

جہانگیر نے نادر تصاویر اور قطعات قدیم وجدید کو محفوظ کرنے کے خیال سے مرقعات تیار کروائے اور اپنے نگار خانہ کے مصورین، خطاطین اور جلد سازوں کو اس کی تیاری پر مامور کیا۔

(Imperial Mughal Paniters, pp.105-125)

مرقع گلستان میں کئی قطعات محمد حسین کشمیری کے ہیں اور اس کا دیباچہ بھی محمد حسین کشمیری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس کا سال ترتیب ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء ہے (اطلس خط ۵۱۹۔۵۲۰)، اس میں شامل چھ قطعات ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء بحکم جہانگیر لکھے ہوئے ہیں، کتابخانہ سلطنتی تہران کے مرقعات میں مزید پانچ قطعات انہی کے ہیں، اسی طرح مرقع مملوکہ ذاکر مہدی بیانی میں ۵۳ قطعات بخط محمد حسین کشمیری موجود ہیں، جن میں سے زیادہ تر اکبر بادشاہ کے عہد کے مرقومہ ہیں۔ (احوال وآثار خوش نویسان ۲/ ۷۰۵۔۷۰۴)

ان مرقعات کا سب سے جامع نسخہ سٹیٹ لائبریری جرمنی جواب Univeristy library,

Marfat.com

Tubingin میں شامل ہے، اس بیش قیمت نسخہ کا عکس برلن سے ۱۹۲۴ء کو شائع ہوا ہے جسے E.kahnel اور H.goetz نے مرتب کیا، اس کا پورا نام ہے:

Indische buchmalereien dus dem Jahangir Album der Staatsbibliothek zu Berlin, Berlin, 1924

اس کے علاوہ فرانس، برطانیہ، امریکہ، روس وغیرہ میں اس مرقع کے اوراق پائے جاتے ہیں:

(Mughal paintings during Jahangir's time. p.122)

ان کے علاوہ کتابخانہ سلطنتی تہران، ایران میں موجود مرقع گلشن وگلستان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اطلس خط (۵۱۵_۴۲۲)

گلستان سعدی کا ایک خطی نسخہ بخط محمد حسین کشمیری مکتوبہ ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۱ء بمقام فتح پور سیکری میں ایک تصویر شامل ہے، جس میں خود محمد حسین کشمیری اور منوہر بن بساون (Manohar son of Basawan) کو مصروف کتابت دکھایا گیا ہے۔(ایضاً تصویر نمبر ۱۱)

(Mughal paintings during Jahangir's time. p.59)

ابوالفضل علامی (ف ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء)، جس نے محمد حسین کشمیری کے حسن خط کو "جادو رقم" کہا ہے ان کے اس فن کے "مدأت ودوائر" کو متناسب فن قرار دیا ہے۔(آئین اکبری ۱/۱۳۰)

اکبر بادشاہ کے حکم سے محمد حسین کشمیری نے آئین اکبری کا مکمل نسخہ کتابت کیا تھا، جس میں مصورین نے تصویریں بنائی تھیں، اس پر تین لاکھ روپے صرف ہوئے، اس کا یہ خطی نسخہ اُجین (Ujjain) من مضافات گوالیار، ہندوستان میں تھا، جو حدود ۱۹۳۰ء کو وہاں سے فروخت ہو کر لندن گیا۔

(تحقیقاتِ ماہر ۱۳۷، صحیفۂ خوش نویساں ۱۵۶_۱۵۷، ہنر عہد تیموریاں ۴۲۶)

اس وقت تک ہمیں آئین اکبری کے اس بیش قیمت نسخہ کے وجود کا علم نہیں ہے، البتہ اکبر کے حکم سے درباری مصوروں نے اکبرنامہ مصور کیا تھا، جس میں ۱۱۰ تصاویر ہیں، جو وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم، لندن میں ہے (Storey, Vol.i, part,i, p.544)، جس میں سے ستر منتخب تصاویر کے عکس

Marfat.com

Paintings from Akbar Nama کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکے ہیں۔

محمد حسین کشمیری کے شاگردوں میں سے محمد مراد کشمیری مخاطب بہ شیریں قلم وزریں قلم قابل ذکر ہیں، جن کے خط کو محمد حسین کشمیری کے خط کے ''قریب'' قرار دیا گیا (مراۃ العالم ۲/۴۸۶) اور انہیں ثانی سلطان علی ومیر علی ہروی تصور کیا جاتا تھا۔ (احوال وآثار خوش نویساں ۳/۸۳۵)

شاہ جہان بادشاہ (۱۰۳۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۲۷۔۱۶۵۸ء)، جو خط نستعلیق میں مہارت رکھتا تھا، شہزادگی کے زمانہ میں محمد حسین کشمیری کا ہی شاگرد تھا۔ (تذکرہ خوش نویساں ۹۱)

بعض متاخرین نے محمد حسین کشمیری کی صرف طرز املا کو اپنایا اور استادی کے درجہ کو پہنچے، ان میں ہدایت اللہ (وفات ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء در احمد نگر، تاریخ محمدی ۲/۶/۲۰) اور اتنے نامور ہوئے کہ زریں رقم سے ملقب ہوئے۔ (تذکرہ خوش نویساں ۵۸)

مآخذ

۱۔ ابوالفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۸۶۹ء

۲۔ بختاور خان: مراۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء

۳۔ بیانی، مہدی: احوال وآثار خوش نویسان، تہران، دانشگاہ، ۱۳۴۵۔۱۳۵۸ ش

۴۔ ایضاً: فہرست نمایشگاہ خطوط خوش نستعلیق کتابخانہ ملی، تہران، ۱۳۲۸ ش

۵۔ جہانگیر، نورالدین محمد: توزک (جہانگیر نامہ) مرتبہ محمد ہاشم، تہران، ۱۳۵۹ ش

۶۔ حبیبی، عبدالحی: ہنر عہد تیموریاں ومتفرعات آں، تہران، ۱۵۳۵ ش

۷۔ سنگلاخ، محمد علی، میرزا: تذکرۃ الخطاطین (امتحان الفضلاء)، تبریز، ۱۲۹۵ھ

۸۔ شاغل، احترام الدین احمد عثمانی: صحیفۂ خوش نویسان، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء

۹۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرۂ خوش نویسان مرتبہ محمد ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۱۰ء

۱۰۔ فضائلی، حبیب اللہ: اطلس خط، اصفہان، ۱۳۹۱ھ

۱۱۔ فیروز منصوری: فہرست اسامی وآثار خوش نویسان ونقد وبرسی گلستان ہنر، ویراستار عبداللہ فقیہی، تہران، ۱۳۶۶ ش

Marfat.com

۱۲۔ ماہر، محمود علی خان: علم الحروف یا تحقیقات ماہر، دہلی، ۱۹۳۴ء

۱۳۔ محمد بن رستم حارثی: تاریخ محمدی ۲/ ۶ مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۱۴۔ مصطفیٰ عالی آفندی: مناقب ہروران ترجمہ وتحشیہ توفیق ہ، سجانی، تہران ۱۳۶۹ ش

۱۵۔ معتمد خان: اقبال نامۂ جہانگیری، کلکتہ ایشیا ٹک سوسائٹی، ۱۸۶۵ء

۱۶۔ نجیب مائل ہروی: کتاب آرائی در تمدن اسلامی، مشہد، ۱۳۷۲ ش

۱۷۔ نعیمی، احمد علی: خطاطان ونقاشان ہرات، ہرات، ۱۳۵۲ ش

18- Asok Kumar Dar: Mughal Painting During Jahangirs time, Calcutta, 1978.

19- Clarke, C.S: Mughal paintings, the school of Jahangir, Delhi, 1983

20- E.Kuhmel and H.Goetz: Indische Buchmalereien den Jahangir album der staatsbibliothek zu Berlin, Berlin, 1924

21- Thackston, W.M: Jahangirnama, New york, 1999.

22- Sen, geeti: Paintings from Akbarnama, Delhi, 1984.

23- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970-72

24- Okada, Amina: Imperial mughal painters, panis, Flammarion, 1992.

۲۱ر نومبر ۲۰۰۶ء

(برائے دانشنامۂ زبان وادب فارسی، تہران)

Marfat.com

ابراہیم فیضان، خوش نویس

محمد ابراہیم فیضان بارہویں صدی ہجری کا نامور خطاط اور شاعر تھا۔

محمد ابراہیم فیضان کے اجداد کا تعلق شیراز سے تھا (سفینۂ خوشگو ۷۰)، اس خانوادے کے اکثر افراد نامور خطاط اور شاعر تھے، فیضان کے والد محمد حسین خان ناجی فنِ خوش نویسی خصوصاً خط نسخ و نستعلیق میں یاقوت ثانی، خطِ شکستہ و نستعلیق کے واضع الاصل تھے (کلمات الشعراء ۱۱۵)، بادشاہ فرخ سیر نے بیوتات اور داروغگی کی خدمت پر ناجی کو متعین کیا تھا، ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء میں انتقال ہوا (سفینۂ خوشگو ۷۰)، فیضان کے چچا محمد اسماعیل غافل مازندرانی بھی عظیم خطاط اور شاعر تھے، فن خط میں ان کا تخلص ''روشن رقم'' تھا، خط نسخ، خط نستعلیق، ثلث، ریحان اور رقاع کے لکھنے میں ید بیضا رکھتے تھے۔ (کلمات الشعراء ۸۲)

فیضان نے یقیناً مشق سخن کا آغاز اپنے والد ناجی کی خدمت میں کیا ہوگا، بعد ازاں معروف شاعر سالم کشمیری کی شاگردی اختیار کر لی (نتائج الافکار ۵۴۴)، شاہ جہان آباد (دہلی) [Shahjahanabad] میں قیام تھا (ہمانجا) لیکن کچھ عرصے کے لئے مراد آباد (Muradabad) اور سنبھل (Sanbahal) کی پاسبانی کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔ (تذکرہ حسینی ۲۵۳)

ابراہیم نے پہلے راجی تخلص اختیار کیا اور پھر فیضان تخلص کرنے لگا (تاریخ محمدی ۳۵) تخلص راجی غالباً اپنے والد ناجی کے تخلص کی مناسبت سے اختیار کیا ہوگا۔

ادبیات کے علاوہ فیضان کو علم معقول و منقول پر بھی کامل دسترس تھی اور وہ اپنے عہد کے اکمل علماء میں سے تھا (سفینۂ خوشگو ۶۵، کلمات الشعراء ۸۶)، اس کی ہمت بلند اور مزاجاً تازہ معانی کا متلاشی تھا، اس کا گھر شعراء کا مجمع تھا، جس میں مرزا بیدل اکثر تشریف لے جاتے تھے، معروف تذکرہ نگار خوشگو (بندرابن داس) بھی اسی محفل کا خوشہ چین تھا (سفینۂ خوشگو ۶۵)، فن شعر گوئی کے ساتھ اس نے فن موسیقی کو کمال کی حد تک سیکھا تھا۔ (ہمانجا ۶۵، نتائج الافکار ۵۴۴)

Marfat.com

فیضان کو خط نستعلیق میں کامل دستگاہ حاصل تھی (تذکرہ حسینی ۲۵۳)، اس کا خط نہایت پاکیزہ تھا (نتائج الافکار ۵۴۴)، اس کا خط خوب شیریں تھا (سفینۂ خوش گو ۶۵، احوال و آثار خوش نویساں ۱/۲۰)

تذکرہ نویسوں نے فیضان کا سال وفات مختلف طور پر درج کیا ہے، خوش گو نے ۱۱۲۴ھ (سفینہ ۶۵)، حارثی (معتمد خان) نے ۱۱۲۸ھ (تاریخ محمدی ۳۵) ۱۱۴۴ھ اور ۱۱۰۴ھ بھی درج ہوئے ہیں (فرہنگ سخنوران ۴۵۸) لیکن ان میں خوشگو کو فیضان سے قریبی تعلقات کی بنا پر ترجیح حاصل ہے، یعنی فیضان کا سالِ وفات ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء صحیح تسلیم کیا جانا چاہیے۔

ماخذ

۱۔ بیانی، مہدی: احوال و آثار خوش نویسان، تہران ۱۳۴۵ ش

۲۔ حارثی، معتمد خان: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی ۱۹۶۰ء

۳۔ حسینی، میر حسین دوست سنبھلی: تذکرہ حسینی، لکھنو ۱۲۹۲ھ

۴۔ خوشگو، بندرا بن داس: سفینۂ خوشگو (دفتر ثالث) مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی، پٹنہ ۱۹۵۹ء

۵۔ گوپاموی، محمد قدرت اللہ: تذکرہ نتائج الافکار، بمبئی ۱۳۳۶ ش

۶۔ سرخوش، محمد افضل: کلمات الشعراء مرتبہ صادق علی دلاوری، لاہور ۱۹۴۲ء

۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ زبان و ادب فارسی، تہران)

Marfat.com

خواجہ ابراہیم حسین، خوش نویس

خواجہ ابراہیم حسین گیارہویں صدی ہجری کے مشہور خطاطین میں سے تھا۔

خواجہ ابراہیم حسین کے اجداد کا تعلق افغانستان کے شمال مغربی بلدۂ بلوط (Balut) سے تھا، مشہور عالم دین اور صوفی بزرگ شیخ عبدالرحمٰن لاہوری بلوطی کے ساتھ اس کی قرابتداری تھی، شیخ بلوطی اپنے زمانہ کے شہرۂ آفاق بزرگ تھے۔ (منتخب التواریخ ۳/ ۲۲۸)

خواجہ ابراہیم حسین، اکبر بادشاہ کے ملازمین میں شامل تھا، فن خوش نویسی میں اُسے کمال حاصل تھا، خصوصاً خطِ نستعلیق کو فن کے کمال تک پہنچایا۔ (مراۃ العالم ۲/ ۴۷۹)

خواجہ ابراہیم حسین فنِ خط میں کاتب الملک سلطان بایزید میر دوری کا شاگرد تھا، ہندوستان میں میر دوری سے بہتر کسی نے خط نستعلیق نہیں لکھا، اُسے اس فن میں مہارت تامہ حاصل تھی (منتخب التواریخ ۳/ ۲۲۷)، میر دوری کی ایک وصلی بخطِ نستعلیق گذشتہ دنوں جناب خلیل الرحمٰن داؤدی (لاہور) کے ہاں دیکھی تھی۔

خواجہ ابراہیم حسین عین عالم جوانی میں فوت ہوگیا، عبدالقادر بدایونی کے دوستوں میں شامل تھا، اس کی وفات پر بدایونی نے موثر قسم کے اشعار لکھے اور وضاحت کی ہے کہ ایک ہی سال میں چند ایام کے فرق سے خواجہ ابراہیم حسین اور خواجہ نظام الدین احمد (مولفِ طبقات اکبری) کا انتقال ہوا۔ (ہمانجا ۳/ ۲۲۸، مراۃ العالم ۲/ ۴۷۹)، مولف طبقات اکبری خواجہ نظام الدین احمد ہروی ۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۴ء میں فوت ہوا (منتخب التواریخ ۲/ ۳۹۷، اکبر نامہ ۳/ ۶۵۵۔۶۵۶)، گویا خواجہ ابراہیم حسین کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

بدایونی نے خواجہ ابراہیم حسین کی وفات پر جو قطعۂ تاریخ لکھا ہے اس سے ۱۰۰۳ھ ہی برآمد ہوتے ہیں، مہدی بیانی (احوال وآثار خوش نویساں ۱/ ۱۷)، محمود علی ماہر (علم الحروف یعنی تحقیقات ماہر ۱۳۸)، احترام الدین احمد شغل (صحیفۂ خوش نویساں ۷۷) نے اعداد کا حساب کئے بغیر ہی اس قطعہ سے سال

Marfat.com

وفات ۱۰۰۱ھ لکھ دیا ہے، اور منتخب التواریخ کے مترجم ولیزلی، ہیگ (Wolseley Haig) تو مادۂ تاریخ صحیح طور پر پڑھ ہی نہیں سکا اور اس نے اس سے ۹۹۷ھ اخذ کر لیا ہے۔

(منتخب التواریخ ۳/۳۱۸ انگریزی ترجمہ)

ماخذ

۱۔ احمد ہروی، خواجہ نظام الدین: طبقات اکبری مرتبہ بی ڈے، کلکتہ ۱۹۳۱ء

۲۔ بختاور خان: مراۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور ۱۹۷۹ء

۳۔ بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۹ء

۴۔ بیانی، مہدی: احوال وآثار خوش نویسان، تہران ۱۳۴۵ ش

۵۔ شاغل، احترام الدین احمد عثمانی: صحیفہ خوش نویساں، علی گڑھ ۱۹۶۳ء

۶۔ ماہر، محمود علی: علم الحروف یا تحقیقاتِ ماہر، دہلی ۱۹۳۴ء

7- Badauni, Abdul Qadir: Muntakhab ut tawarikh, tran. W.Haig, Karachi, 1978

۳۰/اکتوبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

ابراہیم فارسی، خوش نویس

ابراہیم فارسی گیارہویں صدی ہجری کا ایک خطاط اور شاعر تھا۔

ابراہیم کا وطنِ مالوف شیراز تھا، وہاں سے بتقدیر الٰہی ہجرت کر کے ہندوستان چلا آیا، جو ان دنوں دارالامان کی حیثیت رکھتا تھا، وہ سیاحت کے دوزان بنگال (Bengal) پہنچا، ان دنوں ابراہیم خان فتح جنگ بنگال کا حاکم تھا، جہانگیر نے اپنے چودہویں سال جلوس ۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۹ء میں ابراہیم خان فتح جنگ بن اعتماد الدولہ میرزا غیاث بیگ طہرانی کو بنگال کا گورنر بنایا (توزک جہانگیری، انگریزی ترجمۂ بیورج ۲/ ۹۰، مآثر جہانگیری، ریاض السلاطین ۱۸۱۔۱۹۶)، اسی سال آغاز جوانی میں ابراہیم فارسی شیراز سے آ کر ابراہیم خان فتح جنگ سے متوسل ہوا تھا (میخانہ ۸۹۸) اور فتح جنگ ۱۹ رجلوس جہانگیری (۱۰۳۲ھ/ ۱۶۲۳ء) میں قتل ہوا، قیاس ہے کہ ابراہیم فارسی ۱۰۲۸۔۱۰۳۲ھ یعنی پانچ سال تک فتح جنگ کے ساتھ ہی بنگال میں رہا ہوگا، فتح جنگ کے قتل کے بعد ابراہیم فارسی کہاں گیا اور کس سے متوسل ہوا؟ اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔

(Apparatus of Empire, J. 468, 497, 509, 597, 715, 946, 1092, 1156, 1422)

ابراہیم فارسی طبع آزاد کا مالک تھا، جو کمالات، انسانی سے آراستہ، دردمند اور سخنوری کے فن سے آراستہ تھا، خطِ نسخ کے ساتھ معروف ماہر استادوں کے بعد ابراہیم فارسی اس فن کا ماہر استاد تسلیم کیا جاتا تھا، خطِ نسخ، نستعلیق اور شکستہ لکھنے میں اُسے غایت درجہ کمال حاصل تھا، اس کے خط میں پختگی اور مزہ پایا جاتا تھا، اُسے علم فقہ میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی اور اس پر عمل کرنے میں بھی بہت جدوجہد کرتا تھا، فنِ شعر اور انشا میں بھی وہ اس گروہ کا ممتاز ترین رکن تھا (میخانہ ۸۹۸)، مولفِ میخانہ نے اس کے صرف دو اشعار نقل کئے ہیں۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ جہانگیر، نورالدین، جہانگیر نامہ (توزک جہانگیری) مرتبہ محمد ہاشم، تہران، ۱۳۵۹ ش

۲۔ سلیم، غلام حسین: ریاض السلاطین، کلکتہ ۱۸۹۰ء

۳۔ صمصام الدولہ، شاہنواز خان: مآثر الامراء اردو ترجمہ و تعلیقات محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۸ء

۴۔ عبدالنبی قزوینی: تذکرہ میخانہ مرتبہ احمد گلچیں معانی، تہران ۱۳۶۳ ش

۵۔ کامگار حسینی: مآثر جہانگیری مرتبہ عذرا علوی، بمبئی ۱۹۷۸ء

۶۔ گلچیں معانی، احمد: کاروانِ ہند مشہد ۱۳۶۹ ش

7- Athar Ali: Apparatus of Empire, Dehli, 1985

8- Jahangir, Tuzuk-i-Jahangiri, tran. Beveridge, Lahore, 1974

۳۱/اکتوبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

ابوالبرکات خان، خوش نویس

ابوالبرکات خان بارہویں صدی ہجری کا معروف عہدہ دار، شاعر اور خطاط تھا۔

ابوالبرکات بن محمد کاظم مخاطب بہ عارف خان بن قاضی محمد رفیع بن قاضی عارف کشمیری، کشمیر کا نائب صوبہ دار تھا، اس کا پورا نام مع خطاب اس طرح درج ہے:

میر فیروز الدین نواب ابوالبرکات خان فیروز جنگ متخلص بہ صوفی (تاریخ حسن ۱/۲۸۰)، نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے ۱۷۳۹ء کے دوران محمد شاہ بادشاہ نے کشمیر کی نظامت عنایت اللہ خان دوم (بن عنایت اللہ خان اول) کے سپرد کی، اس نے ابوالبرکات خان کو اپنا نائب بنا کر کشمیر بھیج دیا، اس نے دو تین ماہ تک کشمیر میں نیابت کے فرائض انجام دیئے، پھر مقامی حالات کی خرابی کے باعث عنایت خان ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء کو خود کشمیر پہنچا اور حالات کو قابو میں کرلیا، پھر ابوالبرکات خان کی نیت میں فتور آ گیا اور اس نے کشمیر پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے خانہ جنگی شروع کر دی، ایک دو مقامات پر عنایت خان کو شکست دی اور پونچھ پر قبضہ کر کے مقابلہ کیا اور یہاں کے زمینداروں کو ساتھ ملا کر عنایت اللہ خان سے خوب معرکہ آراء قسم کی جنگ کی، عنایت خان کو شکست ہوئی اور ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۲ء میں ابوالبرکات خان کشمیر کا گورنر بن گیا۔

(تاریخ کشمیر، اعظمی ۲۵۴)

آخر اس نے پونچھ کے زمینداروں اور پنڈت دیا رام کی مدد سے عنایت اللہ خان دوم کو قتل کروا دیا اور خود سارے کشمیر پر متصرف ہو گیا، ہندوستان کی مرکزی حکومت، جو عنایت خان سے کبیدہ خاطر تھی، اس پر تحسین کی اور ابوالبرکات خان کو خطابات سے نوازا۔ (ہمانجا ۲۵۴-۲۵۷)

ابوالبرکات خان بھی زیادہ عرصہ کشمیر کا حاکم نہ رہ سکا اور مرکزی حکومت کی طرف سے ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ کو کشمیر کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا، اسی دوران ببر اللہ خان برلاس (ف ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء)، جسے کشمیر متعین کیا گیا تھا، ابوالبرکات خان کا مخالف ہو گیا اور کشمیر میں کئی قسم کے فسادات کرائے، ابوالبرکات

Marfat.com

خان نے مقابلہ جاری رکھا، ببر اللہ برلاس ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء میں قتل ہو گیا۔

(تاریخ محمدی ۱۳۱۔۱۳۲، تاریخ کشمیر اعظمی ۳۵۸)

اس دوران نثار محمد خان شیر جنگ مرکزی حکومتِ ہند کی طرف سے کشمیر کی نیابت پر مقرر ہوا اور اس نے ایک دو ماہ کشمیر میں بسر کئے پھر بصد حیلہ ابوالبرکات خان کو دہلی بھیجا، جہاں وہ ۲/ ذی قعدہ ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء کو فوت ہو گیا۔ (تاریخ کشمیر ۲۵۸، تاریخ محمدی ۱۳۱)

ابوالبرکات خان فہم و فراست، فطانت اور ادراک کامل رکھتا تھا، اس کی آنکھوں میں حیا اور مروت تھی۔ (ہمانجا ۲۵۸، تاریخ حسن ۲/ ۶۱۷)

ابوالبرکات خان فارسی میں شعر بھی خوب کہتا تھا، اس کا تخلص صوفی تھا (روز روشن ۳۹۸)، تذکرہ نویسوں نے اس کے کلام کو خوب سراہا ہے (تذکرہ شعرای کشمیر ۱/ ۲۱۵۔۲۱۸)، وہ املا اور حسن خط میں بے مثل تھا (تاریخ کشمیر ۲۵۸)، اُسے عربی و فارسی کی انشا پردازی پر مکمل دسترس تھی، وہ درایت خان کی طرز میں خطِ شکستہ میں اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتا تھا، اس کی تحریرات راجہ کنول کشن دیواں راجہ ہمت بہادر گشائین کے محل میں موجود تھیں، خود راجہ کنول کشن نواب ابوالبرکات کا فنِ خط میں شاگرد تھا اور کشمیر میں ہی اس نے فن خط کی مشق کی تھی، راجہ خط شکستہ میں کسی ماہر استاد سے کم نہیں تھا۔ (تذکرہ خوش نویساں ۱۱۴۔۱۱۵)

راجہ نندرام پنڈت منشی بھی فنِ خط میں مہارت رکھتا تھا، اس نے خطِ شکستہ نواب ابوالبرکات کی طرز میں بہت خوبی کے ساتھ لکھا اور نواب حسن رضا خان کے ہاں لکھنو میں منشی کے عہدے پر سرفراز ہوا۔

(ہمانجا ۱۱۶)

Marfat.com

مآخذ

۱۔ اصلح، میرزا: تذکرہ شعرای کشمیر مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی ۱۳۴۶ھ

۲۔ حارثی، معتمد خان: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی ۱۹۶۰ء

۳۔ خوشگو، بندرابن داس: سفینۂ خوشگو، پٹنہ ۱۹۵۹ء

۴۔ شاغل، احترام الدین احمد عثمانی: صحیفۂ خوش نویسان، علی گڑھ ۱۹۶۳ء

۵۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، بھوپال ۱۲۹۷ھ

۶۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خان: مآثر الامراء ترجمہ وتحقیق محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۹ء

۷۔ غلام حسین کھویہامی: تاریخ کشمیر، کشمیر ۱۳۶۰ھ

۸۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرہ خوش نویساں ں، کلکتہ ۱۹۱۰ء

۹۔ فوق، محمد الدین: تاریخ کشمیر، لاہور ۱۹۳۹ء

۱۰۔ محمد اعظم دیدہ مری: تاریخ کشمیر اعظمی، سری نگر، کشمیر ۱۳۵۵ھ

11- Sufi, G.M.O: Kashir, Lahore, 1948

۳ر نومبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

ابوالبقا موسوی، خوش نویس

میرزا ابوالبقا ابرقوی بن شاہ ابوالمعالی بن شاہ ابوالفتح بارہویں صدی ہجری کے خطاطین میں سے تھا۔ میرزا ابوالبقا کے اجداد ابرقو کے سادات میں سے تھے، ان کا شمار اپنے علاقے کے پیشواؤں میں تھا، اس کے دادا شاہ ابوالفتح کی جائیداد و املاک کافی تھی، جس کی سالانہ آمدنی ایک ہزار تومان تک تھی۔

(تذکرۂ نصر آبادی ۱۱۶)

ابوالبقا تحصیل علم کے بعد کتنا عرصہ ابرقو اور اصفہان میں رہا معلوم نہیں ہے، البتہ اتنا واضح ہے کہ وہ تحصیل کمالات کے بعد ہندوستان چلا آیا اور تقرب خان سے وابستہ ہو گیا، تقرب خان حکیم داؤد بن حکیم عنایت اللہ (شاگرد حکیم فخر الدین شیرازی) بن مسیح الزمان الٰہی شیرازی اپنے عہد کا مقتدر طبیب تھا، تقریب خان، شاہ عباس کے دربار سے منسلک تھا اور کمال درجے کی محرمیت حاصل تھی، پھر شاہ عباس کے انتقال اور شاہ صفی کی بدسلوکی کی وجہ سے ہندوستان آ گیا، ۱۷ر جلوس شاہ جہانی ۱۰۵۳ھ/۱۷۴۳ء میں شاہ جہان نے ملازمت دے دی، وہ اپنے طبی تجربات میں کمال رکھتا تھا، یہاں آ کر اتنی ترقی کی کہ بقراط و جالینوس کے ہم پلہ طبیب شمار کیا گیا اور اعلیٰ مناصب تک پہنچا (شاہ جہان نامہ ۲/۴۰۲، ۳/۳۹۵۔۳۹۶)، ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا۔ (مآثر الامراء ۱/۴۸۸)

تقریب خان کے انتقال (۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء) کے بعد ابوالبقا محمد علی خان بن تقرب خان سے منسلک ہو گیا، محمد علی خان، اورنگ زیب کے ملازمین کے زمرہ میں شامل اور دو ہزاری منصب کا ملازم تھا، ۱۰۹۸ھ/ ۱۵۸۶ء میں وفات پائی۔ (ہمانجا ۳/۵۱۹)

ابوالبقاء ایک آزاد منش انسان تھا، اسباب دنیاوی کبھی جمع نہیں کئے تھے، تذکرہ طاہر نصر آبادی کی تالیف (حدود ۱۰۸۳ھ) کے دوران اصفہان واپس چلا گیا، اُس کی ہمشیرہ میرزا محمد تقی بن تقرب خان کی منکوحہ تھی، میرزا نے چاہا کہ ابوالبقا کو اپنے گھر میں ٹھہرا لے لیکن اس کی طبع آزاد نے پسند نہ کیا اور تقرب

Marfat.com

خان کی تعمیر کردہ مسجد کے حجرے میں رہنا شروع کردیا۔(تذکرہ نصر آبادی ۱۱۶)

میرزا ابوالبقا خط نسخ اور نستعلیق میں خوب مہارت رکھتا تھا، یہ خط وہ کوچک، بزرگ، تاجیک اور ترک غرض ہر طرح میں لکھ سکتا تھا، تذکرہ طاہر نصر آبادی کی تالیف حدود ۱۰۸۳ھ سے چند سال قبل ۱۰۸۰ھ/ ۱۶۶۹ء میں وارد ہندوستان ہوا اور اس کی تالیف تک تقرب خان کی بنا کردہ مسجد کے حجرے میں مقیم اور مصروف کار بتایا گیا ہے۔(ہمانجا ۱۱۶)، وہ فارسی میں شعر بھی کہتا تھا، طاہر نصر آبادی نے اس کے تین اشعار نقل کئے ہیں۔(ہمانجا ۱۱۶)

میرزا سنگلاخ نے ابوالبقا موسوی کو امین مشہدی کا شاگرد اور شاہ عباس اول کا درباری خطاط قرار دیا ہے، جو زمان ومکان کے اعتبار سے غلط ہے۔(احوال وآثار خوش نویساں ۱/۲۲)

ابوالبقا موسوی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حسب ذیل تحریریں محفوظ ہیں:

۱۔ منہاج العباد، خطی بکتابت جلی خوش، نیشنل میوزیم، دہلی

۲۔ قطعہ دو دانگ خوش خط مورخ ۱۰۰۶ھ، مملوکہ حاج حسین نخجوانی، تبریز

۳۔ قطعہ بقلم دو دانگ، کتابخانہ بوڈلین، آکسفورڈ، انگلستان

۴۔ قطعہ بقلم دو دانگ، در یک مجموعہ، تہران

۵۔ چہار قطعہ بقلمہای، دانگ و دو دانگ...... یک قطعہ بدیں طور:

بدارالخلافه شاه جهان آباد ابوالبقأ الموسوی......

الفقیر الحقیر المذنب الراجی ابوالبقاء الموسوی الابرقوی......

(احوال وآثار خوش نویساں ۱/۲۳۔۲۴)

قطعہ نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالبقاء موسوی کا دارالخلافہ شاہ جہان آباد (دہلی) میں قیام رہا ہے۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ اصفہانی، میرزا حبیب، تذکرہ خط وخطاطان ترجمہ رحیم چاوش اکبری، تہران، مستوفی ۱۳۶۹ ش

۲۔ بیانی، مہدی: احوال وآثار خوش نویسان، تہران، دانشگاہ ۱۳۴۵ ش

۳۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خان: مآثر الامراء ترجمہ وتعلیقات محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۷۰ء

۴۔ طاہر نصر آبادی: تذکرۂ نصر آبادی مرتبہ وحید دستگردی، تہران، فروغی ۱۳۶۱ ش

۵۔ فیروز منصوری: فہرست اسامی وآثار خوش نویسان...... ونقد وبررسی گلستانِ ہند، تہران ۱۳۶۶ ش

۶۔ قمی، قاضی میر احمد: گلستان ہنر بتصحیح احمد سہیلی خوانساری، تہران ۱۳۵۲ ش

۷۔ گلچیں معانی، احمد: کاروانِ ہند، مشہد ۱۳۶۹ ش

۸۔ مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی: تحفۃ الخطاطین استانبول ۱۹۲۸ء

۹۔ مصطفیٰ عالی آفندی: مناقب ہزوران ترجمہ توفیق سبحانی، تہران ۱۳۶۹ ش

۱۰۔ مودب السلطان، الحمد خان: پیدائش خط وخطاطان، تہران ۱۳۴۶ ش

۲ رنومبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

حافظ ابراہیم، خوش نویس

حافظ ابراہیم بارہویں صدی ہجری کے نامور خوش نویس، اور فن نستعلیق کے ماہر خطاط واستاد تھے۔
حافظ ابراہیم خوش نویسوں کے ایسے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، جن کی شہرت پاکستان و ہند سے باہر بھی تھی، حافظ ابراہیم کے والد حافظ نوراللہ عبدالرشید دیلمی (وفات حدود ۱۰۸۱ھ/ ۱۶۷۰ء) کے حوزۂ فن سے وابستہ تھے لیکن ان کے براہِ راست شاگرد نہیں تھے، رشید کی روش میں لکھنے میں کمال رکھتے تھے، نواب آصف الدولہ (۱۷۷۵۔۱۷۹۵ء) کے دربار سے وابستہ تھے، نواب کے لئے ہفت بند کاشی مسحور کن خط و انداز میں لکھی تھی (تذکرہ خوش نویسان ۶۴) اور دفترِ انشا کے افسر تھے۔ (تحقیقاتِ ماہر ۱۲۸)
حافظ نوراللہ ولایت سے وارد لکھنو ہوئے تھے (گذشتہ لکھنو ۲۱۲)، جہاں حکومتِ اودھ کی سرپرستی نے عبدالرشید دیلمی کے مکتبِ خوش نویسی کو پنپنے کے مواقع فراہم کئے، چنانچہ حافظ نوراللہ کے شاگردوں حافظ ابراہیم (فرزندِ خود)، منشی سرب سنگھ، میاں وجیہ اللہ اور محمد عباس وغیرہ نے لکھنو میں خوش نویسی کے فن کو خوب جلا بخشی۔ (ہمانجا ۲۱۵، تحقیقاتِ ماہر ۱۲۸)
حافظ نوراللہ کے فرزند، شاگرد اور جانشین حافظ ابراہیم تھے، انہوں نے فنِ خطاطی میں اپنے والد کی اتنی اتباع کی تھی کہ باپ اور بیٹے کے خط کے مابین فرق باقی نہیں رہا تھا، اس امر کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار نواب سعادت علی خان (۱۷۹۸۔۱۸۱۴ء) والیٔ اودھ نے حافظ نوراللہ سے گلستان لکھنے کی فرمائش کی، انہوں نے لکھنا شروع کر دیا لیکن اس کے صرف سات ابواب ہی لکھے تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا، جب ان کے بیٹے حافظ ابراہیم دربار میں حاضر ہوئے تو نواب نے دریافت کیا کہ میں نے حافظ صاحب سے گلستان لکھنے کے لئے کہا تھا، اس کا کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے والد اس کے سات باب لکھ سکے تھے، آٹھواں باب میں لکھ کر کتاب پیش کر دوں گا (گذشتہ لکھنو ۲۱۴۔۲۱۵)، جب حافظ ابراہیم نے گلستان کا مکمل نسخہ پیش کیا تو مبصرین بھی دونوں کے خط میں فرق کرنے سے قاصر تھے۔ (صحیفۂ خوش نویساں ۷۶)

Marfat.com

حافظ ابراہیم نامور خوش نویس تھے اور اس فن میں مجتہد کے درجے کو پہنچ چکے تھے، انہوں نے خط نستعلیق میں اپنے والد سے جداگانہ طرز ایجاد کیا یعنی بیضاوی دائروں کو کچھ گول کر کے آفتابی دوائر کے قریب پہنچادیا مگر مکمل طور پر آفتابی نہیں ہونے دیا، یہ ترمیم عام طور پر پسند کی گئی اور اکثر خوش نویسوں نے اس کا اتباع کیا۔ (گذشتہ لکھنو ۲۱۵، تحقیقاتِ ماہر ۱۲۹، صحیفۂ خوش نویساں ۷۶)

حافظ ابراہیم کے ممتاز شاگردوں میں ان کے فرزند حافظ سعدالدین [جن کی وصلیاں مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں ہیں] (صحیفۂ خوش نویساں ۱۱۱)، منشی نظر حمید، منشی عبدالمجید، پنڈت منشی منشارام کشمیری، منشی تجمل حسین خان بن تفضل حسین خان (ف ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء) اور منشی محمد ہادی علی اپنے فن میں کامل استاد گذرے ہیں۔

(تذکرہ خوش نویساں ۱۱۱، گذشتہ لکھنو ۲۱۵۔۲۱۶، تحقیقات ماہر ۱۲۹، صحیفۂ خوش نویساں ۷۶ا،

Elliot: History of India, Vol.viii, p413)

ان میں ہادی علی طغرا نگار بھی تھے، جن کے مشہور شاگرد شمس الدین اعجاز رقم نے بہت شہرت پائی۔

(صحیفۂ خوش نویساں ۷۶، تحقیقات ماہر ۱۲۹۔۱۳۰)

Marfat.com

حافظ ابراہیم، خوش نویس

حافظ ابراہیم بارہویں صدی ہجری کے خوش نویسوں میں سے تھے۔

حافظ ابراہیم کا قیام دہلی میں تھا اور ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی (۱۲۲۱۔۱۲۵۳ھ/ ۱۸۰۶۔۱۸۳۷ء) اور بہادر شاہ ثانی (۱۲۵۳۔۱۲۵۷ھ/ ۱۸۳۷۔۱۸۴۱ء) کے دربار سے توسل تھا، بادشاہ کے بیٹوں کے استاد تھے، نہایت خلیق، متورع اور متقی تھے، خوش نویسی کے فن میں ماہر تھے، خط نستعلیق اور نسخ بہت خوب لکھتے تھے، گویا اکبر شاہ ثانی کے درباری خوش نویس تھے۔

(تذکرۂ خوش نویساں ۶۸، احوال وآثارِ خوش نویساں ۱/ ۷)

حافظ ابراہیم کا نوشتہ ایک قطعہ بخط نستعلیق دو دانگ کتابت متوسط دہلی میوزیم (نیشنل میوزیم، دہلی) میں ہے، جس کا عکس فہرستِ مخطوطات دہلی میوزیم مرتبہ ظفر حسن میں طبع ہو چکا ہے۔

(صحیفۂ خوش نویساں ۷۶، احوال وآثار خوش نویساں ۱/ ۷)

مآخذ

۱۔ شاغل، احترام الدین احمد عثمانی: صحیفۂ خوش نویساں، علی گڑھ ۱۹۶۳ء

۲۔ شرر، عبدالحلیم، گذشتہ لکھنو، کراچی ۱۹۵۶ء

۳۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرۂ خوش نویساں، کلکتہ، ۱۹۱۰ء

۴۔ ماہر، محمود علی خان: علم الحرف یا تحقیقات ماہر، دہلی ۱۹۳۴ء

۵۔ محمد عمر: اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت، دہلی ۱۹۷۳ء

6- Elliot: History of India as tdd by its own Historians, Lahore, 1980

۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ، تہران)

Marfat.com

سلاطین و امراء

Marfat.com

Marfat.com

آرام شاہ

سلطان قطب الدین ایبک کی وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء کے بعد آرام شاہ کو عارضی طور پر اس کا جانشین بنایا گیا، قطب الدین ایبک کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی (تاریخ جہاں کشائی ۲/۶۱)، اگرچہ اس میں مورخین کا اختلاف بھی ہے، طبقاتِ ناصری کے ایک غیر معتبر نسخے میں آرام شاہ کے نام کے ساتھ عنوان میں ''بن ایبک'' لکھا گیا ہے، جسے بعد کے مورخین نے بلا تحقیق اپنا لیا۔

آرام شاہ ایسی شخصیت تھی، جس کا انتظامی معاملات میں اس سے پہلے کبھی کتب تاریخ میں ذکر نہیں ہوا تھا، لیکن مسلمانوں کی اس نوزائدہ سلطنت کو انتشار سے بچانے کے لئے ترک سرداروں نے فوری تخت نشینی کے لئے اس کا انتخاب کیا کیوں کہ اسے خالی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا، حالانکہ سلطان ایبک کے دو داماد ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین التتمش بھی موجود اور دور دراز حصوں میں مصروفِ کار تھے، جنہوں نے جلد ہی آرام شاہ کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے حق دار سلطنت ہونے کا دعویٰ کیا، قباچہ نے بڑھ کر اوچ، ملتان، بھکر اور سیون پر قبضہ کر لیا (طبقاتِ ناصری ۱/ ۴۱۸، تاریخ فرشتہ ۱/۶۴)، دیگر ترک امراء نے بھی بغاوت کر دی۔ (فرشتہ ۱/۶۴)

اس موقع پر امیر اسماعیل نے جو کہ سپہ سالار تھا، اہم قدم اٹھایا اور ترک امراء کو ساتھ ملا کر بدایوں کے گورنر اور ایبک کے داماد شمس الدین التتمش کو فوری طور پر دہلی بلایا اور تخت پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیا، اس نے ایسا ہی کیا، اس کی حکومت کے لئے خدمات پہلے ہی کافی مقبول تھیں، سلطان ایبک اس سے بہت خوش تھا اور اُسے بیٹا کہہ کر پکارا کرتا تھا، جب دہلی آ کر اس نے حکومت سنبھالی تو اُسے کسی بھی سخت مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا، یہی مستقبل میں سلطنت دہلی کا کامیاب ترین سلطان ہوا۔

اگرچہ آرام شاہ نے انبالہ میں ایک بڑی فوج تیار کی اور اپنی سلطنت بچانے کے لئے التتمش سے جنگ کی، لیکن شکست کھائی، آرام شاہ خود بھی گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

آرام شاہ کے عہد میں، جو تقریباً آٹھ ماہ تھا، کوئی بھی قابل ذکر انتظامی کام نہیں ہو سکا، اسے ہم صرف

Marfat.com

تخت نشینی کے لئے اختلافات اور ایک عبوری حکومت کا درجہ دے سکتے ہیں، اس کے عہد کا کوئی سکہ تک دریافت نہیں ہوا، اس سلسلے میں تھومس (E.Thomas) اور ڈیمس (Damas) نے بہرام شاہ اور ایلتتمش کے سکوں کو آرام شاہ سے منسوب کر دیا، جن کی غلط فہمیوں کا ازالہ نیلسن رائٹ نے بطریق احسن کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

(The Coinage and Metrology of Sultans of Dehli, p.69.

مآخذ

۱۔ جوینی، علاؤالدین عطاء ملک: تاریخ جہاں کشای مرتبہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی، بریل ۱۹۱۶ء

۲۔ منہاج سراج، قاضی: طبقات ناصری مرتبہ عبدالحی حبیبی، کابل ۶۴۔۱۹۶۳ء

۳۔ نظام الدین احمد: طبقات اکبری مرتبہ بی ڈے، کلکتہ ۱۹۳۵ء

۴۔ فرشتہ، ابوالقاسم: تاریخ فرشتہ، مطبع نولکشور ۱۲۸۱ھ

۵۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی ۱۹۵۸ء

6- Habibullah, H.B.M: Foundation of Muslim rule in India, Allahabad, 1976.

7- Srivastava, A,K: Life and times of Kutbul-Din Aibak, Gorakhpur, 1982.

8- Wright, Nelsom, H: Coinage and Metrology of the Sultans of Dehli, Dehli, 1936.

9- M.Habib, K.A. Nizami (ed): Comprehensive History of India, Vol.v, Dehli, 1982.

۸/اگست ۱۹۹۵ء

(برائے دانشنامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ)

Marfat.com

حسن، شاہ ارغون

شاہ حسن ارغون دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے حاکمان سندھ میں سے تھا۔

حکمران خانوادوں میں سے ارغوان خاندان اپنا نسب چنگیز خان سے ملاتے ہیں، ارغون خان بن اباقا خان نے خراسان کی ٦٨٢ھ/١٢٨٣ء میں حکومت سنبھالی اور ٦٩١ھ/١٢٩٣ء کو انتقال کیا۔

(مجمع الانساب ٢٦٥۔٢٦٦)

اس خاندان کے افراد میں سے امیر ذوالنون بن امیر حسن بصری کو سلطان حسین میرزا بایقرا (٨٧٥۔٩١٢ھ/ ١٤٧٠۔١٥٠٦ء) نے پہلے تو ٨٨٤ھ/ ١٤٧٩ء) میں قندھار کا صوبہ دار بنایا، پھر اُسے وہاں کا حاکم مقرر کیا، اس کے ٩١٣ھ/ ١٥٠٧ء کو فوت ہونے پر اس کا بیٹا شاہ بیگ ارغون قندھار کا حکمران بنا، اس وقت افغانستان اور اطراف کے سیاسی حالات بہت ابتر تھے، ایک طرف شاہ اسماعیل صفوی (٩٠٧۔٩٣٠ھ/ ١٥٠١۔١٥٢٤ء) نے حملہ کر دیا، جس میں ٩١٥ھ/ ١٥١٠ء کو سلطان محمد خان شیبانی (٩٠٦۔٩١٥ھ/١٥٠٠۔١٥١٠ء) مارا گیا، دوسری طرف ظہیر الدین محمد بابر نے پہلے ٩١٩ھ/١٥١٣ء کو قندھار فتح کرنے کا پروگرام بنایا، پھر ٩٢١ھ/ ١٥١٥ء میں کابل سے آ کر قندھار کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ کی طوالت سے فوج میں وبا پڑنے سے واپس چلا گیا، اسی سال شاہ بیگ ارغون کا فرزند شاہ حسن ارغون اپنے والد سے ناراض ہو کر بابر کے پاس چلا گیا اور دو تین سال بابر کے ساتھ ہی رہا، اگلے سال ٩٢٢ھ کو بابر نے پھر قندھار کا محاصرہ کیا تو شاہ بیگ نے صلح کر لی۔ (ترخان نامہ ٦۔١٧)

ان حالات میں شاہ بیگ نے اس سے قبل ہی حدود ٩١٧ھ/ ١٥١١ء میں پہلے سیوی (Siwi) یعنی سبی (Sibi) اور پھر شال (Shal) مضافات سندھ فتح کر لئے تھے اور خود شال میں مقیم رہا۔ (تاریخ معصومی ١٠٤، ترخان نامہ ١٣)، شاہ بیگ نے سیوی وشال میں سخت محنت کی اور ٩٢٤ھ/ ١٥١٨ء کو سندھ کی فتح کے ارادے سے ابتدائی مہمات میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی، پھر ٩٢٦ھ/ ١٥٢٠ء میں جام فیروز (Jam Feroz) اور

Marfat.com

دریا خان کے ساتھ ایک نہایت خونریز معرکہ کے بعد ٹھٹھہ (Thatha) پر شاہ بیگ ارغون کا قبضہ ہو گیا، سندھ ہی میں شعبان ۹۲۸ھ/۱۵۲۲ء کو اس کا انتقال ہوا۔ (ترخان نامہ ۱۸۔۲۳)

شاہ بیگ کی وفات کے بعد اس کا فرزند میرزا شاہ حسن ارغون سندھ میں جانشین بنا، اس نے اپنے مقبوضات میں بابر بادشاہ کے نام خطبہ جاری کیا (ایضاً ۲۴، تاریخ معصومی ۱۴۲) شاہ بیگ کی وفات کے بعد سندھ کے حکمرانوں نے شاہ حسن کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جس پر اس نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا، حاکم جام فیروز نے شکست کے خوف سے راہِ فرار اختیار کی اور ٹھٹھہ شاہ حسن کے حوالہ کر دیا۔ (تاریخ معصومی ۱۴۱۔۱۴۴)

اس کے بعد شاہ حسن ارغون باغیوں کی تادیب میں مصروف رہا ۹۲۸ھ/۱۵۲۲ء تک یہ کاروایاں جاری تھیں کہ اس نے ملتان کے حالات کا جائزہ لیا اور ۹۳۱ھ/ ۱۵۲۵ء کو ملتان کے لنگاہوں (Langahs) کے خلاف صف آراء ہوا، بے شمار انسان قتل ہوئے، ملتان کا حاکم سلطان محمود لنگاہ نے شدید مزاحمت کی اور پھر اوچ میں محصور ہو کر مقابلہ کیا لیکن ناکام رہا، تسخیر ملتان کا یہ عمل ایک سال تک طوالت اختیار کر گیا، اہل ملتان پر قیامت ٹوٹ پڑی، ۱۱ ربیع الثانی ۹۳۳ھ/ ۱۵۲۷ء کے یہ واقعات عرصہ دراز تک ملتان کے عوام کو یاد رہے، شاہ حسن اس کے بعد بھکر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے ٹھٹھہ کی راہ لی، اس سے قبل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کے میدان میں بابر بادشاہ، ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان کی مرکزی حکومت پر قابض ہو چکا تھا، اس لئے شاہ حسن ارغون نے ملتان از خود بابر کے حوالہ کر دیا، جس نے اپنے فرزند میرزا محمد کامران کو ملتان کا والی مقرر کیا (تاریخ معصومی ۱۶۰)، بابر کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار رہے لیکن بابر کی وفات (۹۳۷ھ/ ۱۵۳۰ء) کے بعد اس کے جانشین فرزند نصیر الدین ہمایوں (حکومۃ اول ۹۳۷ھ۔۹۴۷ھ/ ۱۵۳۰۔ ۱۵۴۰ء، دوم ۹۶۲۔۹۶۳ھ/ ۱۵۵۵۔۱۵۵۶ء) کو جب شیر شاہ سوری سے ۹۴۶ھ/۱۵۴۰ء میں شکست ہوئی تو وہ پناہ ڈھونڈتا ہوا شاہ حسن ارغون کے علاقوں میں گیا لیکن اس نے ٹال مٹول کی، ہمایوں تقریباً چار سال تک اِدھر اُدھر پھرتا رہا پھر اس کی مدد سے ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء کو اُسے قندھار تک جانے کے لئے راستہ مل گیا، جہاں سے ہمایوں ایران جانے میں کامیاب ہوا، اسی دوران ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء کو میرزا کامران قندھار سے آیا

Marfat.com

اور شاہ حسن سے اس کی دختر (ماہ چوچک بیگم) سے نکاح کی خواہش کی، جسے قبول کرلیا گیا (تاریخ معصومی ۱۶۵۔۱۸۱، ترخان نامہ ۳۲۔۳۸)، اس کے بعد میرزا کامران حج کے ارادہ سے حرمین الشریفین چلا گیا، جہاں مکہ مکرمہ میں ۹۶۴ھ/ ۱۵۵۷ء کو اس کا انتقال ہوگیا، اس کے سات ماہ بعد چوچک بیگم بھی وہیں انتقال کرگئیں۔ (تاریخ معصومی ۱۸۳)

لیکن اس سے پہلے میرزا شاہ حسن ارغون نے ۱۲ربیع الاول ۹۶۲ھ/ ۴رفروری ۱۵۵۵ء کو قصبہ علی پوترہ (Ali Potrah) میں وفات پائی، جو ٹھٹھہ کے قریب ہے (تاریخ معصومی ۱۹۲، مآثر رحیمی ۲/ ۳۱۷، تحفۃ الکرام ۳/ ۱۲۹)، اُسے اماناً ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان کوہِ مکلی میں سپرد خاک کیا گیا لیکن دو سال کے بعد وہاں سے اس کی نعش نکال کر مکہ مکرمہ روانہ کی گئی، جہاں اُسے اس کے والد شاہ بیگ مرزا کے پہلو میں دفن کیا گیا، جس پر ایک عمارت بھی بنائی گئی (تاریخ معصومی ۱۹۴)، شاہ حسن ارغون کا نام بعض کتب تاریخ میں شاہ حسین درج ہے لیکن صحیح شاہ حسن ہی ہے، اس کے سال و تاریخ وفات میں مورخین کا اختلاف ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے:

(Siddiqi, M.H: History of Arghuns and Tarkhans of Sindh, pp.247.48.

شاہ حسن ارغون کو بچپن سے حصول علم کا شوق تھا، اس نے مروجہ علوم میں مہارت حاصل کی، اس کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے اسباق بزبان فارسی میر معصومی نامی نے دیکھے تھے، وہ خود فارسی کا شاعر تھا، اس کے بعض اشعار میر نامی مذکور کے پاس تھے (تاریخ معصومی ۱۹۵)، اس کا تخلص ''سپاہی'' تھا، وہ تمام معاملات میں شریعت اسلامی کی طرف رجوع کرتا تھا، علماء و مشائخ کا بے حد ادب و احترام کرتا اور انہیں وظائف دیتا تھا (ایضاً ۱۹۵)، سلطان محمد فخری ہروی نے سلاطین شعراء فارسی کا تذکرہ ''روضۃ السلاطین'' سندھ میں اس کے حین حیات ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء کو تالیف کیا تو اس میں شاہ حسن ارغون سپاہی کے بہت سے اشعار نقل کئے (روضۃ السلاطین ۱۰۱۔۱۰۸)، اس تذکرہ کے مرتب سید حسام الدین راشدی نے اس کے تعلیقات میں شاہ حسن ارغون کے مزید اشعار مختلف تذکروں سے یکجا کردیئے ہیں۔ (ص ۲۸۲۔۲۸۶)

Marfat.com

شاہ حسن کی مجالس شعر و ادب بہت پر رونق ہوتی تھیں، نامی گرامی شعراء اس سے وابستہ تھے، شاہ جہانگیر ہاشمی نے مثنوی مظہر الآثار اُسی کے نام معنون کی تھی، حیدر کلوچ ہروی نے اس کی مدح میں کئی قصائد کہے تھے (روضۃ السلاطین، تعلیقات ۲۸۴۔۲۸۵)، خراسان سے کتابوں کے تحائف اس کے دربار میں آتے تھے، سلطان شاہ حسین بایقرا کا دیوان جب شاہ حسن ارغون کی مجلس علمی میں لایا گیا تو وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

شاہ حسن کا والد شاہ بیگ ارغون بھی شاعر تھا اور ''نفسی'' تخلص کرتا تھا (روضۃ السلاطین، مقدمہ راشدی ۵۲)، سام میرزا اصفوی نے تذکرہ تحفۂ سامی شاہ، حسن ارغون کی زندگی میں تالیف کیا تھا، اس نے لکھا ہے کہ شاہ حسن مصور بھی تھا (تحفۂ سامی ۳۰)، مشہور شاعر اور تذکرہ نویس سلطان محمد فخری ہروی شاہ حسن ارغون کی علم پروری کی شہرت سن کر سندھ آیا اور اس کے دربار سے وابستہ ہو گیا، اس نے شاہ حسن کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے اور صنائع الحسن (تالیف بعد ۹۵۸ھ) لکھ کر شاہ حسن کے نام معنون کی، اور اس میں کئی قصائد شاہ حسن کی مدح میں تحریر کئے، جس سے دونوں کے تعلقات کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

اس کتاب کے تین خطی نسخے ہیں، دو کتابخانہ بوڈلین، آکسفورڈ میں اور تیسرا بانکی پور، پٹنہ، ہندوستان میں، سید حسام الدین راشدی نے اس کتاب کا مفصل تعارف کرواتے ہوئے وہ تمام قصائد یکجا کر دیئے ہیں۔

(روضۃ السلاطین، مقدمہ ۵۸۔۶۶)

فخری ہروی سولہ سال تک سندھ میں شاہ حسن سے وابستہ رہا، اس دوران وہ شاہ حسن کی ذی علم اور شعر و ادب کی دلدادہ بیوی حاجن ماہ بیگم سے بھی ملتا رہتا تھا، جو اپنے شوہر کی وفات ۹۶۲ھ کے بعد عدت پوری کر کے اس کے جانشین میرزا عیسیٰ (۹۶۲۔۹۷۳ھ) ترخان کے عقد میں آ گئی تھی، کے نام بھی فارسی شاعرات کا ایک اہم تذکرہ ''جواہر العجائب'' معنون کیا، یہ تذکرہ شعبان ۹۶۲ھ میں تالیف ہوا، راشدی نے اس کے مقدمہ (۶۶۔۷۴) میں ماہ بیگم (ماہم بیگم) کے لئے اس کی تالیف کے شواہد جمع کئے ہیں۔

Marfat.com

مآخذ

۱۔ ادراکی بیگلاری: بیگلارنامہ مرتبہ نبی بخش بلوچ، حیدرآباد، سندھ، سندھی ادبی بورڈ ۱۴۰۰ھ

۲۔ حبیبی، عبدالحی: ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ، کابل، ۱۳۵۱ ش

۳۔ ایضاً: تاریخ افغانستان درعصر گورگانی ہند، کابل ۱۳۴۱ ش

۴۔ راشدی، حسام الدین: میرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب، کراچی، ۱۹۷۰ء

۵۔ سام میرزا صفوی: تذکرۂ تحفۂ سامی مرتبہ رکن الدین ہمایوں ھمانفرخ، تہران، علمی، (س۔ن)

۶۔ شبانکارہ ای، محمد بن علی: مجمع الانساب مرتبہ میر ہاشم محدث، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۳ ش

۷۔ عبدالباقی نہاوندی: مآثر رحیمی مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۱۰۔۱۹۳۱ء

۸۔ فخری، سلطان محمد ہروی: روضۃ السلاطین مرتبہ سید حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۶۸ء

۹۔ ایضاً: جواہر العجائب (مع دیوان فخری) مرتبہ سید حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۶۸ء

۱۰۔ قانع، میر علی شیر تتوی: تحفۃ الکرام جلد سوم مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۷۱ء

۱۱۔ ایضاً: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۵۷ء

۱۲۔ محمد بن جلال تتوی، میر: ترخان نامہ مرتبہ سید حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۶۵ء

۱۳۔ محمد بن بایزید پورانی، میر: نصرت نامۂ ترخان مرتبہ انصار زاہد خان، کراچی، ۲۰۰۰ء

۱۴۔ نامی، میر محمد معصوم بھکری: تاریخ معصومی (تاریخ سندھ) مرتبہ عمر بن محمد داؤد پوتہ، تہران، ۱۳۸۲ ش

۱۵۔ نسیانی، سید طاہر محمد تتوی: تاریخ طاہری مرتبہ نبی بخش خان بلوچ، حیدرآباد، سندھ ۱۹۶۴ء

۱۶۔ نمکین، یوسف میرک بھکری: تاریخ مظہر شاہ جہانی مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۶۲ء

17- Siddiqi, M.H: History of the Arghuns and Tarkhans of Sindh, Institate of Sindhology, Univeristy of Sindh, Hyderabad, 1972.

۲۳/اکتوبر ۲۰۰۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

ابراہیم بَرید شاہ

دکن کی بہمنی حکومت کے زوال کے بعد بیدر (محل وقوع اور تفصیل کے لئے دیکھئے: شروانی: ''بیدر'' مقالہ دائرۂ معارف اسلامیہ، لاہور) میں برید شاہی حکومت قائم ہوئی، اس سلسلۂ سلاطین میں چوتھے حکمران کا نام ابراہیم برید شاہ تھا، جس نے اپنے والد علی برید کی وفات ۹۹۰ھ/۱۵۶۲ء کے بعد جانشین کی حیثیت سے حکومت سنبھالی اور صرف سات سال حکمران رہ کر ۹۹۷ھ/ ۱۵۶۹ء میں فوت ہوگیا۔
(فرشتہ: تاریخ فرشتہ ۲/ ۱۷۷)

برید شاہی سلسلۂ حکومت کا بانی قاسم برید، جو ترک کرجی [کرج، اصفہان اور ہمدان کے مابین ایک بلدہ ہے، وہاں کے باشندے کرجی کہلاتے تھے (سمعانی: الانساب ۱۱/ ۶۶ و بہ بعد)] غلام تھا اور اسے خواجہ شہاب الدین یزدی دکن میں لایا تھا، جسے محمد ثالث (۱۴۶۳۔۱۴۸۲ء) نے خرید لیا (فرشتہ ۲/ ۱۷۷)، قاسم برید غیر معمولی قابلیت کا مالک، فن خطاطی اور موسیقی کا ماہر تھا، بہمنیوں کے زوال کے بعد اس نے بیدر میں اپنی آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی، جو آہستہ آہستہ وسیع ہوتی گئی۔

(بہمنی اور قطب شاہی سلطنتوں کے ساتھ اس کے معاملات کے لئے دیکھئے: برہان مآثر ۱۴۱۔۱۴۵،
Sherwani, Behmanis of Deccan, pp.250,52,57,59-60,63,
Sherwani: History of Qutab Shahi, Dynasty,
pp.4,6,9,11-12,58....)

قاسم برید ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا امیر برید جانشین بنا اور ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء تک حکومت کی، اس کی وفات کے بعد علی برید اس سلسلے کا حکمران بنا، جو ادب اور دیگر فنون لطیفہ کا بہت ہی دلدادہ تھا، اس نے طویل عرصہ تک حکومت کی، اس کی وفات ۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء کے بعد برید شاہی حکومت کو زوال آنا شروع ہوگیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان حکمرانوں کی حکومت ختم ہوتی رہی چنانچہ علی برید مذکور کے بعد

Marfat.com

اس کا بیٹا ابراہیم برید شاہ سات سال، پھر قاسم ثانی اور اس کے بعد اس کا نومولود فرزند مرزا علی برید، پھر امیر برید شاہ ثانی اور اس کے بعد مرزا ولی برید شاہ جانشین بنا، جو اس سلسلہ کا آخری حکمران تھا، یہ حکومت ۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۹ء میں ختم ہوگئی۔

ابراہیم برید شاہ کا مقبرہ اس کے والد علی برید کے مقبرے کے قریب ہی بیدر میں واقع ہے، جو نامکمل رہ گیا تھا، آرائش میں ہندو طرز تعمیر کا عکس جھلکتا ہے (غلام یزدانی: بیدر ۱۶۰۔۱۶۱)

ابراہیم برید کے عہد کا نہ تو کوئی جداگانہ سکہ ہی ملا ہے اور نہ اس کی علمی سرپرستی کا ہمیں علم ہے، نور محمد اکیلوی کو بریدشاہی دور کے کچھ سکے بھی ملے ہیں۔ (خدا بخش لائبریری، جرنل ۷۵۔۷۷، ص ۱)

مآخذ

۱۔ سمعانی، عبدالکریم: الانساب، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن ۱۹۸۰ء

۲۔ یاقوت حموی: معجم البلدان، بیروت

۳۔ سیوطی، جلال الدین: لب اللباب، بیروت ۱۹۹۱ء

۴۔ علی طباطبا: برہان مآثر، دکن ۱۹۳۶ء

۵۔ فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ

۶۔ نظام الدین احمد شیرازی: حدیقۃ السلاطین، طبع علی اصغر بلگرامی، حیدرآباد، دکن ۱۹۶۱ء

۷۔ ابراہیم زبیری: بساتین السلاطین، دکن ۱۳۱۰ھ

۸۔ عبدالجبار ملکاپوری: محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، حیدرآباد، دکن ۱۳۲۸ھ

۹۔ علی اصغر بلگرامی: مآثر دکن، حیدرآباد ۱۹۲۲ء

۱۰۔ محی الدین قادری زور: اردو شہ پارے، جلد اول، دکن ۱۹۲۹ء

۱۱۔ ایضاً: دکنی ادب کی تاریخ، کراچی ۱۹۶۰ء

۱۲۔ جالبی، جمیل: تاریخ ادب اردو، لاہور ۱۹۸۴ء

Marfat.com

13- Yazdani, G: Bidar, its History and Menuments, Oxford, 1947.

14- Sherwani, H.K: the Bahmanis of the Deccan, Dehli, 1985.

15- Ibid: History of the Qutab Shahi Dynasty, Hyderabad, Deccan, 1974.

16- Sinha, S.K: Medieval History of the Deccan, Hyderabad, Deccan, 1968.

17- Enaycloрaedia of Islam, New ed.

جنوری ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

ابراہیم قلی قطب شاہ

ابراہیم قلی، سلطان قلی قطب الملک (۹۲۴۔۹۵۰ھ/ ۱۵۱۸۔۱۵۴۳ء) گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت کے بانی کا بیٹا تھا، اس نے اکتیس سال حکمرانی کی، اس کا عہد اہل علم کی سرپرستی اور تعمیرات کے لئے بھی مشہور ہے۔

ابراہیم قلی ۹۳۶ھ/ ۱۵۳۰ء میں پیدا ہوا، صرف ۱۴ر سال کا تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا، یہ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا، اپنے بے رحم بھائی جمشید قلی کے خوف سے وجیانگر میں پناہ لی، جہاں سات سال تک وہ جلاوطن رہا، جمشید کی موت کے بعد وہ گولکنڈہ پہنچا تو ہر طبقے کے افراد نے اُسے خوش آمدید کہا اور ۹۵۷ھ/ ۱۵۵۰ء میں باقاعدہ تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔

اس نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ملک سے مفسدوں اور ڈاکوؤں کا خاتمہ کر دیا، تلنگ، جو کہ راہزنوں کی پناہ گاہ تھا محفوظ بنا دیا (برہان مآثر ص ۵۲۸، تاریخ فرشتہ ۲/ ۱۷۰)، اس نے ریاست احمد نگر کے ساتھ معاہدہ کر کے مشترکہ طور پر مزید فتوحات کیں، ۱۵۵۷ء میں انہوں نے بہت بڑی فوج کے ساتھ گلبرگہ پر حملہ کیا، اس کے عہد کی جنگ بانی ہٹی (۱۵۶۵ء) ایک قابل ذکر واقعہ ہے، جسے نہ صرف ابراہیم قلی کے عہد کا اہم واقعہ قرار دیا گیا ہے بلکہ پورے ساؤتھ انڈیا میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے، پروفیسر ایچ کے شروانی نے اس جنگ کی جزوی تفصیلات بطریق احسن بیان کی ہیں۔

(ہسٹری آف قطب شاہی ڈائی نیسٹی ۱۵۶۔۱۳۷)

۱۵۶۵۔۱۵۸۰ء تک اس نے سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں ۱۵۶۵ء میں وجیانگر، پھر اڑیسہ اور برار وغیرہ کے محاصرے بھی ہوئے۔

ابراہیم، جو ۱۵۵۰ء میں تخت نشین ہوا تھا بڑی کامیابی کے ساتھ اکتیس سال حکمرانی کی اور اس تمام عرصۂ اقتدار میں اس نے مخالفوں کے ساتھ مختلف محاذوں پر جنگ جاری رکھی، گویا اس نے تخت شاہی پر

Marfat.com

آرام وآسائش کی زندگی گذارنے کی بجائے اس کے مخالفین کی بیخ کنی میں زندگی کا بڑا حصہ گذار کر آنے والوں کے لئے اپنی سلطنت کو پرامن بنادیا اور ۱۵۸۰ء میں جب فوت ہوا تو ایک ایسی سلطنت یادگاری چھوڑی، جس کے مخالف بہت کم تھے۔

۱۵۴۳ء سے ۱۵۵۰ء تک جب وہ مہمان کی حیثیت سے وجیانگر میں رہا تو اس کو زبان تلنگی سے ایک گونہ مناسبت ہوگئی تھی، اس نے اپنے عہد حکومت میں اس کی ترقی کے لئے خاص اقدامات کئے، اس کی بیوی بھاگی رتی بھی اسی علاقے کی تھی، جب وہ تخت نشین ہوا تو گولکنڈہ کا دربار تلنگی شعراء سے بھر گیا، گنگادھاراجو معروف نظم Tapalisam a varanamu upakhyanamu کا ناظم اور بڑی شہرت کا مالک ہے، اس کے دربار سے تعلق رکھتا تھا، اس نے یہ کتاب سلطان ابراہیم قلی کے نام معنون کی ہے، کوی (قوی) نے لکھا ہے کہ سلطان کا دربار وید، شاستر، پوران وغیرہ کے ماہرین کا مجمع تھا، اسی قسم کی دلچسپیاں اس کے عہد کے امراء کی تھیں، جن کے محلات اہل علم کے مجمعے اور یہ امراء علم پروری میں بڑی شہرت کے مالک بن گئے تھے۔

اس کے عہد میں دکنی (قدیم اردو) کو بھی فروغ ہوا، ابن نشاطی نے ابراہیم کے عہد کے ان اردو شعراء کے نام بتائے ہیں، فیروز، سید محمود، شیخ احمد، حسن شوقی اور ملا خیالی۔ (پھول بن ۱۷۱، دکن میں اردو ۷۹)

تلنگی اور اردو کے علاوہ ابراہیم کے عہد میں فارسی زبان کو بھی دکن میں فروغ ہوا، اس کے عہد میں خورشاہ نے تاریخ ایلچی نظام شاہ ایک عالمی تاریخ لکھی، جس میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں تک کی تاریخ درج ہے، خطی نسخہ کتابخانہ سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، دکن (شروانی: ایضاً: ۱۹۳) ملاحسن طبلسی نے صیدیہ ۹۸۳ھ/ ۷۶-۱۵۷۵ء میں سلطان ابراہیم کی فرمائش پر تالیف کی، جس کے خطی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور کتابخانہ مجلس ملی، تہران میں ہیں۔ (ایضاً ۲۵۱)

ابراہیم قلی قطب شاہ کے عہد کا معروف فارسی شاعر حاجی ابرقوہی، ایران سے ہندوستان جاکر گولکنڈہ میں جابسا تھا، جہاں وہ تیس سال تک مقیم رہا، اس کے دیوان میں ابراہیم قلی اور اس کے وزیر مصطفیٰ خان کی شان میں طویل قصیدے موجود ہیں، اس کی نظموں میں یہ خوبی سب سے نمایاں ہے کہ اس نے سعدی و

Marfat.com

حافظ کا تتبع کیا ہے، اس کا دو ہزار پانچ سو ابیات پر مشتمل دیوان کتابخانہ مجلس، تہران میں موجود ہے، (نمبر ۹۶۴)، ملا ابرقوہی نے ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء میں ایک مثنوی موسوم بہ ناظر و منظور لکھی تھی، جس کے ۱۵۴۳ ر ابیات ہیں، اس میں اس نے اپنے ہندوستان آنے کی داستان بھی بیان کی ہے، اس کا خطی نسخہ بھی کتابخانہ مجلس، تہران میں موجود ہے۔ (گلچیں معانی: کاروانِ ہند ۱/۳۱۱، شروانی: ایضاً ۱۹۴)

ابراہیم کے عہد کے جن اردو شعراء کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے کلام کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری میں فارسی اصناف، اسلوب، لہجہ، بندش، تراکیب اور اشارات کی پیروی کر کے دکنی اردو کو ہندوی روایت کے برخلاف فارسی سانچے میں ڈھالنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

(جالبی: تاریخ ادب اردو ۱/۳۹۵)

گولکنڈہ کی دفتری زبان ہمیشہ فارسی رہی اور شیعیت وفقہ جعفری کے عقیدے کی وجہ سے ایران سے اس کے روابط بھی گہرے رہے، ایرانی علماء آتے اور معزز عہدوں پر فائز ہوتے رہے، خورشاہ بن قباد حسینی، جو ابراہیم کا ندیم خاص تھا، ایران سے آ کر وابستہ ہوا تھا، قطب شاہی خاندان کے بادشاہوں نے ایرانی تہذیب، زبان اور ادب کو اتنی اہمیت دی کہ خود فارسی اسالیب، آہنگ، لہجہ، مذاق سخن اور مشترکہ زبان اردو پر چھا گئے۔ (ایضاً ۳۸۵)

مشہور ایرانی عالم وشاعر تقی مشاہیر اصفہانی بھی ابراہیم قلی کے عہد میں گولکنڈہ چلا آیا تھا، اسے پیشوا کا درجہ حاصل تھا، اس کی دختر ابراہیم قلی کے عقد نکاح میں تھی۔ (تاریخ فرشتہ ۲/۱۷۲، کاروان ہند ۲۴۹)

مشہور شاعر رونقی مشہدی، جو تاریخ، انشاء اور فن معما کا بھی ماہر تھا ابراہیم قلی کی ملازمت میں تھا (کاروانِ ہند ۱/۴۸۶)، صلاح الدین صرفی ساوجی چھ سال تک ابراہیم قلی اور شاہ میر مذکور سے وابستہ رہ کر عراق چلا گیا (ایضاً ۷۱۷)، اسی طرح دیگر ایرانی علماء وشعراء بھی اس کے دربار سے منسلک رہے، ان میں صفی شیرازی، مومن استر آبادی، وصلی خوانساری قابل ذکر ہیں۔ (ایضاً ۲/۱۳۷۳، ۱۵۲۰)

Marfat.com

مآخذ

۱۔ علی طباطبا: برہان مآثر، حیدرآباد، دکن ۱۹۳۶ء

۲۔ محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، لکھنو۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء

۳۔ نظام الدین احمد شیرازی: حدیقۃ السلاطین، طبع علی اصغر بلگرامی، حیدرآباد، دکن ۱۹۶۱ء

۴۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری، طبع بی، ڈے وہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۵ء

۵۔ ابن شاطی: پھول بن، حیدرآباد، دکن ۱۳۵۷ھ

۶۔ زبیری، مرزا ابراہیم: بساطین السلاطین، حیدرآباد، دکن ۱۳۱۰ھ

۷۔ شمس اللہ قادری: مورخین ہند، حیدرآباد، دکن ۱۹۳۳ء

۸۔ عبدالحق: نصرتی، دہلی ۱۹۸۸ء

۹۔ نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، دہلی ۱۹۸۵ء

۱۰۔ زور، محی الدین قادری: اردو شہ پارے، جلد اول، حیدرآباد، دکن ۱۹۲۹ء

۱۱۔ جالبی، جمیل: تاریخ ادب اردو، لاہور ۱۹۸۴ء

۱۲۔ محمد قلی قطب شاہ: کلیات، طبع سیدہ جعفر، دہلی ۱۹۸۵ء

۱۳۔ ملکاپوری، عبدالجبار: محبوب الوطن، حیدرآباد، دکن ۱۳۲۸ھ

۱۴۔ زور، محی الدین قادری: دکنی ادب کی تاریخ، کراچی ۱۹۶۰ء

۱۵۔ گلچین معانی، احمد: کاروان ہند، مشہد ۱۳۶۹ ش

16- Sherwani H.K: History of the Qutb Shahi Dynasty, Dehli, 1974.

17- Sherwani, H.K: The Bahimines of the Deccan, Dehli, 1985.

Marfat.com

18- Sherwani, H.K: Muhammad Qali Qutb Shah, New York, 1968.

19- Luther, N: Muhammad Quli, Qutb Shah, Bombay, 1991.

20- Shyam, R: Life and times of Malik Ambar, Dehli, 1968.

۵/فروری ۱۹۹۶ء

(برائے دانشنامہ شبہ قارہ)

Marfat.com

ابراہیم شرقی

جونپور کی شرقی سلطنت میں سلطان ابراہیم شاہ شرقی کا چالیس سالہ عہد حکومت پاکستان و ہند کے مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی اور علمی تاریخ میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔

ابراہیم شرقی، مبارک شاہ شرقی (۱۳۹۹۔۱۴۰۱ء) کا برادر خُرد تھا، جو ۱۴۰۱ء میں تخت نشین ہوا اور ۸۴۴ھ/ ۱۴۴۰ء تک اس کے حکمران رہنے کے شواہد اس کے سکوں سے ملتے ہیں۔

(Lane-Poole: Cat. of Indian Coins in the British Museum, p.94)

تخت نشین ہوتے ہی اُسے ملو اقبال اور سلطان محمود شاہ کے مشترکہ حملہ کا سامنا کرنا پڑا، سلطان محمود نے قنوج پر قبضہ کرلیا، سلطان ابراہیم نے قنوج واپس لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور سلطان محمود سے معاہدہ کرلیا (محمد بہامد خانی: تاریخ محمدی ۵۱، یحیٰی سرہندی: تاریخ مبارک شاہی ۱۷۵)، لیکن ابراہیم شرقی کے زمانے میں جونپور کی حدود فتوحات کے باعث وسیع ہوگئی تھیں اور سلطنت شرقی کی حدود اکبر کے عہد تک دہلی کی طرف سے پرگنہ کول اور ابری تک، بہار کی طرف سے ترہٹ تک اور شمال کی جانب سے بہڑائچ تک اور بنگال (لکھوتی) کے راجاؤں سے معاہدات کرلئے تھے۔ (طبقات اکبری)

سلطان ابراہیم ۸۱۰ھ/ ۱۴۰۷ء کو دہلی پر حملہ کے ارادے سے نکلا لیکن واپس چلا آیا، ۱۴۱۱ء میں کالپی کے خلاف مہم جوئی کا سلسلہ شروع کیا۔ (تاریخ محمدی ۵۳)

۱۴۱۴ء میں شیخ نور قطب عالم چشتی، نے جو پنڈوہ (بنگال) میں سلسلۂ ارشاد وتلقین جاری کئے ہوئے تھے اور ان کے زمانے کے راجہ گنیش (دیناج پور میں تخت پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کررہا تھا) کے خلاف سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملے کی دعوت دی، پھر انہوں نے شیخ اشرف جہانگیری سمنانی سے بھی سلطان کے نام خط لکھوایا۔

(نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۲۵۶، کیمبری ہسٹری آف انڈیا ۵/ ۲۶۷)

Marfat.com

کالپی کے راجہ قادر شاہ (۱۴۱۱-۱۴۳۲ء) کے خلاف ۸۳۱ھ/ ۱۴۲۷ء میں ابراہیم شرقی نے کامیاب اقدام کرکے کالپی کو اپنی حدود میں شامل کرلیا (ایضاً ۵/ ۱۷)، زاگیر نے سلطان ابراہیم شرقی سے مدد چاہی تو اس نے اُسے خان جہان کا خطاب دے کر اُسے اُس کے تخت پر بٹھایا۔ (تاریخ محمدی ۵۳-۵۴)

۱۴۳۷ء میں ابراہیم شرقی نے دہلی پر حملے کا پروگرام بنایا، ان ایام میں دہلی کی مرکزی حکومت کو زوال آچکا تھا اور محمد شاہ کی حکومت بہت کمزور پڑ گئی تھی، سلطان ابراہیم نے نواح دہلی کے چند قصبات پر قبضہ کرلیا تو محمد شاہ نے امن کے معاہدہ کی درخواست کی، جسے سلطان ابراہیم نے قبول کرلیا اور محمد شاہ کی بیٹی بی بی راجی کے ساتھ اپنے بیٹے محمود خان کی شادی بھی کردی۔ (جونپور نامہ ۸۶)

اس کے تین سال بعد سلطان ابراہیم شرقی کا ۱۴۴۰ء میں انتقال ہو گیا۔ (تاریخ محمدی ۵۲-۵۳)

ان فتوحات کے ساتھ ساتھ سلطان ابراہیم شرقی علم پروری اور علماء نوازی میں بھی معروف نظر آتا ہے، اس کے عہد میں جونپور دارالامان بن گیا اور سارے ہندوستان سے اہل فن و علماء جونپور کا رخ کرنے لگے، جس کی بدولت جونپور دارالعلم بن گیا۔ (طبقات اکبری ۳/ ۲۷۵)

ابراہیمی دور میں جو علماء و مشائخ اطراف و جوانب سے جونپور پہنچے ان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی، قاضی نصیر الدین دہلوی، شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن مولانا عبدالمقتدر شریحی کندی دہلوی، شیخ نصیر الدین بن نظام الدین غزنوی دہلوی، مولانا قیام الدین ظفر آبادی دہلوی، شیخ محمد عیسیٰ دہلوی، شیخ فتح اللہ اودھی انصاری اور شیخ محمد بن خضر دہلوی وغیرہ سکون کے ساتھ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مصروف رہے اور ان کے خانوادے کئی صدیوں تک جونپور کی علمی فضا کو معطر کرتے رہے۔

سلطان ابراہیم نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو نہایت عقیدت سے جونپور آنے کی دعوت دی، قاضی صاحب علماء اور طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے، سلطان نے بڑھ کر استقبال کیا اور جامع مسجد (اٹالہ مسجد) کے پہلو میں ان کے لئے مدرسہ اور مکان بنوایا، سلطان نے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ رکھا، قاضی صاحب بیمار ہوئے تو سلطان عیادت کے لئے گیا (تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۰۶)، مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولوی (ف ۸۳۷ھ/ ۱۴۳۳ء) ابراہیمی دور کے اکابر اولیاء میں سے تھے اور سلطان سے ان

Marfat.com

کی ملاقات بھی ہوئی تھی (انوار العیون ۳۴)، میر صدر جہاں سید اجمل علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، سلطان کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اس نے ان کے لئے جھجری مسجد بنوائی، جہاں انہوں نے ارشاد و تلقین کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی تھی، شیخ عیسیٰ دہلوی کو سلطان نے کمال آرزو کے ساتھ دہلی سے جونپور بلایا اور ان کے لئے ایک خانقاہ بنوائی، جہاں وہ تمام عمر توکل کے ساتھ رہے، سلطان ہر ہفتہ شہزادوں کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا (تذکرۃ العلماء ۲۰)، اعظم گڑھ میں پہلا مدرسہ شیخ مشید نے موضع سلطان پور (بھیرا) میں بنوایا، یہ جاگیر سلطان ہی کی دی ہوئی تھی (دیار پورب ۴۹)، قاضی نظام الدین گیلانی (ف ۸۷۵ھ/ ۱۴۷۰ء)، سلطان کے مقرب اور جونپور کے قاضی تھے، انہوں نے سلطان ابراہیم کے ایما پر فتاویٰ ابراہیم شاہیہ مرتب کیا (ایضاً ۵۲۔۵۳)، شیخ خضر بن حسن بلخی محدث، بلخ سے ہندوستان آئے، سلطان نے ان کو لکھنو میں تدریس کی خدمت پر مامور کیا اور ملیح آباد میں کئی گاؤں جاگیر کے طور پر دیئے۔ (ایضاً ۵۳)

مشہور عالم وصوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کے ساتھ سلطان ابراہیم کو بہت عقیدت تھی، جب وہ جونپور آئے تو سلطان قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے اُسے قلعۂ خیار کی فتح کی بشارت دی (لطائف اشرفی ۲/ ۱۰۵۔۱۰۶)، شیخ اشرف جہانگیر کے مکتوبات میں اس عہد کی جو سیاسی جھلکیاں اور معلومات ملتی ہیں وہ کسی معاصر تاریخی ماخذ سے کم درجے کی نہیں ہیں۔

سلطان ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود شاہ شرقی ۸۴۴۔۸۶۲ھ/ ۱۴۴۰۔۱۴۵۷ء) اور دیگر شرقی سلاطین نے بھی سلطان ابراہیم کی اس روش کو اپنایا اور جونپور واقعی شیرازِ ہند بن گیا، جونپور میں علماء کی کثرت کا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان محمود کے عہد میں ایک اختلافی مسئلے کے حل کے لئے ایک سو بیس علماء جمع ہوئے تھے۔ (نجات الرشید ۲۷۲)

ماخذ

۱۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی ۱۲۹۵ھ

۲۔ اشرف جہانگیری سمنانی: مکتوبات، خطی نسخہ موزۂ بریطانیہ، لندن نمبر Or.267

۳۔ عبدالقادر بدایونی: نجات الرشید طبع معین الحق، لاہور

Marfat.com

۴۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقاتِ اکبری، کلکتہ ۱۹۳۵ء

۵۔ محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، لکھنو ۱۸۸۵ء

۶۔ یحیٰی سہرندی: تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ ۱۹۳۱ء

۷۔ عبدالقدوس گنگوہی: انوار العیون، علی گڑھ ۱۹۰۵ء

۸۔ خیر الدین محمد: تذکرۃ العلماء، طبع محمد ثناء اللہ، کلکتہ ۱۹۳۴ء

۹۔ ایضاً: جونپور نامہ اردو ترجمہ عباس علی بیگ جونپوری، لکھنو ۱۹۸۸ء

۱۰۔ اقبال احمد: تاریخ شیراز ہند جونپور، جونپور ۱۹۶۳ء

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، جلد اول، دہلی ۱۹۸۰ء

۱۲۔ اطہر مبارک پوری: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی ۱۹۷۹ء

۱۳۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند (جونپور)، لاہور ۱۹۸۵ء

14- Muhammad Bihamad khani: Tarikh-i-Muhammadi, English trans, M.Zaki, Bombay, 1972.

15- Yahiya Sirhindi: Tarikh-i-Mubarakshahi, English trans, Basu, K.K. Barodha.

16- Muhammad Habib and K.A.Nizami, (eds.) Comprehensive History of India, Vol.v, Dehli, 1982.

17- Lane-Poole: Cat of Indians Coins in the British Muesum, London, 1885.

18- Muhammad Saeed, Mian: The Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

Marfat.com

حیدر ملک شاہ کشمیری چاڈورا

حیدر ملک چاڈورا گیارہویں صدی ہجری/سترہویں صدی عیسوی میں کشمیر کا حاکم اور مورخ تھا۔

حیدر ملک بن حسن ملک بن محمد ناجی، جس کا مسکن کشمیر کا ایک قصبہ چادورہ تھا (اقبال نامۂ جہانگیری ۱۵۹)، جسے چہاردرہ بھی کہتے تھے (توزک جہانگیری ۳۰۴) مقامی کشمیری زبان میں اس کا تلفظ ٹاسوڈر (Tsodur) ہے، جو پرگنہ نگم (Nagam) میں سری نگر (Srinagar) سے دس میل جنوب میں واقع ہے:

(Rajatarangini by Kalhana, trans by A.Stein, Vol.ii, p.374, p.iii)

نورالدین جہانگیر بادشاہ (۱۰۱۴۔۱۰۳۷ھ/ ۱۶۰۵۔۱۶۲۸ء) جب ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۲۰ء کو کشمیر گیا تو اس نے چاڈورہ کی سیر کے دوران حیدر ملک کی درخواست پر اس پُر فضا قصبہ کا نام ''نور پور'' رکھا۔

(توزک جہانگیری ۳۰۴)

حیدر ملک کشمیر کے ہندو راجہ سہادیو (۱۳۰۱۔۱۳۲۰ء) کے سپہ سالار رام چندر کی اولاد میں سے تھا (Kashmir under the sultans p.8)، حیدر ملک کے دادا ملک محمد ناجی، کشمیر کے حاکم حسین شاہ چک(Chak)[۱۵۶۳۔۱۵۷۰ء] کا وزیر تھا۔

حیدر ملک کے حالات مروجہ معاصر کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس نے اپنی تاریخ کشمیر کے خاتمہ میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں، جن کی تلخیص کی جا رہی ہے۔

اس نے اپنی زندگی کے ۲۴ رسال چک خاندان کی ملازمت میں گذارے، حاکم یوسف شاہ چک (۹۸۶۔۹۹۳ھ/ ۱۵۷۸۔۱۵۸۵ء) کے ساتھ اس کے اچھے تعلقات تھے۔

جب اکبر بادشاہ (۹۶۳۔۱۰۱۴ھ/ ۱۵۵۶۔۱۶۰۵ء) نے ۹۹۵ھ/ ۱۵۸۶ء میں کشمیر فتح کیا تو یوسف شاہ چک کو اس کی جاگیر بنگال کی طرف جلاوطن کر دیا، حیدر ملک اس دوران اس کے ساتھ رہا، پھر

Marfat.com

جب وہ مغل حکومت کا وفادار بن گیا تو اُسے باغی امراء کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا، شیر افگن خان کی بغاوت فروکرنے کے لئے مہم ارسال کی گئی تو اس میں حیدر ملک بھی تھا، ۱۰۱۶ھ/ ۱۶۰۷ء کوشیر افگن خان مارا گیا تو اس کی بیوہ مہر النساء بیگم کو حیدر ملک اوراس کے بھائی علی ملک نے تحفظ دیا، جہانگیر سے ملاقات کے دوران مہر النساء نے حیدر ملک کی تعریف کی، یہی خاتون بعد میں نور جہان کے لقب سے جہانگیر کی ملکہ بنی۔

جہانگیر نے حیدر ملک کو''چغتائی''اور''رئیس الملک'' کے خطاب دیئے،اس کے پرانے دوست دلاور خان کو ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۸ء کو کشمیر کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا گیا تو حیدر ملک کو بھی اہم عہدہ دار بنایا گیا،اس نے اپنی خودنوشت سوانح کشمیر کے علاقہ کشتواڑ (Kishtvar) کی ۳۰۔۱۰۲۹ھ/ ۲۱۔۱۶۲۰ء میں فتح کی تفصیلات درج ہیں، جس میں اس نے اپنے بھائی علی ملک کی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے (خاتمہ، تاریخ کشمیر، خطی نسخہ موزۂ بریطانیہ،فہرست ریو ۱/ ۲۹۷)،اسی سال جہانگیر نے بھی کشمیر کا دورہ کیا اوراس کے آبائی قصبہ چاڈورہ بھی گیا (توزک جہانگیری ۳۰۴)، جہانگیر نے حیدر ملک کو کشمیر، سری نگر میں لار (Lar) سے نورافزا باغ تک نہر بنوانے کے لئے رقم دے کر بھی بھیجا تھا۔(ایضاً ۳۴۷)

جب سری نگر کی جامع مسجد کو دوسری مرتبہ آگ لگائی گئی تو اس سازش میں حیدر ملک کے والد حسن ملک پر بھی آتش زدگی کا الزام تھا، تاہم جب مسجد کی دوبارہ تعمیر کا آغاز ہوا تو حیدر ملک نے اسے اپنے ذاتی مصارف سے ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۲۰ء کو بنوایا، جو اس پر آویزاں کتبے سے عیاں ہے۔

(Sufi, M,D: Kashir p.258)

میر شمس الدین عراقی نوربخشی کے مزار کو خرابی کے بعد تعمیر کروایا تھا۔(ایضاً ۱/ ۲۵۸)

حیدر ملک کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے،اس کی قبر اس کے آبائی قصبہ چاڈورہ میں ہے، جس کا عکس صوفی نے اپنی کتاب (Kashir) میں دیا ہے۔

تاریخ کشمیر

حیدر ملک کی صرف ایک ہی تالیف''تاریخ کشمیر'' کا ہمیں تاحال علم ہے،اس نے جہانگیر بادشاہ کے بارہویں سال جلوس ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۷ء کو اس کا آغاز کیا اور وہ اس میں اضافات کرتا رہا، ۱۰۳۰ھ/ ۱۶۲۰ء میں

Marfat.com

مکمل ہوئی، اس کتاب میں آغاز سے اپنے زمانے تک کی کشمیر کی تاریخ تحریر کی ہے، جیسا کہ حیدر ملک نے اس کے آغاز میں وضاحت کی ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ راج ترنگینی سے ماخوذ ہے، جو سنسکرت نظم میں ۵۴۵ھ/ ۱۱۴۹ء کو پنڈت کلہن نے تصنیف کیا تھا، اس کے فارسی میں کئی ترجمے ہو چکے ہیں، اکبر بادشاہ کے حکم سے ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے بھی اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، جو مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے طبع ہو چکا ہے۔

حیدر ملک کی تاریخ کشمیر کا دوسرا حصہ کشمیر کے مسلم عہد کی تاریخ پر مشتمل ہے، مولف کے والد اور دادا بھی کشمیری سلاطین کے ہاں معزز عہدوں پر فائز رہے اور وہ تاریخ کشمیر کی بہت سی روایات کے امین تھے، جن سے حیدر ملک نے اپنی تاریخ میں مدد لی اور درج کیں، مولف چک خاندان کے بہت سے واقعات کا عینی شاہد ہے، اسی دور میں کشمیر پر مغلوں کے حملوں کی تفصیلات کے لئے یہ کتاب درجہ اول کے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

افسوس کہ مولف آخری چک خاندان کے ایام اسیری کے واقعات، جن کا وہ خود شاہد تھا کچھ نہیں لکھ سکا۔

کشمیر کی تاریخ پر مسلم عہد میں لکھی جانے والی کتب تاریخ مثلاً تاریخ کشمیر مولفہ سید علی، مرزا حیدر دوغلت کی تاریخ رشیدی، بہارستان شاہی اور تاریخ کشمیر مولفہ حسن بن علی کشمیری جیسی کتب تاریخ کے ساتھ جب حیدر ملک کی تاریخ کشمیر کا موازنہ کیا جائے تو اس کی تاریخی حیثیت نمایاں نظر آتی ہے، کشمیر کے شہروں اور مقامات کے متعلق اس کی فراہم کردہ معلومات درست ہیں، لیکن اس کے درج کردہ سنین تقابلی اعتبار سے کئی مقامات پر غلط ہیں۔

حیدر ملک کی تاریخ کشمیر کا فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا ہے، اس کا قدیم ترین خطی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس، لندن میں ہے، جو ۱۰۴۶ھ کا مکتوبہ ہے، دیگر نسخوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Storey, C.A: Persian Literature, Vol.i, part.i, p.680

Sufi, M,D: Kashir, Vol.i, p.257.

Marfat.com

مآخذ

۱۔ جہانگیر، نورالدین بادشاہ: توزک جہانگیری مرتبہ سر سید احمد خان، غازی پور، ۱۸۶۳ء

۲۔ شاہ محمد شاہ آبادی (مترجم): راج ترنگینی (تاریخ کشمیر) مرتبہ صابر آفاقی اسلام آباد، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۴ء

۳۔ معتمد خان: اقبال نامۂ جہانگیری مرتبہ عبدالحی و احمد علی، کلکتہ، ۱۸۶۵ء

۴۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں، ترجمہ علی حماد عباسی، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء

5- Kalhana: Rajatàrangini, trans. by M.A.Stein, Delhi, Motilal Banarsidas, 1979.

6- Rieu, C: Cat. of Persian Manuschipts in British Museum, London, 1879.

7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

8- Sufi,G, M,D: Kashir, Lahore, Panjab Univeristy, 1848.

9- Jahangir, Nurudin: Tuzuk-i-Jahangiri, trans A.Rogus ed.H.Beveridge, Lahore, 1974.

10- Mohibbul Hasan: Kashmir under the sultans, Delhi, 2005.

۴ ستمبر ۲۰۰۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

چک، خاندان شاہانِ کشمیر

چک خاندان کشمیر کا حکمران خانوادہ ہے، جس نے ۲۸ ر سال حکومت کی، ان کا عہدِ حکومت ۹۶۹۔۹۹۷ھ/۱۵۶۱۔۱۵۸۸ء ہے۔

لفظ چک (Chak) کی اصل کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے، عام طور پر کشمیری زبان میں اس کی اصل چاکراس (Chakras) ہے۔

(Sufi, G,M.D: Kashir, Vol.i, p.217)

راجہ سہہ دیو (Suhadeva) کے زمانہ (۱۳۰۶۔۱۳۲۵ء) میں یہ دردستان (Dardistan) سے چک خاندان اپنے سردار لنکر چک (Lankar Chak) کے ساتھ کشمیر میں وارد ہوا (تاریخ حسن ۲/۱۶۱)، سلطان شمس الدین (۱۳۴۲۔۱۳۳۹ء) نے اُسے اپنا سپہ سالار بنایا، پس یہیں سے چکوں نے سیاست میں عملی حصہ لینا شروع کردیا اور بہت جلد اہم عہدوں پر فائز ہوگئے، اس سے قبل سلطان زین العابدین (۱۴۲۰۔۱۴۷۰ء) کے عہد میں لنکر چک کا فرزند پانڈو چک (Pandu Chak) معزز عہدہ پر فائز تھا، اس کے دو فرزند تھے، ایک ہمت خان اور دوسرا حسین، حسین چک نے میر شمس الدین عراقی (ف ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۶ء) کے زیر اثر شیعہ عقائد اپنا لئے (Sufi, Vol.i, p218)، اس طرح کشمیر کے سابق حاکم مرزا حیدر دغلت (ف ۱۵۵۱ء) نے اس فرقہ پر جو پابندیاں عاید کی تھیں (تاریخ رشیدی ۶۲۷۔۶۲۹) ان کا ازالہ کردیا: خود چکوں نے مرزا حیدر کے دور (۱۵۴۶۔۱۵۵۱ء) میں بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں، مرزا حیدر نے نازک شاہ کو تخت پر بٹھایا تھا اس نے امرائے کشمیر سے اچھا سلوک کیا، چک امراء کو کئی علاقوں کا حکمران بنایا، حالات نے دولت چک کو وزیر اعظم کی مسند پر بٹھایا، جس سے چکوں کے عروج کا آغاز ہوا۔

چکوں کی حکومت سے قبل کشمیر پر شاہ میری خاندان کی حکومت تھی، جو سلطان شمس الدین ۱۳۳۹ء سے شروع ہوئی اور حبیب شاہ پر ۱۵۶۱ء کو ختم ہوئی، دولت چک کی مداخلت سے ہی حالات ایسے ہوئے تھے کہ

Marfat.com

۱۵۶۱ء کو چک خانوادہ کا پہلا حکمران غازی شاہ ۱۵۶۱ء کو باقاعدہ حاکم کشمیر بنا، جس کے عہد میں خود چک خاندان کے افراد نے اس کے خلاف اقدامات کیے، ان بغاوتوں کو دبانے میں اس کا تمام تر وقت صرف ہوتا رہا (بہارستان شاہی، انگریزی ترجمہ ۸۱)، وہ مذہباً شیعہ تھا لیکن اس کے عہد میں دوسرے فرقوں کو مکمل آزادی حاصل تھی، اس کا اقتدار اس کی وفات ۱۵۶۳ء تک رہا۔

اس خاندان کا دوسرا حاکم سلطان حسین شاہ (۱۵۶۳-۱۵۷۰ء) تھا، اس عہد میں زیادہ تر بغاوتیں ہوتی رہیں، خود اس خاندان کے افراد نے کئی مواقع پر پریشانیاں پیدا کیں، جنہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا، مذہبی تعصب میں بھی اضافہ ہوا، میر شمس الدین عراقی کے نظریات نوربخشیہ کو بہت عروج ہوا (بہارستانِ شاہی ۸۴ وبہ بعد)، اکبر بادشاہ (۹۶۳-۱۰۱۴ھ/ ۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) نے اپنا سفیر مرزا مقیم کشمیر بھیجا، حسین شاہ چک نے اس کا استقبال کیا اور خیر سگالی کے طور پر بہت سے تحائف اکبر کے لئے روانہ کئے، اپنی بیٹی کا نکاح شہزادہ سلیم (جہانگیر) سے کرنے کے لئے ساتھ روانہ کی (بہارستانِ شاہی ۹۱ منتخب التواریخ ۲/ ۱۲۸)، آخری عمر میں وہ بیمار ہو کر مخالفوں کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا تھا اس لئے تاج وتخت چھوڑ دیا (بہارستان ۹۲)، موسیقی اور علم وادب کا دلدادہ تھا خود فارسی میں شعر کہتا تھا۔

(واقعاتِ کشمیر ۱۰۱)

اس کے بعد سلطان علی (۱۵۷۰-۱۵۷۸ء) حکمران رہا، اس کے عہد میں دو سال تک امن رہا پھر بغاوتوں کا آغاز ہو گیا، خود علی شاہ کے فرزند نے ۱۵۷۲ء کو باپ کے خلاف بغاوت کی، اس دور میں پریشانیوں کا زمانہ تھا، تاہم اس نے انصاف برقرار رکھنے کی سعی کی، مخدوم حمزہ، بابا داؤد گنائی، بابا رشی ہروی اور شیخ یعقوب صرفی کی اس کے عہد میں بہت عزت وتوقیر ہوئی، علی شاہ کے بعد یوسف شاہ (۱۵۷۸-۱۵۷۹ء) تخت نشین ہوا، یہ بہت سادہ مزاج تھا، امور سلطنت سے زیادہ رغبت نہیں تھی، جلد ہی امراء کی سازشوں سے تنگ آ گیا اور کشمیر چھوڑ کر مغل حکمران اکبر سے مدد کی درخواست کی، وہ جنوری ۱۵۸۰ء کو اکبر کے حضور پیش ہوا (اکبر نامہ ۳/ ۴۰۹، بہارستانِ شاہی ۱۳۵)، اکبر نے اس کی مدد کی اور اس کا تخت واپس دلانے کے لئے فوجی امداد بھی کی (طبقات اکبری ۳/ ۵۰۳)، بہت وقتوں کے بعد اس کا دوبارہ کشمیر

Marfat.com

پر قبضہ ہوا، اس دوران کشمیر میں مصائب اپنی انتہا کو پہنچ گئے تھے، ایک چک سردار لوہر شاہ اس دوران برائے نام ایک سال کے لئے حکمران رہا، اسے اقتدار قائم رکھنے کے لئے بہت کوشش کرنے کے باوجود ناکامی ہوئی اور کشمیر سے فرار ہونا پڑا، طویل بے خانمائی کے بعد اُسے مارچ ۱۵۸۶ء کو پھر اکبر کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اب اکبر نے اُسے گرفتار کرلیا، یوسف شاہ میں کوئی قابلیت نہیں تھی، وہ اکبر کی پابندیوں کے دوران ہی ۱۵۹۲ء کو فوت ہوا اور بہار ہی میں دفن کیا گیا۔ (آئین اکبری ۲/۱۲۱)

اب مغلوں اور چکوں کے مابین صلح کا معاہدہ ہو چکا تھا، جس پر کبھی عمل درآمد نہیں کیا گیا، ۱۵۸۶ء کو یعقوب شاہ چک اسی سال حسین چاہ چک اور پھر آخر میں دوسری مرتبہ یعقوب شاہ ۱۵۸۶۔۱۵۸۸ء تک حکمران رہا، اب ان کی حکومت برائے نام ہی تھی، اصل عمل دخل ہندوستان کی مرکزی مغل حکومت کا تھا، یعقوب شاہ کے تعصب اور سخت رویہ سے تنگ آکر بااثر اصحابِ کشمیر شیخ یعقوب صرفی کی قیادت میں اکبر بادشاہ کے پاس گئے اور کشمیر کے الحاق کی درخواست کی (واقعات کشمیر ۱۳۸، وبہ بعد)، مغلوں نے طویل مداخلت اور جنگ کے بعد کشمیر پر قبضہ کرلیا، اس طرح چک خاندان کی حکومت ختم ہوگئی، چک خانوادے کا سلسلہ حکمرانی مختصر طور پر اس طرح تھا:

۱۔	غازی شاہ چک	۱۵۶۱۔۱۵۶۳ء
۲۔	حسین شاہ	۱۵۶۳۔۱۵۷۰ء
۳۔	علی شاہ	۱۵۷۰۔۱۵۷۸ء
۴۔	یوسف شاہ (بار اول)	۱۵۷۸۔۱۵۷۹ء
۵۔	لوہر شاہ	۱۵۷۹۔۱۵۸۰ء
۶۔	یوسف شاہ (بار دوم)	۱۵۸۰۔۱۵۸۶ء
۷۔	یعقوب شاہ	۱۵۸۶۔۱۵۸۶ء
۸۔	حسین شاہ	۱۵۸۶۔۱۵۸۶ء
۹۔	یعقوب شاہ (بار دوم)	۱۵۸۶۔۱۵۸۸ء

Marfat.com

یہ خاکہ بعض مورخین کے بیانات سے مختلف ہے، محمد دین فوق کے مرتبہ خاکہ میں بہت سے اغلاط ہیں، (تاریخ کشمیر ۲/۱۱۵۔۱۶۰)، ہم نے صوفی اور محب الحسن کے مرتبہ خاکہ کو ترجیح دی ہے۔

مآخذ

۱۔ ابوالفضل، علامی: اکبرنامہ، کلکتہ، ۱۸۸۶ء

۲۔ ایضاً: آئین اکبری، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۸۶۷ء

۳۔ حیدر دوغلات، مرزا: تاریخ رشیدی مرتبہ عباس قلی غفاری فرد، تہران، ۱۳۸۳ ش

۴۔ غلام حسین کھویہامی: تاریخ حسن، مرتبہ حسن شاہ، سری نگر، ۱۹۵۴ء

۵۔ فرشتہ، ہندوشاہ: تاریخ فرشتہ، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۲۸۱ھ

۶۔ فوق، محمد دین: تاریخ کشمیر، لاہور ۱۹۱۰ء (جلد دوم)

۷۔ ایضاً: تواریخ اقوام کشمیر، لاہور، ۱۹۳۴ء

۸۔ محمد اعظم: تاریخ کشمیر اعظمی (واقعات کشمیر)، سری نگر ۱۳۵۵ھ

۹۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۹۶۷ء

۱۰۔ نظام الدین احمد: طبقات اکبری، کلکتہ، ۱۹۳۶ء

۱۱۔ زمباور: معجم الانساب ترجمہ محمد حسین زکی، بیروت، ۱۹۸۰ء

12- Anonymous: Baharistan-i-Shahi, trans by K.N.Pandit, Calcutta, 1991.

13- Mansura Haidar: Mirza Haidar Dughlat as depicted in persian sources, Delhi, 2002.

14- Mohibul Hasan: Kashmir under the Sultans, Delhi, 2005.

15- Rizvi, S.A.A: Socio-Intellectual History of the Asna, Ashari Shi'is in India, Delhi, 1986.

16- Sufi, G.M.D: Kashir, Lahore, 1948.

۵ر فروری ۲۰۰۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

الیاس شاہیان

بنگال کا ایک مسلم طبقۂ حکوت الیاس شاہی کہلاتا ہے۔

بنگال میں اسلام کے ظہور کی ابتدا ملک محمد بختیار (از امرای سلطان قطب الدین ایبک) سے ہوئی، پھر بنگال، دہلی کے سلاطین کے تابع رہا، پھر وہاں خودمختار حکومت قائم ہوئی، ان آزاد مسلم حکومتوں میں سب سے طویل سلسلۂ حکومت الیاس شاہیوں کا تھا۔

اس حکومت کا بانی شمس الدین الیاس شاہ (۱۳۴۲۔۱۳۵۷ء) تھا، اس نے ۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء میں لکھنوتی (lakhnauti) اور ۷۵۳ھ/۵۲۔۱۳۵۳ء کو سنارگاؤں (Sonar gaon) پر قبضہ کرلیا، ان دنوں بنگال میں خانہ جنگی زوروں پر تھی اس کے ان علاقوں پر قبضے سے امن وامان کی فضا پیدا ہوگئی، پھر اس نے اپنی حدود سلطنت کو وسعت دینے کے لئے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور مغرب میں پہلے ترہٹ (Tarhut) اور پھر ۱۳۹۶ء کو نیپال (Nepal) فتح کرلیا، وہاں سے اس نے اڑیسہ (Orissa) کا رخ کیا، چیمپاران (Champaran) اور گورکھ پور (Gorakhpur) کے راجاؤں نے بھی اس کی حکومت کو تسلیم کرلیا، اب اس کی حدودِ حکومت بنارس (Banaras) تک وسیع ہوچکی تھی۔

بنگال میں الیاس شاہ کی حکومت کافی مضبوط ہوچکی تو فیروز شاہ تغلق نے تسخیر بنگال کا پروگرام بنایا اور ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء میں نوے ہزار کے لشکر کے ساتھ اس نے بنگال پر حملہ کیا، الیاس شاہ کو شکست ہوئی، وہ قلعہ بند ہوگیا، اس دوران برسات کی شدید بارشوں کے باعث عسکرِ دہلی کو واپس جانا پڑا لیکن دوسرے حملے سے قبل ہی الیاس شاہ نے فیروز شاہ کو بیش بہا تحائف دے کر خوش کرلیا، گویا بنگال کی الیاس شاہی اور دہلی کی حکومت کے مابین معاہدہ ہوگیا، جس کے باعث بنگال میں بھی امن وامان میں اضافہ ہوا، الیاس شاہ کا ۷۵۹ھ/ ۱۳۵۸ء کو انتقال ہوگیا۔ (تاریخ فرشتہ ۲/ ۲۹۶، طبقاتِ اکبری ۳/ ۲۶۳)

سلطان الیاس شاہ علماء وصوفیہ کا بہت عقیدت مند تھا، معروف صوفی شیخ اخی سراج اور مخدوم شیخ راجا

Marfat.com

بیابانی کے ساتھ غایت درجے کی عقیدت رکھتا تھا، عین محاصرے کے دوران شیخ راجا کا انتقال ہو گیا تو سلطان فقیرانہ لباس میں جنازہ کے ساتھ شرکت کے لئے گیا۔ (ریاض السلاطین ۹۷)

سلطان اپنے قیام بہرائچ (Bahraich) کے دوران شیخ مسعود سالار غازی کی درگاہ میں بھی حاضر ہوا۔ (ہمانجا ۹۷)

(Social and Cultual History of Bengal, Vol.i, pp.153-54)

سلطان شمس الدین الیاس شاہ نے بنگالی زبان و ادب کے فروغ کے لئے بھی کئی اقدام کئے (ہمانجا ۲۴۴)، اس نے حوضِ شمسی، دہلی کی تقلید میں ایک حوض بنگال میں بھی بنوایا۔ (ریاض السلاطین ۹۶)

الیاس شاہ کے بعد اُس کا بیٹا سکندر شاہ (۱۳۵۷-۱۳۸۹ء) تخت نشین ہوا، اس کی ملکی اور انتظامی پالیسی اپنے والد کی طرح تھی، اس نے عوام کو خوش رکھنے کے لئے کئی اقدام کئے، سلطنتِ دہلی کے ساتھ خوشگوار تعلقات کو اس نے ہر کام پر ترجیح دی اور تقریباً ۱۹ سال تک بنگال میں پرامن حکومت کی۔

(تاریخ مبارک شاہی ۱۲۸، تاریخ فیروز شاہی عفیف ۱۳۷-۱۴۱، ریاض السلاطین ۹۹، طبقاتِ اکبری ۳/۲۶۳)

سکندر کے بعد غیاث الدین اعظم شاہ (۱۳۸۹-۱۴۰۹ء) نے حکومت سنبھالی، وہ بہت ہردلعزیز بادشاہ تھا، اس کا دربار علماء و شعراء کا مجمع تھا، سلطان نے فارسی میں ایک مصرعہ کہا اور اس پر دوسرے مصرعہ کے اضافے کے لئے درباری شعراء سے کہا گیا، جب وہ عاجز آ گئے تو سلطان نے حافظ شیرازی کی خدمت میں اپنے ایلچی کے ذریعہ مصرعۂ ثانی کے لئے درخواست کی، حافظ شیرازی نے نہ صرف مصرعہ ثانی فی البدیہہ لکھ دیا بلکہ چند اشعار سلطان کی مجلس شعر و سخن کی تعریف میں بھی لکھ بھیجے۔ (ریاض السلاطین ۱۰۶)

سلطان غیاث الدین نے ہندو راجاؤں کو شکست دے کر مزید امن و امان کی فضا پیدا کر دی، اس نے ایسی خارجہ پالیسی اپنائی کہ ہمسایہ راجاؤں اور ریاستوں کے حکمرانوں کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کر لئے، ملک چین میں ۱۴۰۹ء کو اپنا سفیر بھیجا۔

(Comprehensive History of India, Vol.v, p.1151)

بنگال کے مشہور چشتی صوفی شیخ نور قطب عالم کے ساتھ اس کے عقیدت مندانہ مراسم تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت ۱/۲۵۶)

Marfat.com

سلطان غیاث الدین راجہ گنیش کے ہاتھوں ۸۱۳ھ/۱۴۰۹ء میں شہید ہوا، اس کے بعد الیاس شاہی سلسلۂ حکومت کے کئی کمزور اور نااہل حکمران تخت نشین ہوتے رہے لیکن راجہ مذکور اقتدار پر چھایا رہا اور بنگال کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی حالت بہت ابتر ہوگئی، ان سلاطین میں سیف الدین حمزہ ملقب بہ سلطان السلاطین (۸۱۳۔۸۱۴ھ/ ۱۴۱۰۔۱۴۱۲ء)، شہاب الدین بایزید شاہ (۸۱۵۔۸۱۷ھ/ ۱۴۱۳۔۱۴۱۴ء)، علاء الدین فیروز شاہ (۸۱۷ھ/۱۴۔۱۴۱۵ء) شامل ہیں۔

بنگال کے ان ابتر حالات میں شیخ نور قطب عالم نے بوساطت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی، سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سلطان شرقی نے بنگال کے عوام کو راجہ مذکور سے نجات دلا کر مسلم حکومت بحال کی۔ (تاریخ مشائخ چشت ۲۵۶/۱)

الیاس شاہی سلطنت کو دوبارہ استحکام ملنے تک وہ دوسرے فرمانروا یعنی سلطان جلال الدین محمد شاہ (۱۴۱۸۔۱۴۳۱ء) اور شمس الدین احمد شاہ (۳۱۔۱۴۳۴ء) بنگال پر حکومت کرتے رہے۔

الیاس شاہی شاخ میں سے ناصر الدین محمود شاہ (۴۲۔۱۴۵۸ء) نے اپنے خاندان کی بنگال پر دوبارہ حکومت قائم کی، اس کے عہد میں بنگال کے حالات پرسکون رہے اور جونپور کے شرقی سلاطین، لودھیوں کے ساتھ الجھے رہے، جس کی وجہ سے انہوں نے بنگال کا رخ نہ کیا، اس نے اپنی سلطنت کی حدود کو وسعت بھی دی اور مزید ۲۴/علاقے (پرگنے) بھی فتح کر کے اپنی قلمرو حکومت میں شامل کر لئے اور کئی عمارات بھی تعمیر کروائیں۔(Hiostory of Benagl, Vol.ii, pp.130-32)

ناصر الدین محمود شاہ کے بعد رکن الدین باربک شاہ (۵۹۔۱۴۷۴ء) جیسا قابل اور منتظم حکمران تخت نشین ہوا، اس نے اپنے والد کے پرامن ماحول کو قائم رکھتے ہوئے بنگال کی سلطنت کو مزید وسعت دی، اس نے قلعۂ مدارن پر قبضہ کرلیا، راجۂ کامروپ کے ساتھ بھی کامیاب معرکے ہوئے اور ۱۴۷۴ء تک اس نے کئی دوسرے علاقے بھی اپنی سلطنت کا جز بنا لئے، اس کے عہد کی فتوحات کے واقعات پر ایک کتاب رسالۃ الشہدا ُ پیر محمد شطاری نے مرتب کی، جس میں تمام جزیات سے بحث کی گئی ہے، اس کی سلطنت کی حدود باربُر بارُر (Barur ضلع پورنیہ Purnia میں ایک پرگنہ بارُر ہے) تک پھیل گئی، باربک، بنگالی

Marfat.com

زبان و ادب کا سرپرست تھا، اس کے عہد کا مشہور بنگالی شاعر مالدھار باسو (Maladhar Basu) مولفِ سری کرشنا بیجیا (Sri Krishna Bijay) کو گنراج خان (Gunaraj Khan) کا خطاب دیا۔

(History of Bengal, Vol.ii, pp.132-36)

باربک کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین یوسف شاہ (۷۴۔۱۴۸۱ء) جانشین ہوا، وہ ایک قابل منتظم اور انصاف پسند حکمران تھا، اس کے عہد میں ہر طرح کا امن و امان رہا، اس کی سلطنت اڑیسہ تک وسیع ہو چکی تھی۔ (ہمانجا ۲/۱۳۶)

یوسف شاہ کی وفات کے بعد جلال الدین فتح شاہ (۸۱۔۱۴۸۷ء) بن ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا، اگرچہ اس کا عہد حکومت مختصر تھا لیکن اس میں بھی امن و امان قائم رہا، اس نے حبشی غلاموں کے سیاست میں تفوق کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا، فتح شاہ کے قتل کے ساتھ ہی بنگال سے الیاس شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

الیاس شاہی حکمرانوں کے بہت سے سکے ہندوستان اور بنگال کے مختلف عجائب گھروں میں محفوظ ہیں، ان میں سے الیاس شاہ کے ۳۳، سکندر شاہ کے ۶۰، اعظم شاہ کے ۲۷ سکے پائے جاتے ہیں۔

(Coins and Chronology of the early independent Sultans of Bengal, p.7, Plates, i,ii,iii,iv, pp.19-43)

مآخذ

۱۔ برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی مرتبہ سر سید احمد خان، کلکتہ ۱۸۶۲ء

۲۔ سلیم، غلام حسین: ریاض السلاطین مرتبہ عبدالحق عابد، کلکتہ ۱۸۹۰ء

۳۔ عفیف، شمس سراج: تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۹۱ء

۴۔ فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ (گلشنِ ابراہیمی)، لکھنو، مطبع نولکشور ۱۸۶۴ء

۵۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۱ء

Marfat.com

۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج ا، دہلی ۱۹۸۰ء

۷۔ یحییٰ سرہندی: تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ ۱۹۳۱ء

8- Bhattasali: Conis and chronology of the early independent Sultans of Bengal, (rep) Dehli (n.d)

9- M.Habib and Nizami, K.A: (eds): A cpmprehensive History of India, Vol.v (Dehli Sultanate), Dehli, 1982.

10- Muhammad Abdul Rahim: Social and Cultural history of Bengal, Karachi, 1963.

11- Majundar, R.C: History and Cultaral of Indian People, Vol.vi, (Dehli, Sultanate), Bombay, 1960.

12- Sarkar, J.N (ed): History of Bend, Deccan, 1948.

۲۲رجنوری ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

حُسین شاہیانِ بنگال

حسین شاہی ایک حکمران خاندان تھا، جو دسویں صدی ہجری/سولہویں صدی عیسوی میں بنگال پر تقریباً نصدی تک حکومت کرتا رہا۔

اس حاکم خاندان کا بانی علاء الدین حسین شاہ تھا، جو ۸۹۹ھ/۱۴۹۴ء کو تخت نشین ہوا، اس سے قبل بنگال (Bengal) پر حبشی خانوادہ کی حکمرانی تھی (۸۹۲۔۸۹۸ھ/ ۱۴۸۷۔۱۴۹۳ء)، حسین شاہ اسی خاندان کے آخری حکمران شمس الدین ابونصر مظفر شاہ (۸۹۶۔۸۹۸ھ/۱۴۹۰۔۱۴۹۳ء) کے ہاں ابتداء میں ایک سپاہی تھا (طبقات اکبری ۳/۲۷۰) بعد میں ترقی کرتا ہوا وزارت کے عہدہ تک پہنچا (تاریخ فرشتہ ۲/۳۰۱، ریاض السلاطین ۱۳۲)، پھر مظفر شاہ کے بعد بنگال کا حاکم بنا، جس کی اولاد نے عرصہ تک بنگال پر حکومت کی، جونپور (Jaunpur) کی شرقی سلطنت کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار تھے۔

دہلی کے سلطان سکندر (۸۹۴۔۹۲۳ھ/ ۱۴۸۹۔۱۵۱۷ء) نے بنگال پر حملہ کیا، حسین شاہ کی افواج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، طرفین میں صلح کا معاہدہ ہوگیا، جو دیرپا ثابت نہ ہوا، اس کے امراء میں ہندو بھی بکثرت شامل تھے اور ہندو مسلم تعلقات بھی درست تھے، اس نے اپنی حدود سلطنت میں ہندوؤں پر جزیہ نہیں لگایا تھا، حسین شاہ اور اس کے جانشینوں کی حکومت کی مذہبی پالیسی آزادانہ تھی۔

حسین شاہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بڑے فرزند نصرت حسین کو ۱۵۱۹ء میں اپنا جانشین بنا دیا تھا، وہ پہلے بھی باپ کے دست راست اور معتمد علیہ عہدوں پر کام کرتا رہا تھا، اس نے تخت نشینی سے پہلے بھی اپنے نام کے سکے جاری کئے تھے (Wright, H.N: Catalogue of Coins, Vol.ii, part.ii, p.173)، اس نے بنگال کے نواحی علاقے فتح کر کے اپنی حدود مملکت میں شامل کئے ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۶ء میں جب ظہیر الدین بابر نے سلاطین دہلی کی حکومت ختم کر کے سلطنت مغلیہ کی بنیاد ڈالی تو بنگال کی حکومت کو خطرہ محسوس ہوا، نصرت حسین، بابر بادشاہ کے خلاف افغانوں کی مدد کر رہا تھا، اس کا رویہ بالکل واضح نہیں تھا، اس لئے بابر نے ۱۵۲۸ء کو بنگال و بہار کا رخ کیا، جس کے واقعات سے اس کی توزک بھری پڑی ہے۔

نصرت شاہ ۹۲۵۔۹۳۸ھ/ ۱۵۱۹۔۱۵۳۲ء تک حکمران رہا، اگر اس عہد کے سکوں کا معائنہ کیا جائے تو

Marfat.com

نصرت شاہ کے بڑے بھائی محمود شاہ کے ایسے سکے بھی ملتے ہیں، جو اس نے نصرت کے دور حکومت میں ہی رائج کئے تھے، لیکن معاصر کتب تاریخ سے اس کی تخت نشینی کے شواہد مذکورہ سنین میں نہیں ملتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یا تو سلطنت کا جو حصہ محمود شاہ کو دے رکھا تھا وہ اس میں خود کو سلطان تصور کرتے ہوئے اپنے سکے جاری کرتا رہا، یا ان کے مابین حکومتی سطح پر اختلاف رہا، مقامی مورخ غلام حسین سلیم نے لکھا ہے کہ نصرت کے انتقال کے بعد اس کا فرزند فیروز شاہ ۹۳۸ھ/۱۵۳۲ء جانشین بنا۔ (ریاض السلاطین ۱۳۹)

فیروز شاہ کے عہد میں آسام کے ساتھ جنگ ہوتی رہی، معاصر کتب تاریخ سے اس کے زمانے کی ترقی اور بنگالیوں کے معاشرہ کی خوش حالی کی تفصیلات نہیں ملتیں، البتہ اس کے عہد کے بنگالی شعراء نے اُسے ''علاء الدنیا والدین ابوالمظفر فیروز شاہ'' کے شاندار القاب سے نوازا ہے، دریافت شدہ کتبات اور سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ صرف ۹ ماہ تک بادشاہ رہا یعنی ۹۳۸۔۹۳۹ھ/۱۵۳۲۔۱۵۳۳ء، بلوخمان (Blochmann) اور عبدالسلام نے سٹیوارٹ (Stewart) کی تاریخ بنگال سے غلط فہمی کی بنیاد پر ایسا سمجھ لیا ہے کہ وہ صرف تین ماہ تک حکمران رہا۔

(Tarafdar, M.R: Husain Shahi Bengal, p.81.82)

محمود شاہ بن حسین شاہ نے اپنے بھتیجے فیروز شاہ بن نصرت شاہ کو ۹۳۹ھ/۱۵۳۳ء میں قتل کر دیا اور خود بنگال کا حاکم بن گیا، جو سنہ مذکور سے ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۸ء تک حکمران رہا۔

محمود شاہ نے اپنی حدود سلطنت میں توسیع کی بھی کوشش کی، جس میں وہ کامیاب ہوا، اس دوران افغان سردار دو گروہوں میں تقسیم ہو کر میدان میں آ چکے تھے، اول سور جو شیر خان (شیر شاہ سوری) اور دوسرا لوہانی، جو جلال خان لوہانی کی ماتحتی میں جنگ آزما تھے، شیر شاہ سوری کے حملے کامیاب رہے ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶ء میں شیر شاہ نے بنگال کے کئی حصوں پر قبضہ کر لیا (تاریخ شاہی، ۱۸۳، تاریخ شیر شاہی ۳۵۵۔۳۵۶)، مغل بادشاہ ہمایوں نے شیر شاہ کا تعاقب کیا لیکن ناکام رہا، اس دوران ایک اور قوت پُرتگیزیوں (Portuguese) کی تھی، جو حسینی شاہی دور میں تجارت کی غرض سے بنگال آئے تھے، حسین شاہ اور فیروز شاہ نے انہیں آزاد تجارت اور حفاظتی قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن محمود شاہ نے انہیں

Marfat.com

اجازت دے دی تو انہوں نے چٹاگانگ (Chittagang) سیٹگاؤں (Satgaon) میں قلعے تعمیر کر لئے محمود شاہ نے انہیں اپنی مدد کے لئے بلایا لیکن انہوں نے جو گہری سیاسی سوچ کے مالک تھے کسی فریق کی مدد کرنے سے ٹال مٹول سے کام لیا۔

محمود شاہ میں نہ تو شیر شاہ سے مقابلہ کی تاب تھی اور نہ ہی ہمایوں سے الجھ سکتا تھا، ان حالات میں بنگالی عوامی زندگی خاصی متاثر ہوئی، وہ آغاز ۱۵۳۷ء میں ہی پرتگالیوں کا خاتمہ کر سکتا تھا لیکن مذکورہ حملوں اور حالات کی ابتری نے اُسے اس کی بھی مہلت نہ دی۔ (ریاض السلاطین ۱۴۰۔۱۴۴)

حسین شاہی سلاطین کے عہد میں انتظامی ڈھانچہ سلاطین دہلی کی طرز پر تھا، باقاعدہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں انتظامی شعبے رکھتی تھیں، محاصل اور ٹیکسوں کا نظام بھی درست خطوط پر استوار تھا، قریبی ریاستی حکومت گجرات کے ساتھ ان کے تعلقات بہتر تھے۔

معاشی طور پر عوام زیادہ خوش حال نہیں تھے، مذہبی آزادی ضرور تھی، ہندو، بدھ مت کے پیروکار اور دوسرے غیر مسلم اپنے مذہبی تہوار منا سکتے تھے۔

بنگال کے صوفیہ اور تصوف پر ہندو یوگی اثرات بھی قابل توجہ ہیں، دربار کی دفتری زبان فارسی تھی، ہندو پنڈت بھی فارسی سیکھتے تھے، حسین شاہی سلاطین کے دریافت شدہ سکے عربی زبان میں ہیں، اس عہد کے ملنے والے اکثر کتبات فارسی میں ہیں، دہلی جو براہِ راست ایران کے اثرات قبول کر رہا تھا کے مقابلہ میں بنگال اس سے جغرافیائی اعتبار سے بھی بہت دور تھا، ایرانی تاجر بنگال ضرور جاتے آتے تھے لیکن فارسی اثر خاصا کم تھا، جب مغلوں نے حسین شاہی حکومت ختم کر ڈالی تو فارسی زبان وادب کا وہاں فروغ شروع ہوا۔

بنگالی زبان کے فروغ کے لئے حسین شاہی حکمرانوں نے قابل ذکر کوششیں کیں، سنسکرت (Sanskrit) لٹریچر کی ترقی کے لئے بھی عملی اقدامات کے گئے۔

حسین شاہی سلاطین کا دور حکومت مختصر سا تھا تقریباً نصف صدی، جو اس گراف سے ظاہر ہے:

۱۔ سلطان حسین شاہ ۸۹۹۔۹۲۵ھ/۱۴۹۴۔۱۵۱۹ء

۲۔ سلطان نصرت شاہ ۹۲۵۔۹۳۸ھ/۱۵۱۹۔۱۵۳۲ء

Marfat.com

۳۔ فیروز شاہ ۹۳۸۔۹۳۹ھ/۱۵۳۲۔۱۵۳۳ء

۴۔ محمود شاہ ۹۳۹۔۹۴۴ھ/۱۵۳۳۔۱۵۳۸ء

مآخذ

۱۔ احمد یادگار: تاریخ شاہی مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۳۹ء

۲۔ بوسورث، کلیفورڈ: سلسلہ ہای اسلامی ترجمہ فریدون بدرہ ای، تہران، ۱۳۴۹ ش

۳۔ زامباور: معجم الانساب والاسرات الحاکمۃ ترجمہ زکی محمد حسن بک، بیروت، ۱۹۸۰ء

۴۔ سلیم، غلام حسین: ریاض السلاطین مرتبہ عبدالحق، کلکتہ، ۱۸۹۱ء

۵۔ عباس خان سروانی: تاریخ شیر شاہی مرتبہ امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۶۴ء

۶۔ لین پول، ستانلی، طبقات سلاطین اسلام ترجمہ عباس اقبال، تہران، ۱۳۶۳ ش

۷۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری مرتبہ بی ڈی کلکتہ ۱۹۲۷۔۱۹۳۵ء

۸۔ فرشتہ، ہندوشاہ: تاریخ فرشتہ لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۸۸۷ء

9- Abdur Rahim: Social and Cultural History of Bengal, Karachi, 1967.

10- Saleem, Ghulam Hussain: Riyad-ul-Salatin, trans. Abdus Salam, Calcutta, 1910.

11- Stewart, Ch: History of Bengal, Calcutta, 1903.

12- Tarafdar, M,R: Husain Shahi Bengal, A Social Politiscal Study, Dacca, 1965.

13- Wright, H.N: Catalogue of Coins in India Museum, Oxford, 1907.

۱۱/نومبر ۲۰۰۶ء

(برائے دانشنامہ شبہ قارہ)

Marfat.com

آلِ لنگاہ

آلِ لنگاہ، حکمرانوں کا ایک سلسلہ ہے، جو ملتان اور اوچ پر حکومت کرتا رہا، ان کی مدتِ حکومت تقریباً ۸۰ (اسی) سال تھی، سلطنت دہلی کے ۸۴۷ھ/ ۴۵-۱۴۴۴ء زوال کا شکار ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آزاد حکومتیں قائم ہونا شروع ہوگئیں، ان میں آلِ لنگاہ نے ملتان پر آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی (طبقات اکبری ۳/۵۲۲)، آل لنگاہ دراصل راجپوت تھے، پنوار اور سولنکی راجپوتوں سے ان کا تعلق تھا۔
(Annals and Antiquities of Rajisthan, Vol.ii, p.941)
کچھ عرصہ پہلے تک ان کا شمار جاٹوں میں تھا اور ان کی زیادہ تر آبای شجاعت پور اور تحصیل لودھراں میں تھی (Tribs and costs, iii, p.303)، تاریخ فرشتہ میں ان کی اصل افغان بتائی گئی ہے (۲/ ۳۲۵)، جو مقامی روایات کے خلاف ہے، آل لنگاہ کے اجداد نے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ (طبقات اکبری ۳/۵۲۳)

ان حالات میں جن کا اوپر ذکر ہوا، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے سجادہ نشین شیخ یوسف قریشی نے جو عوام میں بہت مقبول تھے، ملتان کی حکومت سنبھالی اور دو سال (۸۴۷-۸۴۹ھ/ ۱۴۴۴-۱۴۴۵ء) تک اسے قائم رکھا، پھر آل لنگاہ کے ایک سردار رائے زہرہ نے دھوکہ سے اُن کی حکومت چھین لی (طبقات اکبری ۳/ ۵۲۵-۵۲۸) اور محمود شاہ کے لقب سے ۱۶/سال تک حکومت کی، جب ۸۶۵ھ/ ۱۴۶۰ء میں فوت ہوا تو قطب الدین نے حکومت سنبھالی (تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۲۵)، اس کی حکومت کا زمانہ بھی تقریباً سولہ سال ہی تھا، اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان حسین جانشین کی حیثیت سے حکمران بنا اور صحیح معنوں میں ایک شاندار حکومت کی بنیاد ڈالی اور اپنی سلطنت کو شورکوٹ، چنیوٹ، کروڑ اور دھنکوٹ تک وسعت دی (ایضاً ۲/۳۲۶)، اس نے سلطنت کی حدود کو مزید بڑھانا چاہا لیکن ناکام رہا (تاریخ خان جہانی ۱/۱۴۲، طبقات اکبری ۱/۳۰۱، ۳۰۷)، اسی دوران اس پر کئی حملے ہوئے جن میں دہلی کی مرکزی حکومت کا حملہ بھی شامل ہے

Marfat.com

لیکن ان سب کو اس نے شکست دی، جس سے سلطان حسین کا وقار عوام میں بہت بڑھ گیا اور بہت سے قبائل اس کے ساتھ شامل ہو گئے (تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۲۶۔ ۳۲۷)، اس دوران جب ۸۹۴ھ/ ۱۴۸۸ء میں سلطان بہلول لودھی کا انتقال ہوا اور سکندر لودھی نے دہلی کی حکومت سنبھالی تو سلطان حسین لنگاہ نے اپنا ایلچی دربار میں بھیج کر مراسم قائم کر لئے اور مرکزی حکومت کے ساتھ تعاون کا ایک معاہدہ طے پا گیا، (ایضاً) سلطان حسین نے اپنا سفیر سلطان مظفر شاہِ گجرات کے دربار میں بھی بھیجا اور دوستانہ تعلقات استوار کر لئے۔ (ایضاً)

حسین لنگاہ نے تیس سال تک حکومت کی، ملتان اور نواحی علاقوں میں امن وامان قائم کیا، ۲۶ رصفر ۹۰۴ھ/ ۱۳ را کتوبر ۱۴۹۸ء کو انتقال کر گیا۔

(آئین اکبری ۲/ ۳۳۶، طبقات اکبری ۳/ ۴۲۵۔ ۵۳۲، تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۲۵۔ ۳۲۸)

سلطان حسین کے بعد اس کا لڑکا فیروز صرف ایک سال اور پھر محمود شاہ ثانی نے ۲۵ رسال تک حکومت کی لیکن سلطان حسین اول جیسا امن وامان اور خوش حالی قائم نہ رہ سکی، اس خاندان کا آخری حکمران حسین ثانی بھی صرف ایک سال حکمران رہا، اور ارغونوں نے اس خانوادے کی حکومت کا خاتمہ کر ڈالا (تاریخ معصومی ۲۰۶۔ ۲۱۲)، اس سال یعنی ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان میں مغل حکومت کی بنیاد ڈالی۔

آل لنگاہ کی حکومت کے نشیب وفراز کے دوران کئی علمائے ملتان نے وہاں سے ہجرت کی ان میں شیخ سماء الدین سہروردی، سید احمد حنفی، شیخ محمد منکن ملاوی ملقب بہ مصباح العاشقین، شیخ شمس الدین ملتانی، مولانا عبداللہ تلنبی، مولانا عزیز اللہ تلنبی اور مفتی بہاء الدین اکبر آبادی کے نام شامل ہیں، لیکن دو علماء نے ان بدلے ہوئے حالات میں بھی ملتان میں رہ کر دعوت وعزیمت کا سلسلہ جاری رکھا یعنی مولانا ثناء الدین اور علامہ فتح اللہ (نزہۃ الخواطر ۳/ ۵۱، ۱۱۹، تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۲۸)

Marfat.com

مآخذ

۱۔ نامی، میر معصوم بکھری: تاریخ معصومی اردو ترجمہ اختر رضوی، تعلیقات وحواشی نبی بخش بلوچ، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، سندھ ۱۹۵۹ء

۲۔ نظام الدین احمد: طبقات اکبری مرتبہ بی ڈی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۳۵ء

۳۔ ابوالفضل: آئین اکبری، مطبع نولکشور وانگریزی ترجمہ از Jarrett، کلکتہ ۱۹۴۹ء

۴۔ ابوالقاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، نولکشور پریس ۱۲۸۱ھ

۵۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، مطبع نولکشور ۱۸۶۸ء

۶۔ میر محمد ٹھٹھوی: ترخان نامہ مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد سندھ ۱۹۶۵ء

۷۔ قانعی: تاریخ مظفر شاہی مرتبہ محمد عبداللہ چغتائی، دہلی ۱۹۴۶ء

۸۔ قانع ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۷۱ء

۹۔ رحمان علی: تذکرہ علماء ہند، اردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء

۱۰۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دکن ۱۹۵۴ء

11- Tod, J: Annals and Antiquities of Rajasthan, ed Crooke, Dehli, 1990

12- M.Habib and KA. Nizami (ed) Comprehensive History of India Vol.v, Dehli, 1982.

(دانشنامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ)

Marfat.com

تالپور، سلسلۂ سلاطین سندھ

تالپور، دراصل امیرانِ سندھ کے ایک طبقہ کا نام ہے، جو سندھ کے مختلف اضلاع میں ۱۱۹۹۔۱۲۶۰ھ/ ۱۷۸۴۔۱۸۴۳ء تک حکمران رہا۔

قوم تالپور خود کو امیر حمزہ (عم رسول اکرم ﷺ) کی اولاد میں سے بتاتے ہیں، اس قوم کے اجداد میں سے ایک کا نام ٹالہ (Talah) تھا اور فارسی میں پُور بمعنی پسر مستعمل ہے، اس طرح یہ قوم ٹالہ پور کہلانے لگی، جو کثرت استعمال سے ٹالپر بن گیا۔ (لب تاریخ سندھ ۱۴۰۔۱۴۱)

اس قوم کا مسکن کوہستان سیاف اف معروف بہ ڈیرہ بیبرک علاقہ ہڑندبین ڈیرہ غازی خان ونچھی تھا، اس قوم کا ایک فرد میر چاکر خان ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوا اور بلوچستان کے بگٹی قبائل کے ساتھ سکونت اختیار کر لی۔

(تاریخ تازہ نوای معارک، تعلیقات عبدالحی حبیبی ۷۹۸)

اور اس طرح یہ لوگ بلوچ قبائل میں شمار ہونے لگے (بلوچ قبائل ۹۰)، تالپوروں کی بہت سی شاخیں ہیں، ان میں سے صرف سندھ میں آباد اور امیرانِ سندھ کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

تالپور، سندھ کے معروف خطوں حیدر آباد، خیر پور اور میر پور خاص پر حکمران رہے، یہ لوگ امیرانِ کلہوڑا کے عہد حکومت (۱۱۳۱۔۱۱۹۸ھ/ ۱۷۱۸۔۱۷۸۴ء) میں وارد سندھ ہوئے اور ان کے ہاں ملازمت اختیار کر لی۔

اس خاندان کا ایک قابل ذکر فرد ککو خان (Kuku Khan) (ف حدود ۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء) تھا، جس کے فرزندوں نے ترقی کی یعنی ہوتک خان (Hutak Khan) (ف ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء) اور مانک خان (Manaik Khan)، اول الذکر کا پوتا سہراب خان (ف ۱۱۴۶ھ/ ۱۷۳۳ء) نے خیر پور، سندھ میں حکومت کی بنیاد ڈالی، اسی طرح مانک خان مذکور کے پوتے موسیٰ خان نے میر پور کے نام سے ایک شہر

Marfat.com

آباد کیا اور اس کے پوتے تاور خان (Tawar) نے اسی علاقے میں تالپوروں کی حکومت قائم کی۔
(تاریخ تازہ نوای معارک ۸۰۱ شجرہ)

ہوتک خان مذکور کا پڑپوتا میر صوبدار خان (ف ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء) نے تالپور خاندان کی حیدرآباد میں حکومت قائم کی، اس کے فرزندوں میں سے قابل میر فتح علی خان (۱۱۹۶۔۱۲۱۶ھ) تھا، اسی نے اس سلسلۂ تالپوران میں سب سے نمایاں کارنامے انجام دیئے اور حیدرآباد پر تادیر حکومت کی۔ (لب تاریخ سندھ ۱۴۲)، سندھ کے معروف شاعر عظیم الدین ٹھٹھوی نے ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء کو شاہ نامۂ فردوسی کی طرز پر اس کی فتوحات پر مشتمل کتاب ''فتح نامہ'' کے نام سے تصنیف کی۔

امیران تالپور نے سندھ کے تمام اہم حصوں پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء کو اسے آپس میں اس طرح تقسیم کرلیا۔ کہ اس کے سات حصے کئے گئے اور ہر ایک علاقے کا الگ حاکم مقرر ہوا، ان میں سے چار حصے میر فتح علی خان، دو حصے میر سہراب خان اور ایک حصہ میر تھارہ خان (Mir Thara Khan) کے تصرف میں آیا۔ (لب تاریخ سندھ ۱۴۴)

نادر شاہ نے ۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۹ء کو سندھ کے پیشتر حصے پر قبضہ کر کے ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۴۰ء کو بھکر تک سندھ کو اپنی افغانستان وایران کی حکومت کے ماتحت قرار دیا (لب تاریخ سندھ ۱۲۴۔۱۲۵، تحفۃ الکرام ۴۴۸۔۴۵۰ مع تعلیقات)، جو اس کے قتل کے بعد اس کے جانشین احمد شاہ درانی کے عہد میں بھی برقرار رہا، پھر درانی کے ہندوستان پر حملوں کے بعد بھی یہی صورت رہی اور ہر حاکم اس سے باقاعدہ حکومت کرنے کا اجازت نامہ لیتا رہا، میر فتح علی خان مذکور کی حکومت کو تیمور شاہ نے بحال کردیا اور اُسے نظام الملک کا خطاب بھی دیا اور اس کی وفات (۱۲۱۶ھ/ ۱۸۰۱ء) کے بعد اس کے بھائیوں میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا (تیمور شاہ درانی ۱/ ۲۳۶)، تیمور شاہ کے جانشین زمان شاہ نے بھی وہی مراعات بحال رکھیں۔ (درۃ الزمان ۴۴، ۵۰، ۳۲۲ وبہ بعد)

میر فتح علی خان تالپور نے تقریباً اٹھارہ سال سندھ پر بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی اور ۱۲۱۶ھ/ ۱۸۰۱ء کو انتقال کیا، اس کے بعد میر غلام علی خان حکمران بنا تو ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء کو امیران اور ایسٹ انڈیا کمپنی

Marfat.com

کے ساتھ اس کا ایک معاہدہ بھی ہوا، وہ ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء تک حاکم رہا، اس کی وفات کے بعد میر کرم علی خان بن میر صوبدار خان نے حیدر آباد کی عنانِ حکومت سنبھالی، اس کے عہد میں پنجاب کے سکھ حکمران رنجیت سنگھ (ف ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء) نے سندھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن شاہاں افغانستان کے سندھ میں عمل دخل کے باعث ایسا نہ کر سکا، وہ ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء تک حکمران رہا، میر مراد علی خان بن میر صوبدار خان اس کا جانشین بنا، اس کے عہدِ حکومت میں ہندوستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے کئی بار مداخلت کی اور کمپنی کے ساتھ اس کے دو معاہدے ہوئے، اول ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء اور دوسرا ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء، جن کی رو سے انگریزوں کو سندھ میں تجارت کرنے اور دریائے سندھ میں جہازرانی کی اجازت ملی، اس کے عہد میں افغانستان کا حکمران شاہ شجاع شکار پور آیا اور واجبات کی عدم ادائیگی کے باعث اس نے سندھ پر قبضہ کر لیا، امیرانِ سندھ اور شاہ شجاع کے مابین شدید جنگ ہوئی، جس میں امرائے تالپور مارے گئے، میر مراد علی نے ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء کو انتقال کیا، میر نور محمد خان بھی حیدر آباد کا حاکم رہا اور ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۴۰ء کو انتقال کیا۔

(لب تاریخ سندھ ۱۴۴-۱۵۲، Sindh and the Races, p.25-7)

خیر پور پر بھی امیرانِ تالپور نے عرصہ تک بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکمرانی کی، ان میں میر سہراب خان تقریباً ۴۷ سال تک حکمران رہا اور ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا اور اس کا فرزند اول میر رستم خان مسند نشین ہوا، اس کی وفات ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء کو ہوئی۔ (ہمانجا ۱۵۳)

امیران تالپور کی آخری حکومت میر پور خاص میں تھی، میر تھارہ خان اس کا موسس تھا، اس کے بعد اس کا فرزند میر علی مراد خان (ف ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۷ء) جانشین بنا اس کے بعد اس کا فرزند میر علی مراد خان (ف ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۷ء) جانشین ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا شیر محمد خان ملقب بہ شیر، سندھ کا حاکم ہوا تو اس کے اپنے ہی رشتہ دار حکمران میر نصیر خان، سید نور محمد خان، میر فتح علی خان وغیرہ، جن کا ذکر سابقہ سطور میں کیا جا چکا ہے دشمنی پر اتر آئے اور میر پور خاص اور نواح پر حملے کرنے لگے، اس دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے، جو ایسے موقع کی تلاش میں تھی، ان اختلافات کو ہوا دی، اب ان کے مابین کئی معاہدے ہوئے لیکن کمپنی نے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۳ء کو امیرانِ تالپور پر حملہ کر دیا، کمپنی اور امیران سندھ کے درمیان دو شدید جنگیں ہوئیں، جن

Marfat.com

میں امیران تالپور کو شکست ہوئی اور کمپنی کے کمانڈر سر چارلس نپیئر (Sir Charles Napier) نے سندھ کا الحاق کر لیا اور تالپوروں کی حکومت ختم ہوگئی۔ (لب تاریخ سندھ، ۱۵۴۔۱۵۵)

Sindh and the Races, pp.29-49.....

Travels in Balochistan and Sindh, pp.331-374

A Glance at Sindh before Napier, 240-2, 213. 15, etc.

امیران تالپور علم وادب کے شائق، ان کے درباروں سے اہل علم وفن وابستہ تھے، ان کے عہد میں تصنیف ہونے والی مثنویوں کا ایک مجموعہ حفیظ ہوشیار پوری نے مرتب کیا تھا، جو طبع ہو چکا ہے، امیرانِ تالپور نے فارسی زبان وادب کے فروغ کے لئے بھی نمایاں خدمات انجام دیں، ڈاکٹر غلام علی نے ان سرگرمیوں کی تفصیلات اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ لاڑ جی ادبی وثقافتی تاریخ میں یکجا کر دی ہیں۔

امیران تالپور خود سندھی اور فارسی میں شعر کہتے تھے، چنانچہ میر کرم علی خان متخلص بہ کرم (ف ۱۲۴۴ھ)، میر مراد علی خان علیؔ (ف ۱۲۴۹ھ)، میر صوبدار خان میرؔ (ف ۱۲۶۳ھ)، میر محمد علی خان بہرہ ور (ف ۱۲۷۸ھ)، میر محمد نصیر خان جعفریؔ (ف ۱۲۶۱ھ)، میر محمد حسن علی خان حسنؔ (۱۳۲۴ھ)، میر عباس علی خان مومنؔ، میر عبدالحسین خان سانگی، میر شہداد خان حیدریؔ، میر محمد حسین علی حسینؔ سب شعراء تھے، ان میں سے بعض کے حالات اور کلام کا انتخاب تکملہ مقالات الشعراء میں درج ہے، میر یار محمد خان تالپور (ف ۱۲۷۹ھ) نے سندھ پر ایک کتاب ''فریئر نامہ'' فارسی نظم میں تصنیف کی، جس میں تقریباً گیارہ ہزار اشعار ہیں۔ (تاریخ سندھ ۱/ ۷، ۲۵۔۲۷)

ان میں سے میر نور محمد خان ثالث تو ایک عظیم الشان کتب خانے کا مالک تھا۔ (تکملہ مقالات ۷۵۶)

مآخذ

۱۔ الانا، غلام علی: لاڑ جی ادبی ءثقافتی تاریخ، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۷۷ء

۲۔ پوٹنگر، ہنری: سفر نامۂ بلوچستان وسندھ، کوئٹہ، ۱۹۸۰ء

۳۔ ڈیمز، لونگ ورتھ: بلوچ قبائل اردو ترجمہ از کامل القادری، کوئٹہ، ۱۹۸۳ء

Marfat.com

۴۔ خداداد خان: لُب تاریخ سندھ مرتبہ نبی بخش بلوچ، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۵۹ء
۵۔ خلیل، محمد ابراہیم: تکملہ مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۵۸ء
۶۔ عظیم، عظیم الدین تتوی: فتح نامہ بتصحیح شیر محمد نظامانی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۶۷ء
۷۔ ایضاً: دیوانِ عظیم، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۶۱ء
۸۔ عطا محمد شکارپوری: تاریخ تازہ نوای معارک مرتبہ عبدالحی حبیبی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۵۹ء
۹۔ فوفلزئی، عزیز الدین وکیلی: تیمور شاہ درانی، کابل ۱۳۴۶ ش
۱۰۔ ایضاً: درۃ الزمان (تاریخ شاہ زمان)، کابل، ۱۳۳۷ ش
۱۱۔ مہر، غلام رسول: تاریخ سندھ (ج ۶)، لاہور، ۱۹۵۸ء
۱۲۔ نور محمد کلہوڑا (والی سندھ): منشور الوصیت ودستور الحکومت مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۶۴ء
۱۳۔ قمر جہان مرزا: سندجی تاریخ (میرن تالپرن جودور، جامشورو، سندھ ۲۰۱۵ء

14- Burton, R.F: Sindhi and Races that inhalit the valley of Indus, Karachi, Oxford Univeristy, press, 1975.

15- Burnes, A: Travels into Bukhar and a voyage on Indus, Karachi, Oxford University press, 1975.

16- Eastwick, E.B: A Glance at Sindh before Napier, Karachi, 1973.

17- Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, Bombay, 1959.

18- Pottinger, H: Travels in Balochistan and Sindh, Karachi, 1970.

۳۰ر نومبر ۱۹۹۸ء

(برائے دانشنامہ شبہ قارہ)

Marfat.com

ابدالیان

افغانوں کی ایک مشہور شاخ ابدالی ہے، جس نے بعد میں اپنا نام بعہد احمد شاہ ابدالی بدل کر درانی رکھ لیا (طہماس نامہ ۶۳، خلاصۃ الانساب ص ۵۴)، ان کی بود باش قندھار (افغانستان) میں تھی، قیس عبدالرشید کے ایک بیٹے کا نام شرخبون (شرف الدین) تھا، اس شرخبون کے ایک فرزند کا نام ترین ہے، جس سے محمد عارف تولد ہوئے، یہ صوفی منش آدمی تھے اور اس کے عہد کے معروف چشتی بزرگ خواجہ ابواحمد ابدال چشتی (ف ۳۳۵ھ) سے بیعت ہو گئے، انہوں نے محمد عارف کو ابدال قرار دیا، جو صوفیہ کے درجات میں سے ایک اہم درجہ ہے، اس وقت سے ان کی تمام اولاد ابدالی کہلانے لگی، ان کے شجرات بہت طویل ہیں۔

(رک خلاصۃ الانساب از حافظ رحمت خان، تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی شجرات پیوستہ کتاب)

آریانا دائرۃ المعارف میں بغیر کسی حوالے کے ابدالیوں کی اصل آریہ بتائی گئی ہے (۱/ ۶۷۷)، ابدالیوں کی زیادہ وابستگی ہرات سے تھی، اسے انہوں نے دارالنصرت کا نام دیا ہے، خود احمد شاہ درانی نے ہرات کو اپنے آباواجداد کا دارالحکومت قرار دیا ہے۔

(نامۂ احمد شاہ درانی بنام سلطان مصطفیٰ ثالث عثمانی ص ۱۷)

چنانچہ ہرات میں ابدالیوں کے حسب ذیل حکمران فرمانروائی کرتے رہے ہیں:

(۱) شاہ عبداللہ خان ابدالی ۱۱۲۹ھ

(۲) سردار محمد زمان خان (پدر احمد شاہ درانی) ۱۱۳۲ھ

(۳) سردار محمد خان بن شاہ عبداللہ ابدالی ۱۱۳۵ھ

(۴) سردار ذوالفقار خان (برادر احمد شاہ درانی) ۱۱۳۶ھ

(۵) سردار اللہ یار خان بن شاہ عبداللہ خان ۱۱۳۸ھ

(۶) سردار ذوالفقار خان (مذکور نمبر ۴) ۱۱۴۲ھ

Marfat.com

(۷) سردار اللہ یار خان ابدالی (مذکور نمبر ۵) ۱۱۴۳ھ/

(تاریخ احمد شاہی ۱/۱۶۶۔الف، فوائد صفویہ ۱۵۸۔۱۵۹، عالم آرائی نادری ۱/۱۵۰، مجمل التواریخ ۵۸۔۵۹)

ابدالیوں کی سرداری یا حکمرانی کا آغاز شاہ عباس اول (۹۸۹۔۱۰۳۸ھ/ ۱۶۲۹ء) کے عہد میں ہوا، اس نے اس قبیلے کے ایک سردار ''سدو'' کو ''میر افاغنہ'' کا خطاب دیا، جب نادر شاہ کا ایران میں ظہور (۱۷۲۶ء) ہوا تو ابدالیوں نے اُس کی خوب خدمت کی، جس کے صلے میں اس نے ان کو ان کے پرانے علاقے قندھار میں بسا دیا، ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ ابدالی خود قندھار میں بادشاہ بن گیا، اور اس نے طویل عرصہ تک افغانستان اور ہندوستان پر حکومت کی اور افغانوں کے بابا یا باپ کہلایا، اس نے ۱۷۴۷ء سے ۱۹۶۹ء تک پاکستان و ہند پر نو حملے کیے، جس میں مسلم حکومت اور مسلم عوام کی دشمن قوتوں یعنی مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کو شکست فاش دی، وہ صحیح معنوں میں ہندوستان کی مسلم حکومت کا نجات دہندہ تھا لیکن مغل حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، میرزا مظہر جانِ جاناں، شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری، میاں محمد عمر چمکنی پشاوری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، سید محمد بن سید علی شیخانی، سید نجیب کنڑی، میاں محمد عثمان، شیخ شکر اللہ ٹھٹھوی، شیخ بہلول جالندھری، میاں رحمت اللہ لاہوری، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری (مولف تاریخ کشمیر)، شیخ کمال الدین کشمیری اور صاحبزادگان سرہند کے ساتھ اس کی مراسلت تھی، ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اُسے ان غیر مسلم قوتوں کے مسلمانوں پر مظالم سے آگاہ کر کے اُسے بار بار ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔

(مقدمہ، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکاتیب از خلیق احمد نظامی، ومقامات مظہری، مقدمہ ص ۳۵۔۳۶)

پاکستان و ہند میں احمد شاہ ابدالی کے عہد میں کئی اہم کتب تالیف ہوئیں، بعض اس کے نام معنون کی گئیں، علماء، مشائخ اور مصنفین و شعراء کی سرپرستی میں بھی اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس کی تفصیل بہت ہی طویل ہے، (رسائل حافظ محمد صدیق لاہوری، مقدمہ، عزیز الدین وکیلی: تیمور شاہ درانی ۲/ ۶۷۸)

گویا ابدالیوں میں سب سے اہم کردار احمد شاہ ابدالی (درانی) کا ہے، اس کے جانشینوں کے عہد میں حکومت مختلف سازشوں کا شکار ہو کر صرف افغانستان تک محدود ہو گئی تھی، ان کے عروج و زوال کی داستان

Marfat.com

کے لئے دیکھئے: مقالہ ابدالی ہا مشمولہ آریانا دائرۃ المعارف کابل کی جلد اول، ابدالیوں کی سیاسی، سماجی اور علمی سرگرمیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

۱۔ تاریخ احمد شاہی از محمود حسینی جامی، ماسکو ۱۹۷۴ء

۲۔ فوائد الصفویہ از ابوالحسن قزوینی، طبع مریم میر احمدی، تہران ۱۳۶۷ ش

۳۔ تذکرۃ الملوک از میرزا سمیعا مرتبہ مینورسکی، دبیر سیاقی، مسعود رجب نیا، تہران ۱۳۶۸ ش

۴۔ نامۂ احمد شاہ بابا بنام سلطان مصطفیٰ ثالث عثمانی، مرتبہ غلام جیلانی جلالی، کابل ۱۳۴۶ ش

۵۔ محمد کاظم مروی (وزیر مرو) عالم آرای نادری مرتبہ محمد امین ریاحی، تہران ۱۳۳۶ ش

۶۔ شاہنامۂ احمد شاہ ابدالی از حافظ مرتبہ مشتاق احمد مشتاق، پشاور ۱۹۶۵ء

۷۔ مجمل التواریخ از ابوالحسن گلستان طبع مدرس رضوی، تہران ۱۳۴۴ ش

۸۔ احمد شاہ بابای افغان از میر غلام محمد غبار، کابل ۱۳۱۷ ش

۹۔ تاریخ افغانستان در عصر گورگانی ہند از عبدالحی حبیبی، کابل ۱۳۴۱ ش

۱۰۔ تاریخچۂ نادر شاہ از مینورسکی، ترجمہ سید یاسی، تہران ۱۵۳۶ ش

۱۱۔ تیمور شاہ درانی از عزیز الدین وکیلی فوفلزئی، کابل ۱۳۴۶ ش

۱۲۔ تاریخ زندیہ از ہادی ہدایتی تہران ۱۳۳۴ ش

۱۳۔ درۃ الزمان (تاریخ شاہ زمان) عزیز الدین وکیلی فوفلزئی، کابل ۱۳۳۷ ش

۱۴۔ انقراض سلسلہ صفویہ وایام استیلا افاغنہ در ایران از لکھارت، ترجمہ مصطفیٰ قلی قمار، تہران ۱۳۶۴ ش

۱۵۔ مقامات مظہری از شاہ غلام علی مرتبہ محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۸۳ء

تاریخ شاہی مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) سلطان بہلول لودھی (۲) سکندر لودھی (۳) ابراہیم لودھی، شیر شاہ سوری (۹۴۶-۹۵۲/ ۱۵۳۹-۱۵۴۵ء)، اسلام شاہ (۹۵۲-۹۶۰ھ/ ۱۵۴۵-۱۵۵۲ء)، فیروز شاہ (۹۶۰ھ/ ۱۵۵۲ء) عادل شاہ (۹۶۰-۹۶۱ھ/ ۱۵۵۲-۱۵۵۳ء) ابراہیم سور (۹۶۱-۹۶۲ھ/ ۱۵۵۳-۱۵۵۴ء)، سکندر شاہ (۹۶۲ھ/

Marfat.com

۱۵۵۴ء) بابر، ہمایوں اور اکبر کا دہلی میں داخلہ (۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء)

مغل سلاطین کے وقائع اس کتاب کا اصل مقصد تالیف نہیں ہے بلکہ یہ واقعات سرسری طور پر افغانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے ازراہِ تذکرہ آگئے ہیں۔

احمد یادگار نے تاریخ شاہی میں بہت سے الفاظ اردو کے دیئے ہیں، (ہدایت حسین نے ان الفاظ کی فہرست اپنے مرتبہ ایڈیشن کے آخر میں دے دی ہے)

بیورج نے لکھا ہے کہ تاریخ شاہی کا سب سے قیمتی حصہ وہ ہے جس میں اس نے بابر کے آخری دو سالوں کے حالات درج کئے ہیں، اسے بجا طور پر توزک بابری، تاریخ فرشتہ اور اکبر نامہ کا ذیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ (بیورج: مقالہ......ص ۲۸۹)

بقول پروفیسر ڈاوسن اگر ہمارے پاس احمد یادگار کی تاریخ نہ ہوتی تو ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ بابر نے منداہریوں کے خلاف مہم سر کی تھی اور یہ کہ بابر اپنے تیسرے سالِ جلوس (۹۳۰ھ) میں لاہور آیا اور اس نے سرہند میں راجہ کاہلور سے ملاقات کی تھی۔

افغانوں کے بارے میں بھی اس کی معلومات بعض مقامات پر ایسی ہیں، جو کسی دوسری تاریخ میں نہیں ملتیں، مثلاً شیر شاہ سوری کے کالنجر پر حملے کی وجہ (رک ص ۲۲۸)، فیروز شاہ بن اسلام شاہ سوری کا عہدِ حکومت دو ماہ تھا (ص ۲۷۲)، جبکہ تمام مغل مورخین نے اس کا عہدِ حکومت صرف تین دن بتایا ہے، ہیموں اور اکبر کے معاملے میں یورپین مورخین (سمتھ، وون نور و غیرہ) نے اسی کو بنیاد بنایا تھا۔

دراصل تاریخ شاہی کا بہت سا مواد طبقات اکبری سے منقول ہے، اس نے لکھا ہے کہ طبقات ناصری اور تاریخ فیروز شاہی (برنی) کے بعد کوئی معیاری کتاب تاریخ اب تک مرتب ہی نہیں ہوئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اپنی کتاب فن تاریخ نویسی کے کسی معیار پر بھی پوری نہیں اترتی۔

Marfat.com

خان جہان لودھی

خان جہان لودھی گیارہویں ہجری/ سترہویں صدی عیسوی کے رجالِ تاریخ اور مغل حکومت کے ہفت ہزاری منصب داروں میں سے تھا۔

خان جہان کا اصل نام پیر خان تھا، وہ دولت خان بن عمر خان بن دولت خان (شیر خان لودھی) بن ملک احمد خان کا فرزند تھا (تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی ۲/ ۴۳۶۔۴۷۱)، یہ خانوادہ علاقہ روہ سے آکر ہندوستان میں سلاطین لودھی کے ہاں معزز عہدوں پر متعین ہوا تھا۔

جہانگیر بادشاہ، دولت خان لودھی (گورنر پنجاب) اور مذکورہ دولت خان (شیر خان) کے مابین فرق نہیں کرسکا، اس نے اول الذکر کو ہی خان جہان کا چچا (عموی) سمجھ لیا ہے (توزک ۴۲) [بحوالہ تاریخ خان جہانی، مقدمۂ امام الدین ص ۲۷ حاشیہ]، پیر خان (خان جہان) رنتھمبور (Ranthanbor) کے مقام پر ۹۸۸ھ/ ۱۵۸۰ء کو پیدا ہوا (تاریخ خان جہانی ۲/ ۴۷۳)، اس کے والد، دادا اور پردادا سب اعلیٰ عہدوں پر مصروف کار تھے، اس کی تعلیم وتربیت بھی خاص طور پر کی گئی، وہ آغاز شباب میں ہی شہزادہ دانیال (ف ۱۰۱۳ھ/ ۱۶۰۵ء) بن اکبر بادشاہ کے ملازمین میں شامل ہوگیا اور اپنی دانائی وبہادری سے جلد ہی معزز مقام حاصل کر لیا، پھر شہزادہ سے علیحدہ ہو کر نواب عبدالرحیم خان خانان (۹۶۴۔ ۱۰۳۶ھ/ ۱۵۵۶۔ ۱۶۲۷ء) سے وابستہ ہوا اور دکن میں جاگیر حاصل کی (ایضاً ۲/ ۴۷۷ وبہ بعد)، وہ ابھی دکن میں ہی تھا کہ اکبر بادشاہ کی وفات (۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء) ہوگئی اور اس کا فرزند سلیم، نورالدین جہانگیر کے لقب سے جانشین ہوا تو اس نے تمام امراء کو طلب کیا، پیر خان کو بھی جس کی بہادری ودیگر صفات سے جہانگیر آگاہ تھا، بلا بھیجا۔ (ایضاً: ۲/ ۴۹۰۔۴۹۳)

۱۰۱۵ھ/ ۱۶۰۷ء کو جہانگیر نے بہت مہربانی کی، اُسے سہ ہزار منصب اور صلابت خان کا خطاب دیا (توزک جہانگیری ۴۲، تاریخ خان جہانی ۲/ ۴۹۲)، اسی سال اُسے ''خان جہان'' کا خطاب بھی مرحمت

Marfat.com

ہوا۔(توزک ۶۰)

۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء کو اُسے پنج ہزاری منصب ملا (توزک ۶۶، تاریخ خان جہانی ۴۹۳، ۶۹۵)، ۱۰۲۱ھ/ ۱۶۱۲ء کو اُسے بہار (Bihar) کا صوبیدار بنایا گیا (تاریخ خان جہانی ۲/ ۵۲۰)، اس سے قبل ۱۰۱۸ھ/ ۱۶۰۹ء کو اُسے خانِ خانان کی مدد کے لئے بارہ ہزار سواروں کے ساتھ دکن بھیجا گیا تھا۔ (مآثر الامراء ۱/ ۷۱۳)

بہار کی صوبیداری کے تین سال بعد اُسے ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۴ء کو تھانیسر (Thanisar) کا فوجدار متعین کیا گیا۔ (تاریخ خان جہانی ۲/ ۵۲۹)

۱۰۲۶ھ/ ۱۶۱۷ء کو اس کے منصب میں ایک ہزار کا اضافہ ہوا، اب وہ شش ہزاری منصب دار تھا۔ (توزک ۱۸۴)

۱۰۲۹ھ/ ۱۶۱۹ء کو اُسے ملتان کا صوبیدار بنایا گیا (ایضاً ۳۲۳)، اس کی کارکردگی قابل تعریف رہی، جہانگیر اس کی جدائی برداشت نہیں کرتا تھا، ایک بار جب وہ نظامتِ ملتان کے دوران ملنے آیا تو اُسے خود ''فرزند خان جہان'' لکھ کر یاد کیا ہے (توزک ۳۴۸)، پہلی ملاقات میں اسے ''فرزند'' کا خطاب دیا تھا اور مہر کن مولانا احمد کو ایک شعر موزوں کر کے اس کا سجع مہر بنانے کا حکم دیا:

فرزند خاصِ شاہ شد از قدرت الٰہ خان جہان مرید جہانگیر بادشاہ

(تاریخِ خان جہانی ۲/ ۴۹۳)

۱۰۳۳ھ/ ۱۶۲۳ء کو اُسے جہانگیر نے آگرہ (Agra) کا صوبیدار بنایا (توزک ۳۸۰)، لیکن اسی سال اُسے طلب کر کے گجرات (Gujrat) کی صوبیداری پر تعینات کیا گیا۔ (ایضاً ۳۹۵)

اگلے ہی سال اُسے ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۵ء کو برہانپور (Burhanpur) کا صوبیدار بنایا گیا۔ (انفع الاخبار بحوالہ اطہر علی ص ۸۶)

۱۰۳۵ھ/ ۱۶۲۵ء کو اُسے سپہ سالار کے خطاب سے نوازا گیا (توزک ۴۱۸، اقبال نامۂ جہانگیری ۲۸۹)، اس کے صرف دو سال بعد ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء کو اُسے دکن (Deccan) کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ (پادشاہ نامۂ لاہوری ۱/ ۷۵ و بہ بعد)

Marfat.com

لیکن شاہ جہان (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ/ ۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) کو جیسا کہ تمام اکابر امراء نے جانشینی کے وقت حاضر ہو کر اس تخت نشینی کی توثیق کی تھی، خان جہان حاضر نہیں ہوا تھا، اُس شاہ جہان غیر مطمئن تھا، وہ دارالحکومت آگرہ میں حاضر ہو کر انعامات سے بھی نوازا گیا لیکن طرفین میں بددلی باقی رہی، اُسے یقین تھا کہ کسی بھی وقت اس کا کام تمام کر دیا جائے گا، اسی خوف سے ایک رات ۲۷ رصفر ۱۰۳۹ھ/ اکتوبر ۱۶۲۹ء کو وہ فرار ہونے کے لئے آگرہ سے نکلا، اس کے ساتھی اور اہل عیال بھی ہمراہ تھے (پادشاہ نامۂ لاہوری ۱/ ۲۶۹ و بہ بعد)، آگرہ سے قریب ہی شاہی فوج نے جو متعاقب تھی، اس کا مقابلہ کیا، اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے، لیکن وہ دکن پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۰ء کو اس کے مقابلہ کے لئے برہان پور جا کر مقیم ہو گیا۔ (مآثر الامراء ۱/ ۷۲۱).

شیخ فرید بھکری، جوان حوادث کا چشم دید وقائع نگار ہے، خان جہان کی بربادی اور شاہی افواج کے ساتھ دکن میں اس کے مقابلوں کا حال افسوس کے ساتھ قلم بند کرتا ہے کہ خان جہان نے سلطنت مغلیہ کے استحکام اور توسیع کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں، غلط فہمیوں کا شکار ہو کر ۱۰۴۰ھ/ ۳۱-۱۶۳۰ء کو قتل ہوا۔

(ذخیرۃ الخوانین ۲/ ۱۱۲-۱۱۴، مآثر الامراء ۱/ ۷۲۴)

خان جہان کی ساری زندگی جنگ و جدل میں گذری لیکن وہ شعر وادب کا دلدادہ، مذہب اہل سنت کا پابند، علماء وصوفیہ کا گرویدہ تھا، مشائخ میں سے شاہ فضل اللہ برہانپوری (ف ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۶ء) کا صحبت یافتہ تھا، تمام عمر صوم وصلوۃ کا پابند رہا، جوانی میں ہی توبہ کر لی جو تاحیات قائم رہی، ہندوؤں کو پسند نہیں کرتا تھا، نصف شب اولیاء کی محفل میں جاتا ''قال اللہ وقال الرسول'' (ﷺ) اس مجلس کی پہچان تھی۔

(ذخیرۃ الخوانین ۲/ ۱۱۵)

ذخیرۃ الخوانین کا مشہور مولف شیخ فرید بھکری (Bhakkari) اس کی فوج میں بخشی کے عہدے پر فائز تھا، جس نے اس کی زندگی اور مجالس کا حال لکھا ہے اور بتایا کہ اس کی فوج کے اخراجات کس قدر تھے۔

(ایضاً ۲/ ۱۱۵)

Marfat.com

مآخذ

۱۔ ابوالفضل علامی: آئین اکبری، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۶۷۔۱۸۷۷ء

۲۔ ایضاً: ،اکبرنامہ، کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال،۱۸۷۳۔۱۸۷۷ء

۳۔ جہانگیر، نورالدین محمد: توزک جہانگیری مرتبہ سید احمد خان، علی گڑھ،۱۸۶۳ء

۴۔ شاہنواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۸ء

۵۔ عبدالحمید لاہوری: پادشاہ نامہ، کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۶۷۔۱۸۶۸ء

۶۔ فرید بھکری: ذخیرۃ الخوانین مرتبہ سید معین الحق، کراچی، ۱۹۷۰ء

۷۔ کامگار حسین: مآثر جہانگیری مرتبہ عذرا علوی، بمبئی، ۱۹۷۸ء

۸۔ معتمد خان: اقبال نامۂ جہانگیری، کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۶۵ء

۹۔ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی مرتبہ امام الدین، ڈھاکہ،۱۹۶۲ء

10- Athar Ali: Apparatus of Empire, Oxford, Delhi, 1985

11- Elliot, H: Dowsan: History of India, (rep) Lahore.

12- Imam ul-Din: Khan-i-Jahan Lodi and his ancestors, Islamic Calture, (july 1949) Hyderabad, Deccan.

13- Beveridge, H: Khan Jahan Londi, Ency: Islam (new.ed)

۹ر نومبر ۲۰۰۶ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

اختر، واجد علی شاہ

واجد علی شاہ اختر، اودھ کا آخری تاجدار تھا۔

واجد علی شاہ کی ولادت ۱۰ر ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ/ ۱۹ر جولائی ۱۸۲۳ء کو لکھنو میں ہوئی، تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے (رضوی ادیب اور کوکب نے تمام بیانات یکجا کر دیئے ہیں، سلطان عالم واجد علی شاہ ۳۱۷۔۳۱۹، واجد علی شاہ ادبی خدمات ۵۲۔۵۴)

واجد علی شاہ اپنے والد نجم الدولہ مرزا امجد علی خان بہادر بن نواب نصیر الدولہ بہادر کی وفات کے بعد ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء کو تخت نشین ہوا، ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) نے بھی اس کی توثیق کی اور واجد علی شاہ کو بادشاہِ اودھ (Awadh) تسلیم کرلیا، اس نے عدل وانصاف کے ساتھ حکومتی معاملات کا آغاز کیا، مختلف عہدوں سے امراء وارکانِ سلطنت کو فنی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا، فوج کی ازسرِنو تنظیم کی گئی، فوج کی تعداد تقریباً ۵۳ ہزار تھی۔

ہندوستان کی مرکزی مغل حکومت کی کمزوری اور سیاسی رقابتوں کے باعث صوبوں کی حکومتیں بڑی تیزی سے خود مختار ہو رہی تھیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو ان کے اختلافات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے مواقع مل گئے تھے، ریاست اودھ کا مرکزی حکومت سے برابر تعلق قائم تھا، انگریزوں نے ان اختلافات سے اپنا فائدہ حاصل کیا اور اودھ کے نواب غازی الدین حیدر (۱۸۱۴۔۱۸۲۷ء) کو کمپنی نے اکسایا کہ اپنی بادشاہت کا اعلان کردے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جس سے ہندوستان کی مرکزی حکومت سے اودھ کا تعلق ختم ہوگیا، اب انگریزوں نے کھل کر اودھ کے سیاسی معاملات میں دخل دینا شروع کردیا، انہیں مالی امداد اور قرضے دیئے پھر ان کی وصولی کے لئے ذلت آمیز شرائط ان پر ٹھونسی گئیں، اس طرح وہاں کے عملاً حکمران انگریز ہی تھے، واجد علی شاہ کے عہد میں انگریز رزیڈنٹ کرنل رچمنڈ (Col.Richmand) تھا، جس کے عہد میں یہ مداخلت زوروں پر تھی، اس کے رخصت (۱۸۴۸ء) ہونے پر کرنل سلیمن

Marfat.com

(W.H.Sleeman) کے آتے ہی سلطان عالم واجد علی شاہ کی تحقیر و تذلیل تک ہونے لگی۔

(کوکب: واجد علی شاہ کی ادبی و ثقافتی خدمات ۶۳۔۶۴)

اسی دوران واجد علی شاہ شدید علیل ہو گیا اور معاملاتِ مملکت چلانا دشوار تر ہو گیا تو مدار الدولہ نواب علی نقی خان کو مختار بنا کر خود آرام کرنے اور رقص و سرور میں تمام وقت گذارنے لگا، جس سے اودھ کے سیاسی و مالی معاملات میں بہت سے نقائص پیدا ہو گئے، گویا واجد علی شاہ کا ۱۸۴۹ء میں حکومت سے براہِ راست تعلق ختم ہو کر رہ گیا۔ (مرقع خسروی ۲۱۰)

۵؍دسمبر ۱۸۵۴ء کو اودھ کے نئے رزیڈنٹ کرنل اوٹرم نے اپنے عہدے کا چارج لیا، اس نے کرنل سلیمن (Saleeman) کی رپورٹوں کو بنیاد بنا کر شاہِ اودھ پر ان تمام الزامات کو قائم رکھا، جو کمپنی نے پہلے سے لگا رکھے تھے، جن کی بنیاد پر لارڈ ڈلہوزی (Dalhausie 1812-1860) نے ۲۱؍نومبر ۱۸۵۵ء کو اودھ کے الحاق کی اجازت دے دی اور ایک عہد نامہ مرتب کیا گیا، جس میں واجد علی شاہ کو یقین دلایا گیا کہ وہ کمپنی کی شرائط کو تسلیم کر لے تو اس کا لقب اور اس کے لئے بارہ لاکھ روپے سالانہ اور تین لاکھ روپے سالانہ اس کے عملے کے لئے دیئے جائیں گے اور یہی سلوک اس کی نسل اور جانشینوں کے ساتھ بھی ہوگا (قیصر التواریخ ۲/۳۰۔۱۲۰) لیکن واجد علی شاہ نے معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

(واجد علی شہا کی ادبی خدمات ۶۶)

لیکن اس کے باوجود ۱۸۵۶ء کو اودھ کا الحاق کر لیا گیا، جس کی تمام تر تفصیلات کتب تاریخ میں درج ہیں:

(Native States of India, British relations with Oudh, indirect Rule in India, p.376)

واجد علی شاہ نے بیش قیمت تحائف دے کر ایک وفد انگلستان بھیجا تا کہ ریاست کے الحاق پر نظر ثانی کے لئے درخواست کی جا سکے، لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا، اگلے ہی سال پورے ہندوستان میں جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کا آغاز ہو گیا، واجد علی شاہ پر الزام تھا کہ وہ در پردہ مفسدوں سے ساز باز رکھتا ہے، چنانچہ اس کو کلکتہ لے جا کر نظر بند کر دیا گیا، جہاں وہ ۲۶ ماہ قید رہا، نظر بندی کی اس مدت میں واجد علی شاہ

Marfat.com

نے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا کام کیا، اس نے خود ۱۸۵۷ء کے حوادث اور اپنی نظر بندی کی تفصیلات پر ایک مستقل کتاب ''حزن اختر'' تالیف کی تھی، جو چھپ چکی ہے۔

واجد علی شاہ نے ۳ رمحرم ۱۳۰۵ھ/ ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو انتقال کیا (تاریخ اودھ ۲۸۲/۵)، واجد علی شاہ فارسی و اردو نظم و نثر میں اچھی استعداد رکھتا تھا، ان کی فارسی نثر اس زبان کے باکمال افراد کی یاد تازہ کرتی ہے، جس کی تعریف اکثر تذکرہ نویسوں اور ادیبوں نے کی ہے۔ (سلطان عالم واجد علی شاہ ۷۷۔۸۲)

واجد علی شاہ سو سے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا، جن میں سے ۴۴ رکتب کا سراغ مل سکا ہے، ان میں سے ۹ کتابیں فارسی اور باقی اردو و ہندی نظم و نثر میں ہیں۔

اردو کتابوں کے فقط اسماء اور فارسی تالیفات کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

(۱) افسانہ عشق ۱۲۵۵ھ مطبوعہ
(۲) دریائے تعشق ۱۲۵۶ھ مطبوعہ
(۳) بحر الفت ۱۲۵۶ھ مطبوعہ
(۴) گلدستہ عاشقان (دیوان غزلیات) مطبوعہ
(۵) ہیبتِ حیدری ۱۲۶۵ھ مطبوعہ
(۶) عشق نامہ منظوم ۱۲۶۶ھ مطبوعہ
(۷) سخن اشرف (دیوان غزلیات) مطبوعہ
(۸) ارشاد خاقانی ۱۲۶۹ھ مطبوعہ
(۹) جواب بلوبک ۱۲۷۳ھ مطبوعہ
(۱۰) دیوان مبارک (دیوان غزلیات) ۱۲۷۳ھ مطبوعہ
(۱۱) کلیات سوم ۱۲۷۳ھ مطبوعہ
(۱۲) حزن اختر ۱۲۷۴ھ مطبوعہ
(۱۳) بحر مختلف ۱۲۷۵ھ مطبوعہ
(۱۴) تاریخ مذہب ۱۲۷۳ھ مطبوعہ
(۱۵) تاریخ ممتاز ۱۲۷۶ھ مطبوعہ
(۱۶) تاریخ غزالہ ۱۲۷۵ھ مطبوعہ
(۱۷) تاریخ نور ۱۲۷۶ھ غیر مطبوعہ
(۱۸) تاریخ بدر ۱۲۷۶ھ مطبوعہ
(۱۹) تاریخ فراق ۱۲۷۶ھ غیر مطبوعہ
(۲۰) تاریخ جمشیدی ۱۲۷۶ھ غیر مطبوعہ
(۲۱) شیوع فیض ۱۲۷۶ھ مطبوعہ
(۲۲) کلیات اختری ۱۲۷۸ھ مطبوعہ
(۲۳) قمر مضمون ۱۲۸۱ھ مطبوعہ
(۲۴) ناجو (ہندی کلام) مطبوعہ
(۲۵) نظم نامور ۱۲۸۷ھ (کلیات نظم اردو) مطبوعہ

Marfat.com

(۲۶) ایمان ۱۲۸۸ھ مطبوعہ (۲۷) دلہن ۱۲۸۹ھ (ہندی مطبوعہ)

(۲۸) بنی ۱۲۹۴ھ (اردو، ہندی) مطبوعہ (۲۹) توشۂ آخرت ۱۲۹۹ھ مطبوعہ

(۳۰) ریاضِ عقبیٰ مطبوعہ (۳۱) ریاض القلوب ۱۲۹۹ھ مطبوعہ

(۳۲) ثبات القلوب ۱۳۰۴ھ غیر مطبوعہ

(واجد علی شاہ کی ادبی ثقافتی خدمات ص ۱۱۱۔۱۱۳)

فارسی تالیفات

۱۔ عشق نامہ

یہ فارسی نثر میں ہے اور اس کا زمانۂ تالیف ۱۲۶۳ھ تا ۱۲۶۵ھ ہے، یہ دراصل واجد علی شاہ کی آپ بیتی ہے، لیکن اس میں تمام گذرے ہوئے واقعات بیان کرنے کی بجائے صرف ایسے واقعات کا انتخاب کیا گیا ہے، جن کا تعلق عورتوں سے ہے، تخت نشینی، تعمیرات اور دیگر واقعات سے متعلق جن باتوں کو شامل کتاب کیا گیا ہے ان سے پس منظر کا علم ہوتا ہے، یہ کتاب رنگ برنگے واقعات کا مرقع ہے، اس میں داستانوں کی تعداد ۱۳۲ ہے۔ (واجد علی شاہ کی ادبی خدمات ۱۲۷۔۱۳۲)

اس کا ایک خطی نسخہ بخط واجد علی شاہ، ذخیرۂ شیرانی، کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور میں ہے (فہرست شیرانی ۷۷) اور دوسرا کتب خانہ محمد امیر حیدر خان محمود آباد، لکھنو میں ہے۔ (واجد علی شاہ ۱۲۷) اس کا وہ نسخہ، جو خود واجد علی شاہ نے شاہانہ اہتمام سے کتابت کروایا تھا، برطانیہ کی ملکہ کے شاہی محل کی زینت ہے، جس کا عکس ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ ڈاکٹر اکرام چغتائی شائع کرنے والے ہیں۔

۲۔ مجموعہ واجدیہ

یہ واجد علی شاہ کی کشکول ہے، ۱۲۶۳ھ تا ۱۲۶۶ھ اس کا زمانہ تالیف ہے، تکمیل ہی کے سال یہ کتاب طبع ہوئی، اس کا اردو ترجمہ اگلے ہی سال ۱۲۶۷ھ کو شائع کیا گیا۔

۳۔ بحر ہدایت

یہ رسالہ فقہی مسائل پر ہے، ۱۲۶۷ھ کو مکمل ہوا اور اسی سال مطبع سلطانی سے چھاپ دیا گیا، اس میں

Marfat.com

وہ استفتا شامل ہیں، جو واجد علی شاہ کے والد امجد علی شاہ نے مولوی سید محمد بن مولوی سید دلدار علی سے مختلف اوقات میں پوچھے تھے اور افادۂ عام کی غرض سے سلطان نے ان کو کتابی صورت میں مرتب کر کے شائع کر دیا۔

۴۔ صوت المبارک

اس کتاب کا موضوع ہندوستانی فن موسیقی کا اجمالی بیان اور اس کی تاریخ ہے، موسیقی کی مختلف اصطلاحوں کو ابواب وفصول کے تحت عنوانات بنا کر تفصیل بیان کی گئی ہے، ۱۲۶۹ھ میں طبع ہوئی۔

۵۔ نصائح اختری

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے، سال تالیف وطباعت ۱۲۷۵ھ، چار فصلوں پر مشتمل ہے، یہ رسالہ آداب مجلس کے موضوع پر ہے، شیخ نے فارسی میں اس رسالے کی شرح بھی لکھی گئی تھی۔

۶۔ صحیفۂ سلطانی

یہ رسالہ روزمرہ کی ادعیہ کا مجموعہ ہے، ۱۲۸۶ھ میں تالف ہوا اور تاحال طبع نہیں ہوسکا، امام باڑہ سبطین آباد (کلکتہ) میں اس کا ایک نسخہ ہے، آیات قرآنیہ اور عربی عبارات کا فارسی ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔

۷۔ مباحثہ بین النفس والعقل

یہ رسالہ بھی فارسی نثر میں ہے، اس کا موضوع دینی مسائل ہے، آغاز میں مولف نے اپنا پدری ومادری نسب نامہ درج کیا ہے، مولف نے ماہ رمضان میں جن مسائل پر غور کیا ان کو بصورت مکالمہ یعنی ''سوال نفس'' اور ''جواب عقل'' یکجا کر دیا ہے، ان سولات کی تعداد ۲۸ رہے، یہ رسالہ ۱۲۸۹ھ کو مکمل ہوا، طبع ہو چکا ہے۔

۸۔ ملک اختر

یہ واجد علی شاہ کے اردو کلام کا مجموعہ ہے، جا بجا فارسی نثر بھی ہے، نثر میں زیادہ تر نصائح ہیں، یہ رسالہ ۱۲۹۵ھ کو تالیف ہوا اور ۱۲۹۶ھ میں طبع کیا گیا۔

۹۔ ملاذ الکلمات

یہ لغت ہے، اعجاز اختری اس کا تاریخی نام ہے، جس سے ۱۲۹۳ھ اس کا سال تکمیل برآمد ہوتا ہے،

Marfat.com

نامی گرامی شعرائے عصر نے قطعات تاریخ لکھے، طبع ہو چکی ہے، اس میں کئی زبانوں کے متجانس الفاظ بھی یکجا کر دیئے ہیں، ہر لفظ کا تلفظ بھی بتایا گیا ہے، اس کے مختلف معنی لکھ دیئے گئے ہیں، کہیں کہیں سند کے طور پر شعر بھی لکھ دیا ہے، معنی تفصیل سے لکھے ہیں، کتب لغت کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

(سلطان عالم واجد علی شاہ ۱۴۸)

۱۰۔ تاریخ مشغلہ

اس کتاب میں مشغلۃ السلطان نواب آبادی جان بیگم کے نام واجد علی شاہ کے ۲۴ خطوط کا مجموعہ ہے، ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی کو اس کا خطی نسخہ وائنا کے قومی کتب خانے سے دستیاب ہوا، جسے انہوں نے جدید اصول تحقیق کے مطابق ایڈٹ کر کے لاہور سے ۱۹۸۵ء کو شائع کر دیا ہے۔

۱۱۔ دواوین

واجد علی شاہ کے دیوانوں کی تعداد چھ بتائی جاتی ہے، شیوع فیض، قمر مضمون، سخن اشرف، گلدستۂ عاشقان، اختر ملک، نظم، ان میں سے بعض طبع ہو چکے ہیں اور غیر مطبوعہ دواوین کے خطی نسخے بھی دریافت ہو گئے ہیں، کوکب: واجد علی شاہ...... ص ۸۰۔۹۴)

واجد علی شاہ کا تخلص اختر، اس عہد کے شعراء کے تذکروں میں بصراحت ملتا ہے، شعراء اور اہل فن کا قدردان اور مربی تھا، اس سے وابستہ شعراء کی طویل فہرست ہے۔ (سلطان عالم...... ص ۹۷۔۱۰۵)

اس کے شاہی محل میں مشاعرے بکثرت ہوتے تھے، جن میں واجد علی شاہ بڑے شوق سے خود شریک ہوتا تھا، معروف شعراء کو دعوت کلام دی جاتی تھی (ہمانجا ۱۰۵۔۱۱۴)، چند معروف شعراء میں سے فتح الدولہ برق، مہتاب الدولہ درخشاں، مرزا عیش، گلشن الدولہ بہار، مالک الدولہ صولت، حامد الدولہ برتر، مرزا جہاں قدر نیر، مرزا آسمان جاہ انجم وغیرہ۔ (ہمانجا ص ۱۱۴، ۱۲۹ و بہ بعد)

واجد علی شاہ نے خود اپنے متوسل اہل قلم حضرات کی تعداد سترہ سو اور طبیبوں کی پانچ سو بتائی ہے۔

(حزن اختر ۱۷)

واجد علی شاہ کا رجحان فارسی ادبیات کی طرف زیادہ تھا، عبدالحلیم شرر کا بیان ہے کہ فارسی میں اس کا

Marfat.com

درجہ ابوالفضل سے کچھ ہی کم ہوگا، اس کی زودنویسی اور جدت ذہن کی بھی تعریف کی ہے (جان عالم ۷۸) واجد علی شاہ کے ہاں "حرف بازنان گفتن" کا نام غزل ہے، اس کی شاعری کی محرک عورت تھی، اس نے دیگر اصناف سخن پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ (واجد علی شاہ کی ادبی خدمات ......۵۸۴ وبہ بعد)

واجد علی شاہ اور اس کے اجداد مذہباً شیعہ تھے، انہوں نے شیعیت کے فروغ کے لئے بہت کوشش کی، تعزیہ کے جلوس کو لکھنو میں رواج دے کر اس فرقہ کے افراد کو دوسرے مسلمانوں سے امتیازی حیثیت دی، امام باڑے بکثرت تعمیر کروائے، واجد علی شاہ خود غیر متعصب تھا، اس کا قول ہے کہ میری دو آنکھوں میں سے ایک شیعہ ہے اور دوسری سنی (گذشتہ لکھنو ۷۔۱۷)، صدہا سنی اس فرقے میں شامل ہوئے، اس سے شیعہ سنی اختلافات بہت بڑھ گئے:

(Socio-intelectual History of Isna Ashari Shi'as in India, 2/110,14)-48.....)

مآخذ

۱۔ ادیب، مسعود حسن رضوی: سلطان عالم واجد علی شاہ، لکھنو، ۱۹۷۷ء

۲۔ زائر، کمال الدین حیدر: قیصر التواریخ، ج ۲، لکھنو، ۱۸۹۶ء

۳۔ شرر، عبدالحلیم: جان عالم، لاہور، ۱۹۵۱ء

۴۔ ایضاً: گذشتہ لکھنو، کراچی ۱۹۵۸ء

۵۔ کوکب، قدر سجاد علی میرزا: واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات، دہلی، ۱۹۹۵ء

۶۔ سپرنگر: شاہانِ اودھ کے کتب خانے ترجمہ وتحقیق محمد اکرام چغتائی، کراچی

۷۔ نجم الغنی رام پوری: تاریخ اودھ، لکھنو، ۱۹۱۹ء

۸۔ نظامی، مصطفیٰ حسین: نوابین اودھ اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی، لکھنو، ۱۹۹۵ء

۹۔ محمد عظمت علی کاکوروی: مرقع خسروی (تاریخ اودھ) مرتبہ ذکی کاکوروی، لکھنو، ۱۹۸۶ء

۱۰۔ واجد علی شاہ اختر: تاریخ مشغلہ مرتبہ محمد اکرام چغتائی، لاہور، ۱۹۸۵ء

Marfat.com

۱۱۔ ایضاً: حزن اختر مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنو، ۱۹۷۹ء

12- Barnett, R.B: North India Between Empires (1720-1801), Dehli, 1987.

13- Fisher, M,H: Indirect Rule in India (1764-1858), Delhi, 1991.

14- Lee-Warner, W: Native States of India, London, 1910.

15- Reeves, P.D: Sleeman in Oudh, Cambridge, 1971.

16- Rizvi, S.A.A: Socio-Indellectual History of Isna Ashari, Shi'as in India, Dehli, 1986.

17- Sinha, D.P: British Relations with Oudh (1801-56) Calcutta, 1983.

18- Sleeman, W.H: Fambles and Recollections of an Indian official, London, 1883.

۲۰/نومبر ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

بخت خان، محمد بخش

جنرل بخت خان ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد تھا۔

بخت خانِ روہیلہ (Rohielah) خاندان سے تعلق رکھتا تھا، نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر خان سے سلسلۂ نسب ملتا ہے، اس کا والد عبداللہ خان بھی ایک با اثر افغان تھا، اودھ کے نوابوں سے تعلق داری تھی، سلطان پور (حدود لکھنو) میں رہتا تھا، اس طرح بخت خان کا والدہ کی طرف سے نوابانِ اودھ (Awadh) کے ساتھ اس کا ننھیالی رشتہ استوار ہو گیا۔ (مٹکاف ۱۴۶، غدر کی صبح وشام ۱۶۵)

بخت خان نے خاندانِ تیموریہ کا فرد ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور بہادر شاہ ظفر (۱۷۷۵۔۱۸۶۲ء) سے اس کی تصدیق چاہی تھی۔ (ہمانجا)

بخت خان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے، اس نے ہندوستان کی انگریزی فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور اس طرح اُسے فوجی مہمات کی خوب مشق ہو گئی، بخت خان نے انگریزوں کی فوج میں رہ کر کئی مہمات سر کیں، پہلی افغان جنگ (۱۸۳۸۔۱۸۴۲ء) میں میجر جنرل سر روبرٹ ہنری سیل (Major General Robert Henry Sale) کے ماتحت جلال آباد کے مقام پر اہم خدمات انجام دیں، اس کی توپوں پر بطور اعزاز پھولوں کا تاج بنا ہوا تھا۔ (مٹکاف، ص ۱۳۳۔ ح)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنو کے بعد بخت خان کا زیادہ وقت بریلی (Bareily) میں گذرا، جو روہیل کھنڈ (Rohiel Khand) کا اہم ترین علاقہ تھا اور یہ خطہ روہیلہ افغانوں کی انگریز دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے ممتاز تھا، وہاں کے افغان سردار اور علماء بھی انگریزوں کے دشمن اور ہندوستان کو ان سے پاک کرنے کا عزم رکھتے تھے، یہیں بخت خان کے جو کہ کمپنی کی فوج میں ملازم تھا، خیالات میں تبدیلی واقع ہوئی اور وہ انگریزوں کو غاصب سمجھنے لگا، ۱۸۵۷ء کے آغاز میں وہاں کے علماء مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولوی رحیم اللہ خان نے انگریزوں کے خلاف سخت تقریریں شروع کر دی تھیں، موخر الذکر کی اسی قسم کی ایک

Marfat.com

تقریر جو ۲۵؍مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی کی جامع مسجد میں ہوئی، اس میں بخت خان بھی موجود تھا (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۱۲۱)، نیز مولوی سرفراز علی (شمس العلماء) سے بھی وہ متاثر تھا، انہوں نے بخت خان کے ساتھ مل کر آزادی کی اس جنگ میں اہم کردار ادا کیا (ہمانجا ص ۴۶۰، ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص ۱۶۶)، ان کے علاوہ نواب غوث محمد خان، مولوی امام خان رسالدار اور مولوی عبدالغفار نے بھی بخت خان کے خیالات میں عملی تبدیلی پیدا کی اور وہ انگریزوں کی ملازمت چھوڑ کر ان کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ ہوا (تاریخ عروج انگلسیہ ۲۰۳)، وہابیوں کی اسی صحبت کی وجہ سے بعض اصحاب نے بخت خان کو بھی وہابی لکھا ہے۔

(بہادر شاہ کا مقدمہ ۲۸۲)

بریلی میں آزادی کی اس جنگ کا بہت زور تھا، مئی ۱۸۵۷ء کو مجاہدین نے بخت خان کی قیادت میں اس علاقے سے انگریزوں کی حکومت ختم کر دی اور خان بہادر خان (بن ذوالفقار خان بن حافظ رحمت خان) کو وہاں کا حکمران بنا دیا، جن کے اجداد اس سے قبل وہاں کے حاکم رہ چکے تھے۔

(حیاتِ حافظ رحمت خان ص ۴۲۱، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۲۶)

نواب خان بہادر خان والی بریلی نے بخت خان کو فوج دے کر بہادر شاہ ظفر کے پاس دہلی بھیجا تا کہ دہلی جیسے مرکزی مقام پر مجاہدین کا قبضہ ہو سکے۔ (جنگ آزادی ۱۲۹)

بہادر شاہ ظفر، جو بہت معمر ہو چکا تھا اور انگریزوں کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، چاہتا تھا کہ کوئی مخلص آدمی اس کا ساتھ دے تو وہ اپنی حکومت کو مضبوط کر سکے، چنانچہ بخت خان جب بریلی کے فاتح کی حیثیت سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اُسے اس کام کے لئے بہتر لیڈر سمجھ کر معاہدہ کر لیا اور بخت خان کو، جو ۲؍جولائی ۱۸۵۷ء میں حاضر ہوا تھا، جنرل کا خطاب دیا (جیون لال کا روزنامچہ ۱۵۲) اور اُسے فوج کا سپہ سالار (Commander-in-chief) بنا کر ذمہ داریاں سونپ دیں، اُسے نشانِ امتیاز اور تلوار عنایت کی گئی۔ (Bahadur Shah, ii. p.231)

فوجِ شاہی کی ہزیمت کے بعد بخت خان چاہتا تھا کہ بہادر شاہ ظفر کو اپنی پانچ ہزار فوج کی معیت میں روہیل کھنڈ لے جائے لیکن بادشاہ نے اس کا یہ مشورہ قبول نہ کیا (مکاف ص ۷۰) کیوں کہ بادشاہ الٰہی بخش

Marfat.com

اور حکیم احسن اللہ خان، جو کہ در پردہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے کے زیر اثر تھا اس لئے اس نے بخت خان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔(بہادر شاہ ظفر ۱۲۲)

بخت خان پہلے بریلی اور پھر لکھنو میں رہا، آخر جب لکھنو پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو وہ مولانا احمد اللہ شاہ شہید کے ہمراہ شاہ جہان پور کی طرف چلا گیا (مآثر دلاوری ۱۸۱)، جنگ آزادی کے دوران وہ ایک معمر شخص تھا، گھوڑے پر باسانی سوار نہیں ہوسکتا تھا۔(سین، ص ۸۴)

بعض مولفین کا خیال ہے کہ وہ اپنے قصبہ نواب گنج (Nawwab ganj) میں ۱۸۵۹ء کو شہید ہو گیا (ہمانجا ۳۷۱)، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فقیر کے بھیس میں نیپال کی طرف چلا گیا، جہاں جنگ آزادی کے چند اور رہنما بھی روپوش تھے، تاہم جنگ کے اختتام پر انگریزوں نے اس مجاہد کو تلاش کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔(مکاف ۱۳۳)

مآخذ

۱۔ اسلم پرویز: بہادر شاہ ظفر، دہلی، ۱۹۸۶ء

۲۔ انیس فاطمہ: ۱۸۵۷ء کے ہیرو، علی گڑھ، ۱۹۴۹ء

۳۔ بریلوی، الطاف علی: حیات حافظ رحمت علی خان، کراچی، ۱۹۶۳ء

۴۔ حسن نظامی (مرتب) غدر کی صبح وشام، دہلی، ۱۹۲۶ء

۵۔ ایضاً: دہلی کی جان کنی، دہلی ۱۹۲۵ء

۶۔ ایضاً: بیچارے انگریزوں کی بپتا، دہلی، ۱۹۲۷ء

۷۔ رضوی، خورشید مصطفیٰ: جنگ آزادی اٹھارہ سوستاون، دہلی، ۱۹۵۹ء

۸۔ ذکاء اللہ، منشی: تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ، دہلی، ۱۹۰۴ء

۹۔ زائر، سید محمد میر کمال الدین حیدر: قیصر التواریخ، ج ۲، لکھنو، ۱۸۹۶ء

۱۰۔ صدیقی، عتیق: اٹھارہ سوستاون، اخبار اور دستاویزیں، دہلی، ۱۹۶۶ء

۱۱۔ ظہیر دہلوی: داستانِ غدر، لاہور، ۱۹۵۵ء

Marfat.com

۱۲۔ العلم، کراچی، جنگ آزادی نمبر، کراچی

۱۳۔ قریشی، عبدالرزاق: نوائے آزادی، بمبئی، ۱۹۵۷ء

۱۴۔ قمر النساء: العلامہ فضل حق الخیر آبادی، لاہور، ۱۹۷۹ء

۱۵۔ کنھیا لال: محاربۂ عظیم، کانپور، ۱۸۹۶ء

۱۶۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات)، کراچی، ۱۹۷۶ء

۱۷۔ محمد ابرار حسین فاروقی: مآثر دلاوری (تذکرہ مولانا احمد اللہ شاہ شہید) گوپا مؤ، ۱۹۶۶ء

۱۸۔ مہر، غلام رسول: ۱۸۵۷ء کے مجاہد، لاہور، ۱۹۸۲ء

۱۹۔ نجم الغنی رام پوری: اخبار الصنادید، لکھنو، ۱۹۰۴ء

۲۲۔ نظامی، مصطفیٰ حسین: نوابینِ اودھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی، سیاسی رشتے، لکھنو، ۱۹۵۰ء

21- Bayby, C.A (ed): Peasant Armed (Indian rebellion of 1857), Oxford, 1986.

22- Eedwardes, M: Red year, London, 1980.

23- Kaye, J.W: History of Great Revolt, (rep) Dehli, 1987.

24- Metelafe, C.T: Two Native Narrations of the Mutiny in Delhi, (rep) Lahore, 1979.

25- Mujeeb Ashraf: Muslim Attitudes Arounds British Rule and Western Culture in India, Delhi,

26- Norman, H.W. and Kieth Young: Delhi, 1857, Delhi,

27- Sen,S.N: (ed) Eighteen Fifty Seven, Delhi, 1958.

۱۵/ نومبر ۱۹۹۷ء

(برائے دانشنامۂ شبہ قارہ)

Marfat.com

تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند

جلد چہارم

احوال علماء، مشائخ، مورخین، خطاطین، شعراء، سلاطین اور امراء

تالیف
محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

Marfat.com